



اظہارِ الحق کا اردو ترجمہ اور شرح و تحقیق

مکتبہ نبویؐ دارالعلوم کراچی

www.ahlehaq.org

بائبل
ے

قرآن
مک

باہتمام : محمد قاسم گلگتی
طبع جدید : شعبان المعظم ۱۴۳۱ھ جولائی ۲۰۱۰ء
فون : 5042280 - 5049455
ای میل : mdukhi@cyber.net.pk
mdukhi@gmail.com " "

www.ahlehaq.org

ملنے کے پتے

- ✽ مکتبہ دارالعلوم احاطہ جامعہ دارالعلوم کراچی ✽ ناشر ✽
- ✽ ادارۃ المعارف احاطہ جامعہ دارالعلوم کراچی
- ✽ مکتبہ معارف القرآن احاطہ جامعہ دارالعلوم کراچی
- ✽ ادارہ اسلامیات ۱۹۰ انارکلی لاہور
- ✽ دارالاشاعت اردو بازار کراچی
- ✽ بیت الکتب گلش اقبال نزد اشرف المدارس کراچی

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

بَابُ قَرَأَن

حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی کی شہرہ آفاق تالیف

”اظہار الحق“

کا اردو ترجمہ اور شرح و تحقیق

جلد اول

ترجمہ

مولانا اکبر علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

سابق استاد حدیث دارالعلوم کراچی

شرح و تحقیق

محمد تقی عثمانی

استاذ دارالعلوم کراچی

مکتبہ دارالعلوم کراچی ۱۴

شرح و تحقیق

زیرنگرانی:

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ

زندگی کے بھٹکے ہوئے

قافلوں
کے نام

جنہیں جادۂ منزل کی تلاش ہے

حمد و ثنا

صرف اس ذات بے ہمتا کو سجتی ہے جس نے اس کا رخاۂ عالم کی ہر شے
کو عدم کی اندھیروں سے نکال کر وجود کی جلوہ گاہ میں لاکھڑا کیا، رنگ و بو
کی اس کائنات کا ہر ذرہ پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ وہ ہے ادر ایک ہے۔ ! ۛ
اس آئینہ خانے میں سبھی عکس ہیں تیرے
اس آئینہ خانے میں تو یکتا ہی رہے گا

اور

درود و سلام

اس کے آخری پیغمبرِ چہنوں نے ظلم و جہالت میں بھٹکتی ہوئی انسانیت کو
رشد و ہدایت کا راستہ دکھایا۔ جنہوں نے باطل کی گھٹا ٹوپ تاریکیوں میں
حق کی پُر نور مشعلیں روشن فرمائیں اور دنیا کے ظلمت کدوں میں اُجالا
کر دیا۔ ! ۛ

پھوٹا جو سینہ شبِ تاریک سے
اس نورِ اقلیس کا اُجالا تمہیں تو ہو

فہرست مضامین مقدمہ شارح

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۵۳	عقیدہ تثلیث کے عقلی دلائل	۱۷	پیش لفظ: حضرت لانا بنی محمد شفیع صائمہ علیہم السلام
۵۸	حضرت مسیح کے بارے میں عیسائی عقائد	۲۳	حرف آغاز: محمد تقی عثمانی
۵۹	عقیدہ حلول و تجسم	۳۷	مقدمہ شارح
۶۲	وہ جنہوں نے حضرت مسیح کو خدا ماننے سے انکار کر دیا		عیسائیت پر ایک تحقیقی نظر:
۶۴	پولی سرقت		محمد تقی عثمانی
۶۵	نظوری سرقت		
۶۶	یعقوبی سرقت	۴۱	پہلا باب
۶۶	آخری تادیل	۴۱	عیسائیت کیا ہے؟
۷۵	عقیدہ مسلویت اور نشان صلیب	۴۳	عیسائی مذہب میں خدا کا تصور
۷۱	عقیدہ حیات ثانیہ	۴۴	عقیدہ تثلیث
۷۱	عقیدہ کفارہ اور اس کی اہمیت	۴۴	توحید فی التثلیث
۸۰	اس عقیدہ کے منکر	۴۷	باپ بیٹا اور روح القدس
۸۲	عبادات اور ریتیں	۴۸	تین اور ایک کا اتحاد
۸۳	حمد خوانی	۵۱	مشابہات کی حقیقت

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۰۶	تشلیٹ اور حلول کا عقیدہ کہاں سے آیا!	۸۴	ہیتمہ
۱۰۹	ہارنیک کی تصریحات	۸۵	عشاء ربانی
۱۱۳	حضرت مسیح حواریوں کی نظریں	۸۷	بنی اسرائیل کی تاریخ کا ایک خاکہ
۱۱۶	انجیل یوحنا کی اہمیت	۸۷	تاریخ عیسائیت
۱۳۵	نتائج	۹۰	حضرت عیسیٰ کی تشریف آوری
۱۲۷	عقیدہ کفارہ کی اصلیت	۹۱	دور ابتلاء
۱۳۲	تورات پر عمل کا حکم	۹۲	قسطنطین عظمیٰ
۱۲۷	عشاء ربانی کی اصلیت	۹۳	نسطورین سے گرہجوری تک
۱۳۵	ختنہ کا حکم	۹۴	تائیک زمانہ
۱۳۵	تاریخی شواہد	۹۴	سردن وسطی
۱۳۶	عرب کا سفر	۹۵	نفاق عظیم
۱۳۹	پوتس کے ساتھ حواریوں کا طرز عمل	۹۶	مسیحی جنگیں
۱۴۰	پوتس اور برناباس	۹۷	پاپائیت کی بدعنوانیاں
۱۴۶	یرشلیم کو نسل کی حقیقت	۹۷	اصلاح کی ناکام کوششیں
۱۵۲	گلیتوں کے نام پوتس کا خط	۹۸	عہد اصلاح اور پروٹسٹنٹ فرقہ
۱۵۷	نتائج بحث	۹۹	عقلیت کا زمانہ
۱۵۸	جدائی کے بعد	۱۰۰	تجدد کی تحریک
۱۵۹	انجیل برناباس	۱۰۱	احیاء کی تحریک
۱۶۰	پوتس اور پطرس	۱۰۳	دوسرا باب
۱۶۲	پطرس کے خطوط	۱۰۳	عیسائیت کا بانی کون ہے؟
۱۶۵	پوتس اور یعقوب	۱۰۳	پوتس کا تعارف
۱۶۷	پوتس اور یوحنا	۱۰۶	حضرت عیسیٰ اور پوتس

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۰۰	بیت اللہ میں	۱۶۸	پوٹو اور دوسرے حواری
۲۰۱	قسطنطنیہ کا پہلا سفر	۱۶۹	نتائج بحث
۲۰۲	اخبار الحق کی تصنیف	۱۷۰	پوٹس کے مخالفین
۲۰۳	مدرسہ صولتیہ کا قیام	۱۷۲	آخری زمانے میں
۲۰۵	قسطنطنیہ کا دوسرا سفر		تیسرا باب
۲۰۸	تیسرا سفر	۱۷۹	سوانح حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ
۲۰۹	سماجی خدمات	۱۸۰	مولانا کے آباء و اجداد
۲۱۱	وفات	۱۸۱	ابتدائی حالات
۲۱۲	تصانیف	۱۸۲	تدریس
۲۱۳	اخبار الحق کا تعارف	۱۸۳	گھریلو حالات
۲۱۵	اخبار الحق پر تبصرے	۱۸۴	رہنمائی کی خدمات
۲۱۵	لندن ٹائمز	۱۸۶	فائدہ رسے مناظرہ
۲۱۵	شیخ باچہ جی زاہد	۱۸۶	مناظرے کا پہلا دن
۲۱۶	شیخ جزیری	۱۹۳	مناظرے کا دوسرا دن
۲۱۷	رشید رضا مصری	۱۹۴	جہاز ۱۸۵۷ء
۲۱۷	عمر الدسوقی	۱۹۸	ہجرت
	—————	۱۹۹	جائداد کی ضابطی



فہرست مضامین

”اظہار الحق“

جلد اول

(جو عنوان قوسین میں لکھے گئے ہیں ان سے حاشیہ کی بحثوں کی طرف اشارہ ہے)

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۳۹	علمائے پرڈسٹنٹ کی مسلمانوں پر	۲۱۹	خطبہ کتاب
	بہتان طسرا زیاں،	۲۲۱	پیش لفظ مصنف
۲۴۳	میزان الحق کے اقوال		مترجمہ
۲۴۱	حل الاشکال کے اقوال	۲۲۴	کتاب سے متعلق چند باتیں
۲۸۱	عیسائی علماء کی دوسری عادت		کتاب کے اہم مآخذ
۲۹۰	تیسری عادت اور اس کے شواہد	۲۲۹	عیسائی لٹریچر میں مخالف کے لئے نازیبا
۲۹۹	علی بن حسین راقد کا ایک واقعہ	—	العناظہ
۲۹۹	بسم اللہ سے شلیٹ پر استدلال اور اس کا جواب	۲۳۲	
۳۰۲	کچھ کتاب کے حوالوں کے بارے میں	۲۳۸	یورپی ملحدین کے اقوال نقل کرنے کی وجہ

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۳۳۵	بنی اسرائیل کی مردم شماری میں غلطی		پہلا باب
۳۳۹	کتابِ ایشورع کی اصلیت	۳۰۳	بائبل کیا ہے؟
۳۴۴	کتابِ قضاۃ کی حیثیت		پہلی فصل
۳۴۴	کتابِ روت کا مال		عہدِ قدیم و جدید
۳۴۵	کتابِ نحمیاہ کا حال	۳۰۵	عہدِ قدیم کی پہلی قسم یعنی متفقہ کتابیں
۳۴۵	کتابِ ایوب	۳۰۶	(ان کتابوں کا مختصر تعارف)
۳۴۶	کتابِ زبور	۳۰۶	عہدِ عتیق کی دوسری قسم (اختلافی کتابیں)
۳۴۹	امثال سلیمان	۳۱۴	عہدِ جدید کی متفقہ کتابیں
۳۵۲	کتابِ داود	۳۱۵	(ان کتابوں کا مختصر تعارف)
۳۵۳	عزرا و نحمیاہ	۳۱۶	عہدِ جدید کی دوسری قسم (اختلافی کتابیں)
۳۵۳	کتابِ دانی ایل	۳۱۸	کتابوں کی تحقیق کے لئے عیسائی علماء
۳۵۴	کتابِ آستر	۳۱۹	کی مجلسیں
۳۵۴	کتابِ یرمیاہ		اسلاف کے فیصلوں سے پروٹسٹنٹ
۳۵۵	کتابِ اشعیاہ	۳۲۱	فرقہ کی بغاوت
۳۵۶	اناجیلِ اربعہ کی اصلیت		ان کتابوں میں کوئی مستند نہیں
۳۵۶	انجیلِ متی، لوقا و مرقس	۳۲۳	موجودہ تورات حضرت موسیٰ کی نہیں
۳۵۸	انجیلِ یوحنا مستند نہیں	۳۲۵	اس کے دس دلائل
۳۶۳	خطوط و مشاہدات		

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۳۸۳	اختلاف نمبر ۳ اور تحریف کا مشورہ	۳۷۱	کتب مقدسہ کی حیثیت تو ان میں د
۳۸۴	بعشا کا یہود آہ پر حملہ، اختلاف نمبر ۳۸		انتظامات کی سی ہے،
۳۸۵	حضرت سلیمان کے منصب دار، اختلاف نمبر ۳۸		دو ٹہری فصل
۳۸۶	دو ہزار بت یا تین ہزار بت کے؟ اختلاف نمبر ۳۸	۳۷۳	بائبل ختلافات لبریز،
۳۸۷	بائبل کی قید سے رہا ہونے والے، اختلاف نمبر ۳۸		تین اختلافات
۳۸۸	ابیہ کی ماں کون تھی؟ اختلاف نمبر ۳۸	۳۷۴	چوتھا اختلاف، اور آدم کا رک کا اعتراف
۳۸۹	اللہ یا شیطان؟ اختلاف نمبر ۳۵	۳۷۵	بائیں برس یا بایا لیں برس؟ اختلاف نمبر ۳۵
۳۹۰	حضرت مسیح کے نسب میں شدید اختلاف	۳۷۶	آٹھ یا اٹھارہ؟ اختلاف نمبر ۸
۳۹۸	ولادت مسیح کے بعد، اختلاف نمبر ۵۳		لو اں اختلاف اور عیسائی علماء کا اعتراف
۳۹۹	انجیل مشیٰ لوقا کے زمانہ میں مشہور نہ تھی	۳۷۸	کیا مصریوں کے سب چرپائے مرگے تھے؟ اختلاف نمبر ۱۳
۳۹۹	کیا ہیرودیس حضرت مسیح کا دشمن تھا؟		حضرت نوح کی کشتی کب ٹھہری؟
	بائبل کی رد سے حضرت عیسیٰ مسیح موعود ثابت نہیں ہوتے،	۳۷۹	اختلاف نمبر ۱۴
۴۰۲	ایلیا کون تھا؟ اختلاف نمبر ۵		سموئیل اور تواریخ کا شدید اختلاف
۴۰۱	لڑکی کو زندہ کیا یا شفا دی؟ اختلاف نمبر ۵	۳۸۰	چالیس ہزار یا چار ہزار؟ اختلاف نمبر ۳۳
۴۱۲	حضرت یحییٰ نے حضرت عیسیٰ کو کب پہچانا؟ اختلاف نمبر ۸	۳۸۱	لٹو، بیل یا لکڑیاں؟ اختلاف نمبر ۳۳
		۳۸۲	بیں پا پھیں؟ اختلاف نمبر ۳۶
		۴۸۳	

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۴۳۴	بارہ حواریوں کے نام، اختلاف نمبر ۱۰۶	۴۱۴	حضرت عیسیٰ نے کتنوں کو شفاء دی؟
۴۳۵	اعظم الحواریین یا شیطان؟ اختلاف نمبر ۱۰۸	۴۱۵	اختلاف نمبر ۸۱
۴۴۰	سر پطرواٹے کا واقعہ، اختلاف نمبر ۱۱۴	۴۱۶	پیدلس کا انکار، اختلاف نمبر ۸۴
۴۴۲	عشائے ربانی کا واقعہ، اختلاف نمبر ۱۱۵	۴۲۱	مردوں کو زندہ کرنا، اختلاف نمبر ۸۹
	(عید فح اور عشاء ربانی)	۴۲۴	حضرت عیسیٰ کی حیات ثانیہ، اختلاف نمبر ۹۱
۴۴۶	صومیدار کے غلام کو شفاء دینا،	۴۲۵	ایک شخص دوسرے کا گناہ اٹھائے گا؟
	اختلاف نمبر ۱۱۸		اختلاف نمبر ۹۲
۴۴۶	تجلی کا واقعہ، اختلاف نمبر ۱۱۹	۴۲۶	پولس کے عیدانی ہونے کا واقعہ
۴۴۷	پاکل گونگے کا واقعہ، اختلاف نمبر ۱۲۰		اختلاف نمبر ۹۴
۴۴۸	حضرت عیسیٰ کی پکار، اختلاف نمبر ۱۲۲	۴۲۹	حضرت یوسفؑ کے خاندان کی تعداد
	تیسری فصل		اختلاف نمبر ۹۸
۴۵۰	بائبل کی غلطیاں	۴۲۹	امن سلامتی یا جنگ پیکار؟ اختلاف نمبر ۹۹
		۴۳۰	یہوداہ اسکر لوتی کی موت، اختلاف نمبر ۱۰۱
۴۵۱	بیت المقدس کے سامنے کوٹھڑی کی	۴۳۲	کفارہ کون؟ اختلاف نمبر ۱۰۱
	او خپائی، غلطی نمبر ۸	۴۳۳	صنیب پر لٹکائے ہوئے اعلان کی مبارک
۴۵۲	بنی بنیامین کی سرحدیں، غلطی نمبر ۹		اختلاف نمبر ۱۰۴
۴۵۳	چودھویں غلطی، اور کھلی تحریف	۴۳۴	حضرت یحییٰ کی گرفتاری کا سبب
۴۵۴	یہو یقیم تہودا یا مقتول؟ غلطی نمبر ۱۰		اختلاف نمبر ۱۰۵

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۵۰۰	سولی کے وقت زمین کی حالت، غلطی نمبر ۵۹	۴۵۷	افرائیم پر شاہ اسوزہ کا حملہ، غلطی نمبر ۲۲
۵۰۳	حضرت عیسیٰ کی حیات ثانیہ، غلطی نمبر ۶۰	۴۵۸	حضرت آدم کو درخت کی ممانعت، غلطی نمبر ۲۳
۵۰۵	نزول عیسیٰ کی پیشگوئی، غلطی نمبر ۶۳		
۵۱۴	بارہ حواری نجات یافتہ؟ غلطی نمبر ۸۲	۴۵۹	یہودیوں کی جلا وطنی، غلطی نمبر ۲۶
"	آسمان کا کھلنا اور رشتوں کا نزول، غلطی نمبر ۸۳	۴۶۳	صور کی تباہی کی غلط پیشگوئی، غلطی نمبر ۲۹
۵۱۵	کیا حضرت مسیح کے سوا کوئی آسمان پر نہیں گیا؟	۴۶۵	ایک اور غلط پیشگوئی، غلطی نمبر ۳۰
"	عیسائیوں کی کرامتیں، غلطی نمبر ۸۵	۴۷۱	کتاب دانیال کی غلط پیشگوئی، غلطی نمبر ۳۲
۵۱۷	شیطان کو تھر پر غالب آگیا، غلطی نمبر ۸۶	۴۷۵	بنی اسرائیل کو محفوظ رکھنے کا وعدہ، غلطی نمبر ۳۳
۵۱۸	کانون کی شرارت اور اس کا انجام، غلطی نمبر ۸۷	۴۷۶	حضرت داؤد کی نسل میں سلطنت، غلطی نمبر ۳۴
۵۲۱	ولادت مسیح سے پہلے مردم شماری، غلطی نمبر ۸۸	۴۸۱	کوئے یاعوب؟ غلطی نمبر ۳۶
۵۲۳	حضرت داؤد کا نذر کی روٹیاں کھانا، غلطی نمبر ۹۲	۴۸۳	ہیکل سلیمانی کی تعمیر، غلطی نمبر ۳۷
		۴۸۴	حضرت مسیح کا نسب نامہ، غلطی نمبر ۳۸
۵۲۵	حواری غلطی نہیں کر سکتے، غلطی نمبر ۹۸	۴۸۵	نسب نامے کی چار غلطیاں
۵۲۸	دیوانے کو شفا دینے کا واقعہ، غلطی نمبر ۱۰۵	"	(کھلی تحریف)
۵۳۰	شاگرد استاد سے نہیں بڑھ سکتا، غلطی نمبر ۱۰۷	۴۹۱	حضرت شعیار کی پیشگوئی اور لفظ "علمہ" کی تحقیق، غلطی نمبر ۵۰
"	ماں باپ کی عزت یا دشمنی؟ غلطی نمبر ۱۰۸	۴۹۸	حضرت یحییٰ کی تشریف آوری، غلطی نمبر ۵۵
		۴۹۹	ہیرودیا کا شوہر، غلطی نمبر ۵۶

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۵۵۵	کلی می شیس کا اعتراف		جوتھی فصل
۵۵۵	پتلی کا اعتراف		
۵۶۳	ایکبارن اور جرمنی علماء کا اعتراف	۵۳۷	بائبل الہامی نہیں ہے!
۵۷۲	بائبل کے بارے میں مسلمانوں کے عقائد	۵۳۸	اختلافات کی کثرت
۵۸۰	امام رازی کا قول		اعتلاط کی کثرت
۵۸۰	امام قسطلانی کا ارشاد		تحریفات کی کثرت
۵۸۲	علامہ مسترین کی رائے		عیسائیوں کا اعتراف
۵۸۲	صاحب کشف الظنون	۵۴۰	ہمورن کا اعتراف
	(مرقیونی اور مانوی فرقے)	۵۴۲	انگریز کا اعتراف
۵۸۶	درد مغالطے اور ان کا جواب		انسائیکلو پیڈیا کا اعتراف
۵۹۰	کلیمنس کے خط کی عبارت	۵۴۳	رہس کی تحقیق
۵۹۸	اگناشس کے خطوط اور ان کی حقیقت	۵۴۶	واٹسن کا قول
۶۰۸	انجیل مرقس پطرس کے بعد لکھی گئی	۵۴۹	باسوبرتیا فان کا اعتراف
۶۱۰	پطرس نے انجیل لوقا کو نہیں دیکھا	۵۵۱	تورات کے بارے میں عیسائیوں کا اعتراف
		۵۵۳	یعقوب کا خط اور مکاشفہ یوحنا

کچھ حوالوں سے متعلق

- (۱) مقدمہ اور حواشی میں بائبل کی کتابوں کا حوالہ اس طرح دیا گیا ہے کہ پہلے باب کا نمبر درج ہو اور اس کے سامنے آیات کا، مثلاً استثناء ۵: ۱۳ کا مطلب کتاب استثناء کے پنجویں باب کی تیسری آیت، اسی طرح ۱۱: ۵ کا مطلب بھی یہی ہوگا۔
- (۲) حواشی یا مقدمے میں جہاں کہیں اس کتاب کی جلد دوم یا سوم کے صفحات کا حوالہ دیا گیا ہے اس میں سلسلہ وار صفحات کے نمبر مراد ہیں جو دوسری اور تیسری جلد میں صفحے کے نیچے ڈالے گئے ہیں۔
- (۳) تیسری جلد کے آخر میں پوری کتاب کا مختل اشاریہ (INDEX) شامل ہے، اور جن ناموں کا تعارف حواشی میں کرایا گیا ہے ان کے ساتھ متعلقہ صفحہ کے ادرت کی علامت بنادی گئی ہے، لہذا اگر کتاب میں کسی جگہ کسی نام کا تعارف ماضی پر نہ ملے تو اشاریہ کی طرف رجوع فرمائیں، ہو سکتا ہے کہ اس کا تعارف دوسری جگہ کرایا گیا ہو۔
- (۴) تیسری جلد میں اشاریہ کے علاوہ اُن اصطلاحات کی بھی مختل فہرست دیدی گئی ہے جن کی تشریح مقدمے یا حواشی میں موجود ہے، لہذا اگر کتاب میں استعمال ہونیوالی کسی اصطلاح کی تعریف دیکھنی ہو تو اس فہرست کی طرف رجوع فرمائیے۔
- (۵) بائبل کے جن نسخوں کا حوالہ دیا گیا ہے اُن کی تفصیل حروف آغاز میں دیکھئے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

پیش لفظ

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب، صدر دارالعلوم کراچی

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَكَفَى وَسَلَامٌ عَلَى عِبَادِ الَّذِينَ نَاصَطَفَ

چند سالوں سے عالم اسلام ایک بار پھر عیسائی مشنریوں کا خاص ہدف بنا ہوا ہے، جس طور سے پاک ہند کے علاقے میں ان کی سرگرمیاں روز بروز بڑھتی جاتی ہیں، گاؤں گاؤں اور شہر شہر میں اُن کا گمراہ کن لٹریچر بڑے شد و مد کے ساتھ پھیل رہا ہے، رومن کیتھولک چرچ نے اپنی ۱۹۵۴-۵۶ء کی رپورٹ میں لکھا ہے کہ:

”مسلمانوں کو عیسائی بنانے میں سب سے زیادہ شاندار کامیابی پاکستان میں حاصل ہوئی ہے۔“
اس کے بعد سے ہمارے یہاں عیسائی مشنریوں کی جراتیں اس حد تک بڑھ گئی ہیں کہ وہ صرف اپنے مذہب کی تبلیغ پر اکتفا نہیں کرتیں، بلکہ رسالتِ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی اور قرآن اور اسلام کے خلاف تمسخر آمیز گھنادرے کلمات استعمال کرنے سے بھی نہیں بچ سکتیں۔۔۔
کلیساؤں سے زیادہ ان کے مشنری اسکول اور مشنری ہسپتال اس کام کے لئے وقف ہیں،
اگر مسلمان عیسائی مذہب کی اصل حقیقت سے واقف ہوتے تو یہ صبر و تحمل حال چہندہاں تشویشناک نہ تھی، عیسائی حضرات کو خود بخود یہ معلوم ہو جاتا کہ شیشے کے مکان میں بیٹھ کر دوسروں پر پتھر بڑھانے کا انجام کیا ہوتا ہے؟ لیکن افسوس یہ ہے کہ ہمارے نہ صرف عوام بلکہ تعلیم یافتہ حضرات بھی اسلام اور عیسائیت دونوں کی تعلیمات سے بڑی حد تک بے خبر ہیں، اور عیسائی

حضرات کی طرف جو باتیں پیش کی جاتی ہیں وہ ان کی حقیقت سے ناواقف رہتے ہیں۔
 ان حالات میں اس بات کی ضرورت عرصے سے محسوس کی جا رہی تھی کہ عیسائیت کے بارے میں
 ایسا لٹریچر زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچایا جائے جو عیسائی مذہب کے صحیح فہم و خیال سے لوگوں کو واقف
 کر سکے اور جس کے ذریعہ ایک حقیقت پسند انسان اسلام اور عیسائیت کا منصفانہ موازنہ کر کے اپنی
 راہ عمل علیٰ وجہ البصیرہ متعین کر سکے، لِيَعْلَمَنَّ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيْتِنَا وَيَجْئِي مَنْ حَيَّ عَنْ بَيْتِنَا؛

آج سے کم و بیش تو سال پہلے بھی ہندوستان پر عیسائی مشنریوں کا طوفان مسلط ہوا تھا، اُس
 وقت یہ فتنہ آج سے کہیں زیادہ شدید تھا، اور اس کو توپ اور بندوق کی پشت پناہی بھی حاصل تھی،
 اُس زمانے میں اللہ تعالیٰ نے اس فتنے کی مقادمت کے لئے علما و حق کی ایک بڑی جماعت کو کھڑا کر دیا تھا
 جس نے اپنی جان پر کھیل کر اس فتنے کا مقابلہ کیا، اور دلیل و حجت کے ہر میدان میں عیسائیت کو شکست
 فاش دیکر یہ ثابت کر دیا کہ اسلام اور علما اسلام وقت کے ہر چیلنج کو قبول کرنے کے لئے ہمہ وقت تیار رہتے ہیں،
 ان علمائے حق میں سے حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی (متوفی ۱۳۰۸ھ) جناب ڈاکٹر
 وزیر خان صاحب مرحوم، مولانا سید آل حسن (متوفی ۱۳۱۶ھ)، حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر کی
 (متوفی ۱۳۱۶ھ)، حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی (متوفی ۱۳۱۹ھ)، مولانا شرف الحق صاحب
 صدیقی (متوفی ۱۳۵۴ھ)، مولانا محمد علی صاحب موہمیری (متوفی ۱۳۶۳ھ)، مولانا سید امیر حسن،
 مولانا سید عبدالباری صاحب (متوفی ۱۳۶۳ھ)، مولانا سید ابوالمنصور ناصر علی صاحب (متوفی ۱۳۶۰ھ)
 کے اسمائے گرامی بطور خاص قابل ذکر ہیں،

اردو کے مشہور شاعر جناب سید الطاف حسین صاحب حالی ان حالات کا تذکرہ اس طرح کرتے ہیں:-

ہندوستان میں اسلام خردوں میں گھرا ہوا تھا، ایک طرف مشنری گھمات میں لگے ہوئے تھے، اگرچہ
 قحط کے دوران میں ان کو دبا پکا شکار پیٹ بھرا دمل جاتا تھا، مگر وہ اس پر قانع نہ تھے، اور ہمیشہ
 صید فربہ کی تلاش میں رہتے تھے، ہندوستان میں سب زیادہ دانت ان کا مسلمانوں پر تھا،
 اس لئے اُن کے منادیوں میں اُن کے اخبار دہ اور اُن کے رسالوں میں زیادہ تر بوجھار اسلام

پر ہوتی تھی، اسلام کی تعلیم کی طرح طرح سے برائیاں ظاہر کرتے تھے، بانی اسلام کے اخلاق و عادات پر انواع و اقسام کی نکتہ چیں کرتے تھے، چنانچہ ہیئت مسلمان کچھ نادانیت اور بے علمی کے سبب اور اکثر انلاس کے سبب ان کے دام میں آگئے، اس خطرہ سے بلاشبہ ملاتے اسلام (شکرا اللہ معا عیہم) جیسے مولانا آل حسن، مولانا رحمت اللہ مرحوم اور ڈاکٹر ذریعہ خاں وغیرہ متنبہ تھے، انہوں نے متعدد کتابیں لکھیں اور ان سے بالمشافہ مناظرے کئے، جس سے یقیناً مسلمانوں کو ہیئت فائدہ پہنچا۔

(بحوالہ فرنگیوں کا جال ص ۱۲۲)

ان حضرات نے بغیر کسی ظاہری امداد کے اپنے آپ کو اس کام کے لئے وقف کیا ہوا تھا، اور حکومت کی نگاہوں میں کانٹوں کی طرح کھٹکنے کے باوجود اپنی انتھک کادشوں سے ہندوستان کے طول و عرض میں عیسائی مشنریوں کا مقابلہ کرنے کے لئے سرفروش علماء کی ایک بڑی جماعت پیدا کر لی تھی، جو ہر علاقہ میں عیسائی پادریوں کی راہ میں موثر رکاوٹ بنے ہوئے تھے، اس بات کا اندازہ خود عیسائی حضرات کی بعض تحریروں سے ہوتا ہے، پادری فریخ انچاچ ضلع ملتان لکھتے ہیں:

”ملتان کے ملا، سید اور مخدوم سب اس بات کے لئے کوشش کرتے تھے کہ خدا کی روشنی (۱) کو داخل نہ ہونے دیں، یہ دو مشہور شخصوں یعنی مولوی رحمت اللہ اور ڈاکٹر ذریعہ خاں کا جنہوں نے اسلام کا طرفدار ہو کر ڈاکٹر فائز سے مباحثہ کیا تھا، دست تھاء (۲) صلیب کے ملبردار، ص ۵۳)

دہلی مشنری کے انچاچ مسٹر لیفرائے کی رپورٹ میں ہے:

”ایک دفعہ وہ سہ پہر کے وقت بازار میں منادی کے لئے گیا، اور رات ہو گئی، کیونکہ بحث چھڑ گئی، ایک مسلمان مولوی (مولانا شرف الحق) نے بائبل کے اختلاف بیان پر اعتراض کیا، اور حوالے ڈھونڈنے لگا، بازاری لیمپ کی روشنی نہایت مدد مہم تھی، کہنے لگا روشنی کم ہو، دکھائی نہیں دیتا لیفرائے نے کہا کہ اگر یہاں روشنی کم ہے تو کیوں ایسی جگہ بحث نہیں کرتے جہاں روشنی کا انتظام ہو سکے، اس پر یہ فیصلہ ہوا کہ مسجد کے اندر بحث ہو، یوں لیفرائے... مسجدوں کے اندر جا کر انجیل کی بشارت دینے لگا، بازاری منادی میں اب لیفرائے کی سخت مخالفت ہوئی، بالخصوص ایک نابینا مولوی لیفرائے کا پیچھا نہ چھوڑتا۔“

(صلیب کے ملبردار، بحوالہ فرنگیوں کا جال، ص ۱۲۳)

پشاور کے علماء کی جدوجہد کا حال عیسائی اس طرح بیان کرتے ہیں:

”مسلمان ملا ہر وقت اس کو پیشکش میں رہتے کہ کسی نہ کسی طرح بازاری منادشی ہو، یہاں پتیل
آتا وہاں ملتا نے آنا شروع کر دیا، اور اسلام پر دغظ کرنا شروع کر دیا، پتیل کو اس طرح دق
کرتے“ (صلیب کے علمبردار بحوالہ مذکور)

اس کے علاوہ راجھی، پٹنہ، بنارس، پنم کٹھ، جکیر گہ، شعلہ پور، احمد نگر، حیدر آباد دکن، غرض
جہاں جہاں عیسائی مشنریاں زور پکڑتیں علماء کی یہ مقدس جماعت ہر ممکن طریقے سے ان کی مدافعت
کرتیں، زبانی تقریروں اور مباحثوں کے علاوہ تصنیف و تالیف کے میدان میں بھی ان حضرات نے
گراں قدر یادگاریں چھوڑیں، ردِ عیسائیت ہی کو اپنا اصل موضوع بنا کر بہت سے اخبارات اور
رسائل جاری کئے گئے، مغربی اقتدار کے بعد ہفت روزہ ”اردو اخبار“ (دہلی، ۱۸۳۲ء) اسی مقصد کے تحت
جاری ہوا تھا کہ انگریزوں اور عیسائی مشنریوں کی اصل حقیقت کو واضح گمان کرے، اور اسی جرم کی
کی سزا میں اس کے اڈیٹر مولانا باقتدر علی صاحب کو پھانسی دے کر شہید کیا گیا، رحمہ اللہ رحمتہ واسعہ
اس اخبار کے علاوہ ”سید الاخبار“ (دہلی، ۱۸۳۸ء)، ”سراج الاخبار“ (دہلی، ۱۸۳۹ء)،
”قطب الاخبار“ (آگرہ)، ”نور علی نور“ (لدھیانہ)، ”امین الاخبار“ (الہ آباد)، ”پنجابی اخبار“ (لاہور)،
”رہبر سبند“ (لاہور)، ”ناصر الاخبار“ (دہلی)، ”ہمدرد خشاں“ (لکھنؤ)، ”المستنصر“ (دہلی)، ”حبل متین“
(کولکتہ)، ”نور الاسلام“ (سیالکوٹ)، ۱۸۹۷ء، ”منشور محمدی“ (بنگلور)، ۱۸۹۷ء، بطور خاص قابل ذکر
ہیں، نیز ماہنامہ ”حسن“ (حیدر آباد دکن)، ۱۸۹۹ء، اور ”خیر المواعظ“ (دہلی، ۱۸۹۹ء) وغیرہ
رسالوں نے بھی اس خدمت میں نمایاں حصہ لیا،

ان حضرات نے عیسائیت کے موضوع پر جو علمی و روشنی اپنی تصانیف کی شکل میں چھوڑا ہے
وہ بلاشبہ ہمارا گراں قدر سرمایہ ہے، اور اگر ہم اس کی ٹھیک ٹھیک حفاظت کر سکیں، تو عیسائی مذہب
کے مقابلے کے لئے مزید کسی چیز کی ضرورت نہیں رہتی، لیکن موجودہ زمانے میں اس گراں قدر
سرمایہ سے کما حقہ فائدہ اٹھانا عام مسلمانوں کے لئے چند در چند وجوہ کی بناء پر مشکل ہو گیا ہے،
تو ان میں سے بیشتر کتابیں اب بالکل نایاب ہو چکی ہیں، اور کسی قیمت پر نہیں ملتیں،

پھر اُن میں سے بہت سی کتابیں فارسی میں لکھی گئی ہیں، جو اُس وقت کی سرکاری زبان تھی، اور بعض کتابیں عربی میں بھی ہیں، مگر جو کتابیں اردو میں ہیں وہ بھی سو سال پہلے کی زبان میں لکھی گئی ہیں، جب کہ اردو اپنے عہد طفولیت میں تھی،

عیسائیت کے بڑے ہوتے ہوئے فتنے کے پیش نظر کئی بار یہ خیال آیا کہ ان میں سے بعض کتابوں کو بعینہ یا ترجمہ کر کے شائع کیا جائے، جب انتخاب کا مرحلہ آیا تو ”انوار الحق“ سے زیادہ موزوں کوئی کتاب نظر نہ آئی، حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ کی یہ عربی تصنیف اُن کی تمام عمر کی محنت اور کاوش کا پھوٹ ہے، اور بلاشبہ عیسائی مذہب پر سب سے زیادہ جامع، مستحکم، مدلل اور مبسوط کتاب ہے۔ دنیا کی چھ زبانوں میں اس کے ترجمے ہوئے اور اس نے پوری علمی دنیا سے زبردست خراج تحسین وصول کیا، اپنے اکابر کو بھی ہمیشہ اس کتاب کی تعریف میں رطبُ الانسان پایا،

چنانچہ اللہ کے نام پر اپنے دارالعلوم کے ایک محترم استاذ جناب مولانا اکبر علی صاحب اس کتاب کا ترجمہ کرنے کے لئے مقرر کیا گیا، موصوف نے مختصر مدت میں ترجمہ مکمل کر دیا، لیکن اس کے دیکھنے پر معلوم ہوا کہ اس کتاب کا صرف ترجمہ کافی نہیں، اس کتاب میں جن انجیلوں اور عیسائی مذہب کی کتابوں کے حوالے ہیں اور جن شخصیتوں کا ذکر ہے اُن حوالوں کی تحقیق و تنقید موجودہ زمانے کی انجیلوں اور کتابوں سے، اور شخصیتوں کا کچھ تعارف کرنا ضروری ہے، اس کے بغیر اس کتاب کی افادیت بہت قہص رہے گی، اور اس کام کے لئے انگریزی کتابوں سے مدد لینا گزیرا مرتھا،

اپنے دارالعلوم کے فضلاء میں برخوردار مولوی محمد تقی سلمہ مدرس دارالعلوم کراچی کو اشارہ اللہ انگریزی زبان میں بھی کافی مہارت حاصل ہے، اس لئے اب یہ کام ان کے سپرد کیا گیا، موصوف نے بڑی محنت کاوش سے عیسائی لٹریچر کا گہرا مطالعہ کیا، اردو، فارسی، عربی، انگریزی زبانوں میں اس موضوع پر جو مواد فراہم ہو سکا اس کے ذریعہ اس کتاب کی تحقیق و تعلیق (ایڈٹ) کا کام بھجوا دیا، اللہ بڑی خوبی کے ساتھ انجام دیا،

انہوں نے تقریباً چار سال کی عرق ریزی کے بعد صرف اس کی ترتیب تہذیب ہی نہیں کی، بلکہ اس پر تحقیقی حواشی کا اضافہ کر کے کتاب کی افادیت بہت بڑھادی، بائبل کی عبارتوں کی تخریج کر کے نسخوں کے اختلاف اور تازہ ترین تحریفات کو جمع کر دیا، عیسائی اصطلاحات اور شاہسیر کا تعارف لکھ دیا، بہت سے ناخذ کی مراجعت کر کے ان کے مکمل حوالے دیدیئے، اور عصر حاضر میں عیسائی مذہب سے متعلق جو نئی تحقیقات ہوئی ہیں اُن کی اہمیت بھی اشارے کر دیئے،

اس کے علاوہ شروع میں ایک مبسوط مقدمہ لکھ دیا، جو عیسائیت کے موضوع پر ایک مستقل تصنیف ہے، اور اس میں عیسائیت کے مکمل تعارف کے علاوہ اس مذہب کے بانی کے بارے میں جو تحقیقی بحث چھوڑی گئی ہے، وہ ایک فیصلہ کن حیثیت رکھتی ہے، امید ہے کہ صرف اس کو پڑھ کر بھی عیسائی مذہب کی اصل حقیقت سامنے آسکے گی، اس طرح یہ کتاب احقر کے نزدیک عیسائی مذہب کے بارے میں بالکل کافی دانی ہو گئی ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے نافع اور لوگوں کے لئے ذریعہ ہدایت بنا۔ آمین

اس کتاب میں عیسائیت کے مختلف پہلوؤں پر قابل قدر مواد کا جو ذخیرہ جمع ہو گیا ہے، اب ضرورت اس بات کی ہے کہ اس کی مدد سے چھوٹے چھوٹے رسائل عام فہم زبان و اسلوب اور عمدہ کتابت و طباعت کے ساتھ تیار کئے جائیں، کیونکہ جن حلقوں کو عیسائی مشنریوں نے اپنا خاص ہدف بنایا ہوا ہے، ان کے لئے اس ضخیم کتاب کا مطالعہ بہت مشکل ہے، ان کے لئے ابتداءً وہ مختصر رسالے ہی مفید ہو سکتے ہیں، جو عام فہم بھی ہوں، اور جنہیں وہ مختصر وقت میں پڑھ بھی سکیں، زیر نظر کتاب کا مقصد عوام سے زیادہ اہل علم و فکر حضرات کو عیسائیت کی ٹھوس معلومات ہتیا کرنا ہے، تاکہ وہ جب ردِ عیسائیت کا کوئی کام کریں تو اس مذہب کے علی وجہ البصیرۃ واقف ہوں، لہذا اب ہمارے اہل علم پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ وہ وقت کی اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے آگے بڑھیں، اور دین حق کی خدمت کی سعادت حاصل کریں، — واللہ المستعان علیہ للکمال۔

بندہ محمد شفیع عسکری

۸ محرم ۱۳۸۸ھ



حرف آغاز

الحمد للہ! آج کتنے بڑے فریضے سے سسکدوش ہو رہا ہوں، اس کتاب کو قارئین کی خدمت میں پیش کرتے وقت میرا ہر رونگٹا بارگاہِ الہی میں سجدہ ریز ہے،

انہار الحق بلاشبہ ان کتابوں میں سے ہے جو صدیوں تک انسانیت کی رہنمائی کرتی ہیں اور جن سے علم و تحقیق کی دنیا میں نئی راہیں کھلتی ہیں، اللہ تعالیٰ حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیدرانویؒ پر اپنے فضل و رحمت کی بارشیں برسائے، یہ کتاب لکھ کر انھوں نے پوری امتِ اسلامیہ کو سر بلند کر دیا، اور زندگی کے بھٹکے ہوئے قافلوں کو حق و صواب کی منزل کا وہ راستہ دکھلا گئے جس سے رُگردانی کی جرأت سوائے اس کے کوئی نہیں کر سکتا جسے بھٹکنے ہی میں مزا آتا ہو۔

عام طور سے ذہنوں میں تاثر یہ ہے کہ دینی علوم و فنون کے جس میدان میں ہمارے متقدمین جادہ پایا ہو گئے ہیں، بعد میں آنے والے تحقیق و تفتیش کے بارے ان کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکے، یہ تاثر اپنی جگہ بالکل درست ہے، لیکن حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیدرانویؒ

نے ”اخبار الحق“ تصنیف فرما کر اس کلمے میں استثناء پیدا کیا ہے، ”عیسائیت“ وہ موضوع ہے جس پر ان سے پہلے بہت سے علماء نے لکھا، متقدمین کی بہت سی جامع کتابیں اس موضوع پر موجود ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اظہار الحق ان سب پر بھاری ہے،

راقم الحروف نے عیسائیت کے موضوع پر علامہ ابن حزمؒ، علامہ عبدالکریم شہستانیؒ اور علامہ ابن قیم جوزیؒ کی تصانیف پڑھی ہیں، امام رازیؒ اور علامہ سترطبیؒ کی تحریروں کا مطالعہ کرنے کا بھی موقع ملا ہے، لیکن ”اظہار الحق“ کو دیکھ کر بے ساختہ زبان پر یہ مصرعہ آ جاتا ہے

کم ترک الاثر الاخر

اس مسرکہ الآراء کتاب نے علمی دنیا میں بلاشبہ ایک بلند مقام حاصل کیا، ترکی، فرانسیسی، انگریزی اور گجراتی میں اس کے ترجمے بار بار شائع ہوئے، اور انہیں ہاتھوں ہاتھ پیا گیا، لیکن ابھی تک اردو کا دامن اس دقیق علمی سرمایہ سے خالی تھا، اور اردو دان اہل علم اس کی کوشدّت کے ساتھ محسوس کرتے تھے،

آج سے کم و بیش نو سال پہلے اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا نور احمد صاحب ظلم سابق ناظم اعلیٰ دارالعلوم کراچی کے دل میں اس کتاب کو اردو میں لانے کا داعیہ شدت کے ساتھ پیدا فرمایا، انھوں نے استاذ مکرم حضرت مولانا اکبر علی صاحب استاذ حدیث دارالعلوم کراچی سے فرمائش کی کہ اس کتاب کا اردو ترجمہ کر دیں، چنانچہ انھوں نے میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم کے ایما پر ادران کی نگرانی میں بنام حندایہ کام شروع کیا، مددگار کتابوں کے نہ ہونے کی وجہ سے حضرت مولانا مدظلہم نے ترجمے میں محنت شاق اٹھائی، لیکن تقریباً چھ ماہ میں اُسے مکمل کر لیا،

جس زمانے میں حضرت استاذ مکرم یہ ترجمہ کر رہے تھے، مجھے وہم و گمان بھی تھا

کہ اس کتاب کی خدمت میں میرا بھی کوئی حصہ لگ سکے گا، لیکن جب ترجمہ تیار ہوا تو حضرت والد صاحب مدظلہم وغیرہ کی رائے یہ ہوئی کہ یہ کتاب چونکہ ایک صدی پہلے لکھی گئی تھی، اس لئے اس پر ترتیب و تحقیق کے مزید کام کی ضرورت ہے، تاکہ یہ موجودہ ذوق کے مطابق منظر عام پر آئے، اس غرض کے لئے مختلف حضرات سے رابطہ قائم کیا گیا، لیکن کوئی صورت نہ بنی، اور کئی سال بیت گئے،

بالآخر سرعۃ فال ناچیز کے نام نکلا، آج سے ساڑھے تین سال پہلے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم نے احقر کو اس کام پر مامور فرمایا، اور ربیع الاول ۱۴۲۸ھ میں احقر نے اللہ کا نام لے کر اس کی ابتداء کی، شروع میں خیال تھا کہ اس کتاب کو عام رواج کے مطابق مرتب (edit) کرنا ہوگا، عنوانات قائم کرنے ہوں گے، ترقیم (Punctuation) کرنی ہوگی، نسخوں کا مقابلہ کر کے تصحیح کرنی پڑیگی، آخر میں ایک اشاریہ مرتب کر دوں گا، اور بس! لیکن جب کام شروع کیا تو نئے نئے گوٹے سامنے آنے لگے، بہت سی ایسی چیزوں کی شدید ضرورت محسوس ہوئی جن کے بغیر اس کتاب کی افادیت موجودہ دور میں نہایت محدود ہو جاتی، میں نے اس کام کے تعارف کے لئے ”اظہار الحق“ کے کچھ قسط باسات اپنے ذیلی حواشی کے ساتھ بعض رسائل میں شائع کرائے، تو ملک و بیرون ملک سے میرے پاس خطوط کا تانا بندا ہگیا، جن میں اس مفید کام پر مبارکباد دینے کے ساتھ بعض نہایت مفید مشورے دیئے گئے تھے، اس کے اندازہ ہوا کہ لوگوں میں اس ضرورت کا کتنا احساس ہے، اس سے میرا حوصلہ بڑھا، میں نے اس پر مزید محنت شروع کر دی، یوں یہ کام کھینچا چلا گیا، اور جو کام چند ماہ میں مکمل کر لینے کے خیال سے شروع کیا تھا، اس میں پورے ساڑھے تین سال لگ گئے۔

کتاب کے متن پر احقر نے مندرجہ ذیل کام کئے:

①— متن میں جہاں جہاں عربی بائبل کے حوالے آئے ہیں (اور یہ حوالے کتاب کا کم و بیش دو تہائی حصہ ہیں) وہاں حضرت مترجم مدظلہم نے مسودے میں ان کا خود ترجمہ کیا تھا، احقر نے تمام مقامات پر اس کی جگہ براہ راست بائبل کے اردو ترجمے کی عبارتیں لکھ دی ہیں تاکہ وہ پوری طرح سمجھ میں بھی آسکیں اور عیسائی حضرات کے لئے زیادہ قابل اعتماد بھی ہوں،

②— لیکن چونکہ بائبل کے مختلف ایڈیشنوں میں عبارت کا بڑا تغیر ہوتا رہتا ہے، اس لئے میں نے اس بات کا پورا لحاظ رکھا ہے کہ جہاں بائبل کا موجودہ اردو ترجمہ اس عبارت سے مختلف ہو جو اظہار الحق میں نقل کی گئی ہے، وہاں متن میں اظہار الحق کی عربی عبارت ہی کا ترجمہ کیا ہے، اور اُسے قوسین کے ذریعے ممتاز کر کے حاشیے پر خستلات کی مکمل توضیح کر دی ہے،

③— اظہار الحق کے جس نسخے سے استاذ مکرم حضرت مولانا اکبر علی صاحب مدظلہم نے ترجمہ کیا تھا اس میں بعض مقامات پر خاص طور سے حوالوں میں بڑی غلطیاں تھیں، ایسے مواقع پر احقر نے اظہار الحق کے مختلف نسخوں کا مقابلہ کیا، جہاں ممکن ہوا اصل مآخذ کی مراجعت کی، اور جس لفظ کے بارے میں یہ یقین ہو گیا کہ یہ طباعت کی غلطی ہے اُسے متن ہی میں بدل دیا، اور جہاں شبہ رہا وہاں حاشیے میں اس کا اظہار کر دیا،

④— غیر مسلموں کے نام اظہار الحق میں معرب کر کے نقل کئے گئے ہیں، جن ناموں کے بارے میں تحقیق کے بعد مجھے یہ یقین ہو گیا کہ ان کی اصل کیا ہے؟ میں نے متن ہی

میں اصل نام لکھ دیا، اور جہاں یقین نہ ہو سکا وہاں ناموں کو جوں کا توں رہنے دیا،

⑤۔ جس جگہ ترجمے میں ابہام یا اخلاق محسوس ہو ا وہاں حضرت مترجم مدظلہم کی اجازت

کے مطابق ترجمے کی عبارت کو واضح کر دیا،

⑥۔ قاری کی سہولت کے لئے جگہ جگہ عنوانات قائم کر دیئے، کتاب کے نام اور

ابواب کے عنوانات کی ذمہ داری بھی احقر ہی پر عائد ہوتی ہے،

⑦۔ ترقیم (Punctuation) کا اہتمام کیا ہے، تمام حوالے

ممتاز کر دیئے ہیں، اور پیرا گراف قائم کر دیئے ہیں،

⑧۔ آخر میں مفصل اشاریہ (مرتب کر دیا ہے،

⑨۔ کتاب کے شروع میں عیسائی مذہب کے نظریات اور تاریخ کا تعارف اور

اس کی اصلیت کی تحقیق ایک مبسوط مقدمے کے ذریعے پیش کی ہے، اور بعض ایسے

امور کی نشان دہی کی ہے جو احقر کی رائے میں مسئلہ زیر بحث کے اندر فیصلہ کن

اہمیت رکھتے ہیں،

مندرجہ بالا کام تو متن سے متعلق تھے، اس کے علاوہ احقر نے جا بجا حواشی تحریر کئے

جن میں مندرجہ ذیل امور کا لحاظ رکھا ہے:

①۔ بائبل کے ہر حوالے پر اُن عربی، اردو اور انگریزی کے قدیم و جدید ترجموں کی

مراجعت کی جو احقر کے پاس موجود تھے، اُن تراجم میں جا بجا باہم شدید اختلافات ہیں

جن اختلافات سے نفس مفہوم پر فرق پڑتا تھا انہیں حاشیے میں واضح کر دیا ہے، اور

اس طرح حواشی میں بائبل کی تازہ تحریفات کا ایک بڑا ذخیرہ جمع ہو گیا ہے،

②۔ اظہار الحق کے مآخذ میں سے جس قدر کتب مجھے مل سکیں ان کی مراجعت کر کے

حاشیے پر حوالے دیدئے ہیں، یا انھیں مکمل کر دیا ہے، لیکن بیشتر کتب آجکل نایاب ہیں، ایسے مواقع پر اصرار کرنے کو شش کی ہے کہ عیسائی علماء کی جو کتابیں آجکل دستیاب ہیں، اُن کے حوالے سے بھی وہ بات ثابت کر دوں جو مصنفؒ نے بیان فرمائی ہے،

② — اخبار الحق میں بہت سی عیسائی یا عام علمی اصطلاحات جا بجا استعمال ہوئی ہیں، حقر نے حاشیے پر ان کی توضیح کا اہتمام کیا ہے،

③ — کتاب میں جن عیسائی یا مسلمان فرقوں کا ذکر ہے، اُن کا حوالوں کے ساتھ مختصار ضروری تعارف کر دیا ہے، جن اصطلاحات یا فرقوں کا تعارف کرایا گیا ہے ان کی فہرست کتاب کے شروع میں موجود ہے،

⑤ — کتاب میں انسانوں، شہروں اور قبیلوں کے جو نام آئے ہیں ان میں سے بہت سوں کا تعارف کر دیا ہے، تمام ناموں کا تعارف تو تقریباً ناممکن تھا، حقر نے اُن ناموں کے تعارف کا اہتمام کیا ہے جن کا... جانتا یا تو کتاب کا مفہوم سمجھنے کے لئے ضروری ہے، یا ایک عیسائیت کے طالب علم کو اُن سے ضرور واقف ہونا چاہئے اشاریہ میں جن ناموں پر حرف مت بنا ہوا ہے اُن ناموں کا تعارف حاشی میں موجود ہے،

⑥ — آیات قرآنی کا ترجمہ کر دیا ہے، اور تمام احادیث کی حوالوں کے ساتھ تخریج کر دی ہے، جو تاریخی واقعات بغیر حوالے کے بیان ہوئے تھے اکثر مقامات پر ان کے حوالے بھی دیدئے ہیں،

④ — جہاں ضرورت محسوس ہوئی، مصنفؒ کی عبارتوں کی تشریح کر دی ہے،

⑧ — جس جگہ مناسب معلوم ہوا مصنفؒ کی تائید کے لئے مزید تازہ ترین دلائل پیش کئے ہیں، ایسے مواقع پر حاشی بہت طویل اور مفصل ہو گئے ہیں،

⑨— مصنف نے جس جگہ اظہار الحق کی کسی گزشتہ یا آئندہ بحث کا حوالہ دیا ہے وہاں حق نے اُس بحث کی مراجعت کر کے صفحہ اور جلد کا حوالہ لکھ دیا ہے، تاکہ قارئین آسانی سے اس کی مراجعت کر سکیں،

مآخذ | اس کام کے دوران احقر کو سینکڑوں کتب کی ورق گردانی کرنی پڑی، جن میں سے اہم کتب کی فہرست آپ کتاب کے آخر میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں، لیکن یہاں میں اظہار الحق، بائبل اور اس کی امدادی کتب کے ان نسخوں کی نشان دہی ضروری سمجھتا ہوں، جو ہر وقت احقر کے سامنے رہے ہیں:

- ① اظہار الحق کامل مطبوعہ ۱۳۰۹ھ مطبعہ خیریہ مصر بتصحیح شیخ محمد الایدوطی،
- ② اظہار الحق کامل مطبوعہ ۱۳۱۴ھ المطبعة العامة المحمدية، الجامع الازہر، مصر،
- ③ اظہار الحق جلد اول مطبوعہ ۱۳۱۵ھ المطبعة العلمية،
- ④ اظہار الحق کا انگریزی ترجمہ جو اظہار الحق کے گجراتی نسخے مترجمہ مولانا غلام محمد صاحب بھابھا راجدیری سے کیا گیا ہے، اس کے ٹائٹل کا صفحہ غائب ہے، اس لئے مترجم کا نام، مطبع اور سن طباعت معلوم نہیں ہو سکا، اس میں مولانا غلام محمد صاحب کے بعض حواشی بھی شامل ہیں، احقر نے گجراتی مترجم کے الفاظ سے انہی کی طرف اشارہ کیا ہے، اور بائبل کے مندرجہ ذیل نسخے احقر کے سامنے رہے ہیں:

- ① اردو بائبل کا نظر ثانی شدہ ایڈیشن مع حوالہ جات جو ۱۹۵۹ء میں لوایند برائڈن پرنٹرز کے زیر اہتمام لندن میں چھپا، اور پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور سے شائع ہوا،
- اظہار الحق کے متن اور احقر کی تحریرات میں بائبل کی تمام عبارتیں اس نسخے سے نقل کی گئی ہیں اور حوالہ دیتے وقت احقر نے اس کے لئے ”موجودہ اردو ترجمہ“ کا لفظ استعمال

کیا ہے،

② اردو بائبل مشن ۱۹۵۸ء (بغیر حوالہ جات) مطبوعہ برطانیہ و شائع کردہ پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور،

③ بائبل کا عربی ترجمہ (بغیر حوالہ جات) جو ۱۹۵۶ء میں کیمبرج یونیورسٹی پریس نے طبع کیا اور جمعیات الکتاب المقدس المتحدہ نے شائع کیا، احقر نے جہاں ”جدید عربی ترجمہ“ کا لفظ استعمال کیا ہے، اس سے مراد یہی نسخہ ہے،

④ بائبل کا عربی ترجمہ (مع حوالہ جات) جو ۱۹۶۵ء میں بیروت سے چھپا تھا، یہ نسخہ نامکمل ہے، اور اخبار الابام الاول تک کے صفحے اس میں سے غائب ہیں، ”قدیم عربی ترجمہ“ سے میری مراد یہی نسخہ ہے،

⑤ بائبل کا انگریزی ترجمہ (مع حوالہ جات) (کننگ جیمس ورژن ۱۹۱۱ء) جسے امریکن بائبل سوسائٹی نے مرتب کر کے شائع کیا، اور یہ ۱۹۶۲ء میں آکسفورڈ یونیورسٹی پریس میں طبع ہوا، احقر نے اس نسخے کی طرف ”قدیم انگریزی ترجمہ“ کے الفاظ سے اشارہ کیا ہے، اس نسخے کے آخر میں بائبل سوسائٹی کے اسکالروں نے اُن عبارتوں کی ایک فہرست دی ہے جو اُن کی نظر میں بائبل کے متن کے اندر بدل جانی چاہئیں، احقر نے ”الفاظ متبادله کی فہرست“ (A Remnants Renderings) کے نام سے

انہی تجاویز کی طرف اشارہ کیا ہے،

⑥ بائبل کے عہد نامہ جدید کا نیا با محاورہ انگریزی ترجمہ جو جزائر برطانیہ کے مندرجہ ذیل کلیساؤں کے منتخب علماء نے تیرہ سال میں مرتب کیا ہے،

دی چرچ آف انگلینڈ، دی چرچ آف اسکاٹ لینڈ، دی میٹروڈسٹ چرچ،

ڈی کانگریگیشن یونین، ڈی بیپٹسٹ یونین، ڈی پریسبیٹیرین چرچ آف انگلینڈ، ڈی سوسائٹی آف فرینڈس، ڈی چرچز ان دیلز، ڈی چرچز ان آرلینڈ، برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی، اوریشنل بائبل سوسائٹی آف اسکاٹ لینڈ، یہ نئے ڈی نیوٹنکوش ہل کے نام سے ۱۹۶۱ء میں آکسفورڈ یونیورسٹی پریس اور کیمبرج یونیورسٹی پریس نے مشترکہ طور پر شائع کیا ہے،

اگرچہ اس کے پبلشرز نے یہ اعلان کیا ہے کہ اس ترجمے سے مقصود بائبل پر نظر ثانی نہیں ہے، بلکہ اسے باقاعدہ بنانا ہے، لیکن یہ اپنے مفہوم کے اعتبار سے جابجا سابق انگریزی ترجموں سے اختلاف رکھتا ہے، احقر نے حواشی میں ان اختلافات کو واضح کیا ہے، اس ترجمے کی طرف اشارہ کرنے کے لئے میں نے جدید انگریزی ترجمہ کا لفظ استعمال کیا ہے،

④ مکمل بائبل کا انگریزی ترجمہ (ناکس ورژن)؛ یہ رومن کیتھولک فرقے کا کیا ہوا ترجمہ ہے اس کا مترجم مونسنگز ہے، ناکس ہے، اور اس پر انگلینڈ، دیلز اور اسکاٹ لینڈ کے کلیساؤں کی تصدیقیں موجود ہیں، اسے میکلن کپنی لندن نے ۱۹۶۲ء میں شائع کیا ہے فرقہ کیتھولک کا ترجمہ ہونے کی وجہ سے اس میں پوری "ایپوکریفا" (Apocrypha) بھی شامل ہے، لہذا ہم نے جہاں جہاں ایپوکریفا کے حوالے دیئے ہیں، وہ اسی نسخے سے ماخوذ ہیں، اس پر جابجا مترجم نے ذیلی حواشی بھی لکھے ہیں، ہم نے اس نسخے کے لئے "کیتھولک بائبل" کا لفظ استعمال کیا ہے،

بائبل کی امدادی کتب میں مندرجہ ذیل کتابوں کے حوالے آپ کو جابجا ملیں گے،

① اے سائیکلو پیڈیا بائبل کنکارڈنس، یہ بائبل کا ایک مفید اشاریہ ہے، جسے آکسفورڈ

یونیورسٹی پریس نے مرتب کر دے شائع کیا ہے، سنہ طباعت درج نہیں، کنگراؤنس سے میری مراد یہی کتاب ہے،

- ② لے نیوٹن کمنٹری، یہ عہد نامہ جدید کی تفسیر ہے، جسے رائلڈ اے ناکس نے لکھا،
- ③ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا مطبوعہ ۱۹۵۷ء، اس کے بے شمار مقالوں سے مدد لی گئی ہے،
- ④ ہماری کتب مقدسہ، یہ بائبل کی ایک تعارفی کتاب نیو بائبل ہینڈ بک کا اردو ترجمہ ہے، اصل تصنیف جی، ٹی، مینل، ایم، اے سابق فیلو کرائسٹس کالج، کیمبرج، جی، سی، رائسن بی، اے بی، ڈی اور اے ایم سٹس کی ہے، اور اس کا اردو ترجمہ جے، ایس، امام الدین اور مسز کے، ایل، ناصر نے مشترکہ طور پر کیا ہے، مسیحی اشاعت خانہ ۳۶، فیروز پور روڈ لاہور سے شائع ہوئی ہے،

اس طرح احقر نے اس بات کی کوشش کی ہے، کہ اس کتاب سے استفادہ کرنے والے حضرات کے لئے جس قدر آسانیاں فراہم کرنا میرے لئے ممکن ہوئیں فراہم کر دوں، اور اس غرض کے لئے میں نے سخت سے سخت مشقت اٹھانے سے بھی دریغ نہیں کیا، بعض دفعہ صرت ایک صفحے کی تحقیق میں ایک ایک مہینہ لگ گیا، جبکہ بسا اوقات میں چھ چھ گھنٹے مسلسل یہی کام کرتا تھا، پاکستان میں رہ کر عیسائیت کے موضوع پر کوئی تحقیقی کام کس قدر مشکل ہے؟ اس کا اندازہ ان حضرات کو ہو گا، جنہوں نے اس موضوع پر کوئی کام کیا ہے، یہاں اس موضوع کی اہم کتابیں کم یا بے نہیں تقریباً نایاب ہیں، احقر نے اس سلسلے میں کراچی کے مختلف کتب خانوں سے مدد لی، لاہور اور راولپنڈی جا کر بعض اہم کتابوں سے استفادہ کیا، ہندوستان سے بعض کتابیں منگوائیں، اس کے باوجود اس کام کے لئے کتابوں

کے جس ذخیرے کی فی الواقع ضرورت تھی وہ ہتیا نہ کر سکا، دارالعلوم کراچی میں مدد ریزی
مصرفیات اور گزشتہ ایک سال سے ماہنامہ البلاغ کراچی کی ادارت کی وجہ
سے یہ کام میرے لئے اور مشکل ہو گیا تھا، لیکن یہ محض اللہ تعالیٰ کا کرم، اس کا انعام
اور احسان ہے کہ اس نے جتنے کام کی تکمیل کی توفیق عطا فرمائی، حقیقت یہ
ہے کہ گزشتہ تین سالوں میں مجھے ہر قدم پر یہ مشاہدہ ہوتا تھا کہ کوئی اُن دیکھی طاقت
میری رہنمائی فرما رہی ہے، بعض مسائل کے حل سے تعجباً مایوس ہو جانے کے
بعد جب میں تھک کر بیٹھ جاتا تھا تو اچانک ایسا محسوس ہوتا تھا کہ ذہن کا ایک نیا دریچہ
کھلا ہے، اور تمام پیچیدگیاں دُور ہو گئی ہیں،

بہر کیف! کام جیسا کچھ ہے آپ کے سامنے ہے، اظہارِ رِغبت جیسی عظیم الشان
کتاب کا جیسا حق تھا حقیقت یہ ہے کہ وہ تو میں ادا نہیں کر سکا، زیادہ سے زیادہ آپ
مغل میں ٹاٹ کا پیوند ہی کہا جاسکتا ہے، لیکن اس بات کا غیر معمولی سرور میں محسوس
کر رہا ہوں کہ حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ کی اس عظیم دینی خدمت کے
ساتھ نامکمل ہی تھی، ایک نسبت مجھے حاصل ہو گئی ع

بلبل ہمیں کہ قافیہ گل شود بس بہت

باری تعالیٰ کی بارگاہِ کرم سے بعید نہیں کہ وہ اس نسبت ہی کے طفیل میرے
بے شمار گناہوں سے چشم پوشی فرمائے، اور جب آخرت میں دین کے منہل
خادموں پر نوازش کا موقع آئے تو یہ سیدہ کار بھی اس نسبت کی بناء پر اُن حضرات
کی رفاقت سے محروم نہ رہے،

یہی وجہ ہے کہ آج اس کتاب کو قارئین کی خدمت میں پیش کرتے وقت میں

یہ محسوس کرتا ہوں کہ پچھلے ساڑھے تین سال میں میرے شب و روز کے بہترین اوقات ہر لمحہ جو میں نے اس کتاب کی تیاری پر صرف کئے،

ناشکری ہوگی اگر میں یہاں ان حضرات کا ذکر نہ کر دوں جنہوں نے اس کام میں میری مدد فرمائی، خاص طور سے میں حضرت مولانا نور احمد صاحب مدظلہم العالی سابق ناظم دارالعلوم کراچی کا ممنون ہوں جو اس کام کے اولین محرک ہیں، اور ابتدائی کتابیں بھی انہوں نے سر اہم کیں، ان کے علاوہ میں حضرت مولانا افتخار الحسن صاحب کاندھلوی، کاندھلہ (یو پی، انڈیا)، جناب ابراہیم احمد صاحب بادانی (کراچی)، جناب حسن الزماں صاحب اختر (اسٹیٹ بینک کراچی) اور جناب مولانا محمد احمد صاحب قادری استاذ مدرسہ عربیہ نیوٹاؤن کراچی کا شکر گزار ہوں، جنہوں نے بعض بنیادی اہمیت کی کتابیں میرے لئے ہتیا فرمائیں، مولانا جمیل الرحمن صاحب اکیابی، مولانا محمد طیب صاحب، مولانا افتخار احمد صاحب عظمیٰ، مولانا احمد حسین صاحب، مولانا عبدالحق صاحب (دارالعلوم کراچی) اور جناب اقبال احمد صاحب راشد (جامعہ پنجاب لاہور) کا بھی شکریہ ادا کرنا میں ضروری سمجھتا ہوں جنہوں نے مسودات کی تبصیر اور کاپیوں کی تصحیح میں میری مدد فرمائی، اور میرے لئے بعض اہم کتابوں کے قہتباسات نقل کئے میں حضرت مولانا محمد سلیم صاحب، مہتمم مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ، جناب بشیر احمد صاحب ڈار، اور جناب محمد ایوب صاحب قادری ایم اے کا بھی رہین منت ہوں کہ انہوں نے اپنے مفید مشوروں سے مجھے نوازا، جناب محمد زکریا صاحب کا مدار جناب ابراہیم احمد صاحب بادانی اور ان کے رفقاء بھی بطور خاص شکریہ کے مستحق ہیں،

جن کی مالی اعانت سے یہ کتاب زیرِ طبیع سے آراستہ ہوئی،
 ان حضرات کے علاوہ میں ان تمام حضرات کا بہرہ دل سے شکر گزار ہوں جنہوں نے
 دلمے، درمے، قدمے، سخن میری مدد فرمائی، اور اس کارِ خیر میں کسی بھی جھٹک حصہ لیا،
 آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس حقیر کا دش کو اپنی بارگاہ میں شرف قبول عطا
 فرمائے، اور یہ کتاب مصنف، مترجم مدظلہم، اس ناچیز اور تمام معاونین کے لئے
 ذخیرہ آخرت ثابت ہو، آمین،

وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ

محمد تقی عثمانی

دارالعلوم کراچی

۲۷ شعبان ۱۳۸۷ھ بمطابق

—————

عیسائیت پر ایک تحقیقی نظر

مقدمہ

بسم اللہ

محمد تقی عثمانی
اُستادِ دارالعلوم کراچی

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي كَفَىٰ قَوْلَهُ سَلَامًا عَلَىٰ آلِهِ وَالنَّارُ صَافِيًا

۷۸۶

حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ کی کتاب ”اظہار الحق“ اپنے موضوع پر اس قدر سیر حاصل اور جامع کتاب ہو کہ مجھ جیسے بے بساط انسان کو اس پر کوئی مبسوط مقدمہ لکھنے کی ضرورت نہیں تھی، لیکن بعض اہم اسباب کی بناء پر میں یہ جرأت کر رہا ہوں،

پہلی بات تو یہ ہے کہ ”اظہار الحق“ جیسی کتاب سے صحیح فائدہ وہ شخص اٹھا سکتا ہے جو پہلے سے عیسائی مذہب کے متعلق کچھ بنیادی معلومات رکھتا ہو، اُسے معلوم ہو کہ اس مذہب کے عقائد و نظریات کیا ہیں؟ وہ کس قسم کی تعلیمات دیتا ہے؟ اور ان اصطلاحات کا کیا مطلب ہے جو عیسائی مذہب پر کی جانیوالی ہر گفتگو میں کسی نہ کسی نوعیت سے آہی جاتی ہیں، اس کے علاوہ کسی مذہب کے مطالعے میں اس کی تاریخ بھی بڑی اہمیت رکھتی ہے، کسی بھی مذہب پر کوئی بات بصیرت کے ساتھ نہیں کہی جاسکتی، تاوقتیکہ اس کی تاریخ کا کم از کم ایک اجمالی خاکہ ذہن میں نہ ہو،

دوسری بات یہ ہے کہ ”اظہار الحق“ ایک صدی پہلے کی کتاب ہے، اور ایک سو سال کے اس طویل عرصے میں عیسائیت کئی موڑ مڑ چکی ہے، اس کے نظریات بھی کسی قدر بدل رہے ہیں، اور حال ہی میں سائنٹفک تحقیقات نے بعض ایسے حقائق کی نقاب کشائی کی ہے، جو عیسائیت کے طالب علم کے لئے بجد اہمیت رکھتے ہیں، خود عیسائیوں میں ایسے لوگ پیدا ہو رہے ہیں، جنہوں نے اس مذہب کو تنقید کی چھلنی میں چھان کرنے سے نظریات پیش کئے ہیں، ضرورت تھی کہ اُن کی کاوشیں بھی کسی نہ کسی درجے میں اس کتاب کا جزو بنیں،

تیسرے پچھلے تین سال میں ”اظہار الحق“ کی خدمت کے لئے میں نے عیسائیت کا جس قدر مطالعہ کیا ہے اس میں بہت سی باتیں ایسی ہیں جو میرے نزدیک فیصلہ کن اہمیت رکھتی ہیں، اور ان کی طرف اس انداز سے شاید توجہ نہیں کی گئی، میرا دل چاہتا ہے کہ وہ چیزیں بھی ارباب فکر و نظر کے سامنے آئیں۔

ان اسباب کی بنا پر میں نے یہ فیصلہ کیا کہ میں اس کتاب پر ایک مبسوط مقدمہ لکھوں، جس میں اپنی بساط کی حد تک مذکورہ بالا ضرورتوں کو پورا کیا گیا ہو،

میرا ارادہ یہ ہے کہ میں سب سے پہلے ایک باب میں عیسائی مذہب کے بنیادی افکار و نظریات اور مذہب کی اجمالی تاریخ پیش کر دوں گا، پھر دوسرے باب میں یہ تحقیق کی جائے گی کہ اس مذہب کا بانی کون ہے، اور کیا یہ مذہب فی الواقع حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تعلیم منسرمودہ عقائد پیش کرتا ہے؟ اگر نہیں، تو وہ کون ہے جس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کو بگاڑ کر انھیں موجودہ لباس پہنایا؟ یہ بحث احقر کی نگاہ میں اصولی حیثیت سے فیصلہ کن اہمیت کی حامل ہے، اس لئے جو حضرات عیسائی مذہب کی حقیقت جاننے سے دلچسپی رکھتے ہیں ان سے گزارش ہو کہ اس حصے کا بطور خاص غور و فکر کے ساتھ مطالعہ فرمائیں۔

میرا ارادہ تھا کہ اس کے بعد ”عیسائیت اور عصر حاضر“ کے عنوان سے یہ بتایا جائے کہ عیسائی مذہب کس حد تک زملے کا ساتھ دے سکتا ہے، پھر برصغیر میں عیسائی مشنریوں کی سرگرمیاں اور ان کا طریق کار مفصل طریقے سے بیان کروں، اس سلسلے کا ابتدائی مواد بھی میں جمع کر چکا تھا، لیکن اچانک کچھ ایسی اہم مصروفیات سامنے آگئیں کہ میں اس ارادے کو ردِ عمل نہ کر سکا، اس کے لئے کسی اور فرصت کا منتظر ہوں، اس کے علاوہ پہلے موضوع پر عربی اور انگریزی میں کافی کچھ لکھا بھی جا چکا ہے، اور دوسرے موضوع پر مولانا امداد صابری صاحب نے اپنی کتاب ”فرنگیوں کا جال“ مطبوعہ دہلی میں خاصا مواد جمع کر دیا ہے، اس لئے مقدمے میں پہلے دو موضوعات پر اکتفا کرتا ہوں، اس کے بعد حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ کی سوانح حیات پیش کی جائے گی، واللہ المستعان،

پہلا باب

عیسائیت کیا ہے؟

اس باب میں ہم اختصار کے ساتھ عیسائی مذہب کے بنیادی نظریات اور اس کی تاریخ بلا تبصرہ پیش کریں گے، ہمارے نزدیک کسی مذہب کو سمجھنے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ اسے براہ راست اہل مذہب سے سمجھا جائے، اس لئے ہم کوشش کریں گے کہ کوئی بات خود عیسائی علماء کے حوالے کے بغیر عیسائیت کی طرف منسوب نہ کریں، اور چونکہ اس باب کا مقصد صرف عیسائی مذہب کو سمجھانا ہے، اس لئے اس میں اس کے کسی نظریے پر تبصرہ نہیں کیا جائے گا، اظہار الحق میں ان میں سے تقریباً ہر نظریے پر مفصل تنقید موجود ہے، البتہ جہاں کہیں کوئی ایسی بات آئے گی جس پر اظہار الحق میں کوئی تبصرہ نہیں ہے، اس پر حاشیے میں اختصار کے ساتھ تنقید کر دی جائے گی،

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں عیسائیت کی تعریف یہ کی گئی ہے:۔
عیسائیت کی تعریف | وہ مذہب جو اپنی اصلیت کو ناقصہ کے باشندے یسوع کی

طرف منسوب کرتا ہو اور اسے خدا کا منتخب (مسیح) مانتا ہے۔ (برٹانیکا مقالہ "عیسائیت" ص ۱۹۳)

عیسائیت کی یہ تعریف بہت محل ہے، الفسرڈ، اسی، گاروے نے اسی تعریف کو مزید پھیلا کر ذرا واضح کر دیا ہے، انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایٹھکس کے مقالے "عیسائیت" میں وہ لکھتا ہے:

”عیسائیت کی تعریف اس طرح کی جاسکتی ہے کہ یہ وہ اخلاقی، تاریخی، کائناتی، موقدانہ اور کفارے پر ایمان رکھنے والی مذہب ہے جس میں خدا اور انسان کے تعلق کو خداوند یسوع مسیح کی شخصیت اور کردار کے ذریعہ بچھتا کر دیا گیا ہے۔“

اس تعریف کو بیان کر کے مسٹر گارڈے نے اس کے ایک ایک جز کی توضیح کی ہے، ”اخلاقی مذہب“ سے اس کے نزدیک وہ مذہب مراد ہے، جس میں عبادتوں اور قربانیوں کے ذریعے کوئی دنیوی مقصد حاصل کرنے کی تعلیم نہ دی گئی ہو، بلکہ اس کا تمام مقصد روحانی کمال کا حصول اور خدا کی رضا جوئی ہو،

”تاریخی مذہب“ کا مطلب وہ یہ بیان کرتا ہے کہ اس مذہب کا محور فکر و عمل ایک تاریخی شخصیت ہے۔ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام، انہی کے قول و عمل کو اس مذہب میں آخری اتھارٹی حاصل ہے،

”کائناتی“ ہونے کا اس کے نزدیک یہ مطلب ہے کہ یہ مذہب کسی خاص رنگ و نسل کے لئے نہیں ہے، بلکہ اس کی دعوت عالمگیر ہے،

عیسائی مذہب کو موحد (Monothelial) وہ اس لئے قرار دیتا ہے کہ اس مذہب

میں تین اقا نیم تسلیم کئے جانے کے باوجود خدا کو ایک کہا گیا ہے، وہ لکھتا ہے: ”اگرچہ عام طور سے عیسائیت کے عقیدہ تثلیث۔ یا زیادہ صحیح لفظوں میں توحید فی تثلیث کے بارے میں یہ سمجھا اور کہا جاتا ہے کہ وہ خطرناک حد تک تین خداؤں کے عقیدے کے قریب آ گیا ہے، لیکن عیسائیت اپنی روح کے اعتبار سے موحد ہے، اور خدا کو ایک کلیسائی عقیدے کے طور پر ایک سمجھتی ہے۔“

مندرجہ بالا تعریف میں عیسائیت کی آخری خصوصیت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ ”کفارے“ پر ایمان رکھتا ہے، اس جز کی تشریح کرتے ہوئے گارڈے لکھتا ہے:

”خدا اور بندے کے درمیان جو تعلق ہونا چاہئے اس کے بارے میں عیسائیت کا خیال یہ ہے کہ وہ گناہ کے ذریعے خلل پذیر ہو گیا، اس لئے ضروری ہو کہ اسے پھر سے قائم کیا جائے، اور یہ کام صرف مسیح کو ہی ملے گا، اس لئے اسے ہونا چاہئے۔“

یہ تھی عیسائی مذہب کی ایک اجمالی تعریف، لیکن درحقیقت مذہب کا صحیح تعارف اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کے تمام بنیادی عقائد کو اچھی طرح نہ سمجھ لیا جائے، اس لئے اب ہم ایک ایک کر کے ان عقائد کی تشریح پیش کرتے ہیں:

عیسائی مذہب میں خدا کا تصور

جہاں تک خدا کے وجود کا تعلق ہے، عیسائی مذہب اس معاملے میں دوسرے مذاہب سے مختلف نہیں ہے، وہ بھی خدا کو تفسیر بنا اپنی صفات کے ساتھ تسلیم کرتا ہے، جو دوسرے مذاہب میں اُس کے لئے بیان کی جاتی ہیں، مارٹن ریلٹن لکھتا ہے:

”عیسائیت کا خدا کے بارے میں یہ تصور ہے کہ وہ ایک زندہ جاوید وجود ہے، جو تمام امکانی صفات کمال کے ساتھ متصف ہے، اُسے محسوس تو کیا جاسکتا ہے لیکن پوری طرح سمجھا نہیں جاسکتا، اس لئے اس کی حقیقت کا ٹھیک ٹھیک تجزیہ ہمارے ذہن کی قوت سے ماورا ہے، وہ فی نفسہ کیا ہے؟ ہمیں معلوم نہیں، صرف اتنی باتیں ہمیں معلوم ہو سکی ہیں جو خود اس نے بنی نوع انسان کو وحی کے ذریعے بتلائیں۔“

عقیدہ تثلیث | یہاں تک تو بات واضح اور صاف ہے، لیکن آگے چل کر اس مذہب نے خدا کے تصور کی جو تفصیلات بیان کی ہیں وہ بڑی الجھی ہوئی ہیں اور ان کا سمجھنا آسان نہیں ہے، یہ بات تو ہر کس و ناکس کو معلوم ہے کہ عیسائی مذہب میں خدا تین افراد (Persons) سے مرکب ہے: باپ، بیٹا اور روح القدس، اسی عقیدے کو عقیدہ تثلیث (Trinitarian Doctrine) کہا جاتا ہے، لیکن بجائے خود اس عقیدے کی تشریح و تعبیر میں عیسائی علماء کے بیانات اس قدر مختلف اور متضاد ہیں کہ یقینی طور سے کوئی ایک

بات کہنا بہت مشکل ہے، وہ تین اقانیم کون ہیں؟ جن کا مجموعہ اُن کے نزدیک خدا ہے؟ خود ان کی تعین میں بھی اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں کہ ”خدا“ باپ بیٹے اور روح القدس کے مجموعے کا نام ہے، اور بعض کا کہنا ہے کہ باپ بیٹا اور کنواری مریم۔ وہ تین اقنوم ہیں جن کا مجموعہ خدا ہے، پھر ان تین اقانیم میں سے ہر ایک کی انفرادی حیثیت کیا ہے؟ اور خدائے مجموعہ (TRINITY) سے اس کا کیا رشتہ ہے؟ اس سوال کے جواب میں بھی ایک زبردست اختلاف پھیلا ہوا ہے، ایک گروہ کا کہنا ہے کہ ان تین میں سے ہر ایک بذات خود بھی ویسا ہی خدا ہے جیسا مجموعہ خدا، ایک دوسرے گروہ کا کہنا ہے کہ ان تینوں میں سے ہر ایک الگ الگ خدا تو ہیں، مگر مجموعہ خدائے کمتر ہیں اور ان پر لفظ ”خدا“ کا اطلاق ذرا دسیج معنی میں کر دیا گیا ہے، تیسرا گروہ کہتا ہے کہ یہ تین خدا ہی نہیں ہیں خدا تو صرف ان کا مجموعہ ہے۔

توحید فی التثلیث غرض اس قسم کے بے شمار اختلافات ہیں جن کی وجہ سے تثلیث کا عقیدہ ایک ”خواب پریشاں“ بن کر رہ گیا ہے، ہم اس جگہ اس عقیدے کی وہ تشریح پیش کرتے ہیں جو عیسائیوں کے یہاں سب سے زیادہ مقبول عام معلوم ہوتی ہے، یہ تعبیر انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے الفاظ میں مندرجہ ذیل ہے:

۱۔ عام عیسائیوں کا یہی مسلک ہے، (دیکھئے برٹانیکا ص ۴۹، ج ۲۲ مقالہ ”TRINITY“)

۲۔ عرب میں عیسائیوں کا ایک فرقہ ”انیرمدتیں“ اس کا قائل تھا، اب یہ فرقہ ناپید ہو چکا ہے (دیکھئے نید جادید، ص ۲۵۶ بحوالہ پادری سیل صاحب)،

۳۔ Hibbert Journal XXIV No. 1, as quoted by

the Encyclopaedia Britannica 1950 P. 479 V. 22 ”TRINITY“

St. Thomas Aquinas, Basic Writings of: P 327 V I. ۴

of Britannica P. 479 V. 22

۵۔ یہ فرقہ مرقولہ کا مذہب ہے (الخطط المقریۃ ص ۴۰۸ ج ۲، لبنان، ۱۹۵۹ء)،

تثلیث کے عیسائی نظریے کو ان الفاظ میں اچھی طرح تعبیر کیا جاسکتا ہے کہ باپ خدا ہو
بیٹا خدا ہو اور روح القدس خدا ہے، لیکن یہ مل کر تین خدا نہیں ہیں، بلکہ ایک ہی
خدا ہیں، اس لئے کہ عیسائی نظریے کے مطابق ہم جس طرح ان تینوں میں سے ہر ایک قدیم
کو خدا اور آقا سمجھنے پر مجبور ہیں اسی طرح ہمیں کیتھولک مذہب نے اس بات کی بھی ممانعت
کر دی ہے کہ ہم ان کو تین خدا یا تین آقا سمجھنے لگیں۔

اسی بات کو قدرے تفصیل سے بیان کرتے ہوئے تیسری صدی عیسوی کے مشہور عیسائی عالم

اور فلسفی سینٹ آگسٹائن (St. Augustine) اپنی مشہور کتاب (On the Trinity) میں لکھتے ہیں،

عہد قدیم اور عہد جدید کے وہ تمام کیتھولک علماء جنہیں پڑھنے کا مجھے اتفاق ہوا ہے
اور جنہوں نے مجھ سے پہلے تثلیث کے موضوع پر لکھا ہے وہ سب مقدس صحیفوں
کی روشنی میں اس نظریے کی تعلیم دینا چاہتے ہیں کہ باپ، بیٹا اور روح القدس مل کر
ایک خدائی وحدت تیار کرتے ہیں، جو اپنی ماہیت اور حقیقت کے اعتبار سے
ایک اور ناقابل تقسیم ہے، اس وجہ سے وہ تین خدا نہیں ہیں، بلکہ ایک خدا ہے، اگرچہ
باپ نے بیٹے کو پیدا کیا، لہذا جو باپ ہے وہ بیٹا نہیں ہے، اسی طرح بیٹا باپ سے
پیدا ہوا ہے، اس لئے جو بیٹا ہے وہ باپ نہیں ہے، اور روح القدس بھی نہ باپ ہے
نہ بیٹا، بلکہ باپ اور بیٹے کی روح ہے، جو دونوں کے ساتھ مساوی اور تثلیثی وحدت
میں ان کی حصہ دار ہے،

لیکن یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ تثلیثی وحدت ہی کنواری مریم کے پیٹ سے پیدا ہوئی،
اسے ہنطیس ہیلطس نے پھانسی دی، اسے دفن کیا گیا، اور پھر یہ تیسرے دن زندہ
ہو کر جنت میں چلی گئی، کیونکہ یہ واقعات تثلیثی وحدت کے ساتھ نہیں، صرف بیٹے
کے ساتھ پیش آنے تھے، اسی طرح یہ بھی نہ سمجھنا چاہئے کہ یہی تثلیثی وحدت
لیوے یوحنا پر کبوتر کی شکل میں ہنس وقت نازل ہوئی تھی جب اسے پتھر دیا جلد ہاتھ...

۱۵ اشلہ ۱۲۰۳ کے واقعہ کی طرف، تفصیل کے لئے دیکھئے اخبار الحق، صفحہ ۱۹۵ ج اول،

بلکہ یہ واقعہ صرف روح القدس کا تھا، علیٰ ہذا القیاس یہ سمجھنا بھی درست نہیں کہ جب یسوع مسیح کو بپتسمہ دیا جا رہا تھا، یا جب وہ اپنے تین شاگردوں کے ساتھ پہاڑ پر کھڑا تھا، اس وقت تثلیثی وحدت نے اس سے پکار کر کہا تھا کہ ”تو میرا بیٹا“..... بلکہ یہ الفاظ صرف باپ کے تھے جو بیٹے کے لئے بولے گئے تھے، اگرچہ جس طرح باپ، بیٹا اور روح القدس ناقابل تقسیم ہیں، اسی طرح ناقابل تقسیم طریقے پر وہ کام بھی کرتے ہیں، یہی میرا عقیدہ ہے، اس لئے کہ یہ کلیتہاً ایک عقیدہ ہے۔“

تین کو ایک، اور ایک کو تین قرار دینے کی عیسائیوں کے پاس کیا وجہ جواز ہے؟ اس سوال کا جواب سننے سے قبل یہ سمجھ لیجئے کہ عیسائی مذہب میں باپ، بیٹے اور روح القدس سے کیا مراد ہے؟

باپ | عیسائیوں کے نزدیک ”باپ“ سے مراد خدا کی تہا ذات ہے، جس میں اس کی صفت کلام اور صفت حیات سے قطع نظر کر لی گئی ہے، یہ ذات بیٹے کے وجود کے لئے اصل (Principle) کا درجہ رکھتی ہے، مشہور عیسائی فلاسفر سینٹ تھامس ایجویناس کی تشریح کے مطابق ”باپ“ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس نے کسی کو جنما ہے، اور کوئی ایسا وقت گذرا ہے جس میں باپ تھا، اور بیٹا نہیں تھا، بلکہ یہ ایک خدائی اصطلاح ہے، جس کا مقصد صرف یہ ہے کہ باپ بیٹے کے لئے اصل ہے، جس طرح ذات صفت کے لئے اصل ہوتی ہے، ورنہ جب سے باپ موجود ہے اسی وقت سے بیٹا بھی موجود ہے، اور ان میں سے کسی کو کسی پر کوئی زمانی اولیت حاصل نہیں ہے،

۱۰ اشارہ ہے متی، ۱: ۱۰ یعنی تہل کے واقعہ کی طرف، تفصیل کے لئے دیکھئے صفحہ ۲۹ کا حاشیہ،

۱۱ Basic Writings of St. Augustine trans. by A. W. Haddon and edited by Whitney J. Oates New York 1948 P. 672 V.2

۱۲ Basic Writings of St. Thomas Aquinas.

edited by A. C. Pegis P. P. 324, 25 V. I New York 1945

خدا کی ذات کو باپ کیوں کہا جاتا ہے؟ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے الفریڈ ای گارفی نے لکھا ہے کہ:

اُس سے کسی حقائق کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے، ایک تو اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ تمام مخلوقات اپنے وجود میں خدا کی محتاج ہیں جس طرح بیٹا باپ کا محتاج ہوتا ہے، دوسری طرف یہ بھی ظاہر کرنا ہے کہ خدا اپنے بندوں پر اس طرح شفیع اور مہربان ہے جس طرح باپ اپنے بیٹے پر مہربان ہوتا ہے، (انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھنکس) ۲۰۰۹ء

بیٹا "بیٹے" سے مراد عیسائیوں کے نزدیک خدا کی صفتِ کلام (Word of God) ہے، لیکن یہ انسانوں کی صفتِ کلام کی طرح نہیں ہے، انسانوں کی صفتِ کلام اور خدا کی صفتِ کلام کے درمیان فرق بیان کرتے ہوئے ایکویناس لکھتا ہے:

انسانی فطرت میں صفتِ کلام کوئی جوہری وجود نہیں رکھتی، اسی وجہ سے اس کو انسان کا بیٹا یا مولود نہیں کہہ سکتے، لیکن خدا کی صفتِ کلام ایک جوہر ہے، جو خدا کی ماہیت میں اپنا ایک وجود رکھتا ہے، اسی لئے اس کو حقیقہً، نہ کہ مجازاً بیٹا کہا جاتا ہے، اور اس کی اصل کا نام باپ ہے۔

عیسائی عقیدے کے مطابق خدا کو جس قدر معلومات حاصل ہوتی ہیں، وہ اسی صفت کے ذریعہ ہوتی ہیں، اور اسی صفت کے ذریعہ تمام اشیا پیدا ہوتی ہیں، یہ صفت باپ کی طرح قدیم اور جاودانی ہے، خدا کی یہی صفت "یسوع مسیح بن مریم" کی انسانی شخصیت میں حلول کر گئی تھی، جس کی وجہ سے "یسوع مسیح" کو خدا کا بیٹا کہا جاتا ہے، حلول کا یہ عقیدہ ایک مستقبل حیثیت رکھتا ہے اس لئے اسے انشاء اللہ ہم آگے تفصیل سے ذکر کریں گے،

روح القدس "روح القدس" Holy Spirit (سے مراد باپ اور بیٹے کی صفتِ حیات اور صفتِ محبت ہے، یعنی اس صفت کے ذریعہ خدا کی

۱۷ Aquinas The Summa Theologica Q 33 Art 206.3

۱۸ Augustine, The City of God, Book XI ch XXIV

ذات (باپ) اپنی صفتِ علم (بیٹے) سے محبت کرتی ہے، اور بیٹا باپ سے محبت کرتا ہے، یہ صفت بھی صفتِ کلام کی طرح ایک جوہری وجود رکھتی ہے، اور باپ بیٹے کی طرح قدیم اور جاودانی ہے، اسی وجہ سے اُسے ایک مستقل اقنوم (Person) کی حیثیت حاصل ہے، عیسائیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ جب حضرت مسیح علیہ السلام کو بپتسمہ دیا جا رہا تھا تو یہی صفت ایک کبوتر کے جسم میں حلول کر کے حضرت مسیح علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی، (دیکھئے متی ۳: ۱۶، اور آگسٹائن کا وہ اقتباس جو عقیدہٴ تثلیث کی تشریح میں گزر چکا ہے) اور اس کے بعد جب حضرت مسیح علیہ السلام کو آسمان پر اٹھایا گیا تھا تو عیدِ پینٹی کو سٹ کے دن یہی روح القدس آتشیں زبانوں کی شکل میں حضرت مسیح کے حواریوں پر نازل ہوئی تھی، (دیکھئے کتاب اعمال ۱: ۲ تا ۲: ۲ اور آگسٹائن، ص ۶۷۲ ج ۲)۔

اب عقیدہٴ "توحید فی التثلیث" (Trinity) کا خلاصہ یہ نکلا کہ خدا تین اقانیم یا شخصیتوں پر مشتمل ہے، خدا کی ذات، جسے باپ کہتے ہیں، خدا کی صفتِ کلام، جسے بیٹا کہتے ہیں، اور خدا کی صفتِ حیات و محبت جسے روح القدس کہا جاتا ہے، ان تین میں سے ہر ایک خدا ہے لیکن یہ تینوں مل کر تین خدا نہیں ہیں، بلکہ ایک ہی خدا ہیں،

یہیں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب باپ، بیٹا اور روح القدس تین اور ایک کا اتحاد میں سے ہر ایک کو خدا مان لیا گیا تو خدا ایک کہاں رہا؟ وہ تو لازماً تین ہو گئے،

یہی وہ سوال ہے جو عیسائیت کی ابتداء سے لے کر اب تک ایک چیتا بنا رہا ہے، عیسائیوں کے بڑے بڑے مفکرین نے نئے نئے انداز سے اس مسئلے کو حل کرنے کی کوشش کی اور اس بنیاد پر بے شمار فرقے نمودار ہوئے، ساہا سال تک بحثیں چلیں، مگر حقیقت یہ ہے کہ اس سوال کا کوئی محقول جواب سامنے نہیں آسکا، خاص طور سے دوسری صدی عیسوی کے ختم اور تیسری صدی کی ابتداء میں اس مسئلے کے جو حل مختلف فرقوں نے پیش کئے ہیں، ان کا دلچسپ

حال پر و فیسرماس رلیشن نے اپنی فاضلانہ کتاب Studies in Christian Doctrine میں بیان کیا ہے،

جب اس مسئلے کو حل کرنے کے لئے ایبونی فرقہ (Ebionites) کھڑا ہوا تو اس نے پہلے ہی قدم پر ہتھیار ڈال دیے، اور کہا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا مان کر ہم عقیدہ توحید کو سلامت نہیں رکھ سکتے، اس لئے یہ کسنا پڑے گا کہ وہ پورے طور پر خدا نہیں تھے، انھیں خدا کی شبیہ کہہ لیجئے، خدا کے اخلاق کا عکس نہ رہا دیکھجئے، لیکن یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ اپنی حقیقت و ماہیت کے لحاظ سے ایسے ہی خدا تھے جیسے باپ!

اس فرقے نے عیسائی عقیدے کی اصل بنیاد پر ضرب لگا کر اس مسئلے کو حل کیا تھا، اس لئے کلیسا نے اس کی کھل کر مخالفت کی، اس عقیدے کے دو گوں کو بدعتی اور ملحد (Heretics) قرار دیا، اور اس طرح مسئلے کا یہ حل قابل قبول نہ ہوا،

ایبونی فرقے ہی کے بعض لوگ کھڑے ہوئے، اور انھوں نے کہا کہ مسیح علیہ السلام کی ذاتی سے اس طرح کھل کر انکار نہ کیجئے، مانئے کہ وہ خدا تھے، لیکن شرک کے الزام سے بچنے کے لئے یہ کہہ دیجئے کہ وہ بالذات خدا نہیں تھے، بلکہ انھیں "باپ" نے خدائی عطا کی تھی، لہذا توحید اس لحاظ سے درست ہے کہ بالذات خدا "باپ" ہے، لیکن تثلیث کا عقیدہ بھی صحیح ہے۔ اس لئے کہ "باپ" نے خدائی کی یہ صفت "بیٹے" اور "روح القدس" کو بھی عطا کر دی تھی،

لیکن یہ نظریہ بھی کلیسا کے عام نظریات کے خلاف تھا، اس لئے کہ کلیسا "بیٹے" کو بالکل "باپ" کی طرح بالذات خدا مانتا ہے، اس لئے یہ فرقہ بھی ملحد قرار پایا، اور بات پھر وہیں رہی!

ایک تیسرا فرقہ پیٹری پشین (Patripassian) اٹھا، نائیسس (Nicaea) پر گزیریں (Praxeas) کالسٹس (Callistus) اور زیفائرنیوس (Zephyrinus) اس فرقے کے مشہور لیڈر تھے، انھوں نے اس مسئلے کو حل کرنے کے لئے ایک نیا فلسفہ پیش کیا، اور کہا کہ درحقیقت باپ اور بیٹا کوئی الگ الگ شخصیتیں نہیں ہیں، بلکہ ایک ہی شخصیت کے مختلف روپ ہیں، جن کے لئے الگ الگ

نام رکھ دیئے گئے ہیں، خدا اور حقیقت باپ ہے، وہ اپنی ذات کے اعتراف سے قدیم ہوا غیر فانی ہے، انسان کی نظریں اس کا اور اک نہیں کر سکتیں، اور نہ انسانی عوارض اسے لاحق ہو سکتے ہیں، لیکن چونکہ وہ خدا ہے، اور خدا کی مرضی پر کوئی فتور نہیں لگائی جاسکتی، اس لئے اگر کسی وقت اس کی مرضی ہو جائے تو وہی خدا ہے اور انسانی عوارض بھی طاری کر سکتا ہے، وہ اگر چاہے تو انسان کے روپ میں لوگوں کو نظر آ سکتا ہے، یہاں تک کہ کسی وقت چاہے تو لوگوں کے سامنے بھی سکتا ہے، چنانچہ ایک مرتبہ خدا کی مرضی یہ ہوئی کہ وہ انسانی روپ میں ظاہر ہو، اس لئے وہ یسوع مسیح کا روپ دھار کر دنیا میں آگیا، لوگوں کو نظر آیا، یہودیوں نے اسے تکلیفیں پہنچائیں یہاں تک کہ ایک دن اسے پھانسی چڑھایا گیا۔ — لہذا اور حقیقت یسوع مسیح یا بیٹا کوئی الگ انشوم یا شخصیت (Person) نہیں ہے، بلکہ وہی باپ ہے جس نے روپ بدل کر اپنا نام بیٹا رکھ لیا ہے،

لیکن ظاہر ہے کہ اس فلسفے نے اگر ایک اور تین کے اتحاد کے مسئلے کو کسی درجے میں حل کیا تو دوسری طرف کئی ناقابل حل مسئلے کھڑے کر دیئے، دوسرے اس فرقے نے بھی کلیسا کے نظریے کی کوئی مدد نہ کی جو باپ اور بیٹے کو الگ الگ شخصیتیں قرار دیتا ہے۔ اس لئے یہ فرقہ بھی بدعتی قرار پایا، اور مسئلہ پھر جوں کا توں رہا، بدعتی فرقوں کی طرف سے اس مسئلے کے حل کے لئے اور بھی بعض کوششیں کی گئیں، لیکن وہ سب اس لئے ناقابل قبول تھیں کہ ان میں کلیسا کے مسئلہ نظریے کو کسی نہ کسی طرح توڑا گیا تھا،

سوال یہ ہے کہ خود رومن کیتھولک چرچ کے ذمہ داروں نے اس مسئلے کو کس طرح حل کیا؟ جہاں تک ہم نے مطالعہ کیا ہے، رومن کیتھولک علماء میں سے بیشتر تو وہ ہیں جنہوں نے اس مسئلے کو حل کرنے سے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ "تین کا ایک اور ایک کا تین" ہونا ایک

۱۵۔ یہاں ہم نے ان فرقوں کے عقائد کا لب لباب اور خلاصہ پیش کیا ہے تفصیل کے لئے دیکھئے مائرس ریلیٹن کی کتاب

مرستہ راز ہے جسے سمجھنے کی ہم میں طاقت نہیں ہے، اور کچھ علماء وہ ہیں جنہوں نے اس عقیدے کی

لے اسی بات کو بعض ہندوستانی پادریوں نے اس طرح تعبیر کیا ہے کہ عقیدہ تثلیث متشابہات میں سے ہے، اور جس طرح قرآن کریم کے حروف مقطعات اور الرَّحْمٰنُ عَلَى النَّارِ اِستوی جیسے آیات کا مفہوم سمجھ میں نہیں آسکا، اسی طرح عقیدہ تثلیث بھی ہماری سمجھ سے باہر ہے،

متشابہات کی حقیقت | ہمارے ہندوستانی پادری صاحبان عام طور سے مسلمانوں کو یہ مغالطہ دیا کرتے ہیں، اس کو اس کا جواب تفصیل سمجھ لیجئے، اس سلسلے میں پہلی بات تو یہ ہے کہ متشابہات میں جو مفہوم پنپا ہوتا ہے اور جسے سمجھنے سے ہم قاصر رہتے ہیں وہ کبھی دیکھ کر ان بنیادی عقائد میں نہیں جھونکا جاتا جن پر پالنا نجات کی اولین شرط ہو، اللہ نے جن عقائد پر ایمان رکھنے کا ہم کو پابند کیا ہے وہ کھول کھول کر بیان کر دیئے ہیں، اور ان میں سے ہر ایک عقیدہ ایسا ہے جسے عقل کی کوئی دلیل چیلنج نہیں کر سکتی۔ متشابہات وہ چیزیں ہوتی ہیں جن کا سمجھنا انسان کی نجات کے لئے چنداں مضرت نہ ہو، اور جس کے جاننے پر کوئی بنیادی عقیدہ یا عملی حکم موقوف نہ ہو۔ اس کے برخلاف عیسائی مذہب میں عقیدہ تثلیث پہلا وہ عقیدہ ہے جس پر ایمان لانے بغیر انسان نجات نہیں پاسکتا، اگر اس عقیدہ تثلیث کو متشابہات میں سے مان لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ نے ایک ایسی بات سمجھنے اور ماننے کا ہمیں مکلف کیا ہے جو ہماری عقل سے باہر ہے، الفاظ دیگر عیسائی عقیدہ کے مطابق انسان کی نجات اور اس کا ایمان ایک ایسی چیز پر موقوف ہے جس کے سمجھنے سے وہ معذور ہے، بخلاف قرآنی متشابہات کے کہ اسلام اور ایمان ان کے سمجھنے بھاننے پر موقوف نہیں، اگر کوئی شخص ساری عمر متشابہات سے بالکل بے خبر رہے تو اس کے ایمان میں فرق نہیں آتا۔

دوسرے عقیدہ تثلیث کو متشابہات قرار دینا یا تو متشابہات کی حقیقت سے ناواقفیت کی دلیل ہے یا خود عیسائی مذہب کے، اس لئے کہ متشابہات سے مراد وہ باتیں ہوتی ہیں جن کا مطلب انسانی سمجھ میں آسکے۔ وہ باتیں نہیں ہوتیں جو عقل کے خلاف ہوں، گویا متشابہات عقل سے ماوراء تو ہوتے ہیں لیکن عقل کے خلاف نہیں ہوتے، اسلام میں متشابہات کی دو قسمیں ہیں، ایک تو وہ جن کا سرے سے کوئی مطلب ہی سمجھ میں نہیں آتا، مثلاً حروف مقطعات کہ اَللّٰہُ وَغیرہ حروف کا کوئی مفہوم ہی یعنی طور سے آج تک بیان نہیں کر سکا، دوسری قسم وہ ہے کہ الفاظ سے ایک ظاہری مفہوم سمجھ میں آتا ہے، مگر وہ مفہوم عقل کے خلاف ہوتا ہے، اس لئے یہ کہا جاتا ہے کہ یہاں ظاہری مفہوم تو یقیناً مراد نہیں ہے، اور اصل (باقی صفحہ آئندہ)

صاحبان کا تعلق ہے جو پہلی ایک صدی کے دوران برصغیر میں عیسائیت کی تبلیغ کرتے رہے ہیں ان کے دلائل پر غور و فکر کرنے کے بعد ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرات عیسائیت کے اصل مراکز سے دوری کے سبب عیسائی مذہب کی تفصیلات کو پوری طرح نہیں سمجھ سکے، ہم یہاں صرف ایک مثال پیش کرتے ہیں، بس اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ ان حضرات نے عیسائیت کو کس حد تک سمجھا ہے؟ پادری قائم الدین صاحب نے "عقیدہ تثلیث" کی تشریح کے لئے ایک چھوٹا سا رسالہ "تکشف التثلیث" کے نام سے لکھا ہے جو ۱۹۲۷ء میں لاہور سے شائع ہوا تھا، اس میں "توسید فی التثلیث" کے عقیدے کی ایک مثال دیتے ہوئے وہ لکھتے ہیں،

"اگر انسان کی جسمانی ترکیب پر غور کیا جائے تو بھی اپنی بہنس یعنی مادی اجزاء سے مرکب الوجود ہے کہ جن کی اتحادی کیفیت کو مادی نگاہیں دیکھ سکتی ہیں، مثلاً ہڈی، گوشت، خون، ان تینوں چیزوں کی باہمی یگانگت کے سبب انسان کا جسم اپنے وجود میں قائم ہے، اگر ان تینوں چیزوں میں سے کوئی ایک ہو تو اس کے جسم کی تکمیل محال ہے" (تکشف التثلیث ص ۲۴، لاہور ۱۹۲۷ء)

مذکورہ بالا عبارت میں پادری صاحب نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ جس طرح انسان کا ایک وجود گوشت، ہڈی اور خون تین اجزاء سے مرکب ہے اسی طرح (معاذ اللہ ہائے کاد) جو تین اقانیم سے مرکب ہے، اس سے صاف ظاہر ہے کہ پادری صاحب یہ سمجھتے ہیں کہ عیسائی مذہب میں تین اقانیم سے مراد تین اجزاء ہیں، اور جس طرح ہر وہ چیز جو کئی اجزاء سے مرکب ہو بحیثیت مجموعی ایک ہی ہوتی ہے، اسی طرح خدا کی ذات تین اقانیم سے مرکب ہونے کے باوجود ایک ہی ہے۔ حالانکہ عیسائی مذہب تین اقانیم کو تین اجزاء نہیں مانتا، بلکہ تین مستقل وجود قرار دیتا ہے، یہی وجہ ہے کہ باپ، بیٹے اور روح القدس کے لئے اجزاء کا لفظ چھوڑ کر اس نے اقنوم یا شخصیت (Person) کا لفظ اختیار کیا ہے، انسان کا وجود بلاشبہ گوشت، ہڈی اور خون سے مرکب ہے، مگر صرف گوشت یا صرف ہڈی کو کوئی شخص "انسان" نہیں کہہ سکتا۔

لے آٹھ اٹھ کے الفاظ میں اس کی تشریح پیچھے گزر چکی ہے،

نہیں کہتا، بلکہ انسان کا ایک جزء کہتا ہے، اس کے برخلاف عیسائی مذہب باپ، بیٹے، ... اور روح القدس میں سے ہر ایک کو خدا قرار دیتا ہے، خدا کا جزء نہیں ماننا۔

اس مثال کو پیش کرنے سے صرف یہ دکھلانا مقصود تھا کہ ہمارے اکثر ہندوستانی پادری صاحبان جب تثلیث کو عقلی دلائل سے ثابت کرنا چاہتے ہیں، تو خود اپنے مذہب کی تفصیلات ان کی نظروں سے اوجھل ہو جاتی ہیں، اس لئے ہم ان کے پیش کردہ دلائل کو اس مقالے میں نظر انداز کر کے یہ تحقیق کریں گے کہ عیسائیت کے علماء متقدمین نے اس سلسلے میں کیا کہا ہے؟ جہاں تک ہم نے جستجو کی ہے، اس موضوع پر سب سے زیادہ مفصل جامع اور مبسوط کتاب ہمیری صدی عیسوی کے مشہور عیسائی عالم اور فلسفی مینٹ آگسٹائن نے لکھی ہے، بعد کے تمام لوگ اسی کتاب کے خوشہ چیں ہیں، اس کتاب کا انگریزی ترجمہ لے، ڈبلیو، ہیڈن نے کیا ہے، جو On the Trinity کے نام سے چھپ چکا ہے، اور آگسٹائن کے اس مجموعہ مقالات کا جزء ہے، جو مشرقیہ میں نیریارک سے بیک رائٹنگس آف مینٹ آگسٹائن کے نام سے شائع ہوا ہے۔

اس کتاب کا بیشتر حصہ اگرچہ نقلی مباحث پر مشتمل ہے، لیکن آخر کے صفحات میں آگسٹائن نے تین اور ایک کے اتحاد کو عقلاً جائز ثابت کرنے کے لئے کچھ مثالیں پیش کی ہیں، ان مثالوں کا خلاصہ ہم ذیل میں پیش کرتے ہیں:

دماغ کی مثال سے تثلیث کا اثبات | آگسٹائن نے پہلی مثال یہ پیش کی ہے کہ انسان کا دماغ اس کے پاس علم کا ایک آلہ ہے، عام طور سے یہ ہوتا ہے کہ عالم، معلوم اور آلہ علم جدا جدا تین چیزیں ہوتی ہیں، اگر آپ کو زید کے وجود کا علم ہو تو آپ عالم ہیں، زید معلوم ہے اور آپ کا دماغ آلہ علم ہے، گویا:

۱۔ اگر عیسائی مذہب ان تینوں کو خدا کا جزء مان لیتا تو پادری قائم الدین صاحب کی یہ توجیہ درست ہو جاتی، یہ دوسری بات یہ کہ خدا کو اجزاء سے مرکب ماننا دوسرے دلائل کی بددشنی میں خلاف عقل اور اس قدم و دوام کے منافی ہرگز نہیں، ہم اس کتاب میں جہاں بھی آگسٹائن کا حوالہ دیں گے اس سے مراد اس کے مقالات کا یہی مجموعہ ہو گا، ت

عالم (جس نے جانا) — آپ

معلوم (جس کو جانا) — زید

آلہ علم (جس کے ذریعہ جانا) — دماغ

لیکن اس کے ساتھ ہی آپ کے دماغ کو خود اپنے وجود کا علم بھی ہوتا ہے، اس صورت میں عالم بھی دماغ ہے، معلوم بھی دماغ ہے، اند آلہ علم بھی وہ خود ہی ہے، اس لئے کہ دماغ کو اپنا علم خود اپنے ذریعہ حاصل ہوا ہے، اس صورت میں واقعہ کچھ اس طرح ہے کہ:-

عالم (جس نے جانا) — دماغ

معلوم (جس کو جانا) — دماغ

آلہ علم (جس کے ذریعہ جانا) — دماغ

آپ نے دیکھا کہ اس مثال میں عالم، معلوم اور آلہ علم، جو درحقیقت تین جدا جدا چیزیں تھیں، ایک بن گئی ہیں، پہلی مثال میں عالم ایک الگ وجود تھا، معلوم الگ، اور آلہ علم الگ، لیکن دوسری مثال میں یہ تینوں ایک ہو گئے ہیں، اب اگر کوئی پوچھے کہ عالم کون ہے؟ تو جواب ہو گا کہ دماغ، کوئی پوچھے کہ معلوم کون ہے؟ تو اس کا جواب بھی دماغ ہی ہو گا، اور اگر کوئی پوچھے کہ آلہ علم کیلئے؟ تو اس کے جواب میں بھی دماغ ہی کہا جائے گا، حالانکہ دماغ ایک ہی ہے، بات صرف یہ ہے کہ یہ دماغ تین صفات رکھتا ہے، ان تین صفات میں سے ہر ایک کے حامل کو دماغ کہا جاسکتا ہے، لیکن اس بناء پر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ دماغ تین ہیں، — آگسٹائن کہتا ہے کہ اس طرح خدا تین اقامیم سے عبارت ہے، ان تینوں میں سے ہر ایک خدا ہے، لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ خدا تین ہیں، بلکہ وہ ایک ہی ہے،

آگسٹائن نے یہ مثال پیش کر کے خاصی ذہانت کا مظاہرہ کیا ہے، لیکن انصاف کے ساتھ غور کیا جائے تو اس مثال سے مسئلہ حل نہیں ہوتا، اس لئے کہ مذکورہ مثال میں دماغ حقیقتاً ایک ہی ہے اور اس کی تثلیث اعتباری ہے، حقیقی نہیں ہے، اس کے برخلاف عیسائی مذہب خدا میں توحید کو بھی حقیقی مانتا ہے، اور تثلیث کو بھی،

اس کو یوں سمجھئے کہ مذکورہ مثال میں دماغ کی تین حیثیتیں ہیں، ایک حیثیت سے وہ عالم ہو، دوسری حیثیت سے وہ معلوم ہے، اور تیسری حیثیت سے وہ ذریعہ علم ہے، لیکن خارجی وجود کے لحاظ سے یہ تینوں ایک ہیں، عالم کا خارجی مصداق بھی وہی دماغ ہے جو معلوم اور ذریعہ علم کا ہے، ایسا نہیں ہے کہ جو دماغ عالم ہے وہ ایک مستقل وجود رکھتا ہو، اور جو دماغ معلوم ہے وہ دوسرا مستقل وجود رکھتا ہو، اور جو دماغ آلہ علم ہے اس کا ایک تیسرا حقیقی وجود ہو، لیکن عیسائی مذہب میں باپ، بیٹا اور روح القدس محض خدا کی تین اعتباری حیثیتیں نہیں ہیں، بلکہ تین مستقل وجود ہیں، باپ کا خارجی وجود الگ، بیٹے کا خارجی وجود الگ، اور روح القدس کا الگ، یہ تینوں خارجی وجود اپنے آثار و احکام کے لحاظ بھی بالکل الگ الگ ہیں، خود آگسٹائن اپنی کتاب کے شروع میں لکھتے ہیں:

”یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ تثلیث وحدت ہی کنواری مریم کے پیٹ سے پیدا ہوئی، اے پنطیس سیلاؤس نے پھانسی دی: اُسے دفن کیا گیا، اور پھر یہ تیسرے دن زندہ ہو کر جنت میں چل گئی، کیونکہ یہ واقعات تثلیث وحدت کے ساتھ نہیں، صرف بیٹے کے ساتھ پیش آئے تھے، اسی طرح یہ بھی نہ سمجھنا چاہئے، کہ یہی تثلیث وحدت یسوع مسیح پر کبوتر کی شکل میں اُس وقت نازل ہوئی تھی جب اُسے بپتسمہ دیا جا رہا تھا..... بلکہ یہ واقعہ صرف روح القدس کا تھا، علیٰ ہذا القیاس یہ سمجھنا بھی درست نہیں کہ جب یسوع مسیح کو بپتسمہ دیا جا رہا تھا..... تو اس وقت تثلیث وحدت نے اس سے پکار کر کہا تھا کہ تو میرا بیٹا ہے، بلکہ یہ الفاظ صرف باپ کے منہ سے جو بیٹے کے لئے بولے گئے

تھے۔ (آگسٹائن، ص ۲، ۶، ج ۲)

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ عیسائی مذہب باپ، بیٹے، اور روح القدس میں صرف اعتباری امتیاز کا عقیدہ نہیں رکھتا، بلکہ اُن کو تین الگ الگ حقیقی وجود قرار دیتا ہے، حالانکہ دماغ کی مذکورہ مثال میں عالم، معلوم اور آلہ علم الگ الگ تین حقیقی وجود نہیں ہیں، بلکہ ایک حقیقی وجود کی تین اعتباری حیثیتیں ہیں، یہ بات کوئی ہوشمند نہیں کہہ سکتا کہ عالم، ذریعہ علم، اور معلوم دماغ دوسرا مستقل وجود اور آلہ علم دماغ ایک تیسرا مستقل وجود رکھتا ہے، اور اس کے باوجود تینوں

دو صفتیں ہیں جن کا کوئی مستقل اور حقیقی وجود نہیں ہے، اس کے برخلاف عیسائی مذہب میں باپ ایک ذات ہے، اور صفت کلام ربیٹا، اور صفت مجتہد (روح القدس) اس کی دواہی صفتیں ہیں جو اپنا مستقل جوہری اور حقیقی وجود رکھتی ہیں، لہذا دماغ کی مثال میں وحدت حقیقی ہو، اور کثرت اعتباری، یہ صورت عقلاً بالکل ممکن ہے، اور عقیدہ تثلیث میں حقیقی کثرت کے باوجود حقیقی وحدت کا دعویٰ کیا گیا ہے۔ اور یہ بات عقلاً محال ہے،

اگر عیسائی مذہب کا عقیدہ یہ ہو کہ خدا ایک ذات ہے، اور اس کی صفت کلام اور صفت مجتہد خدا سے الگ کوئی مستقل جوہری وجود نہیں رکھتیں، تب تو یہ مثال درست ہو سکتی ہے اور اس صورت میں یہ مسئلہ اسلام اور عیسائیت کے درمیان صلت فیہ نہیں رہتا، مشکل تو اس بات سے پیدا ہوتی ہے کہ عیسائی مذہب صفت کلام اور صفت مجتہد کو مستقل جوہری وجود قرار دیتا ہے، ان میں سے ہر ایک کو خدا کہتا ہے، اور اس کے باوجود یہ کہتا ہے کہ یہ تین خدا نہیں ہیں، یہ صورت کسی طرح دماغ کی مذکورہ مثال پر چسپاں نہیں ہوتی، اس لئے کہ اس مثال میں محب اور عالم کا دماغ سے الگ کوئی مستقل وجود نہیں ہے جب کہ عیسائی مذہب میں بیٹا اور روح القدس باپ سے الگ اپنا مستقل وجود رکھتے ہیں،

آگسٹائن نے اپنی کتاب میں انہی دو مثالوں کو اپنی ساری عقل گفتگو کا محور بنایا ہے، لیکن آپ دیکھ چکے کہ یہ دونوں مثالیں درست نہیں ہیں،

حضرت مسیح کے بارے میں عیسائی عقائد

حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں عیسائی مذہب کے عقائد کا خلاصہ یہ ہے کہ خدا کی صفت کلام یعنی بیٹے کا اقنوم انسانوں کی فلاح کے لئے حضرت مسیح علیہ السلام کے انسانی وجود میں حلول کر گئی تھی جب تک حضرت مسیح دنیا میں رہے یہ خدائی اقنوم ان کے جسم میں حلول کئے رہا، یہاں تک کہ یہودیوں نے آپ کو پھانسی پر چڑھا دیا، اُس وقت یہ خدائی اقنوم اُن کے جسم سے الگ ہو گیا، پھر تین دن کے بعد آپ دوبارہ زندہ ہو کر حواریوں کو دکھائی دیئے، اور انہیں کچھ ہدایتیں دے کر آسمان پر تشریف لے گئے، اور یہودیوں نے آپ کو جو پھانسی پر چڑھا یا اس سے تمام عیسائی مذہب پر پایا

رکنے والوں کا وہ گناہ معاف ہو گیا جو حضرت آدمؑ کی غلطی سے اُن کی سرشت میں داخل ہو گیا تھا،

اس عقیدے کے چار بنیادی اجزاء ہیں،

(۱) عقیدہ حلول و تجسم Incarnation

(۲) عقیدہ مصلوبیت Crucifixion

(۳) عقیدہ حیات ثانیہ Resurrection

(۴) عقیدہ کفارہ Redemption

ہم ان میں سے ہر ایک جز کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں:

عقیدہ حلول و تجسم | حلول و تجسم کا عقیدہ سب سے پہلے انجیل یوحنا میں ملتا ہے، اس انجیل کا مصنف حضرت مسیحؑ کی سوانح کی ابتداء ان الفاظ سے کرتا ہے:

”ابتداء میں کلام تھا، اور کلام خدا کے ساتھ تھا، اور کلام خدا تھا، یہی ابتداء میں

خدا کے ساتھ تھا“ (یوحنا ۱: ۱ اور ۲)

اور آگے چل کر وہ لکھتا ہے:

”اور کلام مجسم ہوا، اور فضل اور سچائی سے معمور ہو کر ہمارے درمیان رہا، اور

ہم نے اس کا ایسا جلال دیکھا جیسا باپ کے اکلوتے کا جلال“ (یوحنا ۱: ۱۴)

ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ عیسائی مذہب میں کلام ”خدا کے اقنوم ابن سے عبارت ہے، جو خود

مستقل خدا ہے، اس لئے یوحنا کی عبارت کا مطلب یہ ہوا کہ خدا کی صفت کلام یعنی بیٹے کا اقنوم

مجسم ہو کر حضرت مسیح علیہ السلام کے روپ میں آگیا تھا، ماریں ریلیئن اس عقیدے کی تشریح

کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”کیتھولک عقیدے کا کہنا یہ ہے کہ وہ ذات جو خدا تھی، خدائی کی صفات کو

چھوڑے بغیر، انسان بن گئی، یعنی اُس نے ہمارے جیسے وجود کی کیفیات اختیار

کر لیں جو زمان و مکان کی قیود میں مقید ہیں، اور ایک عرصے تک ہمارے درمیان

مقیم رہی“

”بیٹے“ کے اقنوم کو یسوع مسیح (علیہ السلام) کے انسانی وجود کے ساتھ متحد کرنے والی طاقت عیسائیوں کے نزدیک روح القدس تھی، پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ روح القدس سے مراد عیسائی مذہب میں خدا کی صفت محبت ہے، اس لئے اس عقیدے کا مطلب یہ ہوا کہ چونکہ خدا کو اپنے بندوں سے محبت تھی اس لئے اس نے اپنی صفت محبت کے ذریعہ اقنوم ابن کو دنیا میں بھیج دیا، تاکہ وہ لوگوں کے اصلی گناہ کا کفارہ بن سکے؛

یہاں یہ بات ذہن نشین رہنی چاہئے کہ عیسائیوں کے نزدیک ”بیٹے“ کے حضرت مسیح (علیہ السلام) میں حلول کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ”بیٹا“ خدائی چھوڑ کر انسان بن گیا، بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ پہلے صرف خدا تھا، اب انسان بھی ہو گیا، لہذا اس عقیدے کے مطابق حضرت مسیح بیک وقت خدا بھی تھے اور انسان بھی، اگرچہ اسی بخار د کے اسی بات کو ان الفاظ میں ظاہر کرتا ہے:

”وہ (حضرت مسیح) عقیدہ خدا بھی تھے، اور انسان بھی، اُن کی ان دونوں حیثیتوں میں سے کسی ایک کے انکار یا اُن کے وجود میں دونوں کے متحد ہونے کے انکار ہی سے مختلف بدعتی نظریات پیدا ہوئے، اہتہائی شیوں نے آریوں کے مقابلے میں اس نظریے کی پروردہ نہایت کی تھی، لہذا منظرِ رشد فارمولا یہ ہے کہ حضرت مسیح کی ایک شخصیت میں دو ماہیتیں جمع ہو گئی تھیں“^۵

انسانی حیثیت سے حضرت مسیح خدا سے کم رتبہ تھے، اسی لئے انھوں نے یہ کہا تھا کہ:

”باپ مجھ سے بڑا ہے“ (یوحنا، ۱۴: ۲۸)

اور اسی حیثیت سے ان میں تمام انسانی کیفیات پائی جاتی تھیں، لیکن خدائی حیثیت سے وہ ”باپ“ کے ہم رتبہ ہیں، اسی لئے ایمل یوحنا میں آپ کا یہ قول مذکور ہے کہ:

”میں اور باپ ایک ہیں“ (یوحنا، ۱۰: ۳۰)

آگسٹائن لکھتے ہیں:

”علیٰ ہذا القیاس خدائی حیثیت سے انھوں نے انسان کو پیدا کیا، اور انسانی حیثیت

سے وہ خود پیدا کئے گئے۔^{۱۵}

بلکہ آگسٹائن تو یہاں تک لکھتے ہیں کہ۔۔

چونکہ خدا نے بندے کا روپ اس طرح نہیں اپنایا تھا کہ وہ اپنی اس خدائی حیثیت کو ختم کر دے جس میں وہ باپ کے برابر ہے۔۔۔۔۔ لہذا ہر شخص اس بات کو محسوس کر سکتا ہے کہ یسوع مسیح اپنی خدائی شکل میں خود اپنے آپ کے افضل ہیں، اور اسی

طرح اپنی انسانی حیثیت میں خود اپنے آپ کے کمتر بھی ہیں۔^{۱۶} (ج ۲، ص ۸، ۹)

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک شخص خدا بھی ہو اور انسان بھی !

خالق بھی ہو اور مخلوق بھی ! برتر بھی ہو اور کمتر بھی ! ————— عقیدہ تثلیث کی طرح یہ سوال

بہن صدیوں سے بحث و تمحیص کا محور بنا رہا ہے، اس سوال کے جواب میں اس قدر کتابیں لکھی گئی

ہیں کہ ”علم مسیحیت“ (Christology) کے نام سے ایک مستقل علم کی بنیاد پڑ گئی،

جہاں تک رومن کیتھولک چرچ کا تعلق ہو وہ اس سوال کے جواب میں زیادہ تر انجیل یوحنا

کی مختلف عبارتوں سے استدلال کرتا ہے، گویا اس کے نزدیک یہ عقیدہ نقلی دلائل سے ثابت

ہے، اسی عقل، تو عقیدہ حلول کو انسانی سمجھ سے قریب کرنے کے لئے وہ چند مثالیں پیش کرتا ہے:

کوئی کہتا ہے کہ ”خدا“ اور ”انسان“ کا یہ اتحاد ایسا تھا جیسے انگوٹھی میں کوئی تحریر نقش کر دی جاتی ہو،^{۱۷}

کوئی کہتا ہے کہ اس کی مثال ایسی ہے جیسے آئینے میں کسی انسان کی شکل منعکس ہو جائے، تو جس

طرح انگوٹھی میں تحریر کے نقش ہونے سے ایک ہی وجود میں دو قسم کی چیزیں پائی جاتی ہیں،

انگوٹھی اور تحریر، اور جس طرح آئینے میں کسی شکل کے منعکس ہونے سے ایک ہی وجود میں دو

حقیقتیں پائی جاتی ہیں، آئینہ اور عکس، اسی طرح اقنوم ابن حضرت مسیح علیہ السلام کے انسانی

وجود میں حلول کر گیا تھا، اور اس کی وجہ سے ان کی شخصیت میں بھی بیک وقت دو حقیقتیں

^{۱۵} آگسٹائن ص ۸، ۹ ج ۲،

^{۱۶} ان نقلی دلائل کی تفصیل اور ان پر مکمل تبصرہ اہلدارالحق کے تیسرے باب میں موجود ہے،

^{۱۷} دیکھئے انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا، ص ۴۷۹ ج ۲۲، مقالہ ”تثلیث“، مہر ماہ ۱۹۵۰ء،

Paul of Samosata اور لوسیئن^۱ (Lucian) تھے، مشرکین کہتے ہیں

تدنیوں کا نظریہ یہ تھا کہ یسوع مسیح ایک مخلوق تھے، البتہ دونوں کے نظریات میں فرق یہ کہ پال کے نزدیک وہ محض ایک انسان تھے جن میں خدا کی غیر شخصی عقل نے اپنا مظاہرہ کیا تھا، اور لوسیئن اور اس کے مکتب فکر کے نزدیک وہ ایک آسمانی وجود تھے جس کو خدا عدم سے وجود میں لایا تھا، اور جن میں خدائی عقل اپنی شخصی کیفیت میں آگئی تھی، لہذا وہ حلول کے وقت ایک انسانی جسم کا مظاہرہ کرتے تھے، مگر ان کی روح انسانی نہیں تھی، اُن کا مشن یہ تھا کہ وہ باپ کا پیغام پہنچائیں، لیکن نہ تو وہ علی الاطلاق خدا تھے، اور نہ قدیم اور جادو دانی^۲۔

گویا پال نے دوسرے سے حلول کے عقیدے ہی کا انکار کر دیا، اور یہ کہا کہ حضرت مسیح کے وجود میں خدا کے حلول کرنے کا مطلب صرف یہ ہے کہ اُن کو خدا کی طرف سے ایک خاص عقل عطا ہوئی تھی، اور لوسیئن نے حلول کے عقیدے کا تو انکار نہیں کیا، اس نے یہ تسلیم کیا کہ خدا کی منفست علم اُن میں حلول کر گئی تھی، لیکن یہ حلول ایسا نہ تھا کہ حضرت مسیح کو خدا، خالق، قدیم اور جلودانی بنادے، بلکہ اس حلول کے باوجود خدا بدستور خالق رہا، اور حضرت مسیح بدستور مخلوق، پال اور لوسیئن ہی کے نظریات سے متاثر ہو کر چوتھی صدی عیسوی میں مشہور مفکر آریوس (Arius) نے اپنے وقت کے کلیسا کے خلاف بڑی زبردست جنگ لڑی، اور پوری عیسائی دنیا میں ایک تہلکہ مچا دیا، اس کے نظریات کا خلاصہ جس میں ایک کنن کے الفاظ میں یہ تھا: "آریوس اس بات پر زور دیتا تھا کہ صرف خدا ہی قدیم اور جادو دانی ہے، اور اس کا کوئی سا جہی نہیں، اسی نے بیٹے کو پیدا کیا، جبکہ وہ پہلے معدوم تھا، لہذا نہ بیٹا جادو دانی

۱۔ لوسیئن (متوفی ۳۱۲ء) عیسائیوں کا مشہور عالم ہے جس نے تمام عمر راہبانہ زندگی گزار لی، اس کے نظریات پوتس شاملی اور آریوس کے نظریات کے بین بین تھے، شمشاطہ میں پیدا ہوا تھا لیکن زندگی کا بیشتر حصہ انطاکیہ میں گزارا (برٹانیکا، ص ۶۰ ج ۱۴، مقالہ لوسیئن)

ہے۔ اور نہ خدا ہمیشہ سے باپ ہے، کیونکہ ایک ایسا وقت تھا جس میں بیٹا موجود نہیں تھا، بیٹا باپ سے بالکل الگ ایک حقیقت رکھتا ہے، اور اس پر تغیرات واقع ہو چکے ہیں۔ وہ مسیح معنی میں خدا نہیں ہے، البتہ اس میں ”مکمل“ ہونے کی صلاحیت موجود ہے، اور وہ ایک مکمل مخلوق ہے۔ ایک عقل مجسم جو ایک حقیقی انسانی جسم میں پائی جاتی ہے، اس طرح اس کے نزدیک مسیح ایک ثانوی خدائی کا حامل ہے، یا یوں کہہ لیجئے کہ نیم دوتا (Demi-god) جو خدائی اور انسانیّت دونوں کی صفات سے کسی قدر حصہ رکھتا ہے، لیکن بلند ترین معنی میں خدا نہیں ہے۔“

گویا اس کی نظر میں حضرت مسیح کی حیثیت یہ تھی کہ ع

بعد از خدا، بزرگ توئی قصہ مختصر

جس زمانے میں آریوس نے یہ نظریات پیش کئے تھے، اس زمانے میں خاص طور سے مشرق کے کلیساؤں میں اسے غیر معمولی مقبولیت حاصل ہو گئی تھی، یہاں تک کہ خود اس کا دعویٰ تو یہ تھا کہ تمام مشرقی کلیسا میرے ہم نوا ہیں،

لیکن اسکندریہ اور انطاکیہ کے مرکزی کلیساؤں پر الیگزینڈرا اور اہتہانی شیس وغیرہ کی حکمرانی تھی، جو مسئلے کے کسی ایسے حل کو قبول کرنے پر آمادہ نہیں تھے، جس سے حضرت مسیح علیہ السلام کی خدائی کو ٹھیس لگتی ہو، اور عقیدہ ملول کے ٹھیکہ مفہوم پر کوئی حرف آتا ہو، چنانچہ جب شاہ قسطنطین نے ۳۲۵ء میں نیقیہ کے مقام پر ایک کونسل منعقد کی تو اس میں آریوسی عقائد کی نہ صرف پرزہ در تردید کی گئی، بلکہ آریوس کو جلا وطن کر دیا گیا،

اس کے بعد پانچویں صدی عیسوی میں پولسی فرقہ (Paulicians) | پولسی فرقہ
نمودا ہوا، اس نے حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں ایک بن بن رائے ظاہر کی، اس نے کہا کہ حضرت مسیح خدا نہیں تھے، بلکہ فرشتہ تھے، انھیں خدا نے دنیا میں بھیجا تھا، تاکہ دنیا کی اصلاح کریں، چنانچہ وہ مریم کے پیٹ سے ایک انسان کی شکل اختیار کر کے

پیدا ہوئے، اور چونکہ خدا نے انہیں اپنا مخصوص حبلال عطا کیا تھا، اس لئے وہ خدا کے بیٹے کہلائے۔
 اس فرقے کے اذات زیادہ تر ایشیائے کوچک اور آرمینیا کے علاقوں میں رہے ہیں، لیکن
 اس کو قبلِ مام حاصل نہ ہو سکا، کیونکہ حضرت مسیح کے فرشتہ ہونے پر کوئی نقلی دلیل موجود نہیں تھی۔
نسطوری فرقہ | پھر پانچویں صدی ہی کے وسط میں نسطوری سرورقہ کھڑا ہوا جس کا لیبڈر
 نسطوریوس (م ۳۵۰ء) تھا، اس نے اس مسئلے کو حل کرنے کے لئے ایک
 نیا فلسفہ پیش کیا، اور وہ یہ کہ عقیدہ حلول کی تمام تر مشکلات اس مفروضے کی بناء پر ہیں کہ حضرت
 مسیح کو ایک شخصیت قرار دے کر ان کے لئے دو حقیقتیں ثابت کی گئی ہیں، ایک انسانی اور
 ایک خدائی۔ نسطوریوس نے کہا کہ حضرت مسیح کا خدا ہونا بھی بجا، اور انسان ہونا بھی
 برحق، لیکن یہ تسلیم نہیں کہ وہ "ایک شخصیت" تھے، جن میں یہ دونوں حقیقتیں جمع ہو گئی تھیں حقیقت
 یہ ہے کہ حضرت مسیح کی ذات دو شخصیتوں کی حامل تھی، ایک بیٹا، اور ایک مسیح، ایک ابن اللہ
 اور ایک ابن آدم، "بیٹا" خالص خدا ہے، اور "مسیح" خالص انسان،

رومن کیتھولک چرچ کا فارمولایہ تھا کہ: ایک شخصیت اور دو حقیقتیں۔ اس کے برعکس
 نسطوریوس کا فارمولایہ تھا کہ: دو شخصیتیں اور دو حقیقتیں۔ چنانچہ ۳۲۵ء میں انیس کے مقام پر
 نام کلیساؤ کی ایک کونسل میں اس کے نظریات کو پر زور طریقے سے مسترد کر دیا گیا، اور اسی
 کے نتیجے میں اسے جلا وطنی اور قید کی سزائیں دی گئیں، اور اس کے پیروؤں کو بدعتی قرار دیا گیا
 تاہم یہ فرقہ اب تک باقی ہے، اس کے خلاف جو جرم عائد کیا گیا تھا اس کا خلاصہ ڈاکٹر بیدن سکر

Bethune-Baker (ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں،

"اس نے بتائے خداوند کی خدائی اور انسانی حقیقتوں میں اس قدر امتزاج برتا کہ

وہ دو مستقل وجود بن گئے..... اس نے کلمہ اللہ کو بتواریع سے اور ابن اللہ

کو ابن آدم سے الگ شخصیت قرار دیا۔"

اس فرقہ کے مزید نظریات کے لئے دیکھئے انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا، ص ۲۹، ج ۱، مقالہ "ایشینس"۔
 لہٰذا آخر زمانے کے بعض محققین مثلاً بیدون سکر وغیرہ کا خیال ہے کہ اس پر بہ الزام بالکل ہے، اور اس کے نظریات
 ایک بھانپیں بجا، مگر برادیر مارٹن ریلٹن وغیرہ نے اس کی تردید کر کے انیس کونسل کے فیصلے کی تائید کی ہے،

یعقوبی فرقہ

اس کے بعد چھٹی صدی عیسوی میں یعقوبی فرقہ Jacobite church

پیدا ہوا، جس کے اثرات اب تک شام اور عراق میں باقی ہیں، ان کا لیڈر

تھا، اس کا نظریہ آریوس

Jacobus Baradaeus

یعقوب برزغانی

اور نسطوریوس دونوں کے بالکل برعکس تھا، نسطوریوس نے حضرت مسیح علیہ السلام کے وجود میں دو حقیقتوں کے ساتھ دو شخصیتیں ثابت کی تھیں، یعقوب نے کہا کہ حضرت مسیح صرف یہ کہ ایک شخصیت تھے، بلکہ ان میں حقیقت بھی صرف ایک پائی جاتی تھی — اور وہ تھی خدائی؛ وہ صرف خدا تھے، گوہیں انسان کی شکل میں نظر آتے ہوں، دی درلڈ فیمل انسائیکلو پیڈیا میں اس فرقے کا نظریہ اس طرح بیان کیا گیا ہے:

”یہ ثابت کرتے ہیں کہ مسیح میں خدائی اور انسانی حقیقتیں کچھ اس طرح متحد ہو گئی تھیں کہ وہ صرف ایک حقیقت بن گئی تھی“

یہ نظریہ یعقوب برزغانی کے علاوہ بعض دوسرے فرقوں نے بھی اپنایا تھا اس قسم کے فرقوں کو مونوفیزی فرقے (Monophysites) کہا جاتا ہے، اور ساتویں صدی

آخری تاویل | مندرجہ بالا بحث سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ عقیدہ حلول کی تشریح اور اسے عقل سے قریب لانے کے لئے مختلف عیسائی مفکرین کی طرف سے کب کوششیں کی گئیں، لیکن آپ نے دیکھا کہ ان میں سے ہر کوشش مرکزی رومن کیتھولک چرچ کے عقائد سے انحراف کر کے کی گئی ہے، اس لئے خود مرکزی کلیسا کے ذمہ داروں نے اُسے بدعت

۱۵ دی درلڈ فیمل انسائیکلو پیڈیا، ص ۲۶۳۸ ج ۱۰، مطبوعہ نیویارک ۱۹۵۷ء

۱۵ یہ ابتدائی اسلام کا زمانہ ہے، اس زمانے میں یہ فرقے تمام عیسائی دنیا کا اہم ترین موضوع بحث بن گئے، اُن کی وجہ سے شام وغیرہ میں بڑے ہنگامے ہو رہے تھے (دیکھئے برٹانیکا، ص ۲۰، ج ۱۵، مقالہ سوزانیوز) اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن کریم نے اپنے مندرجہ ذیل ارشاد میں غالباً اپنی فرقوں کی طرف اشارہ کیا:

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ بْنُ مَرْيَمَ

”بلاشبہ وہ لوگ کافر ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ

الْمَسِيحُ بْنُ مَرْيَمَ

مسیح بن مریم ہی ہے“

تشرار دیا، رہا اصل سوال کا جواب، تو اس کے بارے میں رجعت پسندوں کی طرف سے تو صرف یہ کہا جاتا رہا کہ درحقیقت عقیدہ حلول بھی ایک سرسبز تہ راز ہے جسے ماننا ضروری ہے، مگر سمجھنا ممکن نہیں، (دیکھئے برطانیکا،)

لیکن یہ بات کسی سنجیدہ ذہن کو اپیل کرنے والی نہیں تھی، اس لئے آخر دور میں عقیدہ حلول کو عقل کے مطابق ثابت کرنے کے لئے ایک اور تاویل کی گئی، اس تاویل کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ٹھیک ٹھیک رد من کی تھوڑی سی عقیدے کی پشت پناہی کی گئی ہے، اور اُسے جوں کا توں برسرار رکھنے کی کوشش کی گئی ہے، یہ تاویل اگرچہ بعض قدیم مفکرین نے بھی پیش کی تھی مگر اسے پروفیسر آرتھر ریلٹن نے بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے، دیکھتے ہیں:

اس قسم کا حلول (جن کا رد من کی تھوڑی سی چرچ قائل ہے)، اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے، اگر یہ بات یاد رکھی جائے کہ اس کے لئے راہ اُسی وقت ہموار ہو گئی تھی جب پہلے انسان (آدم) کو خدا کے مشابہ بنا کر پیدا کیا گیا تھا، اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ خدا کے اندر ہمیشہ سے انسانیت کا ایک عنصر موجود تھا، اور اسی انسانی عنصر کو بنی آدم کے مخلوق ڈھانچے میں نامکمل طور سے منعکس کر دیا گیا تھا، لہذا سچی انسانیت خدا ہی کی انسانیت ہے، یہ اور بات ہے کہ خالص اور محض انسانیت آدمی میں پائی جاتی ہے، کیونکہ وہ ایک مخلوق اور نامکمل انسانیت رکھتا ہے، جو کبھی خدائی کارروپ نہیں دھار سکتی، خواہ اس میں کتنے عرصے تک خدائی کیوں مقیم رہی ہو لہذا جب خدا انسان بنا تو اس نے جس انسانیت کا مظاہرہ کیا وہ محض مخلوق انسانیت نہیں تھی، جو ہم موجود ہے، بلکہ یہ وہ حقیقی انسانیت تھی جو صرف خدا ہی کے پاس ہے، اور جس کے مشابہ بنا کر ہم کو پیدا کیا گیا ہے، آخر کار اس کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ یسوع مسیح کی انسانیت وہ انسانیت نہیں ہے، جسے ہم اپنے وجود میں محسوس کرتے ہیں، بلکہ یہ خدا کی انسانیت بھی، جو ہماری

لے یہاں آرتھر ریلٹن بائبل کے اُس جملے کی طرف اشارہ کر رہے ہیں جس میں کہا گیا ہے کہ، "خدا نے انسان کو اپنی

صورت پر پیدا کیا" (پیدائش: ۲۷)

انسانیت اتنی ہی مختلف ہو جتنا خالق مخلوق سے مختلف ہوتا ہے ۱۵

خلاصہ یہ ہے کہ اس تادیل کی زد سے اگرچہ حضرت مسیح کی ایک شخصیت میں "خدائی" اور "انسانیت" دونوں حقیقتیں جمع تھیں، لیکن انسانیت بھی خدائی انسانیت تھی، آدمی انسانیت نہ تھی، لہذا دونوں کے بیک وقت پائے جانے میں کوئی اشکال نہیں، یہ ہے وہ تادیل جو ہر دنیسرمارس ریلیٹن کے نزدیک سب سے زیادہ معقول، نتیجہ خیز اور اعتراضات سے محفوظ ہے، اور اس سے کیتھولک عقیدے پر بھی کوئی حرج نہیں آتا۔ لیکن یہ تادیل بھی کتنا دزن رکھتی ہے؟ اپنی نظر سمجھ سکتے ہیں ۱۶

۱۵ Studies in Christian Doctrine P.P. 133, 144

۱۶ اس تادیل کی بنیاد اس مفروضے پر ہے کہ خدا میں اندل سے مکمل انسانیت پائی جاتی ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ یہ "خدائی انسانیت" کیا چیز ہے؟ کیا اس میں بھی بھوک، پیاس، غشی، غم اور وہ تمام انسانی عوارض پائے جاتے ہیں جو ہم میں موجود ہیں یا نہیں؟ اگر یہ عوارض اس میں بھی پائے جاتے ہیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ خدا کو بھی (معاذ اللہ) بھوک، پیاس لگتی ہے، اُسے بھی تکلیف اور راحت پہنچتی ہے، اور اگر میں بھی حادث کے تمام عوارض پائے جاتے ہیں، ظاہر ہے کہ یہ بات باہتہ غلط ہے، اور رد من کیتھولک چرچ بھی اس کا عقیدہ نہیں رکھتا، اور اگر "خدائی انسانیت" ان تمام عوارض سے پاک ہے تو سوال یہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام میں یہ عوارض کیوں پائے جاتے تھے؟ انھیں کیوں بھوک، پیاس لگتی تھی؟ انھیں کیوں بچ اور غم ہوتا تھا؟ وہ (بزعیم نصاریٰ) سولی پر لٹک کر کیوں درد سے چلاتے تھے؟ جب ان کی انسانیت بقول مارس ریلیٹن ہماری جیسی نہیں تھی، بلکہ وہ خدائی انسانیت تھی جو ان تمام عوارض سے پاک اور برتر ہے؟

پھر اس تادیل میں انسان کو خدا کے مشابہ بنا کر پیدا کرنے کے یہ عجیب معنی بیان کئے گئے ہیں خدا میں پہلے سے انسانیت کا ایک عنصر موجود تھا، اور اسی عنصر کا ایک عکس انسان میں منتقل کر دیا گیا۔ حالانکہ اگر کتاب پیدائش کے الفاظ واقعۃً الہامی ہیں تو ان کا زیادہ سے زیادہ مطلب یہ ہے کہ اللہ نے انسان کو علم و شعور عطا کیا، اُسے اچھے برے کی تمیز بتلائی، اور خیر و شر دونوں کا (باقی برصغیر آئندہ)

عقیدہ مصلوبیت (Crucifixion)

حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں عیسائی مذہب کا دوسرا عقیدہ یہ ہے کہ انھیں یہودیوں نے پٹلیس پیلاطیس کے حکم سے سولی پر چڑھا دیا تھا، اور اس سے اُن کی وفات ہو گئی تھی، — اس عقیدے کے سلسلے میں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ عیسائیوں کے اکثر فرقوں کے نزدیک پچاسی اقنوم ابن کو نہیں دی گئی، جو اُن کے نزدیک خدا ہے، بلکہ اس اقنوم ابن کے انسانی مظہر یعنی حضرت مسیح علیہ السلام کو دی گئی جو اپنی انسانی حیثیت میں خدا نہیں ہیں، بلکہ ایک مخلوق ہیں۔

(بقیہ ماشیہ صفحہ ۵۲) عطا کی، خود کیتھولک علماء قدیم زمانے سے اس آیت کا یہی مطلب بیان کرتے آئے ہیں۔ سینٹ آگسٹائن اپنی مشہور کتاب "دی سٹی آف گاڈ" کے کتاب نمبر ۱۲ باب نمبر ۲۳ میں لکھتے ہیں: "پھر خدا نے انسان کو اپنی مشابہت میں پیدا کیا، اس لئے کہ اس نے انسان کے لئے ایک ایسی روح پیدا کی جس میں عقل و فہم کی صلاحیتیں و درایت کی گئی تھیں تاکہ وہ زمین کی ہوا اور سمندر کی تمام مخلوقات سے افضل ہو جائے، جنہیں یہ چیزیں عطا نہیں کی گئیں" (آگسٹائن، ص ۲۰۵ ج ۲)۔

(ماشیہ صفحہ ۵۱) لے حضرت مسیح کو سولی دینے کا قصہ موجودہ چاروں انجیلوں میں موجود ہے، لیکن قرآن کریم نے اس کی بڑی سختی سے تردید کی ہے، اور کہا ہے کہ درحقیقت یہ غلط فہمی ہے، ورنہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمان پر اٹھ لئے گئے تھے، قرآن کریم کے بیان کی مکمل تصدیق تو اس وقت سمجھ میں آسکے گی جب آپ مقدمے کا دوسرا باب پڑھیں گے، اور اظہارِ الٰہی کے پہلے اور دوسرے باب میں موجودہ انجیلوں کی اصل حقیقت آپ کے سامنے آئے گی، یہاں صرف اتنا اشارہ کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ انسانی مسئلہ کی ترقی کے ساتھ قرآن کریم کی صداقت خود بخود واضح ہوتی جا رہی ہے، چند سو سال پہلے انجیل برتنا باس کا نسخہ دریافت ہوا تھا، اس میں برتنا باس نے نہایت صراحت و وضاحت سے یہ حقیقت بیان کی ہے کہ حضرت عیسیٰ کو سولی نہیں دی گئی تھی، بلکہ اُن کی جگہ یہوداہ اسکرینیونی مصلوب ہوا تھا، رہم نے اظہارِ الٰہی کے آخری باب میں بشارت کے بیان کے تحت ایک مبسوط حاشیے میں اس انجیل کے راقی اٹھارہ

پہلے گزر چکا ہے، کہ یہ عقیدہ صرف پٹری شین فرتے کا ہے کہ خدا کو سولی پر چڑھا دیا گیا تھا،
صلیب مقدس | چونکہ عقیدہ مصلوبیت ہی کی بناء پر صلیب کے نشان (+) کو عیسائیوں کے
 نزدیک بہت اہمیت حاصل ہے، اس لئے اس کا مختصر سا حال بھی
 یہاں ذکر کر دینا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ ————— چونکہ صدی عیسوی تک اس نشان کو
 کوئی اجتماعی اہمیت حاصل نہیں تھی، شاہ قسطنطین کے بارے میں یہ روایت مشہور ہے کہ ۳۱۲ء
 میں اس نے اپنے ایک حریف سے جنگ کے دوران (غالبا خواب میں) آسمان پر صلیب کا
 نشان بنا ہوا دیکھا، پھر ۳۱۲ء میں اس کی والدہ سینٹ ہلینا کو کہیں سے ایک صلیب ملی
 جس کے بارے میں لوگوں کا خیال یہ تھا کہ یہ وہی صلیب ہے جس پر (بزرگم نصاریٰ) حضرت مسیح
 علیہ السلام کو سولی دی گئی تھی (اسی قصے کی یاد میں عیسائی حضرات ہر سال ۳ مئی کو ایک جشن
 مناتے ہیں، جس کا نام بڑ دریا فت صلیب) اس کے بعد سے صلیب کا نشان عیسائیت کا شعار
 (Symbol) بن گیا، اور عیسائی اپنی ہر نشست و برخاست میں اس نشان کو استعمال
 کرنے لگے، مشہور عیسائی عالم ٹرٹولین لکھتا ہے:

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اقتباسات پیش کر کے اس کی اصلیت پر مفصل گفتگو کی ہے اس انجیل کے بارے
 میں تو عیسائی حضرات یہ کہتے آئے تھے کہ یہ کس مسلمان کی تصنیف ہے۔ لیکن حال ہی میں انجیل کا
 ایک اور نسخہ دریافت ہوا ہے، جو پطرس حواری کی طرف منسوب ہے، اس میں بالکل صاف الفاظ میں یہ لکھا ہے
 کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو سولی دینے سے کچھ پہلے آسمان پر اٹھایا گیا تھا، انجیل پطرس کا یہ جملہ
 بلیم اسٹریٹرنے اپنی مشہور کتاب "انجیل اربعہ" (The Four Gospels)

ص ۵، مطبوعہ میکلن نیویارک ۱۹۶۱ء) میں نقل کیا ہے، اس کی تائید اگرچہ اسٹریٹرنے یہ کی ہو کہ یہاں
 مسیح سے مراد ان کا خدائی وجود ہے، لیکن انجیل پطرس کے الفاظ میں اس کی کوئی دلیل نہیں ہے، بلکہ اس کے خلاف
 دلیل موجود ہے، کہ آسمان پر اٹھانے کے لئے صیغہ مجہول (Passive Voice)

استعمال کیا گیا ہے، خود اسٹریٹرنے یہ الفاظ نقل کیے ہیں: "He was taken off"

اس کو ادا پر اٹھایا گیا، اس سے ظاہر ہے کہ اُن کو اٹھانے والا کوئی اور تھا، اور ظاہر ہے کہ اُن سے
 مراد خدا ہوتا تو یوں کہا جاتا کہ: "وہ ادا پر چلا گیا" کیونکہ خدا کو کوئی نہیں اٹھا سکتا،

ہر سفر و حضر اور آمد و رفت کے موقع پر، جوتے اتارتے وقت، نہاتے وقت،
کھانا کھاتے اور شمعیں روشن کرتے وقت، سوتے وقت اور بیٹھتے وقت غرض
ہر حرکت و سکون کے وقت ہم اپنی ابر پر صلیب کا نشان بناتے ہیں^۱

عیسائی مذہب میں صلیب کے مقدس ہونے کی کیا وجہ ہے؟ جبکہ وہ اُن کے اعتقاد کے مطابق
حضرت مسیح کی اذیت رسانی کا سبب بنی تھی؟ اس سوال کا جواب کسی عیسائی عالم کی تحریر میں
ہمیں نہیں ملا، بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صلیب کی تقدیس کی بنیاد "کفارہ" کا عقیدہ ہے،
یعنی چونکہ ان کے نزدیک صلیب گناہوں کی معافی کا سبب بنی تھی، اس لئے وہ اس کی تعظیم
کرتے ہیں،

عقیدہ حیاتِ ثانیہ (Resurrection)

حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں عیسائی مذہب کا تیسرا عقیدہ یہ ہے کہ وہ سوئی پر
وفات پانے، اور قبر میں دفن ہونے کے بعد تیسرے دن پھر زندہ ہو گئے تھے، اور حواریوں کو کچھ
ہدایات دینے کے بعد آسمان پر تشریف لے گئے،

دوبارہ زندہ ہونے کا یہ قصہ بھی موجودہ انجیلوں میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے، اور
چونکہ حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ نے اٹکھارا لکھی میں اس قصے کے غیر مستند اور
متضاد ہونے کو کئی جگہ تفصیل سے ثابت کر دیا ہے، وہیں اس عقیدے کی تمام تفصیلات بھی
موجود ہیں، اس لئے یہاں اس عقیدے پر تفصیل گفتگو بیکار ہے،

عقیدہ کفارہ (The Atonement)

حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں عیسائیت کا چوتھا اور آخری عقیدہ کفارہ ہے،
اس عقیدے کو پوری تفصیل کے ساتھ سمجھ لینا کئی وجہ سے مندرجہ ہے، اول تو اس لئے کہ بقول

۱۔ صلیب کی یہ تاریخ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا، ص ۵۲، ج ۶ مقالہ "صلیب" سے ماخوذ ہے،

مسٹر ڈینیئل ویلسنؒ یہی عقیدہ عیسائی مذہب کی جان ہے، اور فی نفسہ سب سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے، اس سے پہلے جتنے عیسائی عقائد ہم نے بیان کئے ہیں اُن کو درحقیقت اسی عقیدے کی تہسید سمجھنا چاہئے، دوسرے اس لئے کہ یہی وہ عقیدہ ہے جو اپنی پچیدگی کے سبب خاص طور سے غیر عیسائی دنیا میں بہت کم سمجھا گیا ہے، تیسرے اس لئے کہ اس کو پورے طور پر نہ سمجھنے کی وجہ سے دُور خرابیاں پیدا ہوئی ہیں، ایک تو یہ کہ کم از کم ہمارے ملک میں عیسائی مبلغین نے اس عقیدے کو جس طرح چاہا بیان کر دیا، اور نادائق حضرات اصل حقیقت نہ جاننے کی وجہ سے غلط فہمیاں میں مبتلا ہو گئے، دوسرے جن حضرات نے عیسائی مذہب کی تردید میں قلم اٹھایا، ان میں سے بعض نے اس عقیدے پر وہ اعتراضات کئے جو درحقیقت اس پر مائد نہیں ہوتے، اور نتیجہ یہ ہوا کہ یہ اعتراضات حق بات کی صحیح وکالت نہ کر سکے۔ اس لئے ہم ذیل میں اس عقیدے کو قدرے تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں، تاکہ بات کے سمجھنے میں کوئی اشتباہ باقی نہ رہے۔ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں عقیدہ کفارہ کی مختصر تشریح ان الفاظ کے ساتھ کی گئی ہے:

”عیسائی علم عقائد میں کفارہ سے مراد یسوع مسیح کی وہ قربانی ہے جس کے ذریعہ ایک گناہگار انسان ایک لخت خدا کی رحمت کے قریب ہو جاتا ہے، اس عقیدے کی پشت پر دُور مفرغے کا فرمایا ہے، ایک تو یہ کہ آدم کے گناہ کی وجہ سے انسان خدا کی رحمت سے دور ہو گیا تھا، دوسرے یہ کہ خدا کی صفت کلام (بٹیا) اس لئے انسانی جسم میں آئی تھی کہ وہ انسان کو دوبارہ خدا کی رحمت سے قریب کر دے۔“

کہنے کو یہ ایک مختصر سی بات ہے، لیکن درحقیقت اس کے پس پشت تاریخی اور نظریاتی مفروضات کا ایک طویل سلسلہ ہے، جسے سمجھے بغیر عقیدے کا صحیح مفہوم ذہن نشین نہیں

David Wilson, *Evidences of Christianity* V. II. P. 53 London 1830. ۱۵

۱۵ مثال کے لئے ملاحظہ ہو پادری گولڈ سیک صاحب رسالہ ”الکفارہ“ مطبوعہ پنجاب ریویس بک سوسائٹی لاہور ۱۹۵۶ء

۱۶ انگریزی میں ”Atonement“ مقالہ ۲ ج ۱ ص ۱۵۱

ہو سکتا، یہ مفروضات ہم منبر وار درج ذیل کرتے ہیں،

۱۔ اس عقیدے کا سب سے پہلا مفروضہ یہ ہے کہ جس وقت پہلے انسان یعنی حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا گیا تھا، اُس وقت انھیں ہر طرح کی راحتیں عطا کی گئی تھیں، اُن پر کوئی پابندی نہ تھی، البتہ صرف ایک پابندی یہ تھی کہ انھیں گندم کھانے سے منع کر دیا گیا تھا، اُس وقت اُن میں قوتِ ارادی کو پوری طرح آزاد رکھا گیا تھا، جس کے ذریعہ وہ اگر چاہتے تو حکم کی پابندی بھی کر سکتے تھے۔ اور اگر چاہتے تو خلاف ورزی بھی کر سکتے تھے۔

۲۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اس قوتِ ارادی کو غلط استعمال کیا، اور شجر ممنوعہ کو کھا کر ایک عظیم گناہ کے مرتکب ہوئے، یہ گناہ کہنے کو ایک معمولی سا گناہ تھا، لیکن درحقیقت اپنی کیفیت (quality) اور کثرت (quantity) دونوں کے اعتبار سے بڑا سنگین تھا، کیفیت کے اعتبار سے اس لئے کہ ازل تو اُس وقت حضرت آدم کے لئے حکم کی بجا آوری بڑی آسان تھی، ان کو ہر قسم کے کھانے کی کھلی آزادی عطا کرنے کے بعد اُن پر صرف ایک پابندی عائد کی گئی تھی، جسے پورا کرنا بہت سہل تھا، اس کے علاوہ اُس وقت تک انسان میں ہوس اور شہوت کے جذبات نہیں تھے، جو انسان کو گناہ پر مجبور کرتے ہیں، اس لئے گندم سے دور رہنا اُن کے لئے کچھ مشکل نہ تھا، اور حکم کی تعمیل جتنی آسان ہو اس کی خلاف ورزی اتنی ہی سنگین ہوتی ہے، دوسرے اس لئے کہ یہ انسان کا پہلا گناہ تھا جس نے پہلی بار اطاعت کے بجائے نافرمانی کو جنم دیا، اس سے پہلے انسان نے کوئی نافرمانی نہیں کی تھی، اور جس طرح اطاعت تمام نیکیوں کی جڑ ہے، اُن طرح نافرمانی تمام گناہوں کی بنیاد ہے، حضرت آدم

۱۔ ہماری نظر میں عقیدہ کفارہ کے پورے پس منظر کو سب سے زیادہ واضح طریقے سے سینٹ آگسٹائن نے اپنی مشہور کتاب (The Enchiridion) میں بیان کیا ہے، ہم اس عقیدے کی تشریح زیادہ تر اسی سے نقل کریں گے، مگر چونکہ آگسٹائن کی عبارتیں بہت طویل ہیں، اس لئے ہم ہر جگہ ان کو نقل کرنے کے بجائے حوالوں پر اکتفا کریں گے، جہاں دوسری کتابوں سے مدد لی گئی ہے وہاں حوالہ دیا ہی دیا جائے گا۔

۲۔ آگسٹائن، دی سٹی آف گھاڈ کتاب نمبر ۱۴ باب نمبر ۱۱، ص ۲۵۵ ج ۲،

کے گناہ نے یہ بنیاد قائم کر دی،

اس کے ساتھ ساتھ یہ گناہ کمیت کے اعتبار سے بھی بڑا سنگین تھا، اس لئے کہ اس ایک گناہ میں بہت گناہ شامل ہو گئے تھے، جن کی وجہ سے یہ گناہوں کا مجموعہ بن گیا تھا، سینٹ آگسٹائن اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”انسان کے اس ایک گناہ میں کئی گناہ شامل تھے، اس لئے کہ ایک تو اس میں تکبر تھا، کیونکہ انسان نے خدا کی حکومت کے تحت رہنے کے بجائے خود اپنا دل رواں نہتیار میں رہنا پسند کیا، دوسرے یہ کفر اور خدا کی شان میں گستاخی کا گناہ بھی ہے، کیونکہ انسان نے خدا کا یقین نہیں کیا، تیسرے یہ قتل بھی تھا، کیونکہ اس گناہ کے ذریعہ انسان نے اپنے آپ کو موت کا مستحق بنالیا، چوتھے یہ رومانی زنا بھی تھا، کیونکہ سانپ کی گراہ کن ٹکر چکنی چڑھی باتوں (کی تصدیق) سے انسانی رُوح کا اخلاص خاک میں مل گیا تھا، پانچویں یہ چوری بھی تھی، کیونکہ جب غذا کو چھونا اُس کے لئے ممنوع تھا وہ اسے اپنے استحصال میں لے آیا، چھٹے یہ لالچ بھی تھی، اس لئے کہ جتنی چیزیں انسان کے لئے کافی تھیں انسان نے اس سے زائد کی تمنا کی تھی، اور سہمی بات تو یہ ہے کہ جس گناہ کی بھی حقیقت پر آپ نظر کریں گے اُس کا ایک عکس اس ایک گناہ میں نظر آئے گا۔“

۳۔ چونکہ حضرت آدم علیہ السلام کا گناہ بجد سنگین تھا، اس لئے اس کے رد اثرات مرتب ہوئے، ایک تو یہ کہ اس گناہ کی سزا میں حضرت آدمؑ دائمی موت یا دائمی عذاب کے مستحق ہو گئے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ”شجرہ ممنوعہ“ کو دکھا کر یہ کہہ دیا تھا کہ:

”جس روز تو نے اس میں سے کھایا، تو مرا (پیدا) نہش (۱۷:۱۲)“

دوسرا اثر یہ ہوا کہ حضرت آدمؑ کو جو آزاد قوت ارادی (Free Will)

لے دی گئی آف گاڈ کتاب نمبر ۱۳ باب نمبر ۱۲، ص ۱۲۵، ۱۲۶

Augustine, The Enchiridion XLV PP. 684 V. 1 ۵۷

حلا کی گئی تھی، وہ ان سے چھین لی گئی، پہلے انہیں اس بات کی قدرت عطا کی گئی تھی کہ وہ اپنی مرضی سے نیک کام بھی کر سکتے تھے اور بُرے کام بھی، لیکن چونکہ انہوں نے اس اختیار کو غلط استعمال کیا، اس لئے اب یہ اختیار ان سے چھین لیا گیا، آگسٹائن لکھتے ہیں:

جب انسان نے اپنی آزاد قوت ارادی سے گناہ کیا، تو چونکہ گناہ نے اُن پر فتح پالی تھی اس لئے اُن کی قوت ارادی کی آزادی ختم ہو گئی، کیونکہ جو شخص جس سے مغلوب ہے وہ اس کا غلام ہے، بھیر پطرس رسول کا فیصلہ ہے، لہذا اب اس کو نیک کام کرنے کی آزادی اُس وقت تک حاصل نہیں ہوگی جب تک وہ گناہ سے آزادی ہو کر نیکی کا غلام بننا شروع نہیں کرے گا۔

گو واجب تک وہ اپنے گناہ کی قید سے رہائی حاصل نہ کر لیں اُس وقت تک کے لئے اُن کے ارادے کی آزادی ختم ہو چکی ہے، اب وہ گناہ کرنے کے لئے تو آزاد ہیں، مگر نیکی کے لئے آزاد نہیں ہیں،

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ خدا نے ایک گناہ کی سزا میں انسان کو دوسرے گناہوں میں کیوں مبتلا کر دیا؟ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے سینٹ تھامس ایجویناس لکھتے ہیں:

درحقیقت گناہ کی اصل سزا یہ تھی کہ خدا نے اپنی رحمت انسان سے اٹھالی، اور یہ سزا بالکل معقول ہے، لیکن خدا کی رحمت اٹھنے کے ساتھ انسان میں مزید گناہ کے جذبات پیدا ہو گئے، لہذا ایک گناہ کے ذریعے بے شمار گناہوں میں مبتلا ہونا درحقیقت اسی پہلے گناہ کا لازمی خاتمہ تھا جو بروئے کار آ کر رہا۔

۴۔ چونکہ گناہ کرنے کے بعد حضرت آدم اور حضرت حوا کی آزاد قوت ارادی ختم ہو گئی تھی، جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ نیکی کے لئے آزاد نہ تھے، مگر گناہ کے لئے آزاد تھے،

۱۔ پطرس کے دوسرے خط ۲: ۱۹ کی طرٹ اشارہ ہے،

۲۔ The Enchiridion XXX P. 675 V. 1 آگسٹائن نے تقریباً یہی بات دی سٹی آف گاڈ، ص ۲۵۵

در ۲۵۵ ص ۱ میں یہی کہی ہے،

۳۔ Aquinas, The Summa Theologica (2. 87. Art. 2. P. 710 V. 11

اس لئے اُن کی سرشت میں گناہ کا عنصر شامل ہو گیا، دوسرے الفاظ میں اُن کا گناہ اُن کی فطرت اور طبیعت بن گیا، اس گناہ کو اصطلاح میں اصلی گناہ (Original Sin) کہا جاتا ہے،

۵۔ اُن دونوں کے بعد جتنے انسان پیدا ہوئے یا آئندہ ہوں گے وہ سب چونکہ اپنی ہی صُلب اور پیٹ سے پیدا ہوئے تھے، اس لئے یہ اصلی گناہ تمام انسانوں میں منتقل ہوا، پیٹ آگسٹائن لکھتے ہیں،

اُردو واقعہ یہ ہوا کہ تمام وہ انسان جو اصلی گناہ سے داغدار ہو گئے آدم سے اور اس عورت سے پیدا ہوئے جس نے آدم کو گناہ میں مبتلا کیا تھا، اور جو آدم کے ساتھ سزا یافتہ تھے،

گویا اب دنیا میں جو انسان بھی پیدا ہوئے وہ ماں کے پیٹ سے گناہگار پیدا ہوتا ہے، اس لئے کہ اس کے ماں باپ کا اصلی گناہ اس کی سرشت میں بھی داخل ہے، سوال پیدا ہوتا ہے کہ گناہ تو ماں باپ نے کیا تھا، بیٹے اس کی وجہ سے گناہگار کیسے ہوئے؟ اس کا جواب دیتے ہوئے فرقہ پروٹسٹنٹ کا مشہور لیڈر جان کالون لکھتا ہے:

جب یہ کہا جاتا ہے کہ ہم آدم کے گناہ کی وجہ سے خدائی سزا کے مستحق ہو گئے ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ ہم بذاتِ خود معصوم اور بے قصور تھے، اور آدم کا جرم خواہ مخواہ ہم پر ٹھونس دیا گیا ہے، درحقیقت ہم نے آدم سے صرف سزا دراشت میں نہیں پائی، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ہم میں گناہ کا ایک دبائی رعن جاگزیں ہے، جو آدم سے ہم کو لگا ہے، اور اس گناہ کی وجہ سے ہم بچے انصاف کے ساتھ سزا کے مستحق ہیں، اس طرح شیرخوار بچے بھی اپنی ماں کے پیٹ سے استحقاق لے کر کرتے ہیں، اور یہ سزا خود اُن کے نقص اور قصور کی ہوتی ہے، کسی اور کے قصور کی نہیں۔

اور مشہور رومن کیتھولک عالم اور فلسفی تھامس اکیویناس ایک دوسری مثال کے ذریعہ اس کو واضح کرتے ہوئے لکھتا ہے:

ہمارے ماں باپ کے گناہ کی وجہ سے "اصل گناہ" ان کی اولاد میں بھی منتقل ہو گیا، اور اس کی مثال ایسی ہی جیسے اصل میں گناہ تو روح کرتی ہے، لیکن پھر وہ گناہ جہم کے اعضاء کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔^۱

۶۔ چونکہ تمام بنی آدم "اصل گناہ" میں ملوث ہو گئے تھے، اور "اصل گناہ" ہی تمام دوسرے گناہوں کی جڑ ہے، اس لئے اپنے ماں باپ کی طرح یہ انسان بھی آزاد قوت ارادی سے محسوس ہو گئے، اور ایک کے بعد دوسرے گناہ میں ملوث ہوتے گئے، یہاں تک کہ ان پر "اصل گناہ" کے سوا دوسرے گناہوں کا بھی ایک پشتارہ لگ گیا جو "اصل گناہ" کے سبب انہوں نے خود کئے تھے بلکہ۔
۷۔ مذکورہ بالا گناہوں کی وجہ سے تمام بنی آدم اپنے ماں باپ کی طرح ایک طرف دائمی بے کسب تھے، دوسری طرف اپنی آزاد قوت ارادی سے بھی محروم ہو گئے تھے، اس لئے ان کے نجات اور مغفرت پانے کا کوئی راستہ نہ تھا، کیونکہ ان گناہوں سے نجات نیک کام کرنے سے ہو سکتی تھی، مگر آزاد قوت ارادی کے فقدان کے سبب وہ ان نیک کاموں پر بھی قادر رہے تھے جو انہیں عذاب نجات دلا سکتے۔^۲

۸۔ انسان کے اس مصیبت سے چھٹکارا پانے کی ایک سبیل یہ ہو سکتی تھی کہ اللہ تعالیٰ ان پر رحم کر کے انہیں معاف کر دے۔ لیکن یہ صورت بھی ممکن نہ تھی، اس لئے کہ خدا "عادل" اور "منصف" ہے، وہ اپنے اہل قوانین کی مخالفت نہیں کر سکتا، کتاب پیدائش کے حوالے سے یہ گزر چکی ہو کہ "اصل گناہ" کی سزا اس نے موت مقرر کر رکھی تھی، اب اگر وہ موت کی سزا دے بغیر انسانوں کو معاف کرے تو یہ اس کے قانون عدل کے منافی تھا۔^۳

^۱ The Summa Theologica Q. 81, Art. 3, P. 669 V. II

^۲ Augustine. The Enchiridion XXVII P. 673 V. I

^۳ ایضاً باب نمبر ۳ ص ۶۷۵ ج ۱ ازل

^۴ دیکھئے الائیگلر پیڈیا برٹانیکا، ص ۶۵۱ د ۱۹۲۰ ج ۲، مقالہ کثرت

۹۔ دوسری طرف اللہ تعالیٰ رحیم بھی ہے، وہ اپنے بندوں کو اس حالتِ زار پر بھی چھوڑ نہیں سکتا تھا، اس لئے اس نے ایک ایسی تدبیر اختیار کی جس سے بندوں پر رحم بھی ہو جائے، اور قانونِ عدل کو بھی ٹھیس نہ لگے، بندوں کی قانونی رہائی کی شکل صرف یہ تھی کہ وہ ایک مرتبہ سزا کے طور پر مریں، پھر دوبارہ زندہ ہوں، تاکہ مرنے سے پہلے اصلی گناہ کی وجہ سے ان کی جو آزاد قوتِ ارادی ختم ہو گئی تھی وہ دوسری زندگی میں انھیں دوبارہ حاصل ہو جائے، اور وہ اصلی گناہ کے بوجھ سے خلاصی حاصل کر کے آزادی کے ساتھ نکلیں کر سکیں۔

۱۰۔ لیکن تمام انسانوں کو دنیا میں ایک مرتبہ موت دے کر دوبارہ زندہ کرنا بھی قانونِ فطرت کے منافی تھا، اس لئے ضرورت اس بات کی تھی کہ کوئی ایسا شخص تمام انسانوں کے گناہوں کے اس بوجھ کو اٹھالے جو خود اصلی گناہ سے معصوم ہو، خدا اُسے ایک مرتبہ موت کی سزا دے کر دوبارہ زندہ کر دے، اور یہ سزا تمام انسانوں کے لئے کافی ہو جائے، اور اس کے بعد تمام انسان آزاد ہو جائیں۔ اس عظیم مقصد کے لئے خدا نے خود اپنے بیٹے کو چنا، اور اس کو انسانی جسم میں دنیا کے اندر بھیجا، اُس نے یہ قربانی پیش کی، کہ خود سولی پر چڑھ کر مر گیا، اور اس کی موت تمام انسانوں کی طرف سے کفارہ ہو گئی، اور اس کی وجہ سے تمام انسانوں کا نہ صرف اصلی گناہ معاف ہو گیا، بلکہ پہلے نے اصلی گناہ کے سبب جتنے گناہ کئے تھے وہ بھی معاف ہو گئے، اور پھر یہی بیٹا مین دن کے بعد دوبارہ زندہ ہو گیا، اور اس سے تمام انسانوں کو نئی زندگی مل گئی، اس نئی زندگی میں وہ آزاد قوتِ ارادی کے مالک ہیں، اگر اپنی قوتِ ارادی کو نیکیوں میں استعمال کریں گے تو اجر پائیں گے، اور اگر بدی میں استعمال کریں گے تو بدی کی کیفیت کے لحاظ سے عذاب کے مستحق ہوں گے۔

۱۱۔ لیکن یسوع مسیح کی یہ قربانی صرف اُس شخص کے لئے ہے جو یسوع مسیح پر ایمان رکھے، اور ان کی تعلیمات پر عمل کرے، اور اس ایمان کی علامت "بپتسمہ" کی رسم ادا کرنا ہے، بپتسمہ

۱۵ آگسٹائن، دی سٹی آف گلاڈ، ص ۲۵۹، ۲۶۰ کتاب نمبر ۱۴ باب نمبر ۱۱

۱۶ ایضا،

۱۷ The Enchiridion L. P. 687 V. 1

۱۸ Ibid, 60 ch. L. P. 698 V. 1

۱۹ اس سبب سے کہ اللہ آئے آئے گی،

لینے کا مطلب بھی یہی ہو کہ بپتسمہ لینے والا یسوع مسیح کے گناہ پر ایمان رکھتا ہے، اس لئے یسوع مسیح کے واسطے سے اس کا بپتسمہ لینا اس کی موت اور دوسری زندگی کے قائم مقام ہو جاتا ہے، لہذا جو شخص بپتسمہ لے گا اس کا اصل گناہ معاف ہو گا، اور اسے نئی قوت ارادی عطا کی جائے گی، اور جو شخص بپتسمہ نہ لے اس کا اصل گناہ برقرار ہے، جس کی وجہ سے وہ دائمی عذاب کا مستحق ہو گا، یہی وجہ ہے کہ ایکویناس لکھتا ہے،

جو بچے بپتسمہ لینے سے پہلے مر گئے ان میں چونکہ اصل گناہ برقرار ہے اس لئے وہ کبھی خداوند کی بادشاہت نہیں دیکھیں گے۔^{۱۱}

۱۲۔ جو لوگ حضرت مسیح کی تشریف آوری سے پہلے انتقال پا گئے ان میں بھی یہ دیکھا جائے گا کہ وہ یسوع مسیح پر ایمان رکھتے تھے یا نہیں؟ اگر ایمان رکھتے ہوں گے تو یسوع مسیح کی موت ان کے لئے بھی کفارہ ہوگی، اور وہ بھی نجات پائیں گے ورنہ نہیں،^{۱۲}

۱۳۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا، جن لوگوں نے یسوع مسیح پر ایمان لا کر بپتسمہ لیا ہے اُن کے لئے مسیح کے کفارہ ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اب وہ کہتے ہی گناہ کرتے رہیں انھیں سزا نہیں ملے گی، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کا اصل گناہ معاف ہو گیا جو دائمی عذاب کا متقاضی تھا، اور اس کے ساتھ وہ گناہ ختم ہو گئے جو اصل گناہ کے سبب سے وجود میں آئے تھے، لیکن اب انھیں ایک نئی زندگی ملے ہے، اس نئی زندگی میں وہ آزاد قوت ارادی کے مالک ہیں، اگر انھوں نے اس قوت ارادی کو غلط استعمال کیا تو جس قسم کا وہ گناہ کریں گے ویسی ہی سزا کے مستحق ہوں گے، اگر بپتسمہ لینے کے بعد انھوں نے کوئی ایسا گناہ کیا جو انھیں ایمان سے خارج کر دے، تو وہ عیسائی دائمی عذاب کے مستحق ہوں گے، اور یسوع مسیح کا کفارہ ان کے لئے کافی نہ ہو گا، لہذا چرچ جن لوگوں کو "نفاق" Schism یا بدعت Heresy کے الزام میں برادری سے خارج کر دے وہ دائمی عذاب کے مستحق ہیں۔^{۱۳}

^{۱۱} Aquinas, *The Summa Theologica* 87.5 P. 711 V. 11

^{۱۲} Augustine, *On Original Sin* ch. XXXI P. 611 V. 1

^{۱۳} Aquinas, *The Enchiridion* LXVII P. 691 V. 1

اور اگر انھوں نے کوئی معمولی گناہ کیا ہے تو وہ عارضی طور پر کچھ عرصہ کے لئے جہنم کے اس حصہ میں جائیں گے جو مومنوں کو گناہ سے پاک کرنے کے لئے بنایا گیا ہے، اور جس کا نام..... "مطر" (Purgatory) ہے، اور کچھ عرصہ وہاں رہ کر پھر جنت میں بھیج دیئے جائیں گے۔

بلکہ بعض عیسائی علماء کا کہنا تو یہ ہے کہ صرف کفر ہی نہیں، بلکہ گناہ کبیرہ بھی انسان کو یسوع مسیح کے کفارے سے الگ کر دیتا ہے، اور وہ دائمی عذاب کا مستحق بن جاتا ہے، سینٹ گسٹائن نے اس مسئلے پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے، اور Enchiridion میں اس کی بعض عبارتوں سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اسی رائے کی طرف مائل ہے،

اس عقیدے کے منکر | یہ ہے عقیدہ کفارہ کی حقیقت؛ عیسائیوں کی بھاری اکثریت شرع سے اس عقیدے کو مذہب کی بنیاد سمجھ کر مانتی آئی ہے،

۱۵ The Ench. ch. LXIX P. 699 V. I

۱۵ عقیدہ کفارہ پر مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ نے اظہار الحق کے مختلف مقامات پر بالخصوص میرے باب میں بڑی جامع و مانع بحثیں کی ہیں، تاہم اس عقیدے کے ایک ایک جز پر بحث کرنے کے لئے ایک مفصل مقالے کی ضرورت ہے، اور چونکہ ہم یہاں عیسائی عقائد کو محض نقل کر رہے ہیں اس لئے یہاں بھی کسی مفصل تبصرے کی گنجائش نہیں ہے، لیکن ذیل میں ہم اس مسئلے کے چند بنیادی نکات کی طرف اشارہ کر دینا ضروری سمجھتے ہیں جو اس مسئلے میں فیصلہ کن اہمیت کے حامل ہیں، اور شاید ان کو ذہن میں رکھنے کے بعد اس عقیدے کی غلطیاں ابھی طرح سامنے آجائیں گی، یہ نکات مندرجہ ذیل ہیں:

- ۱۔ سب سے پہلے تو اس کی تحقیق ہونی چاہیے کہ حضرت آدمؑ کی لغزش کوئی گناہ تھی یا نہیں؟
- ۲۔ پھر اس عقیدے میں اصل گناہ کو دو طریقے سے منتقل کیا گیا ہے، ایک حضرت آدمؑ سے ان کی تمام اولاد کی طرف، اور پھر اس اولاد سے حضرت مسیحؑ کی طرف، سوال یہ کہ خدا کے قانونِ عدل میں ایک گناہ دوسرے پر لدنے کی گنجائش کہاں ہے؟ تو آت میں تو ہیں یہ عبارت ملتی ہے کہ:
- تو جان گناہ کرتی ہے وہی مرے گی، بیٹا باپ کے گناہ کا بوجھ نہ اٹھائے گا، اور نہ پاپے
- بچے کے گناہ کا بوجھ، صادق کی صداقت اس کے لئے ہوگی، اور شریر کی شرارت

شر کے لئے • (حرقی ایل ۱۸۱۱۹) (باقی صفحہ آئندہ)

تاہم کلیسا کی تاریخ میں ایسے لوگ بھی ملتے ہیں جنہوں نے اس عقیدے کا انکار کیا ہے، ان لوگوں میں غائبہ و بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۷ (۳) کالون نے آدم کے بیٹوں کی طرف گناہ کے منتقل ہونے کی جو مثال دہائی مرض سے دی ہے وہ کسی طرح درست نہیں ہے، اس لئے کہ اول تو یہ مسئلہ ہی محل نظر ہے کہ ایک شخص کا مرض دوسرے کو لگتا ہے، یا نہیں! پھر اگر اسے تسلیم بھی کر لیا جائے تو مرض ایک غیر ہستباری چیز ہوا ہے گناہ پر قیاس نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ قابل سزا گناہ عقلاً وہی ہے جو انسان اپنے اختیار سے کرے، اگر کسی کو غیر اختیاری طور پر کوئی مرض لگ جائے، تو نہ اسے اس پر مطعون کیا جاتا ہے، اور نہ سزا کے لائق سمجھا جاتا ہے۔ پھر آپ انسان کو اس گناہ پر کیوں قابل سزا سمجھتے ہیں جس میں اس کے اختیار کو کوئی دخل نہیں،

۴۔ اسی طرح ایکویناس کی بیان کردہ مثال بھی صحیح نہیں ہے، کیونکہ اصل میں گناہگار انسان ہے، لیکن انسان چونکہ نام ہی جسم اور روح کے مجموعے کا ہے، اس لئے ان میں سے ہر ایک گنہگار ہے، اس کے برخلاف حضرت آدم کا وجود اپنی تمام اولاد سے مرکب نہیں ہے کہ حضرت آدم کو اس وقت تک گناہگار نہ کہا جاسکے جب تک اُن کی اولاد گناہگار نہ قرار نہ دیا جائے،

۵۔ اگر آدم کے ہر بیٹے میں اصل گناہ خلیقی طور پر منتقل ہوا ہے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے انتقالِ وجود میں کیوں منتقل نہیں ہوا؟ حالانکہ وہ بھی تمام انسانوں کی طرح حضرت مریم رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئے تھے، اور عیسائی عقائد کے مطابق خدا ہونے کے ساتھ انسان بھی تھے، اور اپنی انسانی حیثیت سے انھیں بچپن پر چھڑھایا بھی گیا تھا،

۶۔ پھر تمام انسانوں کے گناہ کی وجہ سے ایک معصوم اور بے گناہ جان کو (اس کی رضا مندی کے سہی) پپانسی پر چڑھا دینا انصاف کا کیسا تقاضا ہے؟ اگر کوئی شخص کسی عدالت میں یہ پیشکش کرے کہ فلاں چور کی بدنی سزا میں بھگتنے کو تیار ہوں، تو کیا چور کو آزاد کر دیا جائے گا؟ — حقیقی اہل کی مذکورہ عبارت بھی اس کی تردید کرتی ہے۔

یہ کہا جاتا ہے کہ خدا عادل ہے، اس لئے وہ بغیر سزا کے گناہ معاف نہیں کر سکتا، لیکن یہ کہاں کا انصاف ہے کہ ایک بالکل غیر اختیاری گناہ کی وجہ سے نہ صرف انسان کو دائمی عذاب میں مبتلا کیا جائے، بلکہ اس کی قوتِ ارادی بھی سلب کر لی جائے؟

۸۔ کہا جاتا ہے کہ خدا محسنِ توبہ سے اصل گناہ معاف نہیں کر سکتا، حالانکہ تورات میں ہے:

(بقیہ پر صفحہ آئندہ)

سب سے پہلا شخص کچھ ایسیس شیس (Coelestius) ہے، جس کے نظریات آگسٹائن کے الفاظ میں یہ تھے:

”آدم کے گناہ سے صرف آدم ہی کو نقصان پہنچا تھا، بنی نوع انسان پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑا، اور شیر خوار بچے اپنی پیدائش کے وقت اسی حالت میں ہوتے ہیں جس حالت میں آدم اپنے گناہ سے پہلے تھے۔“

لیکن ان نظریات کو کارتیجیج کے مقام پر بشپوں کی ایک کونسل نے ”بدعتی“ قرار دیا تھا، اس کے بعد بھی بعض لوگوں نے اس عقیدے کا انکار کیا ہے، جن کا حال انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے مقالہ کفارہ میں موجود ہے،

عبادت اور رسمیں

اصول عبادت: عیسائی مذہب میں عبادت کے کیا طریقے ہیں؟ یہ معلوم کرنے سے پہلے مناسب ہو گا کہ اس کے بنیادی اصول عبادت کو سمجھ لیا جائے

مسٹر ریمینڈ ایبار (Raymond Abba) کے بیان کے مطابق یہ اصول کُل چار ہیں:

۱۔ ”عبادت“ درحقیقت اس متربانی کا شکرانہ ہے جو کلمۃ اللہ یعنی حضرت مسیحؑ نے بندوں کی طرف سے دی تھی،

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) ”اگر شریر اپنے تمام گناہوں سے جو اس نے کئے ہیں باز آئے، اور میرے سب

آئین پر چل کر جو جائز اور ردائے کرے تو وہ یقیناً زندہ رہی گا وہ نہ مرے گا“ (حزقی ایل ۱۸: ۲۱)

(۹) اگر یہ عقیدہ درست ہو تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اسے پوری وضاحت کے ساتھ کیوں بیان نہیں فرمایا؟ اناجیل کی کوئی عبارت ایسی نہیں ہے جس سے مذکورہ عقیدے کو مستنبط کیا جاسکے، مقدمہ ہی کے دیگر باب میں ہم اس کو قدرے تفصیل سے ذکر کریں گے،

Augustine, On Original Sin ch. II P. 621 V 1

(حاشیہ صفحہ ۸۱)

Raymond Abba, Principles of Christian Worship, Oxford 1960, P. 3

۲۔ دوسرا اصول یہ ہے کہ صحیح عبادت روح القدس ہی کے عمل سے ہو سکتی ہے، پولس رومیوں کے نام اپنے خط میں لکھتا ہے:

”جس طرح سے میں دعا کرنی چاہتا ہوں، تم نہیں جانتے، مگر روح خود ایسی آہیں بھر بھر کر

ہماری شفاعت کرتا ہے جس کا بیان نہیں ہو سکتا“ (رومیوں ۸: ۲۶)

۳۔ تیسرا اصول یہ ہے کہ ”عبادت“ درحقیقت ایک اجتماعی فعل ہے، جو کلیسا انجام دے سکتا ہے۔ اگر کوئی شخص انفرادی طور پر کوئی عبادت کرنا چاہے تو وہ بھی اسی وقت ممکن ہے جب وہ کلیسا کا رکن ہو۔

۴۔ چوتھا اصول یہ ہے کہ عبادت ”کلیسا کا بنیادی کام ہے، اور اسی کے ذریعہ وہ مسیح کے بدن کی حیثیت سے دنیا کے سامنے پیش ہوتا ہے،

حمد خوانی عیسائی مذہب میں عبادت کے طریقے تو بہت سے ہیں، لیکن ہم اس مختصر مضمون میں صرف وہ طریقے بیان کر سکتے ہیں جو کثرت سے اختیار کئے جاتے ہیں، اور جن کا ذکر عیسائیت پر کی جانے والی اکثر بحثوں میں بار بار آتا ہے، — ان میں سے ایک ”حمد خوانی“ کی عبادت ہے، جسے مسلمانوں کو سمجھانے کے لئے پادری صاحبان ”مناسز بھی کہہ دیتے ہیں،

مسٹر ایف، سی برکٹ (F. C. Burkitt) کے بیان کے مطابق اس عبادت کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ ہر روز صبح شام لوگ کلیسا میں جمع ہوتے ہیں، اور ان میں سے ایک شخص بائبل کا کوئی حصہ پڑھتا ہے، یہ حصہ عام طور سے زبور کا کوئی ٹکڑا ہوتا ہے، زبور خوانی کے دوران تمام حاضرین کھڑے رہتے ہیں، زبور کے ہر فقرے کے ختم ہونے پر گھٹنے جھکا کر دعا کی جاتی ہے، اور اس دعا کے رقع پر گناہوں کے اعتراف کے طور پر آلسو بہانا بھی ایک پسندیدہ فعل ہے، یہ طریقہ تیسری صدی عیسوی سے مسلسل چلا آ رہا ہے، انتہائی شیس کی بعض تحریروں ابھی تک باقی ہیں جن میں اس طریقے کی تلقین کی گئی ہے،

بپتسمہ | بپتسمہ یا اصطباغ (Baptism) عیسائی مذہب کی پہلی رسم ہے، یہ ایک

قسم کا غسل ہوتا ہے، جو عیسائی مذہب میں داخل ہونے والے کو دیا جاتا ہے، اور اس کے بغیر کسی انسان کو عیسائی نہیں کہا جاسکتا، اس رسم کی پشت پر بھی کفارے کا عقیدہ کارفرما ہے، عیسائیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ بپتسمہ لینے سے انسان یسوع مسیح کے واسطے سے ایک بار مکرر دوبارہ زندہ ہوتا ہے، موت کے ذریعہ اسے "اصلی گناہ" کی سزا ملتی ہے، اور نئی زندگی سے اُسے آزاد قوتِ ارادی حاصل ہوتی ہے۔

———— جو لوگ عیسائی مذہب میں داخل ہونا چاہتے ہیں تو انہیں شروع میں ایک عبوری دور سے گزرنا پڑتا ہے، جس میں وہ مذہب کی بنیادی تعلیمات حاصل کرتے ہیں، اس عرصے میں وہ عیسائی نہیں کہلاتے، بلکہ کیٹچومینس (Catechumens) کہلاتے ہیں، اور انہیں عشاءِ ربانی کی رسم میں شمولیت کی اجازت نہیں ہوتی، پھر ایسٹر کی تقریبات سے کچھ پہلے یا پینٹی کوسٹ کی عید سے کچھ قبل انہیں بپتسمہ دیا جاتا ہے۔

بپتسمہ کے عمل کے لئے کلیسا میں ایک مخصوص کمرہ ہوتا ہے، اور اس عمل کے لئے مخصوص آدمی معین ہوتے ہیں، یروشلیم کے مشہور عالم سائرل (Cyril) نے اس رسم کو بجالانے کا طریقہ یہ لکھا ہے کہ بپتسمہ کے امیدوار کو بپتسمہ کے کمرے میں (Baptistry) میں اس طرح لٹا دیا جاتا ہے کہ اس کا رخ مغرب کی طرف ہو، پھر امیدوار اپنے ہاتھ مغرب کی طرف پھیلا کر کہتا ہے کہ: "اے شیطان! میں تجھ سے اور تیرے ہر عمل سے دستبردار ہوتا ہوں۔"

پھر وہ مشرق کی طرف رخ کر کے زبان سے عیسائی عقائد کا اعلان کرتا ہے، اس کے بعد اسے ایک اندر دئی کمرے میں لیجا یا جاتا ہے۔ جہاں اس کے تمام کپڑے اتار دیئے جاتے ہیں، اور سر پاؤں تک ایک دم کئے ہوئے تیل سے اس کی مالش کی جاتی ہے، اس کے بعد اسے بپتسمہ کے حوض میں ڈال دیا جاتا ہے، اس موقع پر بپتسمہ دینے والے اس سے تین سوال کرتے ہیں، کہ کیا وہ باپ، بیٹے اور روح القدس پر مقررہ تفصیلات کے ساتھ ایمان رکھتا ہے؟ ہر سوال کے

۱۰ Augustine, The Enchiridion XLII P. 683 V. 1

۱۱ The Christian Religion PP. 150, 152 V. 3

جواب میں اہمہد وار کہتا ہے کہ ”ہاں میں ایمان رکھتا ہوں“ اس سوال جواب کے بعد اسے حوض سے نکال لیا جاتا ہے، اور اس کی پیشانی، کان، ناک اور سینے پر دم کئے ہوئے تیل سے درباد مالش کی جاتی ہے، اور پھر اس کو سفید کپڑے پہنادیے جاتے ہیں، جو اس بات کی علامت ہوتی ہے کہ بپتسمہ کے ذریعے یہ شخص سابقہ تمام گناہوں سے پاک صاف ہو چکا ہے، اس کے بعد بپتسمہ پانے والوں کا جلوس ایک ساتھ کلیسا میں داخل ہوتا ہے، اور پہل بار عشاء ربانی کی رسم میں شریک ہوتا ہے۔

عشاء ربانی عیسائی مذہب اختیار کرنے کے بعد یہ اہم ترین رسم ہے جو حضرت مسیح کی مبینہ شربانی کی یادگار کے طور پر منائی جاتی ہے، حضرت مسیح نے مزعومہ گرفتاری سے ایک دن پہلے حواریوں کے ساتھ رات کا کھانا کھایا تھا، کھانے کی اس مجلس کا حال انجیل متی میں اس طرح ذکر کیا گیا ہے کہ:

”جب وہ کھارہے تھے تو یسوع نے ردی ٹلی، اور برکت دے کر توڑی، اور شاگردوں کو دے کر کہا، ”لو کھاؤ، یہ میرا بدن ہے، پھر پیالہ لے کر شکر کیا اور ان کو دے کر کہا تم سب اس میں سے پیو، کیونکہ یہ میرا وہ عہد کا خون ہے جو بہتیروں کے لئے گناہوں کی معافی کے واسطے بہایا جاتا ہے۔“ (متی ۲۶: ۲۶-۲۷)

لوقا اس واقعہ پر اتنا اضافہ کرتا ہے کہ اس کے بعد حضرت مسیح نے حواریوں سے کہا کہ:

”میری یادگاری کے لئے یہی کیا کرو۔“ (لوقا ۲۲: ۱۹)

عشاء ربانی کی رسم اسی حکم کی تعمیل کے طور پر منائی جاتی ہے، عیسائیوں کے مشہور عالم جسٹن مارٹر اپنے زمانے میں اس رسم کو بجالانے کا طریقہ یہ لکھتے ہیں کہ ہر اتوار کو کلیسا میں ایک اجتماع ہوتا ہے، شروع میں کچھ دعائیں اور نغمے پڑھے جاتے ہیں، اس کے بعد حاضرین ایک دوسرے کا بوسہ کر مبارکباد دیتے ہیں، پھر ردی اور شراب لائی جاتی ہے، اور صدر مجلس اس کو لے کر باپ، بیٹے اور روح القدس سے برکت کی دعا کرتا ہے، جس پر تمام حاضرین آمین کہتے ہیں،

پھر کلیسا کے خدام (Deacons) روٹی اور شراب کو تمام حاضرین میں تقسیم کرتے ہیں، اس عمل سے فوراً روٹی مسیح کا بدن بن جاتی ہے، اور شراب مسیح کا خون اور تمام حاضرین اسے کھاپی کر اپنے عقیدہ کفارہ کو تازہ کرتے ہیں۔

جسٹن کے بعد رسم بجالانے کے طریقوں اور اس میں استعمال کئے جانے والے الفاظ میں کافی تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں، لیکن رسم کی بنیادی بات یہی ہے کہ صدر مجلس جب روٹی اور شراب حاضرین کو دیتا ہے، تو وہ عیسائی عقیدے کے مطابق فوراً اپنی ماہیت تبدیل کر کے مسیح کا بدن اور خون بن جاتی ہے، اگرچہ ظاہری طور پر وہ کچھ ہی نظر آتی ہو، سائزل لکھتا ہے:

تجس دقت صدر مجلس دعاء سے فایغ ہوتا ہے تو روح القدس جو خدا کا ایک زندہ جادید اقوم ہے، روٹی اور شراب پر نازل ہوتا ہے، اور انھیں بدن اور خون میں تبدیل کر دیتا ہے۔

یہ بات عرصہ دراز تک بحث و تجسس کا موضوع بنی رہی ہے، کہ روٹی اور شراب دیکھتے ہی دیکھتے کس طرح بدن اور خون میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔ یہاں تک سو فیوٹی صدی عیسوی میں جب پروٹسٹنٹ فرقہ نمودار ہوا، تو اس نے اس عقیدے کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا، اس کے نزدیک یہ رسم محض حضرت مسیح کی قربانی کی یادگار ہے، لیکن روٹی کا بدن اور شراب کا خون بن جانا اسے تسلیم نہیں ہے،

عشاء ربانی (Lord's supper) کے علاوہ اس رسم کے مسند درجہ ذیل نام اور بھی ہیں:

شکرانہ (Eucharist) مقدس غذا (Sacred Meal)

اور مقدس اتحاد (Holy Communion)

۱ Justin Martyr, Apol. I, 65-67: quoted by F. C. Burkitt,

The Christian Religion P. 149 V. III

۲ Cyril Cat. Myst. K. quoted by the Britannica P. 795 V. 8

"EUCCHARIST"

پتسمہ اور عشاء ربانی کے علاوہ رومن کیتھولک فرقہ کے نزدیک پانچ مذہبی رسمیں
 (Sacraments) اور ہیں، لیکن پروٹسٹنٹ فرقہ انہیں تسلیم نہیں کرتا، کالون لکھتا ہے:
 ”آن (مذہبی رسوم) میں سے صرف دو رسمیں وہ ہیں جو ہماری منجی نے معترف کی ہیں
 پتسمہ اور عشاء ربانی، کیونکہ پوپ کی حکمرانی میں جو سات رسمیں بنائی گئی ہیں، انہیں
 ہم من گھڑت اور جھوٹ سمجھتے ہیں۔“

چونکہ یہ پانچ رسمیں متفق علیہ نہیں ہیں، اور ان سے واقف ہونے کی زیادہ ضرورت بھی
 نہیں ہے، اس لئے ہم اختصار کے پیش نظر ان کو نظر انداز کرتے ہیں،

تاریخ

بنی اسرائیل کی تاریخ کا ایک خاکہ | اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام کا نام ہے، ان کے
 بارہ صاحبزادے تھے، اور انہی کی اولاد کو بنی اسرائیل
 کہا جاتا ہے، عہد قدیم میں اللہ تعالیٰ نے اسی خاندان کو منصب نبوت کے لئے چنا تھا، اور
 اس میں بے شمار پیغمبر مبعوث ہوئے، بلکہ بنی اسرائیل کا اصل وطن فلسطین کے علاقے تھے، لیکن عمالقہ نے
 اس خطے پر غاصبانہ قبضہ کر کے اسرائیلیوں کو فراعنہ مصر کی غلامی پر مجبور کر دیا تھا، حضرت
 موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں انہیں اس غلامی سے نجات حاصل ہوئی، لیکن ابھی یہ فلسطین کو دوبارہ
 حاصل نہ کر سکے تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام وفات پا گئے، آپ کے بعد حضرت یوشع اور ان کے
 بعد حضرت کالب علیہما السلام پیغمبر ہوئے، حضرت یوشع علیہ السلام نے اپنے زمانے میں
 عمالقہ سے جہاد کر کے فلسطین کا ایک بہت بڑا علاقہ فتح کر لیا، لیکن ان دونوں حضرات کے
 بعد بنی اسرائیل کو چاروں طرف سے مختلف یورشوں کا سامنا کرنا پڑا، اس زمانے تک بنی اسرائیل
 عربوں کے مانند نیم خانہ بدوش تھے، اور ان کی زندگی تمدنی سے زیادہ قبائلی انداز کی تھی، تاہم

جو شخص ان کے قبائلی قوانین کی بناء پر بین القبائلی جھگڑوں کو خوب صورتی سے رفع کر دیتا ہے، اسے بنی اسرائیل تقدس کی نظر سے دیکھتے تھے، اور اگر اس میں کچھ عسکری صلاحیتیں پاتے تو بیرونی حملوں کے مقابلے کے لئے اسی کو اپنا سپہ سالار بھی بنا لیا جاتا، اس قسم کے لیڈروں کو بنی اسرائیل "قاضی" کہہ کر پکارتے تھے، بائبل کی کتاب تضاہ (Judges) (۱) اپنی رہنماؤں کے کارناموں کی داستان ہے، اور اس زمانے کو اسی مناسبت سے "قاضیوں کا زمانہ" کہتے ہیں،

قاضیوں کے زمانے میں جہاں بنی اسرائیل نے بیرونی حملوں کا کامیاب دفاع کیا، وہاں گیارہویں صدی قبل مسیح میں وہ کنعانیوں کے ہاتھوں مغلوب بھی ہوئے، اور فلسطین کے بڑے علاقے پر کنعانیوں کی سیادت قائم ہو گئی، جو حضرت داؤد کے عہد تک قائم رہی، بالآخر جب حضرت سموئیل علیہ السلام پیغمبر بنا کر بھیجے گئے تو بنی اسرائیل نے اُن سے درخواست کی کہ ہم اب اس خانہ بدوشی کی زندگی سے تنگ آچکے ہیں، اللہ تعالیٰ سے درخواست کیجئے کہ وہ ہمارے اوپر ایک بادشاہ مقرر فرمائے، جس کے تابع فرمان ہو کر ہم فلسطینیوں کا مقابلہ کریں، ان کی درخواست پر انہی میں سے ایک شخص کو بادشاہ معترف کر دیا گیا، جس کا نام مشرآن کریم کے بیان کے مطابق طاووت تھا، اور بائبل کی روایت کے مطابق ساؤل، (۱۔ سموئیل ۱۳: ۱)، طاووت نے فلسطینیوں کا مقابلہ کیا، حضرت داؤد علیہ السلام اس وقت نوجوان تھے، اور طاووت کے لشکر میں اتفاقاً شامل ہو گئے تھے، فلسطینیوں کے لشکر سے ایک پہلوان جالوت نے مبارز طلب کیا، تو حضرت داؤد اس کے مقابلے پر نکلے، اور اسے قتل کر دیا، اس واقعے نے انھیں بنی اسرائیل میں اتنی ہر دلعزیزی عطا کر دی کہ ساؤل کے بعد وہ بادشاہ بنے، اور یہ پہلا موقع تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک بادشاہ کو پیغمبری عطا کی تھی، حضرت داؤد کے عہد میں فلسطین پر بنی اسرائیل کا قبضہ تقریباً مکمل ہو گیا، ان کے بعد ۴۰۰ سالہ ق م میں حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس سلطنت کو اور مستحکم کر کے اسے اقبال کے عروج تک پہنچا دیا، انھوں نے ہی خدا کے حکم سے بیت المقدس کی تعمیر کی، اور سلطنت کا نام اپنے جد امجد کے نام پر "یہوہ" رکھا، لیکن جب ۵۸۶ ق م میں حضرت سلیمان کی وفات کے بعد ان کا بیٹا رجبعام سلطنت

کے تخت پر بیٹھا تو اُس نے اپنی نااہلیت سے نہ صرف یہ کہ سلطنت کی دینی نضاب کو ختم کر ڈالا بلکہ اس کے سیاسی استحکام کو بھی سخت نقصان پہنچایا، اسی کے زمانے میں حضرت سلیمان کے ایک سابقہ خادم یرتعام نے بغاوت کر کے ایک الگ سلطنت اسرائیل کے نام سے قائم کر لی، اور اب بنی اسرائیل دو ملکوں میں تقسیم ہو گئے، شمال میں اسرائیل سلطنت تھی جس کا پایہ تخت سامره (Samaria) تھا، اور جنوب میں یہودیہ کی سلطنت تھی جس کا مرکز یرشلیم تھا، ان دونوں ملکوں میں باہم سیاسی اور مذہبی اختلافات کا ایک طویل سلسلہ قائم ہو گیا، جو بخت نصر کے حملے کے وقت تک جاری رہا، دونوں ملکوں میں رہ رہ کر بت پرستی کا رواج بڑھنے لگتا، تو اس کے سبب باب کے لئے انبیاء عظیم السلام مبعوث ہوتے رہتے تھے جب بنی اسرائیل کی بد اعمالیاں حد سے گذر گئیں تو اللہ نے اُن پر شاہ بابل بخت نصر کو مسلط کر دیا، اس نے ۶۰۶ ق م میں یرشلیم پر زبردست حملے کئے، اور آخری حملے میں یرشلیم کو بالکل تباہ کر ڈالا، اور اس کے بادشاہ صدقیہ کو قید کر کے نیکیا بقیۃ السیف یہودی بھی گرفتار ہو کر بابل چلے گئے، اور عرصہ دراز تک غلامی کی زندگی گزارتے رہے، بالآخر جب ۵۳۹ ق م میں ایران کے بادشاہ خسر نے بابل فتح کر لیا تو اس نے یہودیوں کو دوبارہ یرشلیم پہنچا کر اپنا بیت المقدس تعمیر کرنے کی اجازت دی، چنانچہ ۵۲۰ ق م میں بیت المقدس کو دوبارہ تعمیر کیا گیا، اور یہودی ایک بار پھر یرشلیم میں آباد ہو گئے، اسرائیل کی سلطنت یہوداہ سے پہلے ہی اسوریوں کے ہاتھوں تباہ ہو چکی تھی، اور اب اگرچہ اُن کے دو فرقوں کے مذہبی اختلافات کافی حد تک کم ہو گئے تھے، لیکن انھیں کوئی سلطنت نصیب نہ ہو سکی، سنہ ۵۳۹ ق م سے تمام بنی اسرائیل مختلف بادشاہوں کے زیر نگین رہ کر زندگی گزارتے رہے، ۳۲۰ ق م میں اُن پر سکندر اعظم کا تسلط ہو گیا، اور اسی زمانے میں انھوں نے تورات کا ترجمہ کیا جو ہفتادی ترجمہ (Septuagint) کے نام سے مشہور ہے، ۱۶۵ ق م میں سوریہ کے بادشاہ انتیوکس اپنی فینس نے ان کا بڑی طرح قتل عام کیا اور تورات کے تمام نسخے جلا دیئے (دیکھئے مکابہوں کی پہلی کتاب باب اول) اسی دوران یہوداہ مکابی نے جو بنی اسرائیل کا ایک صاحب ہمت انسان تھا، ایک جماعت بنائی، اور

اس کے ذریعہ فلسطین کے ایک بڑے علاقے پر قبضہ کر کے اسوری حکمرانوں کو مار بھگایا، مکابیوں کی یہ سلطنت مشرق تک دھم رہی،

حضرت عیسیٰ کی تشریف آوری | اس زمانے میں پوری یہودی قوم منتشر ہو چکی تھی، بحیرہ روم کے آس پاس ان کی مختلف آبادیاں قائم تھیں، بابل کی جلاوطنی کے اختتام پر یہودیوں کی خاصی بڑی تعداد فلسطین میں آ بسی تھی، لیکن ان کی اکثریت بابل ہی میں آباد تھی، فلسطین کے ایک حصہ پر اردمیوں کی حکومت تھی، مگر یہ سلطنت روم کے تابع اور ماتحت تھی، یہ روم کی حکومت کا ایک صوبہ تھا، جن کو رومی یہودیہ کہہ کر پکارتے تھے،

یہاں رومیوں کی طرف سے ایک حاکم مقرر تھا، مادی اسباب کے لحاظ سے یہودیوں کے لئے پھر آزادی کی فضا میں سانس لینے کا کوئی امکان نہ تھا، اس لئے قدرۃ ان کی نگاہیں مستقبل پر لگی ہوئی تھیں، ان میں سے بیشتر افراد خدا کی طرف سے ایک نجات دہندہ کے منتظر تھے۔ جو انھیں اس غلامی کی زندگی سے چھڑا کر پھر بادشاہت نصیب کرے،

یہ حالات تھے جب کہ شہنشاہ روم اگستس کی بادشاہت اور حاکم یہودیہ ہیرودیس کی حکومت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی کا کوئی مستند ریکارڈ اب ہمارے پاس موجود نہیں ہے، صرف اناجیل ہی وہ چار کتابیں ہیں جنہیں آپ کی حیات طیبہ معلوم کرنے کا واحد ذریعہ کہا جاسکتا ہے، لیکن ہمارے نزدیک ان کی حیثیت کسی قابل اعتماد نوشتے کی نہیں ہے،

عیسائیت کی تاریخ | عیسائیت کی جو شکل آج دنیا میں معدوم ہے اس کی ابتداء کیسے ہوئی؟ اس کا تفصیلی جواب بڑی حد تک تاریکی میں ہے،

تاہم جو مواد ہمارے پاس موجود ہے اس کی روشنی میں اتنی بات معلوم ہوتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے عروج آسمانی کے بعد آپ کے حواری مخالفوں کے طوفان کا مقابلہ کرتے

۱۰ اس تاریخ میں بنیادی طور پر انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایٹھکس کے مقالہ "عیسائیت" سی پی ایس کلرک کی مختصر تاریخ کلیسا پادری خورشید عالم کی تاریخ کلیسائے رومۃ الکبریٰ اور برٹانیکا کے مختلف مقالوں سے مدد لی گئی ہے،

ہوئے ہمہ تن دین عیسوی کی تبلیغ میں مصروف تھے، اور پے پے پیش آنے والی رکاوٹوں کے باوجود انھیں خاصی کامیابی حاصل ہو رہی تھی،

لیکن اسی دوران ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس نے حالات کا منہ بالکل موڑ دیا، واقعہ یہ تھا کہ ایک مشہور یہودی عالم ساؤل جراب تک دین عیسوی کے پیروؤں پر شدید ظلم و ستم ڈھاتا آیا تھا، اچانک اس دین پر ایمان لے آیا، اور اس نے دعویٰ کیا کہ دمشق کے راستے میں مجھ پر ایک نور چمکا، اور آسمان سے حضرت مسیح کی آواز سنائی دی کہ "تو مجھے کیوں ستاتا ہے؟" اس واقعے سے متاثر ہو کر میراؤل دین عیسوی پر مطمئن ہو چکا ہے،

ساؤل نے جب حواریوں کے درمیان پہنچ کر اپنے اس انقلاب کا اعلان کیا تو اکثر حواری اس کی تصدیق کرنے کے لئے تیار نہ تھے، لیکن سب سے پہلے برناباس حواری نے اس کی تصدیق کی، اور ان کی تصدیق سے مطمئن ہو کر تمام حواریوں نے اسے اپنی برادری میں شامل کر لیا، ساؤل نے اپنا نام بدل کر پوٹس رکھ لیا تھا، اور اس واقعے کے بعد وہ حواریوں کے دوش بدوش دین عیسوی کی تبلیغ میں مشغول ہو گیا، یہاں تک کہ اس کی انتھک جدوجہد سے بہت سے وہ لوگ بھی دین عیسائیت میں داخل ہو گئے جو یہودی نہ تھے، ان خدمات کی وجہ سے اس دین کے پیروؤں میں پوٹس کا اثر درخشاں ہو رہا تھا، یہاں تک کہ اس نے رفتہ رفتہ ان لوگوں میں مسیح کی خدائی، کفارہ اور حلوٰی و تختہ کے عقائد کی کھل کر تبلیغ شروع کر دی، تو انچ سے اتنا تو معلوم ہوتا ہے کہ بعض حواریوں نے اس مرحلے پر پوٹس کی کھل کر مخالفت کی، لیکن اس کے بعد حواریوں کے سوانح حیات بالکل اندھیرے میں پڑ گئے، اس کے بعد صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ پوٹس ہی کا اثر درخشاں عیسائی دین پر بڑھتا چلا گیا،

چوتھی صدی عیسوی کی ابتداء تک عیسائیت ایک مغلوب اور مقہور مذہب کی حیثیت سے دنیا میں موجود رہا، اس دور کو عیسائی مورخین دورِ ابتلاء

۱۰ تو کا کتاب اعمال جو حواریوں کی واحد سوانح ہے اس اختلاف کے بعد حواریوں کے تذکرے سے بالکل خاموشی ہو گئی، دوسرے باب میں پوٹس کی تحریف دین عیسوی کا مفصل بیان آ رہا ہے،

(Age of persecution) کے نام سے یاد کرتے ہیں، اس عرصے میں عیسائیوں

پر سیاسی طور سے رومی تسلط تھے، اور مذہبی طور پر یہودی، رومی اور یہودی دونوں انھیں طرح طرح سے ستانے پر متفق تھے، اس عہد کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ عیسائی مذہب کا نظام عقائد و عبادات ابھی تک مدون نہیں تھا، اسی وجہ سے اس زمانے میں بے شمار فرقے عیسائی دنیا پر چھائے نظر آتے ہیں، کلیمنٹ (م ۹۵ء)، ایگناتس (م تقریباً ۱۱۰ء)، پے پیس (م ۱۲۰ء)، پولیکارپ (م ۱۵۵ء)، آئرینوس (م ۱۸۰ء) وغیرہ اس دور کے مشہور علماء ہیں جن کی تصانیف اور مکتوبات پر عیسائی مذہب کی بنیاد قائم ہے،

قسطنطین اعظم | ۳۲۵ء عیسائیت کی تاریخ میں بڑا خوشگوار سال ہے، اس لئے کہ اس سनہ میں شاہ قسطنطین اول روم کا بادشاہ مقرر ہو گیا تھا، اور

اس نے عیسائی مذہب قبول کر کے اسے ہمیشہ کے لئے مستحکم کر دیا، یہ پہلا موقع تھا کہ سلطنت کا حکمران عیسائیوں پر ظلم توڑنے کے بجائے ان کے مذہب کی تبلیغ کر رہا تھا، اس نے قسطنطنیہ صور، یروشلم اور روم میں بہت سے کلیسا تعمیر کئے، اور عیسائی علماء کو بڑے بڑے اعزاز و دیگر انھیں مذہبی تحقیقات کے لئے وقف کر دیا، اور اسی وجہ سے اس کے عہد سلطنت میں اطراف و اکناف کے عیسائی علماء کی بڑی بڑی کونسلیں منعقد ہوئیں، جن میں عیسائی نظام عقائد کو باضابطہ مدون کیا گیا، اس سلسلے میں نیقاوی کونسل بنیادی اہمیت کی حامل ہے جو ۳۲۵ء میں نیقیہ (Nicaea) کے مقام پر منعقد کی گئی تھی، اس کونسل میں پہلی بار تثلیث کے عقیدے کو مذہب کا بنیادی عقیدہ تسلیم کیا گیا، اور اس کے منکر (مثلاً آریوس وغیرہ) کو مذہب کے خارج کر دیا گیا، اسی موقع پر پہلی بار عیسائی عقائد کو مدون کیا گیا، جو عقیدہ ایتھانی شیس (Athanasian Creed) کے نام سے مشہور ہے،

اگرچہ نیقیہ کی اس کونسل نے مذہب کے بنیادی عقائد کو مدون کر دیا تھا، لیکن یہ عقائد کچھ اس قدر مبہم اور گنگناکتے تھے کہ ان کی تعبیرات میں عرصہ دراز تک شدید اختلاف جاری رہا

لہٰذا یہاں یہ واضح رہے کہ جو نظم عقیدہ ایتھانی شیس کے نام سے مشہور ہے، وہ ایتھانی شیس کی نہیں ہے بلکہ بعد میں کسی نے اس عقیدے کو نظم کر دیا ہے،

اور اس اختلاف کا فیصلہ کرنے کے لئے مختلف مقامات پر علماء عیسائیت کی بڑی بڑی کونسلیں منعقد ہوتی رہیں، جو تھی اور پانچویں صدی میں یہ مباحثے اپنے شباب پر تھے، اسی لئے اس زمانے کو عیسائی مورخین "عہد مجالس" (Age of Councils) یا عہد

مباحثات (Controversy period) کہتے ہیں،

قسطنطین سے گرگوری تک | ۳۱۳ء سے ۵۲۹ء تک کے عرصے میں عیسائی مذہب سلطنتِ روم پر چھا چکا تھا، اگرچہ بت پرستی کے مذاہب اس کے حریف بنے رہے، لیکن سلطنت میں عیسائی مذہب ہی کو عام رواج ہوا، اور اس عرصے میں سلطنتِ روم کی مقننہ (Legislature) بھی مذہب سے بچد متاثر ہوئی،

اس زمانے کی اہم ترین خصوصیت یہ ہے کہ اس دور میں عیسائیت دو سلطنتوں پر تقسیم ہو گئی، ایک سلطنت مشرق میں تھی، جس کا پایہ تخت قسطنطنیہ تھا، اور اس میں بلقان، یونان، ایشیائے کوچک، مصر اور حبشہ کے علاقے شامل تھے، اور وہاں کا سب سے بڑا مذہبی پیشوا بطریرک (Patriarch) کہلاتا تھا، اور دوسری سلطنت مغرب میں تھی، جس کا مرکز بدستور روم تھا، اور یورپ کا بیشتر علاقہ اسی کے زیرِ جگمگ تھا، اور وہاں کا مذہبی پیشوا پوپ یا "پاپا" کہلاتا تھا، ان دونوں سلطنتوں اور مذہبی طاقتوں میں میں شروع ہی سے رقابت قائم ہو گئی تھی، اور ان میں سے ہر ایک اپنی مذہبی برتری منوانا چاہتی تھی،

اس عہد کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اس میں رہبانیت نے جنم لیا، جس کا بنیادی تصور یہ تھا کہ خدا کی رضا مندی صرف دنیا کے جھمیلوں کو خیر باد کہہ کر حاصل کی جاسکتی ہے، نفس کو جس قدر تکلیف پہنچائی جائے گی، انسان خدا سے اُسی قدر قریب ہوگا، اگرچہ اس جہان کے آثار جو تھی صدی سے ہی پیدا ہونے لگے تھے، اور پانچویں صدی میں تو برطانیہ اور فرانس میں بہت سی خانقاہیں قائم ہو گئی تھیں، لیکن پہلا راہب جس نے اسے باقاعدہ نظام بنایا، چھٹی صدی کا پاکم مصری ہے، پاکم کے بعد باسیلیوس اور جیروم اس نظام کے مشہور لیڈر ہوئے ہیں،

تاریک زمانہ

سن ۵۰۰ء میں گرگوری اول پوپ بنا تھا، اس کے وقت سے لیکر شارلمین (سن ۸۰۰ء) تک کا زمانہ اُس طویل عرصے کی پہلی قسط ہے جسے عیسائی مورخین "تاریک زمانے" (Dark Ages) کے نام سے یاد کرتے ہیں، اس لئے کہ عیسائیت کی تاریخ میں یہ زمانہ سیاسی اور علمی زوال اور انحطاط کا بدترین دور ہے، اور اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ اس دور میں اسلام عروج پا رہا تھا، اور عیسائیوں میں افتراق و انتشار کی دہائیں پھوٹ رہی تھیں،

اس زمانے کی دو اہم خصوصیتیں ہیں، ایک تو یہ کہ اس دور میں مغربی عیسائیوں نے یورپ کے مختلف خطوں میں عیسائیت کی تبلیغ شروع کی، برطانیہ اور جرمنی وغیرہ کے علاقوں میں پہلی بار رومی عیسائیوں کو مذہبی فتح نصیب ہوئی، اور اس کے نتیجے میں چار صدیوں کی مسلسل کارشروں کے بعد پورا یورپ عیسائی بن گیا،

دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اسی دور میں اسلام کا آفتاب فاران کی چوٹیوں سے طلوع ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے نصف دنیا پر چھا گیا، مغرب میں مصر، افریقہ، اندلس اور صقلیہ اور مشرق میں شام اور ایران کی عظیم سلطنتیں مسلمانوں کے زیر نگیں آ گئیں، اور اس کی وجہ سے خاص طور پر مشرقی علاقوں میں عیسائیت کا اقتدار دم توڑنے لگا،

سن ۸۰۰ء سے لے کر سن ۱۵۰۰ء تک کا زمانہ قرون وسطیٰ کا زمانہ
قرون وسطیٰ (Mediaeval Era) کہلاتا ہے، اس زمانے کی بنیادی

خصوصیت وہ خانہ جنگی ہے جو پوپ اور شہنشاہ وقت کے درمیان عرصہ دراز تک جاری رہی، الفریڈ، اسی، گارڈے نے اس زمانے کو تین حصوں پر تقسیم کیا ہے:

۱۔ شارلمین سے لیکر گرگوری ہفتم تک کا زمانہ (سن ۸۰۰ء تا سن ۱۰۰۰ء) جس میں پاپائیت

فردغ پا رہی تھی،

۲۔ گرگوری ہفتم سے بونیفیس ہشتم تک کا زمانہ (سن ۱۰۰۰ء تا سن ۱۲۹۴ء) جس میں پوپ

کو مغربی یورپ کے اندر پورا اقتدار حاصل ہو گیا تھا،

۳۔ بونیفیس ہشتم سے عہد اصلاح تک کا زمانہ (سن ۱۲۹۴ء تا سن ۱۵۱۷ء) جس میں پاپائیت

کو زوال ہوا، اور اصلاح کی تحریکیں اٹھنی شروع ہوئیں،

قرنِ وسطیٰ میں جو اہم واقعات پیش آئے ان کا ایک اجمالی خاکہ درج ذیل ہے:

۱۔ **نفاقِ عظیم** | **نفاقِ عظیم** (Great schism) | تاریخِ عیسائیت

کی ایک اصطلاح ہے، اس سے مراد مشرق اور مغرب کے کلیساؤں کا وہ زبردست اختلاف ہے جس کی بناء پر مشرقی کلیسا ہمیشہ کے لئے رومن کیتھولک چرچ سے جدا ہو گیا، اور اس نے اپنا نام بھی بدل کر ڈی ہولی آرٹھوڈوکس چرچ (The Holy Orthodox Church) رکھ لیا، نفاقِ عظیم کے اسباب بہت سے ہیں، مگر ان میں

سے اہم مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ اس علحدگی کی پہلی وجہ تو مشرقی اور مغربی کلیساؤں کا نظریاتی اختلاف تھا، مشرقی کلیسا کا عقیدہ یہ تھا کہ روح القدس کا اقنوم صرف باپ کے اقنوم سے نکلا ہے، اور بیٹے کا اقنوم اس کے لئے محض ایک واسطے کی حیثیت رکھتا ہے، اور مغربی کلیسا کا کہنا یہ تھا کہ روح القدس کا اقنوم باپ اور بیٹے دونوں سے نکلا ہے، دوسرے مشرقی کلیسا کا خیال یہ تھا کہ بیٹے کا رتبہ باپ کے کم ہے، اور مغربی کلیسا کا اعتقاد یہ تھا کہ دونوں بالکل برابر ہیں، مشرقی کلیسا اہل مغرب پر یہ الزام لگاتا تھا کہ انھوں نے اپنے عقیدے کو ثابت کرنے کے لئے نبی قیادی کو نسل کے فیصلے میں بعض الفاظ اپنی طرف سے بڑھادیئے ہیں جو اصل فیصلے میں موجود نہ تھے،

۲۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ مشرق و مغرب کے کلیساؤں میں نسل امتیاز کی جڑیں خاصی گہری تھیں، مغرب میں اطالوی اور جرمنی نسل تھی، اور مشرق میں یونان اور ایشیائی،

۳۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے سلطنتِ روم اور مملکتوں میں تقسیم ہو گئی تھی، اس لئے قسطنطنیہ کا شہر روم کے قدیم شہر کا مکمل حریف بن گیا تھا،

۴۔ اس کے باوجود پاپائے روم اس بات کے لئے تیار نہ تھا کہ اپنا اقتدار اور بالادستی

قسطنطنیہ کے بطریق کے حوالے کرتے یا اسے اپنا حصہ دار بنائے،

۵۔ ان حالات کی وجہ سے افتراق کا مواد بُری طرح پک رہا تھا، کہ اسی دوران
پوپ لیو نہم (۱۰۵۴ء) نے مغربی عقائد و نظریات کو مشرق پر
تھوپنے کی کوشش کی، قسطنطنیہ کے بطریق میکائیل نے اسے تسلیم کرنے سے انکار کیا،
اور پوپ کے سفراء نے سینٹ صوفیا کے گرجے میں فتربان گاہ پر اناثما (لعنت) کے کلمات
بکھریے، بس اس واقعے نے گرم لوبے پر آخری ضرب لگا دی، اور نفاقِ عظیم مکمل ہو گیا،
۲۔ صلیبی جنگیں | اس عہد کی دوسری خصوصیت صلیبی جنگیں ہیں، جنہیں عیسائی
مورخین کرڈسیڈ (Crusade) کے نام سے یاد کرتے

ہیں، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں بیت المقدس اور شام و فلسطین کا علاقہ
مسلمانوں کے ہاتھ فتح ہو گیا تھا، اُس وقت تو عیسائی دنیا کے لئے اپنا دفاع ہی ایک زبردست
مسئلہ تھا، اس لئے وہ آگے بڑھ کر دوبارہ ان مقدس علاقوں پر قبضہ کرنے کا تصور بھی
نہیں کر سکتے تھے، البتہ جب مسلمانوں کی طاقت کا بڑھتا ہوا سیلاب کسی حد پر رُکا، اور
مسلمانوں میں کسی قدر کمزوری آئی تو عیسائی بادشاہوں نے اپنے مذہبی پیشواؤں کے اشارے
پر بیت المقدس کو دوبارہ حاصل کرنے کا بیڑا اٹھایا، یہ جنگیں سلجوقی ترکوں اور ایوبی سلاطین
کے خلاف لڑی گئیں، ان جنگوں سے پہلے مذہبی جنگ یا کرڈسیڈ کا کوئی تصور عیسائی مذہب
میں موجود نہ تھا، لیکن ۱۰۹۵ء میں پوپ اربن دوم نے کلیرمونٹ کی کونسل میں یہ اعلان
کر دیا کہ کرڈسیڈ مذہبی جنگ ہے، سی پی ایس کلیرک اپنی تاریخ کلیسا میں اس اعلان کا
ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:

”لوگوں کو ترغیب دینے کے لئے اربن نے یہ عام اعلان کر دیا کہ جو شخص بھی اس جنگ
میں حصہ لے گا اس کی مغفرت یقینی ہے، اور محمد (صلعم) کی طرح اس نے بھی یہ

وعدہ کیا کہ جو لوگ اس جنگ میں مرے گئے وہ سیدھے جنت میں جائیں گے ۱۵

اس طرح سات کروسیڈ لڑے گئے، جن میں آخر کار عیسائیوں کو سلطان صلاح الدین ایوبی کے ہاتھوں بڑی طرح شکست ہوئی، ۱۶

۳۔ پاپائیت کی بدعنوانیاں | سیلیبی جنگوں کے بعد پوپ کا اقتدار کافی حد تک کم ہونے لگا تھا، لیکن پوپ انوسینٹ چہارم (۱۲۴۳ء) کے زمانے

سے اس کا اثر درسوخ باقاعدہ گھٹنے لگا، اس کی وجہ یہ تھی کہ انوسینٹ چہارم نے اپنے عہدے سے ناجائز فائدہ اٹھا کر اس منصب کو سیاسی اور دنیوی مقاصد کے لئے استعمال کرنا شروع کر دیا، اس کے زمانے میں مغفرت ناموں کی تجارت عام ہو گئی، اور مخالف فرقوں کے افراد کو زندہ جلا کر اذیت رسانی کی انتہاء کر دی گئی، بعد کے پاپاؤں نے ان بدعنوانیوں کو انتہا تک پہنچا دیا، اسی دوران پوپ بونیفیس ہشتم نے شاہ ایڈورڈ اول اور فرانس کے شاہ فلپ چہارم سے زبردست دشمنی ٹھان لی، جس کے نتیجے میں روم کی سلطنت سے اکہتر سال تک (۱۳۰۵ء تا ۱۳۰۶ء) پاپائیت بالکل خاتمہ ہو گیا، اس عرصے میں پوپ فرانس میں رہتے رہے، اس لئے اس زمانے کو "اسیری بابل" (Babylonish Captivity) کے نام سے یاد کیا جاتا

ہے، پھر ۱۳۰۸ء سے ۱۳۱۳ء تک ایک نئی مصیبت یہ کھڑی ہو گئی کہ عیسائی دنیا میں ایک کے بجائے دو پوپ منتخب ہونے لگے جن میں ہر ایک اپنے اقتدار اعلیٰ کا دعویدار تھا، اور باقاعدہ کارڈینلوں کے ذریعہ منتخب ہوتا تھا، ایک پوپ فرانس اسپین اور نے بس کے علاقوں میں منتخب کیا جاتا تھا، جسے ایونن پوپ (Avignon Pope) کہتے تھے، اور دوسرا اٹلی، انگلینڈ اور جرمنی کا تاجدار ہوتا تھا جسے رومن پوپ (Roman Pope) کہا جاتا تھا، اس انتشار کو بھی بعض مورخین "نفاق عظیم" کہتے ہیں،

اصلاح کی ناکام کوششیں | جس زمانے میں پاپائیت کی بدعنوانیاں اپنے عروج پر تھیں، بہت سے مصلحین نے حالات کی اصلاح کی

۱۵ ان جنگوں کی تاریخ اور ان کے سیاسی و مذہبی پس منظر کے لئے دیکھئے میجر جنرل محمد ابرخان صاحب کی فاضلانہ تصنیف "کروسیڈ اور جہاد" مطبوعہ سندھ ساگر اکادمی لاہور ۱۹۶۱ء،

کوشش کی، ان لوگوں میں ویکلف (Wyckliff) (متوفی ۱۳۸۴ء) کا نام سرفہرست ہے، جو کلیسا کی ایجاد کردہ بدعتوں کا دشمن تھا، اور نیک، دپرہیزگار پاپاؤں کے انتخاب کا داعی اسی نے سب سے پہلے بائبل کا انگریزی زبان میں ترجمہ کیا، جو ۱۳۸۵ء میں شائع ہوا، حالانکہ اس سے پہلے بائبل کا کسی اور زبان میں ترجمہ کرنا ایک سنگین جرم سمجھا جاتا تھا، اسی کی تعلیمات سے متاثر ہو کر اس کے بعد جان ہس (John Huss) اور جیروم (Jerome) (

اصلاح کے لئے کھڑے ہوئے، لیکن ابھی ان اصلاحات کے لئے فضا سازگار نہ تھی، پاپاؤں کے افتراق اور "نفاق عظیم" کو ختم کرنے کے لئے ۱۴۰۹ء میں کونسل پیا (Council of Pisa) بلائی گئی، جس میں اسی بشپ شریک ہوئے، اور انھوں نے دونوں حاسد پاپاؤں کو معزول کر کے الیگزینڈر پنجم کو پوپ منتخب کیا، لیکن وہ فوراً مر گیا، اس کے بعد ایک بھری ڈاکو جان بست دسوم کو پوپ نامزد کیا گیا، مگر وہ اپنے معاصر پاپاؤ کو نہ دبا سکا، اور نتیجہ یہ نکلا کہ کلیسا میں دو کے بجائے تین پوپ ہو گئے، اور کلیسا کے افتراق میں اور اضافہ ہوا،

بالآخر نومبر ۱۴۱۴ء میں کانسٹنس کے مقام پر ایک کونسل بلائی گئی، جس میں نفاق عظیم کا تو خاتمہ ہوا، لیکن اسی کونسل میں جان ہس کی اصلاحی تعلیمات کو با اتفاق بدعتی قرار دیا گیا اور اس کے نتیجے میں ہس اور اس کے شاگرد جیروم کو زندہ جلادیا گیا، نتیجہ یہ کہ پاپائیت کی اخلاقی اور مذہبی بدعنوانیاں بدستور برقرار رہیں،

لیکن جان ہس کی تحریک بیداری کی تحریک تھی، اور ظلم و ستم سے نہ دب سکی، اس کی تعلیمات سے متاثر ہونے والوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہا، یہاں تک کہ پوپ کو اپنا اقتدار متزلزل ہوتا نظر آیا، تو اسے ۱۴۳۱ء میں بائبل میں ایک کونسل بلائی جس میں اصلاح کی تحریک کو دلائل کے ذریعہ دبانے کی کوشش کی گئی، مگر اس کا کوئی خاص نتیجہ نہ نکل سکا،

آخر کار ۱۴۸۳ء میں فرقہ پروٹسٹنٹ کا بانی مارٹن لوتھر پیدا ہوا، جس نے پاپائیت کے

عہد اصلاح اور پروٹسٹنٹ فرقہ

تابوت میں آخری میخ ٹھونک دی، اس نے اپنی زندگی میں سب سے پہلے مغفرت ناموں کی تجارت

کے خلاف آواز بلند کی، جب اسے قبول کر لیا گیا تو اس نے پوپ کے غیر معمولی اختیارات کے خلاف بغاوت کر دی، اور ہپسمہ اور عشائر ربانی کے سوا ان تمام رسوم کو من گھڑت بتایا، جو رومی کلیسا نے ایجاد کر رکھی تھیں، سوئیٹزر لینڈ میں زڈنگلی (Zwingli) نے یہی آواز بلند کی، اور ان کے بعد سوہویں صدی کی ابتداء میں جان کالون اسی تحریک کو لے کر جنیوا میں آگے بڑھا، یہاں تک کہ یہ آواز فرانس، اٹلی، جرمنی اور یورپ کے ہر خطے سے اٹھنی شروع ہو گئی، اور بالآخر انگلستان کے بادشاہ ہنری ہشتم اور ایڈورڈ چہارم بھی اس تحریک کے متاثر ہو گئے، اور اس طرح پروٹسٹنٹ فرقہ کی تھوڑی چرچ کا مضبوط مد مقابل بن گیا،

اب وہ زمانہ شروع ہو چکا تھا، جس میں یورپ نے نشاۃ ثانیہ عقلیت کا زمانہ (Renaissance) کے بعد سائنسی اور تکنیکی ترقی میں دنیا

کے ہر خطے کو پیچھے چھوڑ دیا تھا، یورپ کی وہ قومیں جو اب تک غاروں میں پڑی سو رہی تھیں بیدار ہوئیں، پادریوں اور پاپاؤں کی علم دشمنی اور بدعنوانیوں نے ان کے دل میں مذہب کی طرف سے شدید نفرت پیدا کر دی، مارٹن لوتھر نے پہلی بار کلیسا کے خلاف جنگ لڑنے اور بائبل کی تشریح و تعبیر میں اپنے اسلاف سے اختلاف کرنے کی جرأت کی تھی، مگر جب یہ دروازہ ایک مرتبہ کھلا تو کھلتا چلا گیا، لوتھر نے تو صرف بائبل کی تشریح و تعبیر کا اختیار اپنے ہاتھ میں لیا تھا، مگر خود بائبل پر نکتہ چینی کی جرأت اسے بھی نہ ہوئی تھی، لیکن اس کے بعد جو مفکرین عقلیت (Rationalism) کا نعرہ لگا کر اٹھے، انھوں نے اپنی تنقید میں بائبل کو بھی نہ بخشا، اور عیسائیت کے ایک ایک عقیدے کو اپنی تنقید، طعن و تشنیع بلکہ ہتھزاروں متحزبان نشانہ بنانے لگے،

ان لوگوں کا نعرہ یہ تھا کہ مذہب کے ایک ایک مزمعے کو عقل کی کسوٹی پر پرکھا جائے گا، اور ہر اس بات کو دور یا رد کر دیا جائے گا جو ہماری عقل میں نہ آتی ہو، چاہے اس کے لئے کتنے ہی ایسے عقائد و نظریات کو خیر باد کہنا پڑے، جنہیں کلیسا عرصہ دراز سے تقدس کا لباس پہنا کر سینے سے لگائے چلا آ رہا ہے، یہ لوگ اپنے آپ کو عقلیت پسند (Rationalist) کہتے تھے، اور اپنے زمانے کو ”عقلیت کا زمانہ“ (

ولیم شلنگ ور تھ (۱۶۰۲ء، ۱۶۴۲ء) اس طبقے کا سب سے بڑا لیڈر ہے، جس نے پہلی بار عقلیت کا نعرو لگایا تھا، لارڈ ہربٹ (۱۵۸۳ء، ۱۶۳۳ء) اور تھامس ہوبس (۱۵۸۸ء، ۱۶۵۸ء) وغیرہ بھی اس گروہ کے امام سمجھے گئے ہیں،

عقلیت کا یہ نشہ جب چڑھنا شروع ہوا تو کوئی عقیدہ اس کی دست برد سے سلامت نہ رہا، یہاں تک کہ ڈولٹائر (۱۶۹۴ء، ۱۷۸۸ء) جیسے ملحد (Sceptics) بھی پیدا ہوئے، جنہوں نے سرے سے خدا کے وجود ہی میں شک اُرتیاب کا بیج بو دیا، اور اس کے بعد کھلم کھلا خدا کا انکار کیا جانے لگا، ہمارے زمانے کا مشہور فلسفی برٹریٹ رسل اس طبقے کا آخری نمائندہ ہے، جو اب تک بقید حیات ہے،

تجدد کی تحریک | مذہب کے ماننے والوں پر عقلیت کی تحریک کا ردِ عمل دو طرح ہوا، کچھ لوگ تو وہ تھے جنہوں نے عقلیت کی اس تحریک سے مرعوب

ہو کر مذہب میں کچھ تبدیلیاں شروع کیں، اس تحریک کو تجدّد (Modernism) کی تحریک کہا جاتا ہے، ان لوگوں کا خیال تھا کہ مذہب بنیادی طور سے درست ہے، مگر اس کی تشریح و تعبیر غلط طریقے سے کی جاتی رہی ہے، بائبل میں اتنی لچک موجود ہے کہ اُسے ہر زمانے کے انکشافات اور سائنٹفک تحقیقات کے مطابق بنایا جاسکتا ہے، اور اس مقصد کے لئے بائبل کے بعض غیر اہم حصّوں کو ناقابلِ اعتبار بھی کہا جاسکتا ہے، اور اس کے متوازی الفاظ و معانی کی قربانی بھی دی جاسکتی ہے،

ڈاکٹر پل لین کے بیان کے مطابق اس طبقے کا سرگروہ مشہور فلسفی روسو (Rousseau) تھا، ہمارے قریبی زمانے میں پروفیسر ہارنیک (Harnack) اور رینان

Clarke, Short History of the Church !. 394

۱۵

۱۶ عیسائیت اور مذہب کے بارے میں اس کے باغیانہ نظریات کے لئے دیکھئے اس کا مشہور مکتبہ، "میں عیسائی کیوں نہیں ہوں؟" "Why I am not a Christian?"

۱۷ ہارنیک کی معرکہ الآرا کتاب "عیسائیت کیا ہے؟" اپنے موضوع پر بڑی فکر انگیز کتاب ہے، جس نے حضرت مسیح کی انسانیت کو عیسائی دنیا میں مدلل کرنے پیش کیا، اس کا انگریزی ترجمہ "What is Christianity?" کے نام سے بار بار شائع ہو چکا ہے،

Renan

(اس طبقے کے مشہور اور قابل نمائندے ہیں،

احیاء کی تحریک عقلیت کی تحریک کا دوسرا رد عمل اس کے بالکل برخلاف یہ ہوا کہ بعض مذہبی طبقوں میں خالص رومن کیتھولک مذہب کو از سر نو زندہ کرنے کی تحریک شروع ہو گئی، یہ تحریک "احیاء مذہب قدیم" کی تحریک.....

Catholic Revival movement

(کہلاتی ہے،

اس تحریک کے علمبرداروں نے عقلیت پسندوں کے خلاف جنگ شروع کی اور کہا کہ عیسائیت وہی ہے جو ہمارے اسلاف نے سمجھی تھی، اور جس کا ذکر ان کی کونسلوں کے فیصلوں میں چلا آتا ہے، کلیسا کو پھر سب بڑا صاحب اقتدار ادارہ ہونا چاہیے، اور کیتھولک عقائد میں کسی تبدیلی کی ضرورت نہیں، یہ تحریک انیسویں صدی عیسوی میں شروع ہوئی تھی، اور یہ وہ زمانہ ہے جبکہ مغرب کے لوگ مادیات کا پورا پورا تجربہ کرنے کے بعد اس کے دامن سے سینکڑوں گھاد لیکر لوٹ رہے تھے، مادی تہذیب نے مغربی زندگی میں جو زبردست بے چینی پیدا کر دی تھی، اس کی وجہ سے ایک بار پھر روح کی طرف توجہ دینے کا شعور تازہ ہو رہا تھا، احیاء کی تحریک نے ایسے لوگوں کو سنبھالا، اور وہ ایک مرتبہ پھر عیسائیت کے ان قدیم نظریات کی گود میں جا گرے جنہوں نے عیسائی دنیا کو تیرہویں اور چودھویں صدی میں تباہی کے کنارے لاکھڑا کیا تھا، اس تحریک کے علمبرداروں میں الیگزینڈر نکس (۱۸۰۹ء-۱۸۵۹ء)، جان ہنری نیو مین (۱۸۰۱ء-۱۸۹۰ء)، ہیو ریل فراؤڈ (۱۸۰۳ء-۱۸۶۲ء)، اور چرچ ڈیلیم چرچ (۱۸۱۵ء-۱۸۹۰ء) خاص طور سے قابل ذکر ہیں،

عیسائی دنیا میں ہمارے زمانے تک یہ تینوں تحریکیں (تحریک عقلیت، تحریک تجدید اور تحریک احیاء) باہم برسر پیکار ہیں، اور تینوں کے نمائندے بڑی تعداد میں پائے جاتے ہیں، کاش! انہیں کوئی بتا سکتا کہ تم افراط و تفریط کی جن دلدل میں گرفتار ہو، اس سے نجات کا راستہ عرب کے خشک ریگ زاروں کے سوا کہیں اور نہیں ہے، زندگی کے بھٹکے ہوئے قافلہ نے ہمیشہ اپنی منزل کا نشان دیں سے حاصل کیا ہے، تم پوپ پرستی سے لیکر انکارِ خدا تک کے ہر مرحلے کو آزما چکے ہو، مگر ان میں سے کوئی تحریک تمہیں سلگتے ہوئے داغوں کے سوا کچھ

نہیں دے سکی، اگر تمہیں سکون اور راحت کی تلاش ہو تو خدا کے لئے ایک بار کیمیا کے اس نسخے کو بھی آزما کر دیکھو جو آج سے چودہ سو سال پہلے "فاران" کی چوٹیوں سے جلوہ گر ہونے والا "فارقلیطہ" (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہیں دے کر گیا تھا، جسے دیکھ کر "سلح" کے بننے والوں نے گیت گائے تھو اور قیدار کی بستیوں نے "حمد" کی تھی، جس کے قدموں پر پتھر کے بُت "اندھے گرے تھے جس نے اپنی طرف سے کچھ نہیں کہا۔" بلکہ "جو کچھ سنا" وہی تم تک پہنچا دیا، جب تک تم اس کے بتاؤ ہوئے رستے پر نہیں آؤ گے تمہیں اس سشنل کا پتہ نہیں لگ سکے گا، جہاں سے ضمیر کو سکون روح کو مسرت اور دل کو قرار حاصل ہوتا ہے ۵

بہ مصطفیٰ برسوں خولیش را کہ دین ہمہ دست

اگر بہ ادنہ رسیدی، تمام بولہبی ست

بن بن بن بن بن بن بن بن بن بن

دوسرا باب

عیسائیت کا بانی کون ہے؟

عیسائی حضرات کا دعویٰ یہ ہے کہ ”عیسائی مذہب“ کی بنیاد حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے رکھی تھی، اور انہی کی تعلیمات پر آج کا عیسائی مذہب قائم ہے، لیکن ہماری تحقیق کا نتیجہ اس کے بالکل برخلاف ہے، یہ تو درست ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بنی ہر ایل میں مبعوث ہو کر انھیں ایک نئے مذہب کی تعلیم دی تھی، لیکن تحقیق و تفتیش کے بعد یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جس مذہب کی تعلیم دی تھی وہ اُن کے بعد کچھ ہی عرصے میں ختم ہو گیا، اور اس کی جگہ ایک ایسے مذہب نے لے لی کہ جس کی تعلیمات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اقوال اور ارشادات کے بالکل خلاف تھیں اور یہی نیا مذہب ارتقاء کے مختلف مراحل سے گذرتا ہوا آج ”عیسائیت“ کی موجودہ شکل میں ہمارے سامنے ہے،

ہم پوری دیانت داری اور خلوص کے ساتھ تحقیق کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ موجودہ عیسائی مذہب کے اصل بانی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہیں ہیں، بلکہ پولس ہے، جس کے چودہ خطوط بائبل میں شامل ہیں،

ہم اپنے اس دعوے کے دلائل اور اپنی تحقیق کے نکات بیان کرنے سے پہلے پولس کا تعارف کر دینا ضروری سمجھتے ہیں،

پولس کا تعارف

پوس کی ابتدائی زندگی کے حالات تقریباً تاریکی میں ہیں، البتہ کتاب اعمال اور اس کے خطوط سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ابتداء میں قبیلہ بنیامین کا ایک کٹر فریسی یہودی تھا، اور اس کا اصلی نام ساؤل ہے، فلپتوں کے نام خط میں وہ اپنے بلے میں خود لکھتا ہے:

”آٹھویں دن میرا ختنہ ہوا، اسرائیل کی قوم اور بلیمین کے قبیلہ کا ہوں، عبرانیوں کا عبرانی، شریعت کے اعتبار سے فریسی ہوں۔“ (فلپتوں ۵: ۱۳)

اور یہ ردم کے شہر مڑس کا باشندہ تھا، (جیسا کہ اعمال ۲۲: ۲۸ سے ظاہر ہوتا ہے) اس کی ابتدائی زندگی کے ان مجمل اشاروں کے بعد اس سب سے پہلا تذکرہ ہمیں کتاب اعمال ۸: ۱ میں ملتا ہے، جہاں اس کا نام ”ساؤل“ ذکر کیا گیا ہے، اس کے بعد کتاب اعمال کے تین ابواب میں اس کا کردار اس طرح نقل کیا گیا ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں اور اُن کے ایمان لانے والوں کا سخت دشمن تھا، اور شب دروز انھیں تکلیفیں پہنچانے اور ان کی بچ کنی میں مصروف۔

لیکن پھر اچانک اُس نے یہ دعویٰ کیا کہ:

”میں نے بھی سمجھا تھا کہ یسوع ناصری کے نام کی طرح طرح سے مخالفت کرنا، مجھ پر فرض ہے، چنانچہ میں نے یروشلم میں ایسا ہی کیا، اور سردار کاہنوں کی طرف سے اختیار پا کر بہت سے مقدسوں کو قید میں ڈالا، اور جب وہ قتل کئے جاتے تھے تو میں بھی یہی رائے دیتا تھا، اور ہر عبادت خانے میں انھیں سزا دلانا اور زبردستی اُن سے کفر کہلاتا تھا، بلکہ ان کی مخالفت میں ایسا دیوانہ بنا کہ غیر شہر وں میں بھی جا کر انھیں ستاتا تھا، اسی حال میں سردار کاہنوں سے اختیار اور پروانے لے کر دمشق کو جاتا تھا، تو اے بادشاہ! میں نے دوپہر کے وقت راہ میں یہ دیکھا کہ سورج کے نور سے زیادہ ایک نور آسمان سے میرے اور میرے ہم سفرؤں کے گرد اگرد آچمکا، جب ہم سب زمین پر گر پڑے تو میں نے عبرانی زبان میں یہ آواز سنی کہ اے ساؤل اے ساؤل! تو مجھے کیوں ستاتا ہے؟ پنچے کی آہ پر

لات مارنا تیرے لئے مشکل ہے، میں نے کہا، اے خداوند تو کون ہے؟ خداوند نے فرمایا: میں یسوع ہوں، جسے تو ستاتا ہے، لیکن اُٹھ! اپنے پاؤں پر کھڑا ہو، کیونکہ میں اس لئے تجھ پر ظاہر ہوا ہوں کہ تجھے اُن چیزوں کا بھی خادم اور گواہ مقرر کروں جن کی گواہی کے لئے تو نے مجھے دیکھا ہی، اور ان کا بھی جن کی گواہی کے لئے میں تجھ پر ظاہر ہوا کروں گا، اور میں تجھے اس امت اور غیر قوموں سے بچاتا رہوں گا، جن کے پاس تجھے اس لئے بھیجتا ہوں کہ تو ان کی آنکھیں.. کھول دے، تاکہ اندھیرے سے روشنی کی طرف اور شیطان کے اختیار سے خدا کی طرف رجوع لائیں، اور مجھ پر ایمان لانے کے باعث بگمناہوں کی معافی

اور مقدسوں میں شریک ہو کر میراث پائیں“ (اعمال ۲۶: ۱۹ تا ۱۹)

پولس کا دعویٰ یہ تھا کہ اس واقعہ کے بعد سے میں ”خداوند یسوع مسیح“ پر ایمان لا چکا ہوں اور اس کے بعد اس نے اپنا نام بھی تبدیل کر کے ”پولس“ رکھ لیا تھا، شروع میں جب اس نے یہ دعویٰ کیا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں میں سے کوئی شخص اس بات کی تصدیق کرنے کے لئے تیار نہ تھا، کہ جو شخص کل تک حضرت مسیح علیہ السلام اور ان کے شاگردوں کا جانی دشمن تھا، آج وہ سچے دل کے ساتھ اُن پر ایمان لے آیا ہے، لیکن ایک جلیل القدر حواری برتباس نے سب سے پہلے اس کی تصدیق کی اور ان کی تصدیق پر دوسرے حواری بھی مطمئن ہو گئے، کتاب اعمال میں ہے:

”اُس (پولس) نے یروشلیم میں پہنچ کر شاگردوں میں مل جانے کی کوشش کی، اور سب اس سے ڈرتے تھے، کیونکہ اُن کو یقین نہ آتا تھا کہ یہ شاگرد ہے، مگر برتباس نے اُسے اپنے ساتھ رسولوں کے پاس لے جا کر اُن سے بیان کیا کہ اس نے اس میں طرح سے راہ میں خداوند کو دیکھا، اور اُس نے اس سے باتیں کیں، اور اس نے دمشق میں کیسی دلیری کے ساتھ یسوع کے نام سے منادی کی، پس وہ یروشلیم میں اُن کے ساتھ آتا جاتا رہا، اور دلیری کے ساتھ خداوند کے نام کی منادی کرتا تھا، اور یونانی مائل یہودیوں کے ساتھ گفتگو اور بحث بھی

کرتا تھا، مگر وہ اُسے مار ڈالنے کے درپے تھے، اور بھائیوں کو جب یہ معلوم ہوا تو اسے قیصر یہ میں لے گئے اور ترسوس کو روانہ کر دیا (اعمال ۹: ۲۶ تا ۳۰)۔ اس کے بعد پولس حواریوں کے ساتھ مل جل کر عیسائیت کی تبلیغ کرتا رہا، اور اسے عیسائی مذہب کا سب سے بڑا پیشوا مانا گیا، ہماری تحقیق کا حاصل یہ ہے کہ موجودہ عیسائی مذہب کے بنیادی عقائد و نظریات کا بانی یہی شخص ہے، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان عقائد کی ہرگز تعلیم نہ دی تھی،

۱۔ حضرت عیسیٰ اور پولس

ہماری یہ تحقیق بہت سے دلائل و شواہد پر مبنی ہے، ہم یہاں سب سے پہلے یہ دکھلائیں گے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور پولس کی تعلیمات میں کتنا اختلاف اور کس قدر کھٹا تضاد ہے،

پچھلے باب میں ہم عیسائی علماء کے مستند حوالوں کے ساتھ یہ ثابت کر چکے ہیں کہ عیسائی مذہب کی بنیاد تثلیث، حلول و تجسم اور کفارے کے عقیدوں پر ہے، یہی وہ عقیدے ہیں جن کے سرِ مو اختلاف کرنے والوں کو عیسائی علماء اپنی برادری سے خارج اور ملحد و کافر قرار دیتے آئے ہیں، اور درحقیقت انہی عقائد کی بنیاد پر موجودہ عیسائی مذہب دوسرے مذاہب کے امتیاز رکھتا ہے۔ لیکن لطف کی بات یہ ہے کہ ان تینوں عقیدوں میں سے کوئی ایک عقیدہ بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کسی ارشاد سے ثابت نہیں ہے، موجودہ انجیلوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جو ارشادات منقول ہیں ان میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں ہے جس سے واضح طریقے پر یہ عقائد ثابت ہوتے ہوں، اور اس کے برعکس ایسے اقوال کی تعداد بے شمار ہر جن میں ان عقائد کے خلاف باتیں کہی گئی ہیں،

تثلیث اور حلول کا عقیدہ | سب سے پہلے تثلیث کے عقیدے کو سمجھئے، ”تین ایک اور ایک تین“ کے اس معنی کو اگر درست اور مدبرِ نجات

بھی تسلیم کر لیا جائے تو اس سے تو کسی کو انکار نہیں ہوگا، کہ یہ عقیدہ انتہائی پیچیدہ، مبہم اور گنجلک ہے، اور انسانی عقل خود سے اس کا ادراک نہیں کر سکتی، تاوقتیکہ وحی کے ذریعہ اس کی وضاحت نہ کی جائے، کیا اس کی پیچیدگی کا تقاضا یہ نہیں تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس عقیدے کو خوب کھول کھول کر لوگوں کو سمجھاتے اور واضح اور غیر مشکوک الفاظ میں اس کا اعلان فرماتے؟ اگر یہ عقیدہ انسانی عقل کے ادراک کے لائق تھا تو کیا یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا فرض نہ تھا کہ وہ اس کے اطمینان بخش دلائل لوگوں کے سامنے بیان کرتے، تاکہ وہ کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہوں؟ اور اگر اس عقیدے کی حقیقت انسانی سمجھ سے ماوراء تھی تو کم از کم انھیں اتنا تو کہہ دینا چاہئے تھا کہ یہ عقیدہ تمھاری سمجھ سے باہر ہے، اس لئے تم اس کے دلائل پر غور رکھتے بغیر اسے مان لو،

پروفیسر مارس رملٹن نے (جو عیسائی مذہب کے رجعت پسند علماء میں سے ہیں) ”خدا“ کے بارے میں کتنی اچھی بات لکھی ہے کہ:

”اس کی حقیقت کا ٹھیک ٹھیک تجزیہ ہمارے ذہن کی قوت سے ماوراء ہے،

وہ فی نفسہ کیا ہے؟ ہمیں معلوم نہیں! صرف اتنی باتیں ہمیں معلوم ہو سکی ہیں

جو خود اس نے بنی نوع انسان کو وحی کے ذریعہ بتلائیں۔“

اس سے صاف واضح ہے کہ خدا کے وجود کی جن تفصیلات پر ایمان رکھنا انسان کے

ذمے ضروری ہے اُن کو خدا وحی کے ذریعہ بنی نوع انسان تک ضرور پہنچاتا ہے۔

اگر ”ثلیث“ کا نظریہ بھی اپنی تفصیلات میں سے تھا، تو کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے

لئے ضروری نہ تھا کہ وہ اسے لوگوں کے سامنے بیان فرماتے؟

لیکن جب ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ارشادات پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں نظر

آتا ہے کہ اس عقیدے کو انھوں نے اپنی زندگی میں ایک مرتبہ بھی بیان نہیں کیا، اس کے

صرف ایک اقتباس ذکر کرتے ہیں، جس سے آپ یہ اندازہ کر سکیں گے کہ حق بات کو مفت میں نظریات کے غلاف میں کتنا ہی چھپایا جائے، لیکن وہ کبھی نہ کبھی ظاہر ہو کر رہتی ہے،

پروفیسر ہارنیک (Harnack) بیسویں صدی کی ابتدا میں برلن (جرمنی) کے مشہور مفکر گذرے ہیں، عیسائیت پر ان کی کئی کتابیں یورپ اور امریکہ میں بڑی مقبولیت کے ساتھ پڑھی گئی ہیں، وہ عقلیت پسند (Rationalist) گروہ سے تعلق نہیں رکھتے، بلکہ ان کا تعلق اہل تجدید (Modernist) کے گروہ سے ہے، اور عیسائی مذہب کی جو تعبیر ان کی نگاہ میں درست ہے اس پر ان کا ایمان مستحکم اور مضبوط ہے، انھوں نے ۱۸۹۹ء اور ۱۹۰۰ء میں عیسائیت کے ادب پر کچھ تقریریں کی تھیں، یہ تقریریں جرمنی زبان میں (Das Wesen des Christentums)

کے نام سے شائع ہوئی تھیں، اور بعد میں ان کا انگریزی ترجمہ "What is Christianity?" کے نام سے شائع ہوا، ان تقریروں نے جرمنی، انگلینڈ، اور امریکہ میں غیر معمولی مقبولیت حاصل کی، اور اب یہ لیکچر ایسی تاریخی اہمیت اختیار کر چکے ہیں کہ عصر جدید کی عیسائیت کا کوئی مورخ ان کا ذکر کئے بغیر نہیں گذرتا،

انھوں نے ان تقریروں میں حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں جو نظریہ پیش کیا ہے اسے ہم انہی کے الفاظ میں یہاں نقل کر رہے ہیں :

"قبل اس کے کہ ہم یہ دیکھیں کہ خود یسوع مسیح کا اپنے بارے میں کیا خیال تھا دو بنیادی نکتوں کو ذہن نشین کر لینا ضروری ہے، پہلی بات تو یہ ہے کہ ان کی خواہش کبھی یہ نہیں تھی کہ ان کی شخصیت کے بارے میں اس سے زیادہ کوئی عقیدہ رکھا جائے کہ ان کے احکام پر عمل کرنا ضروری ہے، یہاں تک کہ چوتھی انجیل کا مصنف جو بظاہر یسوع مسیح کو اصل انجیل کے تقاضوں سے زیادہ بلند مقام دینے پر مصر نظر آتا ہے، اس کی انجیل میں بھی یہ نظریہ واضح طریقے سے ملتا ہے، اُس نے (حضرت مسیح کا یہ جملہ نقل کیا ہے کہ :

"اگر تمہیں مجھ سے محبت ہو تو میرے حکموں پر عمل کرو" غالباً (حضرت مسیح

نے یہ دیکھا ہوگا کہ بعض لوگ اُن کی عزت کرتے ہیں بلکہ اُن پر بھروسہ رکھتے ہیں، لیکن کبھی اُن کے پیغام پر عمل کرنے کے بارے میں کوئی تکلیف گوارا کرنا پسند نہیں کرتے، ایسے ہی لوگوں کو خطاب کر کے آپ نے فرمایا تھا کہ: ”جو مجھ سے اے خداوند اے خداوند کہتے ہیں ان میں سے ہر ایک آسمان کی بادشاہی میں داخل نہ ہوگا، مگر وہی جو میرے آسمانی باپ کی مرضی پر چلتا ہو“ اس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ انجیل کے اصل متفہمات سے الگ ہو کر (حضرت مسیح کے بارے میں کوئی عقیدہ بنا لینا خود ان کے نظریات کے دائرے سے بالکل باہر تھا،

دوسری بات یہ ہے کہ (حضرت مسیح نے آسمان اور زمین کے خداوند کو اپنا خداوند اور اپنا باپ ظاہر کیا، نیز یہ کہا کہ وہی خالق ہے، اور وہی تہناتیک ہی، وہ یقینی طور پر یہ بھی مانتے تھے کہ ان کے پاس جو چیز بھی ہے، اور جس چیز کی تکمیل وہ کرنے کو ہیں، وہ سب باپ کی طرف سے آتی ہیں، یہی وجہ ہے کہ وہ خدا سے دعائیں کرتے تھے، اپنے آپ کو اس کی مرضی کے تابع رکھتے تھے، وہ خدا کی مرضی کو معلوم کر کے اس پر عمل کرنے کے لئے سخت سے سخت مشقتیں برداشت کرتے تھے، مقصد، طاقت، فہم، فیصلہ اور سختیاں سب اُن کے نزدیک خدا کی طرف سے آتی ہیں،

یہ ہیں وہ حقائق جو انجیلیں ہمیں بتاتی ہیں، اور ان حقائق کو توڑا مروڑا نہیں جاسکتا، یہ ایک شخص جو اپنے دل میں احساسات رکھتا ہے، جو دعائیں کرتا ہے، جو جہد و عمل کی راہ پر گامزن رہ کر مشقتیں جھیلتا اور مصیبتیں برداشت کرتا ہے یقیناً ایک انسان ہے جو اپنے آپ کو خدا کے سامنے بھی دوسرے انسانوں کے ساتھ ملا جلا رکھتا ہے،

۱۰ یہ متی، ۲۱ کی عبارت ہے، تقی

۱۱ اصل انگریزی الفاظ یہ ہیں:

یہ دو حقیقتیں اس زمین کی حدود کو ظاہر کرتی ہیں جو اپنے بارے میں خود (حضرت مسیح کی شہادت سے ڈھکی ہوئی ہے، یہ درست ہے کہ ان حقیقتوں سے ہمیں اس بات کی کوئی مثبت اطلاع نہیں ملتی کہ (حضرت مسیح نے کیا کہا، لیکن اپنے بارے میں انہوں نے جو دو لفظ استعمال کئے ہیں، ایک خدا کا بیٹا، اور ایک مسیح (یعنی داد کا بیٹا اور آدم کا بیٹا) اگر ہم ان دو الفاظ کو قریب و کیمیں تو ہمیں یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ ان لفظوں سے (حضرت مسیح کی مراد کیا تھی؟..... آئیے

آئیے ہم پہلے یہ دیکھیں کہ "ابن اللہ" کے منصب کے حقیقی معنی کیا ہیں؟ حضرت مسیح نے اپنے ایک ارشاد میں اس بات کو خود واضح کر دیا ہے کہ انہوں نے اپنے آپ کو یہ لقب کیوں دیا؟ یہ ارشاد متی کی انجیل میں موجود ہے، (اور جیسے کہ توقع ہو سکتی تھی انجیل یوحنا میں نہیں ہے) اور وہ یہ کہ "کوئی بیٹے کو نہیں جانتا سوائے باپ کے، اور کوئی باپ کو نہیں جانتا سوائے بیٹے کے، اور اس کے جس پر بیٹا اسے ظاہر کرنا چاہے۔"

..... اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت مسیح کو اپنے "خدا کا بیٹا" ہونے کا جو احساس تھا وہ اس بات کے عملی نتیجے کے سوا کچھ نہیں تھا کہ وہ

"This is what Gospels say, and it cannot be turned and twisted. This feeling, praying, working, struggling and suffering individual is a man who in the face of God also associates himself with other men." ("What is Christianity" PP. 129, 130)

خدا کو ”باپ“ اور ”اپنے باپ“ ہونے کی حیثیت سے جانتے تھے، لہذا اگر بیٹے“ کے لفظ کو صحیح سمجھا جائے تو اس کا مطلب خدا کی معرفت کے سوا کچھ نہیں ہے، البتہ یہاں دو چیزوں پر غور کرنا ضروری ہے، پہلی یہ کہ (حضرت مسیحؑ) اس بات کے قائل ہیں کہ وہ خدا کو اس طریقے سے جانتے ہیں کہ ان سے قبل کوئی نہیں جانتا تھا،..... اس معنی میں (حضرت مسیحؑ) اپنے آپ کو خدا کا بیٹا قرار دیتے تھے۔“

آگے چند صفحات کے بعد ڈاکٹر ہارنیک لکھتے ہیں :

”جس انجیل کی تبلیغ (حضرت مسیحؑ) نے کی تھی، اس کا تعلق صرف باپ سے ہے، بیٹے سے نہیں، یہ کوئی تضاد کی بات نہیں، اور نہ یہ کوئی عقلیت پسندی“ (Rationalism) ہے، بلکہ یہ اُن حقائق کا سادہ سا اظہار ہے جو انجیل کے مصنفین نے بیان کئے ہیں۔“

پھر چار صفحات کے بعد وہ لکھتے ہیں :

”انجیل ہمارے سامنے اس زندہ جاوید خدا کا تصور پیش کرتی ہے، یہاں بھی صرف اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ اسی خدا کو مانا جائے، اور تنہا اُسی کی مرضی کی پیروی کی جائے، یہی وہ چیز ہے جو (حضرت مسیحؑ) کا مطلب اور مقصد تھی۔“

ڈاکٹر ہارنیک کے ان طویل اقتباسات کو پیش کرنے سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ جب بھی غیر جانبداری اور دیانتداری کے ساتھ انجیلوں کا جائزہ لیا گیا ہو، تو دیانت نے ہمیشہ یہ فیصلہ دیا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنے بارے میں ایک ”خدا کا بندہ اور پیغمبر“

۱ Harnack, *What is Christianity* PP. 128, 131 trans. by Thomas Bailey Sqauder, New York 1912.

۲ Ibid P. 147

۳ Ibid P. 151

ہونیکے سوا کوئی اور بات نہیں کہی، ان کا کوئی ارشاد آج کی انجیلوں میں بھی ایسا نہیں ملتا جس سے اُن کا خدا ہونا یا خدا کا کوئی "اقنوم" ہونا ثابت ہوتا ہو،

حضرت مسیح حواریوں کی نظر میں | حضرت مسیح کے بعد دوسرا درجہ ان کے حواریوں کا ہے۔ جب ہم اُن کے اقوال میں اس عقیدے کو تلاش کرتے ہیں تو ہمیں وہاں بھی "ثلیث" یا "خلول" کا کوئی تصور نہیں ملتا، بائبل میں حضرت مسیح کے لئے "خداوند" کا لفظ اُن کی طرف ضرور منسوب ہے، لیکن یہ لفظ آقا اور استاد کے معنی میں بہ کثرت استعمال ہوا ہے، انجیل کی کسی عبارتیں بھی اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ حواریں حضرت مسیح کو "استاد" کے معنی میں "خداوند" اور "ربّی" کہتے تھے انجیل متی میں ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے فرمایا:

"مگر تم ربّی نہ کہلاؤ، کیونکہ تمہارا استاد ایک ہی ہے، اور تم سب بھائی ہو

اور زمین پر کسی کو اپنا باپ نہ کہو، کیونکہ تمہارا باپ ایک ہی ہے، جو آسمانی ہے،

اور نہ تم ہادی کہلاؤ، کیونکہ تمہارا ہادی ایک ہی ہے یعنی مسیح" (متی ۲۳: ۸ تا ۱۰)

اس سے صاف واضح ہے کہ حواری جو حضرت مسیح کو "ربّی" یا "خداوند" کہتے تھے، وہ "استاد" اور "ہادی" کے معنی میں کہتے تھے، معبود اور آلہ کے معنی میں نہیں، لہذا اس لفظ سے تو اس بات پر استدلال نہیں کیا جاسکتا کہ وہ حضرت مسیح کو خدا سمجھتے تھے، اور اس ایک لفظ کے سوا کوئی ایک شے بھی ایسا موجود نہیں ہے جس سے عقیدہ ثلیث یا عقیدہ خلول کا کوئی اشارہ ملتا ہو، اس کے برعکس بعض ایسی واضح عبارتیں ضرور ملتی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے، کہ حواریوں کے نزدیک حضرت مسیح ایک پیغمبر تھے، اور بس، حضرت پطرس حواریوں میں بلند ترین مقام کے حامل ہیں، وہ ایک مرتبہ یہودیوں کے سامنے تقریر کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

لے اس کے باوجود عیسائی حضرات اپنے پادریوں اور پاپاؤں کو "باپ" کیوں کہتے آئے ہیں؟ یہ انہی سے پوچھیے، "رموزِ مملکتِ خولیش خسرواں دانند"

”اے اسرائیلیہ! یہ باتیں سنو کہ یسوع ناصری ایک شخص تھا جس کا خدا کی طرف سے ہونا تم پر ان معجزوں اور عجیب کاموں اور نشانوں سے ثابت ہوا جو خدا نے اس کی معرفت تم میں دکھائے، چنانچہ تم آپ ہی جانتے ہو“ (اعمال ۲: ۲۲)

واضح رہے کہ یہ خطاب یہودیوں کو مذہب عیسوی کی دعوت دینے کے لئے کیا جا رہا ہے اگر عقیدہ تثلیث اور عقیدہ حلول مذہب عیسوی کا بنیادی عقیدہ تھا، تو حضرت پطرس کو چاہئے تھا کہ وہ حضرت یسوع ناصری کو ”ایک شخص“ کہنے کے بجائے خدا کا ایک اقنوم کہتے، اور ”خدا کی طرف سے“ کہنے کی جگہ صرف ”خدا“ کہتے، اور ان کے سامنے تثلیث وحلول کے عقیدوں کی تشریح کرتے،

اور آگے ایک موقع پر فرماتے ہیں:

”ابراہام اور اسحاق اور یعقوب کے خدا، یعنی ہمارے باپ دادا کے خدا نے اپنے خادم یسوع کو جلال دیا“ (اعمال ۳: ۱۳)

اور کتاب اعمال ہی میں ہے کہ ایک مرتبہ تمام حواریوں نے یک زبان ہو کر خدا سے مناجات کرتے ہوئے کہا کہ:

”کیونکہ واقعی تیرے پاک خادم یسوع کے برخلاف جسے تو مسیح کیا ہیرو دیس او پٹلیس، سیلاطس وغیرہ قوموں اور اسرائیلیوں کے ساتھ اسی شہر میں جمع ہوئے“ (اعمال ۴: ۲۷)

اس کے علاوہ ایک موقع پر برنباہس حواری فرماتے ہیں:

”دلی ارادے سے خداوند سے لپٹے رہو، کیونکہ وہ نیک مرد اور روح القدس اور ایمان سے معمور تھا۔“ (اعمال ۱۱: ۲۳ و ۲۴)

اس میں بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صرف نیک مرد اور مومن کہا گیا ہے، یہ تمام عبارتیں پوری صراحت کے ساتھ اس حقیقت کو آشکارا کرتی ہیں کہ حواریین حضرت مسیح علیہ السلام کو ”ایک شخص“ اور ”خدا کی طرف سے“ پیغمبر اور اللہ کا ”خادم“ (یعنی بندہ) اور مسیح سمجھتے تھے اس سے زیادہ کچھ نہیں،

آپ نے دیکھا کہ حضرت مسیح علیہ السلام سے لیکر آپ کے حواریوں تک کسی سے بھی تثلیث اور حلول کا عقیدہ ثابت نہیں ہے، بلکہ اس کے خلاف اُن کی صریح عبارتیں موجود ہیں، لہذا پہلا وہ شخص جس کے یہاں تثلیث اور حلول کا عقیدہ صراحت اور وضاحت کے ساتھ ملتا ہے، پولس ہے، وہ فلپیوں کے نام اپنے خط میں لکھتا ہے:

”اُس (مسیح) نے اگرچہ خدا کی صورت پر تھا، خدا کے برابر ہونے کو قبضہ میں رکھنے کی چیز نہ سمجھا، بلکہ اپنے آپ کو خالی کر دیا، اور خادم کی صورت اختیار کی، اور انسانوں کے مشابہ ہو گیا، اور انسانی شکل میں ظاہر ہو کر اپنے آپ کو پست کر دیا، اور یہاں تک فرمانبردار رہا کہ موت بلکہ صلیبی موت گوارا کی، اسی واسطے خدا نے بھی اُسے بہت سربلند کیا، تاکہ یسوع کے نام پر ہر ایک گھٹنا طے . . . اور خدا باپ کے جلال کے لئے ہر ایک زبان اقرار کرے کہ یسوع مسیح خداوند ہے“ (فلپیوں ۲: ۱ تا ۱۱)

اور کلتیوں کے نام خط میں لکھتا ہے:

”وہ (مسیح) دیکھے خدا کی صورت اور تمام مخلوقات سے پہلے مولود ہے، کیونکہ اسی میں سب چیزیں پیدا کی گئیں، آسمان کی ہوں یا زمین کی، دیکھی ہوں یا اُن دیکھی، تخت ہوں یا ریاستیں، یا حکومتیں یا اختیارات، سب چیزیں اسی کے وسیلے سے اور اسی کے واسطے سے پیدا ہوئی ہیں“ (کلتیوں ۱: ۱۶)

اور آگے چل کر لکھتا ہے:

”کیونکہ الوہیت کی ساری معموری اسی میں مجتم ہو کر سکونت کرتی ہے“

(کلتیوں ۲: ۹)

آپ نے دیکھا کہ حواریوں نے حضرت مسیح کے لئے ”خداوند“ اور ”رَبّی“ کے الفاظ استعمال کئے ہیں، جن کے معنی مذکورہ بالا دلائل کی روشنی میں ”استاد“ کے ہیں، لیکن کہیں اُن کے لئے ”الوہیت“ یا ”تجسم“ کا لفظ استعمال نہیں کیا، یہ عقیدہ سب سے پہلے پولس ہی کے یہاں ملتا ہے

انجیل یوحنا کی حقیقت

یہاں ایک اعتراض پیدا ہو سکتا ہے، اور وہ یہ کہ حلول اور تجسم کا عقیدہ انجیل یوحنا کے بالکل شروع میں موجود ہے

اس کے الفاظ یہ ہیں:

”ابتداء میں کلام تھا، اور کلام خدا کے ساتھ تھا، اور کلام خدا تھا“ (یوحنا: ۱)

اور آگے چل کر لکھا ہے:

”اور کلام مجسم ہوا، اور فضل اور سچائی سے معمور ہو کر ہمارے درمیان رہا، اور

ہم نے اس کا ایسا جلال دیکھا جیسا باپ کے اکلوتے کا جلال“ (۱: ۱۴)

یہ یوحنا کی عبارت ہے، اور یوحنا چونکہ حواری ہیں، اس لئے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ

تجسم کے عقیدے کا بانی پولس نہیں، بلکہ حواریوں میں سے یوحنا بھی اس کے قائل تھے،

یہ اعتراض خاصا ذرا زنی ہو سکتا تھا، اگر انجیل یوحنا کم از کم اتنی مستند ہوتی جتنی پہلی تین

انجیلیں ہیں، لیکن اتفاق سے انجیل یوحنا ہی ایک ایسی انجیل ہے، جس کی اصلیت میں خود

عیسائیوں کو ہمیشہ شک رہا ہے، دوسری صدی ہی سے عیسائیوں میں ایک بڑی جماعت اس

انجیل کو یوحنا کی تصنیف ماننے سے انکار کرتی آئی ہے، اور آخری زمانے میں تو اس انجیل

کی اصلیت کا مسئلہ ایک مستقل درد سر بن گیا تھا، بیسیوں کتابیں اس کی اصلیت کی تحقیق

کے لئے لکھی گئی ہیں، اور ہزاروں صفحات اس پر بحث و مباحثے میں سیاہ ہوئے ہیں، یہاں

ہمارے لئے ان تمام بحثوں کا خلاصہ بیان کرنا بھی ممکن نہیں ہے، لیکن اس سلسلے میں چند اہم

نکات کی طرف اشارہ کر دینا ضروری ہے،

اس انجیل کے بارے میں سب سے پہلے آرنیوس (م ۲۰۰ء) آرچن (م ۲۵۴ء) کلیمنٹ

ردی (م ۲۵۰ء) اور مورخ یوسی بیس (م ۳۱۴ء) نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ یہ انجیل یوحنا

حواری کی تصنیف ہے، لیکن اسی زمانے (۳۶۵ء کے قریب میں) عیسائیوں کا ایک گروہ

اسے یوحنا کی تصنیف ماننے سے انکار کرتا تھا، السائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں اس گروہ کا حال

ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

”جو لوگ انجیل یوحنا پر تنقید کرتے ہیں ان کے حق میں ایک مثبت شہادت

یہ ہے کہ ایشیائے کوچک میں عیسائیوں کا ایک گروہ ایسا موجود تھا جو ^{۱۶۵ء} کے لگ بھگ، چوتھی انجیل کو یوحنا کی تصنیف ماننے سے انکار کرتا تھا، اور اسے سترحقس کی طرف منسوب کرتا تھا، اس گروہ کی یہ نسبت تو بلاشبہ غلط ہے لیکن سوال یہ ہے کہ عیسائیوں کا ایک ایسا طبقہ جو اپنی تعداد کے لحاظ سے اتنا بڑا تھا کہ سینٹ ایپی فانیس نے ^{۱۳۰ء}، ^{۱۳۵ء} میں اُسے ایک طویل تذکرہ ^۱ کا مستحق سمجھا، جو باقی تین انجیلوں کو مانتا تھا، جو غناسلی اور مونٹیسٹ فرقوں کا مخالف تھا، اور جو اپنے لئے کوئی الگ نام تجویز کرنے سے باز رہا، یہاں تک کہ بشارتیں اس کا نام ”الوگی“ (کلام والی انجیل کا مخالف) رکھ دیا، اگر انجیل یوحنا کی اصلیت غیر مشتبہ ہوتی تو کیا ایسا طبقہ اُس جیسے زمانے اور اس جیسے ملک میں انجیل یوحنا کے بارے میں ایسے نظریات رکھ سکتا تھا؟

یقیناً نہیں!

پھر خود اس انجیل کی بعض اندرونی شہادتیں ایسی ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب یوحنا حواری کی لکھی ہوئی نہیں ہے، مثلاً یہ کہ اس کتاب کا لکھنے والا یقیناً کوئی یہودی عالم ہے، اور یہودی خیالات و تصورات سے واقف ہے، لیکن یوحنا بن زبدي حواری اُن پڑھ اور ناواقف تھے، (جیسا کہ اعمال ۴: ۱۳ سے معلوم ہوتا ہے) نیز انجیل یوحنا سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مصنف کسی بڑے صاحب رسوخ و اقتدار خاندان سے تعلق رکھتا تھا، حالانکہ یوحنا بن زبدي حواری ماہی گیر اور دنیوی اعتبار سے کم حیثیت تھے، علاوہ ازیں چوتھی انجیل اپنے مضامین کے لحاظ سے بھی پہلی تین انجیلوں سے تضاد رکھتی ہے اور اس کا اسلوب بھی بالکل جداگانہ ہے۔

^۱ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا، ص ۹۸ ج ۱۱۳، مقالہ: ”جان“: کاسپل آف؛

^۲ دیکھئے ۴: ۲۴، ۱۵: ۲۱، ۱۴: ۹، ۴۹: ۱۱، ۲۱: ۲۵، ۱۳: ۱۴، ۴۰: ۱۲، ۳۳: ۴، ۲۲: ۱۸، ۲۸: ۲۸

^۳ دیکھئے ۱۸: ۱۵، ۱۶: ۳، ۱۷: ۴، ۵۰: ۵، ۱۹: ۳۸، ۴۵: ۱۱، ۲۴: ۱۲، ۱۰: ۱۰ وغیرہ

^۴ برٹانیکا، ص ۸۳ ج ۱۳، مقالہ: ”جان“

اس انجیل کو یوحنا کی تصنیف قرار دینے والا پہلا شخص آریئوس ہے، اور اس کے بارے میں عیسائی علماء کا خیال یہ ہے کہ وہ وقتِ نظر اور تنقید کے معاملے میں کوئی بہت زیادہ قابلِ اعتماد نہیں ہے،

اس جیسی بہت سی وجوہ کی بناء پر آخر دور میں عیسائی علماء کی ایک کثیر جماعت اس بات کی قابلِ تھی کہ انجیل یوحنا جعلی تصنیف ہے، اور اسے الہامی کتب میں شمار کرنا درست نہیں، لیکن وہ عیسائی علماء جو اس انجیل کو درست مانتے ہیں، اور اس کو من گھڑت ہونے کے الزام سے بچانا چاہتے ہیں ہمارے زمانے میں اُن کی تقریباً متفقہ رائے یہ ہو گئی ہے کہ اس انجیل کا مصنف یوحنا بن زبدي حواری نہیں ہے بلکہ یوحنا بزرگ (John the Elder) ہے۔

جیمس میک کنن لکھتا ہے:

یہ بات بہت قریں قیاس ہے کہ آریئوس نے جس کی حقیقت پسندی اور تنقیدی نظر نمایاں نہیں ہے، یوحنا حواری کو یوحنا بزرگ کے ساتھ خلط ملط کر دیا ہے۔^{۱۵}

اور ہمارے ملک کے مشہور پادری اور صاحبِ تصانیف عیسائی عالم آج ڈکین برکت اللہ صاحب لکھتے ہیں:

”بس ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ یہ روایت کہ انجیل چہارم مقدس یوحنا رسول ابن زبدي کی تصنیف ہے، صحیح نہیں ہو سکتی۔“^{۱۶}

اور آگے ایک جگہ لکھتے ہیں:

حق تو یہ ہے کہ اب علماء اس نظریے کو بے چون و چرا تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں کہ انجیل چہارم کا مصنف مقدس یوحنا بن زبدي رسول تھا، اور عام طور پر نقاد اس نظریے کے خلاف نظر آتے ہیں۔“^{۱۷}

From Christ to Constantine P. 119 London 1936.

۱۵

۱۶ قدامت و اصلیت انجیل اربعہ ص ۱۳۱ جلد دوم پنجاب لمیٹڈ سوسائٹی سن ۱۹۶۷ء

۱۷ ایضاً ص ۱۴۱ ج ۲،

انہوں نے اپنی کتاب میں بڑی تفصیل کے ساتھ اپنے اس دعوے کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ چوتھی انجیل کا مصنف ”یوحنا رسول“ نہیں تھا، ”یوحنا بزرگ“ تھا، انھیں یہ بات ثابت کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ اسی سوال کا جواب بھی انہی کے اپنے الفاظ میں سن لیجئے:-

جو علماء یہ مانتے ہیں کہ اس انجیل کو یوحنا بن زبیدی رسول نے لکھا ہے وہ بالعموم اس انجیل کی توارخنی اہمیت کے قائل نہیں، اور ان کا نظریہ یہ ہے کہ انجیل چہارم توارخنی واقعات سے معرا ہے، اور اس کے کلمات مصنف کے اپنے ہیں، جن کو وہ کلمۃ اللہ کے منہ میں ڈالتا ہے:-

مگر یا چونکہ چوتھی انجیل کو یوحنا بن زبیدی حواری کی تصنیف قرار دینے کے بعد اس کی اصلیت سخت نظرے میں پڑ جاتی ہے، اس لئے پادری صاحب نے یہ ثابت کرنے کی کوشش فرمائی ہے کہ وہ ”یوحنا بزرگ“ کی تصنیف ہے، ان کی تحقیق یہ ہے کہ یوحنا بزرگ بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ایک شاگرد تھے، مگر بارہ حواریوں میں ان کا شمار نہیں ہے، بلکہ حضرت عیسیٰؑ نے بالکل آخر میں انھیں اپنی صحبت سے سرفراز فرمایا تھا، یوحنا بزرگ نوجوان پڑھے لکھے، تورات کے عالم اور ایک معزز صدوقی گھرانے کے چشم و چراغ تھے، اور انہی باتوں کا اظہار انہوں نے اپنی انجیل میں کیا ہے،

یہ ہے وہ تحقیق جسے آج کی عیسائی دنیا میں قبول عام حاصل ہے، اور جس کی بناء پر انہوں نے یوحنا حواری کو چوتھی انجیل کا مصنف ماننے سے صاف انکار کر دیا ہے، لیکن ہماری نظر میں یہ تحقیق بھی بہت بے وزن ہے، اور انجیل یوحنا کی اصلیت کو بچانے کے جذبے کے سوا اس کی پشت پر کوئی محرک ہمیں نظر نہیں آتا، سوال یہ ہے کہ اگر یوحنا بزرگ بارہ حواریوں کے علاوہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کوئی اور شاگرد تھے،

تو اُن کا ذکر پہلی تین انجیلوں سے کیوں غائب ہے؟ چوتھی انجیل سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مصنف حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے نہ صرف بہت قریبی تعلق رکھتا تھا، بلکہ حضرت مسیحؑ اس سے بے پناہ محبت کرتے تھے، چوتھی انجیل کے مصنف نے بے شمار جگہوں پر اپنا نام لینے کے بجائے اپنے لئے وہ شاگرد جس سے یسوعؑ محبت کرتا تھا کے الفاظ استعمال کئے ہیں،

اور آخر میں ظاہر کیا ہے کہ اس سے مراد خود انجیل رابع کا مصنف ہے (۲۴: ۲۱)

حضرت مسیح علیہ السلام سے اُن کی بے تکلفی کا عالم یہ تھا کہ خود لکھتے ہیں:

”اس کے شاگردوں میں سے ایک شخص جس سے یسوعؑ محبت کرتا تھا یسوع کے

سینے کی طرف جھکا ہوا کھانا کھانے بیٹھا تھا“ (یوحنا ۱۳: ۲۳)

اور آگے لکھا ہے:

”اس نے اسی طرح یسوع کی چھائی کا سہارا لے کر کہا کہ اے خداوند! وہ کون

ہے؟“ (۲۵: ۱۳)

بارہ حواریوں میں سے کسی کو کبھی یہ جرأت نہیں ہوئی کہ وہ حضرت مسیح علیہ السلام کے سینے پر سوار ہو کر کھانا کھائیں، مگر یہ شاگرد دل سے چیتے اور محبوب تھے کہ انھیں اس بے تکلفی میں کوئی قباحت محسوس نہیں ہوئی۔ جب حضرت مسیح علیہ السلام سے ان کے قرب کا عالم یہ تھا تو پہلا سوال تو یہ ہے کہ حضرت مسیحؑ نے انھیں باقاعدہ حواریوں میں کیوں شامل نہیں فرمایا؟ کیا یہ بات قابل تسلیم ہو سکتی ہے کہ یہوداہ اسکر یوتی جیسا شخص جو بقول اناجیل چور تھا (یوحنا ۱۲: ۶) اور جس نے حضرت مسیح علیہ السلام کو گرفتار کر دیا (لوقا ۲۲: ۳ وغیرہ) وہ دوبارہ مقرب حواریوں میں شمار ہو، اور حضرت مسیحؑ کا اتنا بے تکلف شاگرد جو اُن کے سینے پر سر رکھ کر کھانا کھا سکتا ہو، اور حضرت مسیح علیہ السلام کے عروج آسمانی کے وقت پطرس کو سب سے زیادہ اسی کی فکر ہو کہ حضرت مسیحؑ کے فراق میں اس کا کیا حال ہوگا؟ (یوحنا ۲۱: ۲۱) وہ باقاعدہ حواریوں میں شامل نہ ہو؟

لے یہاں یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ اس واقعے میں چوتھی انجیل کے سوا کسی انجیل میں اس شاگرد کے

اس طرح کھانا کھانے اور سوال کرنے کا ذکر نہیں ہے (دیکھیے مٹی ۲۶: ۲۱ و مرقس ۱۴: ۱۸ و لوقا ۲۲: ۲۱)

دوسرے اس کی کیا وجہ ہے کہ پہلی تین انجیلیں جو عیسائی حضرات کے نزدیک حضرت مسیحؑ کی مکمل سوانح حیات ہیں، اور جن میں آپ سے تعلق رکھنے والے معمولی معمولی انسانوں کا مفصل ذکر ہے جن میں مریم، مرتھا، لعزرا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی گدھی تک کا ذکر موجود ہے، ان انجیلوں میں حضرت مسیحؑ کے اس محبوب شاگرد کا کوئی ادنیٰ سا ذکر بھی نہیں ہے، پھر اگر ”یوحنا بزرگ“ کے نام کا کوئی شاگرد ”یوحنا حواری“ کے علاوہ موجود تھا، تو کیا یہ ضروری نہیں تھا کہ اناجیل اربعہ کے مصنفین ”یوحنا بن زبدي“ اور ”یوحنا بزرگ“ کا فرق واضح کر کے بیان کرتے، تاکہ کسی کو اشتباہ نہ ہو، ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت مسیحؑ کے شاگردوں میں یعقوب نام کے دو شخص تھے، یعقوب بن زبدي، اور یعقوب بن حلفی، اسی طرح یہوداہ نام کے دو شخص تھے، یہوداہ بن یعقوب، اور یہوداہ اسکر یوتی، ان دونوں سے اشتباہ کو رفع کرنے کے لئے انجیل کے مصنفوں نے خاص اہتمام کر کے انھیں الگ الگ ذکر کیا ہے، تاکہ کوئی ان دونوں کو خلط ملط نہ نہ کرے، ردیکھے متی ۱۰: ۲، مرقس ۳: ۱۶، ۱۹، ۱۱، ۱۲، ۱۶، ۱۷، اعمال ۱: ۱۳، اگر یوحنا نام کے بھی دو شخص حضرت عیسیٰؑ کے شاگرد تھے تو انجیل کے مصنفوں نے یعقوب اور یہوداہ کی طرح ان سے اشتباہ کیوں رفع نہیں کیا؟

اس کے علاوہ اگر ”یوحنا بزرگ“ نامی کوئی شخص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا محبوب شاگرد تھا تو وہ حضرت مسیحؑ کے عروج آسمانی کے بعد کہاں گیا؟ آپ کے بعد آپ کے حواریوں نے عیسائیت کی تعلیم و تبلیغ میں جو سرگرمیاں دکھائیں، ان کا مفصل حال کتاب اعمال میں موجود ہے اور اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ممتاز شاگردوں کی سرگذشت پائی جاتی ہے، لیکن اس کتاب میں بھی ”یوحنا بزرگ“ نام کا کوئی شخص نظر نہیں پڑتا، یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ حضرت مسیحؑ کے عروج آسمانی کے فوراً بعد اس کی وفات ہو گئی تھی، کیونکہ انجیل یوحنا حضرت مسیحؑ کے بہت بعد لکھی گئی ہے، اور اُس میں اس بات کی تصریح ہے کہ حواریوں کے درمیان یہ بات مشہور ہو گئی تھی کہ چوتھی انجیل کا مصنف یوحنا قیامت تک نہیں مرے گا، (یوحنا ۲۱: ۲۳) چنانچہ تمام وہ عیسائی علماء جو ”یوحنا بزرگ“ کو یوحنا بن زبدي سے الگ کوئی شخصیت مانتے ہیں، وہ اس بات کے قائل ہیں کہ یوحنا بزرگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کافی بعد تک زندہ رہا،

یہاں تک کہ پولیکارپ (اس کا شاگرد بنا،

یہ وہ ناقابل انکار شواہد ہیں جن کی روشنی میں یہ دعویٰ بالکل بے بنیاد معلوم ہونے لگتا ہے کہ یوحنا بزرگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کوئی شاگرد تھا،
رہا وہ جملہ جو انجیل یوحنا بالکل آخر میں مذکور ہے، یعنی:

”یہ وہی شاگرد ہے جو ان باتوں کی گواہی دیتا ہے، اور جس نے ان کو لکھا ہے

اور ہم جانتے ہیں کہ اس کی گواہی سچی ہے“ (یوحنا ۲۱: ۲۴)

سو اس کے بارے میں عیسائی محققین کی اکثریت کا خیال یہ ہے کہ یہ جملہ انجیل یوحنا کے مصنف کا نہیں ہے، بلکہ بعد میں کسی نے بڑھا دیا ہے، بائبل کا مشہور مفسر ویسٹ کاٹ (Westcott) بائبل پر تنقید کرنے کے معاملے میں بہت محتاط اور رجعت پسند نقطہ نظر کا حامی ہے، مگر یہاں وہ بھی لکھتا ہے:

”ان دو آیتوں کے بارے میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ درحقیقت وہ حاشیے ہیں جو انجیل کی اشاعت سے قبل اس میں بڑھا دیئے گئے تھے، اگر آیت نمبر ۲۴ کا مقابلہ ۱۹: ۳۵ سے کر کے دیکھا جائے تو نتیجہ خیز طور پر یہ بات نظر آتی ہے کہ یہ شہادت انجیل کے مصنف کی نہیں ہے، غالباً یہ الفاظ انیس کے بزرگوں نے بڑھا دیئے تھے“

عہد حاضر کے مشہور مصنف بشپ گور (Bishop Gore) بھی اس کی

تائید کرتے ہیں، اور یہی وجہ ہے کہ یہ دو آیتیں نسخہ سیدنائی ملکس (Codex Sinaiticus) میں موجود نہیں ہیں،

۱ Quoted by B. H. Streeter, *The Four Gospels* P. 430, MacMillan, New York 1901

۲ See *Belief in Christ* P. 196

۳ *The Four Gospels* P. 431

لہذا اس جملے کی بنیاد پر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس کا لکھنے والا حضرت مسیح علیہ السلام کا کوئی شاگرد ہے،

مذکورہ بالا اشارات سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ چوتھی انجیل کا مصنف نہ یوحنا بن زبدی حواری ہے، نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کوئی اور قابل ذکر شاگرد، بلکہ ہمارا خیال تو یہ ہے کہ چوتھی انجیل کا مصنف حواریوں کے بہت بعد کا کوئی شخص ہے، جس نے پوسٹ اس کے کسی شاگرد سے علم حاصل کیا تھا، اور بقول مفسر "ڈیٹ کاٹ" افسس کے بزرگوں نے اسے یوحنا حواری کی طرف منسوب کرنے کے لئے کچھ ایسے جملے بڑھا دیے جن سے مصنف کا عینی شاہد ہونا معلوم ہوتا ہو، تاکہ اپنے زمانے کے بعض ان غناسطی فرقوں (

کے خلاف حجت قائم کی جاسکے، جو حضرت مسیح علیہ السلام کی خدائی کے قائل نہیں تھے، اور یہ بات اب علمی دنیا میں ایک ناقابل انکار حقیقت بن کر سامنے آگئی ہے کہ اس زمانے میں مخالف فرقوں سے مناظرے کے دوران مقدس نوشتوں میں اس قسم کی ترمیمیں مسلسل ہوتی رہی ہیں، عہد حاضر کے مشہور عیسائی محقق پروفیسر برنٹ ہلین اسٹریٹر اپنی فاضلانہ تصنیف "انا جیل اربعہ" (The Four Gospel) میں کتنی وضاحت کے ساتھ

لکھتے ہیں کہ:

"لہذا اگر چوتھی انجیل میں ہمیں متن کے اندر کوئی ایسا اضافہ ملتا ہے جس کے ذریعہ اس کے مصنف کی واضح نشان دہی کی گئی ہے، مگر اس کے بارے میں یہ اعتراف کر لیا گیا ہے کہ وہ اصل مصنف کا نہیں ہے، تو کیا یہ بات بہت قرین قیاس نہیں ہے کہ یہ اضافہ انجیل کی تصنیف کے کچھ بعد کا ہے، اور شاید دوسرے مقامات پر بھی کر لیا گیا تھا، اور اس کا مقصد یہ تھا کہ اس

لے بلکہ فرانسیسی انسائیکلو پیڈیا میں تو یہاں تک کہا گیا ہے کہ پوری انجیل یوحنا خود پوسٹس کی تصنیف ہے، جسے اس نے یوحنا حواری کی طرف منسوب کر دیا ہے (دیکھئے مقدمہ انجیل برباں اڈسید رشید رضا مصری مرحوم، مطبوعہ قاہرہ)۔

انجیل کے مصنف کے بارے میں اُس نقطہ نظر کو منوایا جاسے، جس سے اُس نے
کے کچھ لوگ انکار کرتے تھے، اور دوسری عیسوی میں اس اختلاف کا پایا جانا
ہم آگے بالاختصار بیان کریں گے،

مذکورہ بیان کی روشنی میں انجیل یوحنا کا یہ جملہ کہ: ”یہی شاگرد ہے۔۔۔۔۔“
جس نے ان کو لکھا ہے۔۔۔۔۔“ اس کو یوں سمجھنا چاہئے کہ یہ ایک متنازعہ
مسئلہ کو حل کرنے کی ایک کوشش تھی، اور اس سے اس بات کا مزید ثبوت
ملتا ہے کہ اس زمانے میں بھی اس انجیل کے مصنف کے بارے میں شکوک
اور اختلافات پائے جاتے تھے۔“

لہذا ایسے ماحول میں یہ بات بھی چنداں محلِ تعجب نہیں ہے کہ انجیل یوحنا اور یوحنا کے
خطوط کسی پوئس کے شاگرد نے لکھے ہوں، اور بعد کے لوگوں نے ان میں ایسے جملوں کا اضافہ کر دیا
ہو جن سے مصنف کا حضرت مسیحؑ کا عینی شاہد ہونا معلوم ہو،

اس زمانے کے عام رجحان کے پیش نظر تو ہمیں یہی بات درست معلوم ہوتی ہے، لیکن
خالص رجعت پسندانہ عیسائی نقطہ نظر اختیار کرتے ہوئے اس انجیل کے بارے میں پورے
حُسنِ ظن کے ساتھ زیادہ سے زیادہ جو بات کہی جاسکتی ہے وہ ڈاکٹر بیکن کا یہ خیال ہے کہ جو تھی
انجیل یوحنا بزرگ ہی کی لکھی ہوئی ہے، مگر وہ براہِ راست حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا شاگرد
ہونے کے بجائے ان کے شاگردوں کا شاگرد تھا،

اور اگر بہت زیادہ حُسنِ ظن سے کام لیا جائے تو پروفیسر اسٹریٹر کا یہ نقطہ نظر اختیار
کیا جاسکتا ہے کہ انجیل یوحنا کا مصنف یوحنا بزرگ ہے، مگر،

پے پیاس (Papias) نے یوحنا بزرگ کو خداوند کا شاگرد قرار دیا
ہے، اور پولیکارپ نے اس کے بارے میں کہا ہے کہ وہ ایسا شخص تھا جس نے

۱ B. H. Streeter, *The Four Gospels*: P. 431

۲ Quoted by Streeter, *Four Gospels*: P. 443

خداوند کو دیکھا تھا، اُس نے خداوند سے یروشلم میں شناسائی حاصل کی ہوگی،
 (۱۔ یوحنا ۱: ۱۰) لیکن شاید وہ خداوند کو ”دیکھنے“ سے زیادہ اس سے کچھ حاصل نہ
 کر سکا، اس لئے کہ وہ اُس وقت بارہ سال کا لڑکا رہا ہوگا جسے اس کے والدین
 عید فصح کے موقع پر یروشلم لے آئے تھے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ لڑکا اس ہجوم
 میں شریک ہو، جس نے مسیح کو سولی پر چڑھتے دیکھا تھا۔ کیونکہ ان زمانے
 کے لوگ بچوں کو اس قسم کے نظاروں سے دُور رکھنے کا کوئی اہتمام نہیں کرتے
 تھے، اس صورت میں ۹۵ء کے اندر وہ ستر سال کی عمر کو پہنچ گیا ہوگا، یوحنا
 کا پہلا خط یقینی طور پر کسی عمر رسیدہ انسان کا لکھا ہوا ہے جو ایک ہی پیرا گراف
 میں ”بھائیو!“ کے لفظ سے گذر کر ”میرے بچو!“ کا لفظ استعمال کر سکتا ہو (یوحنا،
 ۳: ۱۲ و ۱۸) یہ آخری ٹکڑا (میرے بچو) ستر سال سے کم عمر کا آدمی مشکل ہی سے
 لکھ سکتا ہے..... لہذا یہ تسلیم کرنے میں کوئی مشکل نہیں ہے کہ
 یوحنا بزرگ نے یہ انجیل سنہ ۹۵ء اور سنہ ۹۵ء کے دوران کسی وقت لکھی
 تھی، جبکہ اس کی عمر ستر برس یا اس سے کچھ اوپر تھی۔“

نتائج یہ وہ خالص رجعت پسندانہ عیسائی نقطہ نظر ہے جسے انجیل یوحنا کو جعلی قرار دینے سے بچانے کی آخری کوشش کہا جاسکتا ہے، اس نقطہ نظر میں جو کھینچ تان کی گئی ہے، اگر اس سے قطع نظر کر کے ہم اس کو جوں کا توں تسلیم کر لیں تب بھی اس سے مندرجہ ذیل نتائج سامنے آتے ہیں:-

- ۱۔ انجیل یوحنا کا مصنف یوحنا بن زبدي حواری نہیں ہے، بلکہ یوحنا بزرگ ہے،
 ۲۔ یوحنا بزرگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں میں سے نہیں ہے،
 ۳۔ یوحنا بزرگ نے صرف ایک مرتبہ بارہ سال کی عمر میں حضرت مسیح ؑ کو صرف دیکھا تھا
 ان کی خدمت میں رہنے اور ان کی تعلیمات سننے کا اسے موقع نہیں ملا،

۴۔ یوحنا بزرگ نے آخری بار حضرت مسیح کو مصلوب ہوتے ہوئے دیکھا،

۵۔ وہ یرشلیم کا باشندہ نہیں تھا بلکہ کنعان کے جنوبی علاقے کا باشندہ تھا^۱

۶۔ حضرت مسیح کے بعد ۹۵ء تک اس کا کچھ حال معلوم نہیں کہ وہ کہاں رہتا تھا؟

کس سے اس نے علم حاصل کیا؟ کس کی صحبت اٹھائی؟ اور حواریوں کے ساتھ اس کے تعلق کی نوعیت کیا تھی؟

۷۔ ۹۵ء کے لگ بھگ ستر سال کی عمر میں اس نے انجیل یوحنا تصنیف کی جس میں پہلی بار عقیدہ حلول و تجسم کو بیان کیا گیا،

۸۔ بعد میں افسس کے بزرگوں نے اس انجیل کے آخر میں ایک ایسا جملہ بڑھا دیا، جس سے یہ ظاہر ہو کہ اس کا لکھنے والا یوحنا بن زبدی حواری، یا حضرت مسیح کا کوئی محبوب شاگرد ہے،

یہ وہ نتائج ہیں جن میں ہمارے اپنے قیاس کو کوئی دخل نہیں ہو، بلکہ خود عیسائی علماء انجیل یوحنا کو جعلی قرار پانے سے بچانے کے لئے انھیں ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں ان نتائج کی روشنی میں مندرجہ ذیل باتیں ناقابل انکار طریقے سے پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہیں:

- ۱۔ حلول و تجسم کا عقیدہ حضرت مسیح علیہ السلام یا اُن کے کسی حواری سے ثابت نہیں ہے،

- ۲۔ اس عقیدے کو حضرت مسیح علیہ السلام کی سوانح حیات میں سب سے پہلے ایک ایسے شخص نے لکھا، جس نے بارہ سال کی عمر میں حضرت مسیح کو صرف دیکھا تھا اُن سے مل کر کوئی تعلیم حاصل نہیں کی تھی،

- ۳۔ جو شخص یہ عقیدہ پیش کر رہا ہے وہ مجہول الحال ہے، یعنی اس کی ان تحریرات کے علاوہ اس کا کچھ حال ہمیں معلوم نہیں، کہ وہ کس مزاج و مذاق کا آدمی تھا؟ کیا نظریات رکھتا تھا؟ یہ عقیدہ اس نے خود وضع کیا تھا؟ یا کسی اور سے سنا تھا؟

اس کی زندگی کہاں بسر ہوئی تھی؟ حواریوں سے اس کے کیا تعلقات تھے؟

۴۔ یہ عقیدہ اس نے ۹۵ء میں انجیل کے اندر داخل کیا، جب کہ اس کی عمر ستر سال تھی، اور اس وقت پوتس کے انتقال کو اٹھائیس سال گزر چکے تھے،

۵۔ چونکہ پوتس کا انتقال اس سے پہلے ہو گیا تھا، اور اس نے عقیدہ حلول و تجسم اپنی خطوط میں واضح طور سے بیان کیا ہے، اس لئے اس عقیدے کو سب سے پہلے بیان کرنے والا یوحنا بزرگ نہیں ہے، بلکہ پوتس ہے،

عقیدہ کفارہ | مذکورہ بالا بحث سے یہ بات نہایت مدلل طریقے سے واضح ہو جاتی ہے کہ عقیدہ حلول و تجسم نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کسی ارشاد سے ثابت ہے، اور نہ کوئی حواری اس کا قائل تھا، بلکہ اُسے سب سے پہلے پوتس نے پیش کیا ہے، آئیے! اب عیسائی مذہب کے دوسرے عقیدے یعنی ”عقیدہ کفارہ“ کے بارے میں یہ تحقیق کریں کہ اس کا بانی کون ہے؟ اور اس کی اصل کہاں سے نکلی ہے؟

یہ عقیدہ بقول مسٹر ڈینیئل ولسن عیسائی مذہب کی جان ہے، آپ پہلے باب میں پڑھ چکے ہیں کہ ایک طرف عیسائی مذہب کے مطابق انسان کی نجات اس عقیدے پر موقوف ہے، ہستمر اور عشار بانی کی رہیں بھی اسی کی بنیاد پر وضع ہوئی ہیں، دوسری طرف اس عقیدے کی پشت پر فلسفہ پروردہ بڑا پیچھا اور دقیق ہے، لہذا آپ کا خیال شاید یہ ہو گا کہ انا جیل اربعہ میں حضرت مسیح علیہ السلام کے بہت سے ارشادات کے ذریعہ اس کی وضاحت کی گئی ہوگی، اور آپ اور آپ کے حواریوں نے اس کی خوب تشریح فرمائی ہوگی، آپ یہ سمجھنے میں بالکل حق بجانب ہیں، اس لئے کہ جن عقائد و نظریات پر کسی مذہب یا نظام فکر کی بنیاد ہوتی ہے، وہ اس مذہب کی بنیادی کتابوں اور اس نظام کے بانیوں کی تصانیف میں جا بجا بکھرے ہوئے ملتے ہیں، اور مذہب کی ابتدائی کتابوں کا سارا زور اپنی عقائد کو ثابت کرنے پر صرف ہوتا ہے، مثلاً

۱۵۔ کیونکہ مورخین تخمینہ طور پر پوتس کا سن وفات ۹۵ء کو قرار دیتے ہیں،

اسلام کی بنیاد توحید رسالت اور آخرت کے عقائد ہیں، اس لئے پورا قرآن کریم ان عقائد کی تشریح اور ان کے دلائل سے بھرا ہوا ہے، یا مثلاً اشتیاقیت کی بنیاد مارکس کے فلسفہ تاریخ، نظریہ قدر زائد اور نظریہ اشتراکیت (

پر ہے، لہذا کارل مارکس کی کتاب ”سرمایہ“ میں انہی نظریات کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے،

لیکن عیسائی مذہب کا حال اس سے بالکل مختلف ہے، جو نظریات اس مذہب میں بنیادی حیثیت رکھتے ہیں، بلکہ جن کی وجہ سے یہ مذہب دوسرے مذاہب سے ممتاز ہے، وہی نظریات انجیلوں سے غائب ہیں، ان کی کوئی تشریح حضرت مسیح علیہ السلام یا ان کے کسی حواری سے نہیں ملتی، عقیدہ تثلیث اور حلول و تجسم کا حال تو آپ دیکھ چکے ہیں، عقیدہ کفارہ کی حالت بھی یہی ہے، کہ وہ حضرت مسیح علیہ السلام کے کسی ارشاد سے ثابت نہیں ہوتا، اس بات کا اندازہ کرنے کے لئے اناجیل کے ان جملوں پر ایک نظر ڈال لیجئے، جن کے بارے میں عیسائی حضرات کا خیال یہ ہے کہ عقیدہ کفارہ ان سے مستنبط ہے، وہ جملے یہ ہیں:-

۱۔ ”اس کے بیٹا ہو گا، اور تو اس کا نام یسوع رکھنا، کیونکہ وہی اپنے لوگوں کو ان

کے گناہوں سے نجات دے گا“ (متی ۱۱:۱)

۲۔ ”فرشتے نے ان سے کہا..... تمہارے لئے ایک منجی پیدا ہوا ہے، یعنی

”مسیح خداوند“ (لوقا ۱۲:۱۱)

۳۔ ”کیونکہ میری آنکھوں نے تیری نجات دیکھ لی ہے“ (لوقا ۲:۳۰)

۴۔ حضرت مسیح نے فرمایا:- ”ابن آدم کھوئے ہوؤں کو ڈھونڈنے اور نجات دینے آیا ہوا تھا“

۵۔ ”ابن آدم اس لئے نہیں آیا کہ خدمت لے، بلکہ اس لئے کہ خدمت کرے، اور اپنی

جان بہتیروں کے بدلے فدیہ میں دے“ (متی ۲۰:۲۸ و مرقس ۱۰:۴۵)

۶۔ ”یہ میرا وہ عہد کا خون ہے جو بہتیروں کے لئے گناہوں کی معافی کے واسطے

بہایا جاتا ہے“ (متی ۲۶:۲۸)

بس یہ ہیں اناجیل متفقہ کے وہ جملے جن سے عقیدہ کفارہ پر استدلال کیا جاتا ہے،

ان جملوں سے زائد عقیدہ کفارہ کے سلسلے میں کوئی بات انجیلوں میں نہیں پائی جاتی مشکل یہ ہو کہ اس وقت عقیدہ کفارہ اپنی ترقی یافتہ شکل میں اتنا مشہور ہو چکا ہے کہ ان جملوں کو پڑھ کر ذہن سیدھا اُسی عقیدے کی طرف منتقل ہوتا ہے، لیکن اگر آپ انصاف کے ساتھ مسئلے کی تحقیق کرنا چاہتے ہیں تو تھوڑی دیر کے لئے عقیدہ کفارہ کی اُن تمام تفصیلات کو ذہن سے نکال دیجئے جو پہلے باب میں ہم نے بیان کی ہیں، اس کے بعد خالی الذہن ہو کر ان جملوں کو ایک بار پھر پڑھیے، کیا ان جملوں کا سیدھا سادہ مطلب یہ نہیں نکلتا؟ حضرت مسیح علیہ السلام گمراہی کی تاریکیوں میں بھٹکنے والوں کو نجات اور ہدایت کا راستہ دکھانے کے لئے تشریف لائے ہیں، اور جو لوگ کفر و شرک اور بد اعمالیوں کی وجہ سے اپنے آپ کو دائمی عذاب کا مستحق بنا چکے ہیں، انھیں ہدایت کا سیدھا راستہ دکھا کر انھیں جہنم کے عذاب سے چھٹکارا دلانا چاہتو ہیں خواہ انھیں اپنی ان تسلیغی خدمات کے جرم میں کتنی ہی تکلیفیں برداشت کیوں نہ کرنی پڑیں! ”اپنی جان بہتیروں کے لئے فدیہ میں دے“ اور ”یہ میرے عہد کا وہ خون ہے، جو بہتیروں کے لئے گناہوں کی معافی کے واسطے بہایا جاتا ہے“ اگر پہلے سے عقیدہ کفارہ کا تصور ذہن میں جما ہوا نہ ہو تو ان جملوں کا بھی صاف مطلب یہ نکلتا ہے کہ لوگوں کو گمراہی سے نکالنے اور ان کے سابقہ گناہوں کی معافی کا سامان پیدا کرنے کے لئے حضرت مسیح علیہ السلام اپنی جان تک قربان کرنے کے لئے تیار ہیں اور اسی آمادگی کا اظہار فرما رہے ہیں ان جملوں سے یہ فلسفہ کہاں مستنبط ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے گناہ کی وجہ سے اُن کی قوت ارادی سلب ہو گئی تھی، اور اس کی وجہ سے ان میں اور ان کی اولاد کی سرشت میں اصلی گناہ داخل ہو گیا تھا، جس کی وجہ سے ہر شیر خوار بچہ بھی دائمی عذاب کا مستحق تھا، پھر تمام دنیا کا یہ اصلی گناہ خدا کے اقنومِ ابنی نے پھانسی پر چڑھا کر اپنے اوپر لے لیا، اور اس سے

۱۔ یہی کتاب ایسماء ۱۵۳ کی عبارت جو اس سلسلے میں بکثرت پیش کی جاتی ہے، سورہ ان سب جملوں سے زیادہ مجمل اور مبہم ہے، معلوم نہیں اس کا مصداق کیا ہے؟ اور اس تمثیل سے کیا مراد ہے؟

تمام لوگوں کے اصلی گناہ معاف ہو گئے؟

اور اگر مذکورہ جملوں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مقصد یہی تھا کہ عقیدہ کفارہ کو واضح کریں تو انھوں نے اسے اس کی تمام تفصیلات کے ساتھ کیوں نہیں سمجھایا؟ جب کہ وہ دین کے بنیادی عقائد میں سے تھا، اور اس پر ایمان لائے بغیر نجات نہیں ہو سکتی تھی،

آپ دن رات انبیاء علیہم السلام — بلکہ قوم کے لیڈروں کے لئے اس قسم کے جملے استعمال کرتے رہتے ہیں کہ فلاں شخص نے اپنی قوم کو نجات دلانے کے لئے اپنی جان قربان کر دی، لیکن ان جملوں سے کوئی یہ مفہوم نہیں سمجھتا کہ حضرت آدم کا اصلی گناہ قوم پر مسلط تھا، اُس لیڈر نے قوم کے بدلے اس کی سزا خود برداشت کر لی،

پھر اگر ان جملوں سے اس قسم کے مطلب نکالنے کی گنجائش ہے تو یہ مطلب بھی نکالا جاسکتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنی قوم کے تمام گناہ اپنے سر لے لئے ہیں، اس لئے قیامت تک لوگ کتنے ہی گناہ کرتے رہیں انھیں عذاب نہیں ہوگا — حالانکہ یہ وہ بات ہے جس کی تردید شروع سے تمام کلیسا کرتے آئے ہیں،

یہی وجہ ہے کہ جن عیسائی علماء نے ان جملوں کو انصاف کی نظر سے پڑھا ہے انھوں نے ان سے یہ عجیبہ فلسفہ مراد لینے کے بجائے سیدھا سادہ وہی مطلب لیا ہے جو ہم نے بیان کیا، عیسائی تاریخ کے بالکل ابتدائی دور میں کوآئیلیس شینس (Coelestius)

کا کہنا ہی تھا، پھر سوزینی فرقے کے لوگ (Socinians) بھی ان جملوں کی یہی تشریح کرتے ہیں، انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں ان لوگوں کا ذکر کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ:

یہ لوگ مسیح کی حیات و موت میں صرف ایک شاندار راہِ نجات پائے

جائے کے قائل تھے (برٹانیکا، ص ۶۵۲ ج ۲، مقالہ کفارہ)

لے خاص طور سے اس وقت جبکہ یہ فلسفہ عقل کے علاوہ بائبل کی اس تصریح کے بھی بالکل خلاف ہے:

جو جان گناہ کرتی ہو: ہی مرے گی، بیٹا باپ کے گناہ کا بوجھ نہ اٹھائے گا، اور نہ باپ بیٹے کے گناہ کا بوجھ

صادق کی صداقت اسی کیلئے ہوگی، اور شریر کی شرارت شریر کے لئے (حزقی ایل ۱۸: ۲۰)

ایب لارڈ (Abelard) کا کہنا بھی یہ تھا کہ کفارے کا مطلب صرف یہ ہے کہ

حضرت مسیح کی حیات و موت ہمدردی اور رحمدلی کا ایک مکمل سبق تھی (بحوالہ مذکور)

یہ لوگ تو وہ ہیں جو برآئیم کے زمانے سے پہلے عقیدہ کفارہ کے منکر تھے، پھر برآئم کے دور میں اور اس کے بعد ماڈرن ازم کے زمانے میں لوگوں کا عام رجحان کیا ہو گیا؟ اس کے بارے میں کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں ہے، وہ ہر شخص کے سامنے ہے۔

مذکورہ بالا بحث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے کسی جملے سے عقیدہ کفارہ کا وہ مفہوم ثابت نہیں ہوتا جو آج کل رائج ہے، اور جن جملوں سے اس پر استدلال کیا گیا ہے ان کا سیدھا اور صاف مطلب کچھ اور ہے،

اب حواریوں کی طرف آئیے تو ان کا بھی کوئی ایک جملہ ایسا نہیں ہے جس سے عقیدہ کفارہ کی سند ملتی ہو، لہذا پہلا وہ شخص جس نے عقیدہ کفارہ کو اس کے پورے فلسفہ کے ساتھ بیان کیا ہے، وہ پورس ہے، رومیوں کے نام خط میں وہ لکھتا ہے :

”پس جس طرح ایک آدمی کے سبب گناہ دنیا میں آیا اور گناہ کے سبب موت آئی، اوریوں موت سب آدمیوں میں پھیل گئی، اس لئے کہ سب گناہ کیا، کیونکہ شریعت کے دیئے جانے تک دنیا میں گناہ تو تھا، مگر جہاں شریعت نہیں وہاں گناہ محسوب نہیں ہوتا، تو بھی آدم سے لے کر موتی تک موت نے ان پر بادشاہی کی، جنہوں نے اس آدم کی نافرمانی کی طرح جو آئیو کے کا مثیل تھا گناہ نہ کیا تھا، لیکن قصور کا جو حال ہے وہ نعمت کا نہیں، کیوں کہ جب ایک شخص کے قصور سے بہت آدمی مر گئے تو خدا کا فضل اور اس کی بخشش

ایک ہی آدمی یعنی یتوع مسیح کے فضل سے پیدا ہوئی، بہت سے آدمیوں پر ضروری افراط سے نازل ہوئی، اور جیسا ایک شخص کے گناہ کرنے کا انجام ہوا بخشش کا دیا حال نہیں، کیونکہ ایک ہی کے سبب وہ فیصلہ ہوا جس کا نتیجہ سزا کا حکم تھا، مگر بہترے قصوروں سے ایسی نعمت پیدا ہوئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ راست باز ٹھیرے، کیونکہ جب ایک شخص کے قصور کے

سب سے موت نے اس ایک کے ذریعہ سے بادشاہی کی توجہ لوگ فضل اور
راست بازی کی بخشش افراط سے حاصل کرتے ہیں، ایک شخص یعنی
یسوع مسیح کے واسطے سے ہمیشہ کی زندگی میں ضرور ہی بادشاہی کریں گے...
کیونکہ جس طرح ایک ہی شخص کی ناسرمانی سے بہت سے لوگ گنہگار ٹھہرے
اسی طرح ایک کی سرمانبرداری سے بہت سے لوگ راستباز ٹھہریں گے۔

(رومیوں ۵: ۱۲ تا ۱۹)

اور آگے مزید تشریح کرتے ہوئے لکھتا ہے:

”کیا تم نہیں جانتے کہ ہم جنہوں نے مسیح یسوع میں شامل ہونے کا بہتر
لیا تو اس کی موت میں شامل ہونے کا بہتر لیا؟ پس موت میں شامل ہونے
کے بہتر کے وسیلہ سے ہم اس کے ساتھ دفن ہوئے، تاکہ جس طرح مسیح باپ
کے جلال کے وسیلہ سے مردوں میں سے چلایا گیا، اُسی طرح ہم بھی نئی
زندگی میں چلیں..... چنانچہ ہم جانتے ہیں کہ ہماری پرانی انسانیت
اس کے ساتھ اس لئے مصلوب کی گئی کہ گناہ کا بدن بیکار ہو جائے، تاکہ

ہم آگے گناہ کی غلامی میں نہ رہیں“ (رومیوں ۶: ۱ تا ۶)

یہ کفارہ کا بعینہ وہ فلسفہ ہے جس کی پوری تشریح ہم پہلے باب میں تفصیل کے ساتھ
کر آئے ہیں، یہ عقیدہ پوس سے پہلے کسی کے یہاں نہیں ملتا، اس لئے وہی اس عقیدے
کا بانی بھی ٹھہرتا ہے،

تورات پر عمل کا حکم | عیسائی مذہب کے بنیادی عقائد کے بعد مناسب ہو گا کہ
اس کے بعض خاص خاص احکام کے بارے میں بھی تحقیق
کر لی جائے کہ اس سلسلے میں حضرت مسیح علیہ السلام کی ہدایات کیا تھیں؟ اور پوس نے اس
میں کیا ترمیم کی؟

حضرت مسیح علیہ السلام نے متعدد ارشادات میں وضاحت کے ساتھ یہ فرمایا ہو کہ میرا
مقصد تورات کی مخالفت کرنا نہیں ہے، بلکہ میں اس کی تصدیق کرتا ہوں، بلکہ انا جیل میں تو

یہاں تک لکھا ہے کہ میں اس کو منسوخ کرنے نہیں آیا، انجیل متی میں ہے،
 ”یہ نہ سمجھو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں، منسوخ
 کرنے نہیں، بلکہ پورا کرنے آیا ہوں، کیونکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک
 آسمان اور زمین ٹل نہ جائیں ایک نقطہ یا ایک شوشہ توریت سے ہرگز نہ
 ٹلے گا“ (متی ۵: ۱۷)

نیز آپ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا:

”مجھ کو کچھ تم چاہتے ہو کہ لوگ تمہارے ساتھ کریں وہی تم بھی اُن کے ساتھ کرو،

کیونکہ توریت اور نبیوں کی تعلیم یہی ہے“ (متی ۷: ۱۲)

اس سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنیادی طور پر تورات کو واجب العمل
 اور قابل احترام مانتے تھے،

لیکن پوس کا تورات کے احکام کے بارے میں کیا نظریہ ہے؟ اس کے مندرجہ ذیل اقوال
 سے معلوم ہوگا، گلتیوں کے نام خط میں وہ لکھتا ہے:

”مسیح جو ہمارے لئے لعنتی بنا اس نے ہمیں مول لے کر شریعت کی لعنت کے

چھڑایا“ (گلتیوں ۳: ۱۳)

اور آگے لکھتا ہے:

”ایمان کے آنے سے پیشتر شریعت کی ماتحتی میں ہماری نگہبانی ہوتی تھی، اور

اس ایمان کے آنے تک جو ظاہر ہونے والا تھا ہم اسی کے پابند رہے، پس

شریعت مسیح تک پہنچانے کو ہمارا استاد بنی تاکہ ہم ایمان کے سبب راست با

ٹھہریں، مگر جب ایمان آچکا تو ہم استاد کے ماتحت نہ رہے“ (۲۵: ۲۲-۲۳)

اور افیتوں کے نام خط میں لکھتا ہے:

”اُس نے جسم کے ذریعہ سے دشمنی یعنی وہ شریعت جس کے حکم ضابطوں کے طور

پر تھے موقوف کر دی۔“ (افسیوں ۱۲: ۱۵)

اور عبرانیوں کے نام خط میں رقمطراز ہے:

”اور جب آہانت بدل گئی تو شریعت کا بھی بدلنا ضرور ہے“ (عبرانیوں ۷: ۱۲)

اور آگے لکھتا ہے:-

”کیونکہ اگر پہلا عہد (یعنی تورات) بے نقص ہوتا تو دوسرے کے لئے

موقع نہ ڈھونڈھا جاتا“ (۷: ۸)

آگے آیت ۱۳ میں کہتا ہے:

”جب اُس نے نیا عہد کیا تو پہلے کو پرانا ٹھہرایا، اور جو چیز پرانی اور مدت

کی ہو جاتی ہے وہ مٹنے کے قریب ہوتی ہے“

ان تمام اقوال کے ذریعہ پوئس نے تورات کی عملی اہمیت بالکل ختم کر دی، اور

اس کے برعکس کو منسوخ کر ڈالا،

عشار ربانی | عشار ربانی کی تشریح پہلے باب میں کی جا چکی ہے، یہ عبادت عیسائی مذہب کی اہم ترین رسوم میں سے ہے، لیکن انجیل متی اور مرقس میں

جہاں اس واقعہ کا تذکرہ ہے وہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اس عمل کو ایک دائمی رسم

بنالینے کا کوئی حکم موجود نہیں ہے، یہ حکم بھی سب سے پہلے پوئس نے وضع کیا ہے، (دیکھتے ہیں

۲۴: ۱۱) اور تو قاً چونکہ پوئس کا شاگرد ہے اس لئے اس نے بھی پوئس کی تقلید کی ہے،

یہ بات خود عیسائی علماء کو بھی تسلیم ہے، چنانچہ ایف، سی برکٹ لکھتے ہیں:

”اگر آپ عشار ربانی کا حال مرقس میں پڑھیں گے تو اس میں اس عمل کو

آئندہ جاری رکھنے کا کوئی حکم آپ کو نہیں ملے گا، لیکن مقدس پولس جہاں

یسوع کے اس عمل کا تذکرہ کرتا ہے وہاں ان کی طرف منسوب کر کے اس جملے

کا اضافہ کرتا ہے کہ ”تیری یادگاری میں یہی کیا کر دو“

ختنہ کا حکم | ختنہ کا حکم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے چلا آتا ہے، تورات میں ہے:

”اور میرا عہد جو میرے اور تیرے درمیان اور تیرے بعد تیری

نسل کے درمیان ہے اور جسے تم مانو گے سو یہ ہے کہ تم میں سے ہر سرزند

نرینہ کا ختنہ کیا جائے۔۔۔۔۔ اور میرا عہد تمہارے جسم میں ابدی عہد ہوگا،

اور وہ فرزند نرینہ جس کا ختنہ نہ ہوا ہو، اپنے لوگوں میں سے کاٹ ڈالا جائے،

کیونکہ اس نے میرا عہد توڑا۔ (پیدائش ۱۷: ۱۰ تا ۱۴)

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد ہے:

”اور آٹھویں دن لڑکے کا ختنہ کیا جائے“ (احبار ۱۲: ۳)

اور خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بھی ختنہ ہوا تھا، جس کی تصریح انجیل لوقا ۲: ۲۱ میں

موجود ہے، اس کے بعد حضرت مسیح علیہ السلام کا کوئی ارشاد ایسا منقول نہیں ہے

جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ ختنہ کا حکم منسوخ ہو گیا ہے،

لیکن اس بارے میں پوٹس کا نظریہ معلوم کرنے کے لئے اس کے خطوط کو دیکھئے،

گلتیوں کے نام خط میں وہ لکھتا ہے:

”دیکھو میں پوٹس تم سے کہتا ہوں کہ اگر تم ختنہ کرو گے تو مسیح سے تم کو کچھ

فائدہ ہوگا۔ (گلتیوں ۵: ۱)

اور آگے چل کر لکھتا ہے:

”کیونکہ نہ ختنہ کچھ چیز ہے، نہ نامحنتی، بلکہ نئے سرے سے مخلوق ہونا۔“ (۵: ۶)

۲۔ تاریخی شواہد

مذکورہ بالا بحث ہے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام

اور پوٹس کے نظریات میں کس قدر تضاد ہے، اور موجودہ عیسائی مذہب کے بنیادی عقائد

واحکام حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیم نہیں ہیں، بلکہ انھیں پوٹس نے وضع کیا ہی، ثلث

جلول و تجسم، کفارہ، تورات کی پابندی، عشاء ربانی اور نوح ختنہ کے تمام نظریات کا بانی

فہمی ہے،

گہر صرف انہی شواہد کی بنیاد پر یہ کہا جاتے کہ پوتس ہی موجودہ عیسائیت کا بانی ہے، کوہاری نگاہ میں یہ بات عین خرب نصاف ہے، لیکن مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں وہ تاریخی شواہد بھی پیش کر دیے جائیں، جن کی روشنی میں یہ دعویٰ مزید واضح ہو جاتا ہے، اس کے لئے ہمیں پوتس کی سوانح جات کا مطالعہ کرنا پڑے گا، اگرچہ پوتس کی سوانح حیات پر مستند مواد محدود ہے، تاہم کتاب اعمال، خود پوتس کے خطوط اور ان پر مبنی وہ کتابیں جو عیسائی علماء نے لکھی ہیں اس دعوے کے بہت سے ثبوت ہتیا کرتی ہیں، جنہیں ہم ذیل میں پیش کرتے ہیں:

۱. عرب کا سفر | پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ پوتس شروع میں یہودی تھا، بعد میں اس نے یسوع مسیح (علیہ السلام) پر ایمان لانے کا دعویٰ کیا تھا، اگر وہ واقعی حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیمات پر ایمان لایا تھا تو قاعدے کا تقاضا یہ تھا کہ وہ اپنے اس نظریاتی انقلاب کے بعد زیادہ سے زیادہ وقت حضرت مسیح علیہ السلام کے ان شاگردوں اور حواریوں کے پاس گزارتا جنہوں نے براہ راست حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے فیض حاصل کیا تھا، اور جو اس وقت دین عیسوی کے سب سے بڑے عالم تھے، لیکن پوتس کی سوانح حیات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے نظریاتی انقلاب کے فوراً بعد حواریوں کے پاس یر و ظلم نہیں گیا، بلکہ دمشق کے جنوبی علاقے میں چلا گیا، گلیتیوں کے نام خط میں وہ خود لکھتا ہے:

تجس خدا نے مجھے میری ماں کے پیٹ ہی سے مخصوص کر لیا، اور اپنے فضل سے بلا لیا، جب اس کی یہ مرضی ہوئی کہ اپنے بیٹے کو مجھ میں ظاہر کرے تاکہ میں غیر قوموں میں اس کی خوشخبری دوں، تو نہ میں نے گوشت اور خون سے صلاح لی، اور نہ یرشلیم میں اُن کے پاس گیا، جو مجھ سے پہلے رسول تھے، بلکہ فوراً عرب چلا گیا، پھر وہاں سے دمشق کو واپس آیا: (گلیتیوں ۱: ۱۵ تا ۱۷)

لے واضح رہے کہ یہاں عرب کے مراد دمشق کا جنوبی علاقہ ہے، جسے اس زمانے میں تو تغاربت کہہ دیا جاتا تھا، انسانی عکلو پٹریا برٹانیکا، ص ۳۸۹، ج ۱، مقالہ ۱، پال)

عرب جانے کی وجہ کیا تھی؟ الہائیٹلو پیڈیا برٹانیکا کے مقالہ نگار کی زبانی سنئے،
 ”جلد ہی اسے (یعنی پولس کو) اس ضرورت کا احساس ہوا کہ اُسے ایسی خانو
 اور پرسکون نضا میں رہنا چاہئے جہاں وہ اپنی نئی پوزیشن کے بارے میں کچھ
 سوچ سکے، چنانچہ وہ دمشق کے جنوبی علاقے میں کسی مقام پر چلا گیا،.....
 اس کے سامنے سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ وہ اپنے نئے تجربے کی روشنی میں
 شریعت کے مقام کی نئی تعبیر کرے۔“

اور مشہور عیسائی مورخ جیمس میک کنن اپنی فاضلانہ کتاب ”مسیح سے قسطنطین تک“
 میں لکھتے ہیں:-

”اپنے نظریاتی انقلاب کے بعد..... وہ عرب (نبطیہ) چلا گیا، جس کا مقصد
 بظاہر تبلیغ سے زیادہ یہ تھا کہ اپنے نئے عقیدے کے متضمنات پر غور کرے،
 اس کے تین سال بعد وہ یروشلم گیا، تاکہ یسوع مسیح کے بارے میں جو روایت
 تھی اس کے بارے میں مشورہ کرنے کے لئے پطرس اور خداوند کے بھائی
 یعقوب ملاقات کرے،“

سوال یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین پر ایمان لانے کے بعد اس نے تین سال
 کا طویل عرصہ الگ تھلگ رہ کر کیوں گزارا؟ اور ان لوگوں سے اس دین کی معلومات حاصل
 کرنے کی کوشش کیوں نہ کی جنہوں نے براہ راست حضرت مسیح علیہ السلام سے فیض
 اٹھایا تھا؟ کیا اس کا صاف جواب ادھر کے دو اقتباسات میں یہ نہیں دیا گیا کہ دراصل
 وہ اپنی اس تبدیلی کے بعد وہ مذہب اور وہ تعلیمات اختیار کرنا نہیں چاہتا تھا جنہیں اب تک
 حضرت مسیح علیہ السلام کے حواری دین عیسوی قرار دیتے آئے تھے بلکہ وہ شریعت اور دین عیسوی کی بقول برٹانیکا ”نئی تعبیر کرنا“

۱۷ برٹانیکا، ص ۲۸۹، ج ۱، مقالہ ۱۰،

Mackinnon, James, From Christ to Constantine, London, Longmans

green 1936 P. 91

اور اس مقصد کے لئے اسے خاموش اور پرسکون فضا میں غور و فکر کرنے کی ضرورت تھی اُسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اصلی دین کے بجائے ایک نئے مذہب کی داغ بیل ڈالنی تھی، جس کے لئے وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اسم گرامی استعمال کرنا چاہتا تھا، پولس کے ایک مشہور عیسائی سوراخ نگار ایف، جے فوکس جیکسن پولس کے اس عمل کی تاویل اس طرح کرتے ہیں:

”پولس کو اس بات کا یقین تھا کہ خدا نے اسے کام کا ایک مخصوص میدان دیا ہے، اور کسی فانی شخص کو اس کے معاملات میں اس وقت تک دخل اندازی نہ کرنی چاہئے جب تک کہ خدا کی روح خود اس کی رہنما بنی ہوئی ہے، اگر یہ بات ذہن میں رہے تو پولس کے اس طرز عمل کو سمجھنے میں مدد ملے گی کہ اعلیٰ نے زندہ یسوع مسیح کو سمجھنے کے لئے پیش رو حواریوں سے تعلیم حاصل نہیں کی، اور اس سلسلے میں ان کا ممنون ہونے کے بجائے براہ راست خداوند سے رابطہ قائم رکھا۔“

لیکن ذرا غور فرمائیے کہ یہ بات کتنی غیر معقول ہے! آخر اس کی دلیل کیا ہے کہ پولس آن کی آن میں تقدس اور رسالت کے اس مقام بلند تک پہنچ جاتا ہے کہ اسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کو سمجھنے کے لئے کسی حواری کی تعلیم کی ضرورت نہیں رہتی؟ اگر اس غیر معمولی طریقے سے وہ بعینہ ان تعلیمات کا اعلان کرتا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے حواریوں اور ان کی انجیل کے ذریعہ ثابت ہیں، تب بھی کسی درجے میں یہ بات معقول ہو سکتی تھی، لیکن آپ پیچھے پڑھ چکے ہیں کہ وہ اس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بتلائے ہوئے عقائد و تصورات سے بالکل متضاد نظریات بیان کرتا ہے، ایسی صورت میں اس کی کوئی دلیل تو

F. J. Foakes Jackson, *Life of St. Paul*, London 1933 P 129

۱۵

۱۶ یہاں مسٹر جیکسن پولس کی اس عبارت کی طرف اشارہ کر رہے ہیں: ”جو خوشخبری میں سنائی دے انسان کی سی نہیں، کیونکہ وہ مجھے انسان کی طرف سے نہیں پہنچی، اور نہ مجھے سکھائی گئی، بلکہ یسوع مسیح کی طرف مجھے اس کا مکافضہ ہوا۔“ (گلتیوں ۱: ۱۱-۱۲)

ہونی چاہئے کہ اُسے براہِ راست خدا کی طرف سے ان عقائد کی تعلیم دی گئی ہے، اور اس تعلیم کے بعد دینِ عیسوی کی سابقہ تعبیر منسوخ ہو چکی ہے، — جب ایسی کوئی دلیل آج تک کوئی نہ پیش کر سکا تو کیا یہ نرا دعویٰ اس لائق ہے کہ اس کی بناء پر دینِ عیسوی کی بالکل کایا پلٹ دی جائے !

پھر اگر حضرت عیسیٰ کے فوراً بعد انہی کی مرضی سے ایک ایسا "انقلابی رسول" آنے والا تھا، تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس کی آمد کے بارے میں کوئی ہدایت کیوں نہیں دی ؟ بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ آپ نے (بقول نصاریٰ) عیدِ سینٹی کو سٹ کے موقع پر نزولِ روح القدس کی خبر دی تھی، حالانکہ وہ کوئی انقلابی واقعہ نہ تھا، مگر پوٹس کے رسول بن کر آنے کی کوئی خبر آپ نے نہیں دی،

پوٹس کے ساتھ حواریوں کا طرزِ عمل

اس پر یہ اعتراض کیا جاسکتا ہے کہ اگر پوٹس کا یہ دعویٰ غلط تھا، اور وہ دینِ عیسوی کی پیروی کرنے کے بجائے اس کی تحریف کر رہا تھا، تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں نے اس کے ساتھ تعاون کیوں کیا ؟

اس سوال کے جواب کے لئے قدرے تفصیل کی ضرورت ہے، ہماری تحقیق یہ ہے کہ پوٹس نے حواریوں کے سامنے آتے ہی فوراً اپنے انقلابی نظریات پیش نہیں کئے تھے، بلکہ وہ شروع میں دینِ عیسوی کے ایک سچے پیرو کی شکل میں اُن کے سامنے آیا تھا، اس لئے حواریوں نے اس کے ساتھ پورا پورا تعاون کیا، لیکن جب رفتہ رفتہ اس نے عیسوی عقائد میں ترمیم شروع کی، اور اس کے بنیادی تصورات پر ضربیں لگائیں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری اس سے اختلاف کر کے قطعی طور پر الگ ہو گئے،

افسوس یہ ہے کہ اس وقت ہمارے پاس اُس زمانے کے حالات معلوم کرنے کے لئے ضر

دو ذریعے ہیں، ایک خود پوتس کے خطوط، دوسرے اس کے شاگرد لوقا کی کتاب اعمال، اور ظاہر ہے کہ یہ دونوں پوتس اثرات کے حامل ہونے کی وجہ سے تحقیقِ حال کے لئے بہت مخدوش ہیں، تاہم ان دونوں ذرائع سے اور بعض دوسرے تاریخی شواہد سے یہ پتہ لگانا مشکل نہیں ہے کہ آخر میں پوتس اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کے درمیان شدید اور سنگین اختلافات رونما ہو گئے تھے،

چونکہ اس پہلو سے اس سے قبل بہت کم غور کیا گیا ہے، اس لئے ہم یہاں مختلف حواریوں کے ساتھ پوتس کے تعلقات کا کسی قدر تفصیل سے جائزہ لیں گے، تاکہ حقیقت کھل کر سامنے آ سکے،

پوتس اور برنباس

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ حواریوں میں سے جو صاحبِ پوتس کے نظریاتی انقلاب کے بعد سب سے پہلے اُن سے ملے، اور جو ایک طویل عرصے تک پوتس کے ساتھ رہے وہ برنباس ہیں، حواریوں میں ان کا مقام کیا تھا؟ اس کا اندازہ کتابِ اعمال کی اس عبارت سے ہوگا

”اور یوسف نامی ایک لادی تھا، جس کا لقب رسولوں نے برنباس یعنی نصیحت کا بیٹا رکھا تھا، اور جس کی پیدائش کپڑوں کی تھی، اس کا ایک کھیت تھا جسے اُس نے بیچا اور قیمت لاکر رسولوں کے پاؤں میں رکھ دی“ (اعمال ۴: ۳۶)۔
 اور یہ برنا باس ہی تھے جنہوں نے تمام حواریوں کے سامنے پوتس کی تصدیق کی، اور انہیں بتایا کہ یہ فی الواقعہ تمہارا ہم مذہب ہو چکا ہے، ورنہ ابھی تک حواریوں کو اس بات کا یقین نہ تھا، لوقا لکھتے ہیں،

”اور سب اس سے (پوتس سے) ڈرتے تھے، کیونکہ ان کو یقین نہ آتا تھا کہ یہ شاگرد ہے، مگر برنا باس نے اسے اپنے ساتھ رسولوں کے پاس لے جا کر اُن سے بیان کیا کہ اس نے اس طرح راہ میں خداوند کو دیکھا، اور اس نے

اس سے باتیں کیں، اور اس نے دمشق میں کیسی دلیری کے ساتھ یسوع کے

نام سے منادی کی۔ (اعمال ۱۹: ۲۶، ۲۷)

اس کے بعد ہمیں کتاب اعمال ہی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پولس اور برناباس عرصہ دراز تک ایک دوسرے کے ہمسفر رہے، اور انھوں نے ایک ساتھ تبلیغ عیسائیت کا فریضہ انجام دیا، (دیکھئے اعمال ۱۱: ۳۰ و ۱۲ و ۲۵ و ابواب ۱۳ و ۱۴ و ۱۵) یہاں تک کہ دوسرے حواریوں نے ان دونوں کے بارے میں یہ شہادت دی کہ:

یہ دونوں ایسے آدمی ہیں کہ جنھوں نے کسی جانیں ہمارے خداوند یسوع مسیح

کے نام پر زندہ کر رکھی ہیں۔ (اعمال ۱۵: ۲۶)

اعمال کے پس منظر میں باب تک برناباس اور پولس ہر معاملے میں شکر و شکر نظر آتے ہیں، لیکن اس کے بعد اچانک ایک ایسا واقعہ پیش آتا ہے جو بطور خاص توجہ کا مستحق ہے، اتنے عرصہ تک ساتھ رہنے اور دعوت و تبلیغ میں اشتراک کے بعد اچانک دونوں میں اس قدر شدید اختلاف پیدا ہوتا ہے کہ ایک دوسرے کے ساتھ رہنے کا روادار نہیں رہتا۔ یہ واقعہ کتاب اعمال میں کچھ اس ناگہانی طور سے بیان کیا گیا ہے کہ قاری کو پہلے سے اس کا دہم گمان بھی نہیں ہوتا، تو قائل کھتے ہیں:

”مگر پولس اور برناباس انطاکیہ ہی میں رہے، اور حیثیت سے دونوں کے

ساتھ خداوند کا کلام سکھاتے اور اس کی منادی کرتے رہے، چند روز بعد

پولس نے برناباس سے کہا کہ جن جن شہروں میں ہم نے خدا کا کلام سنایا تھا

آؤ پھر ان میں چل کر بھائیوں کو دیکھیں کہ یہ ہیں! اور برناباس کی صلاح

تھی کہ یوحنا کو جو مرقس کہلاتا ہے اپنے ساتھ لے چلیں مگر پولس نے یہ

مناسب نہ جانا کہ جو شخص پمفولیہ میں کنارہ کر کے اس کام کے لئے اُن کے

ساتھ نہ گیا تھا اس کو ہمراہ لے چلیں، پس ان میں ایسی سخت تکرار ہوئی

کہ ایک دوسرے سے جدا ہو گئے، اور برناباس مرقس کو لے کر جباز پر

گھر بس گوروانہ ہوا، مگر پولس نے سیلاس کو پسند کیا، اور بھائیوں کی طرح

سے خداوند کے فضل کے سپرد ہو کر روانہ ہوا، اور کلیسیاؤں کو مضبوط کرتا

ہو اسو یہ اور کلیسیہ سے گزرا۔ (اعمال ۱۵: ۳۵ تا ۴۱)

کتاب اعمال میں بظاہر اس شدید اختلاف کی وجہ صرف یہ بیان کی گئی ہے کہ برنباس یوحنا مرقس کو ساتھ لے جانا چاہتا تھا، اور پولس اس سے انکار کرتا تھا، لیکن ہماری رائے میں اس شدید اختلاف کا سبب صرف اتنی معمولی سی بات نہیں ہو سکتی، بلکہ دونوں کی یہ دائمی جدائی یقیناً کچھ بنیادی اختلافات کی بنا پر عمل میں آئی تھی، اس بات کے شواہد مندرجہ ذیل ہیں:

۱) لوقا نے کتاب اعمال میں ان کے ”اختلاف“ اور ”جدائی“ کو بیان کرنے کے لئے جو یونانی الفاظ استعمال کئے ہیں، وہ غیر معمولی طور پر سخت ہیں، مسٹراسی، ایم، بلیک لاک اپنی کتاب اعمال کی شرح میں لکھتے ہیں:

”اب، لوقا ایمانداری کے ساتھ دونوں رفقاء، پولس اور برنباس کے

درمیان واقع ہونے والے اختلاف کی المناک کہانی لکھتا ہے، جو لفظ

اس نے استعمال کیا ہے یعنی Paroxysmus وہ بڑا

سخت لفظ ہے، اور انگریزی مترجم (کنگ جیمز ورژن) نے اس لفظ کے

ترجمے میں لفظ (تیز سخت) کا اضافہ بالکل درست

کیا ہے، — پولس اور برنباس ایک دوسرے سے جدا ہو جاتے ہیں“

— یہاں پھر جدائی کے لئے یونانی زبان کا ایک ایسا لفظ استعمال

کیا گیا ہے جو بڑا سخت ہے، اور عام طور سے استعمال نہیں کیا جاتا، یہ

لفظ عہد نامہ جدید میں یہاں کے علاوہ صرف مکاشفہ ۶: ۱۴ میں ملتا ہے،

جہاں آسمانوں کے تباہ ہو کر جدا ہونے کا ذکر ہے۔“

کیا اتنا شدید اختلاف جس کے لئے ایسے غیر معمولی الفاظ استعمال کئے گئے ہیں صرف اس بناء پر پیدا ہو سکتا ہے کہ ایک شخص یوحنا مرقس کو رفیق سفر بنانا چاہتا ہے اور دوسرا سیلاس کو؟ — اس قسم کے اختلافات کا پیدا ہو جانا کوئی بعید از قیاس نہیں، لیکن اس کی بناء پر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دیرینہ رفاقتوں کو خیر باد نہیں کہا جاتا، بالخصوص جب کہ یہ رفاقت اُس مقصد کے لئے ہو جس کے تقدس اور پاکیزگی پر دونوں متفق ہوں، اس موقع پر پوتس کے بعض معتقدین گناہ برنباس کو مورد الزام قرار دیتے ہیں، کہ اس نے اپنے ایک رشتہ دار یوحنا مرقس کو ساتھ لے جانے کی خواہش پر تبلیغی مقاصد اور پوتس کی رفاقت کو تیربان کر دیا، لیکن وہ پوتس کی محبت میں اس بات کو نظر انداز کر جاتے ہیں کہ دونوں کی جدائی کی یہ وجہ لوقا نے بیان کی ہے جو پوتس کا شاگرد ہے، مگر سوچنے کی بات یہ ہے کہ وہ برنباس جو خود بقول ان کے مکلیسا کے ابتدائی دور میں اہم ترین شخصیتوں میں سے ایک تھا اور جس نے تبلیغ و دعوت کے مقاصد کے لئے اپنی ساری پونجی لٹادی تھی (اعمال ۱۳، ۱۶، ۱۷، ۱۸) کہ وہ محض اپنے ایک رشتہ دار کی وجہ سے تبلیغ کے اہم ترین مقاصد کو تیربان کر سکتا تھا؟ سیدھی بات یہ کیوں نہیں کہی جاتی کہ برنباس اور پوتس کا یہ اختلاف نظریاتی تھا، اور جب برنباس نے یہ دیکھا کہ پوتس دین عیسوی کے بنیادی عقائد میں ترمیم کر رہا ہے تو وہ اس کی رفاقت سے الگ ہو گئے اور پوتس کے شاگرد لوقا نے اس اختلاف کی ایسی توجیہ بیان کی جس کی زد سے اگر کوئی الزام عائد ہو تو برنباس پر عائد ہو، اور پوتس اس الزام سے بچ جائے؟

(۲) پھر لطف کی بات یہ ہو کہ بعد میں پوتس یوحنا مرقس کی رفاقت کو گوارا کر لیتا اور جینا نیچہ تھیس کے نام اپنے دوسرے خط میں وہ لکھتا ہے:

مرقس کو ساتھ لے کر آجا، کیونکہ خدمت کے لئے وہ میرے کام کا ہے ۵

(۲۔ تیمتھیس ۱۱:۱۲)

اسی طرح افسیوں کے نام خط میں وہ لکھتا ہے:

”ارسترخس جو میرے ساتھ قید ہے تم کو سلام کہتا ہے، اور برنباس کا رشتہ

کا بھائی مرقس (جس کی بابت تمہیں حکم ملے تھے، اگر وہ تمہارے پاس آئے

تو اس سے اچھی طرح ملنا) (افسیوں ۱۰:۱۲)

اس سے معلوم ہوا کہ مرقس اور پولس کا اختلاف بہت زیادہ اہمیت کا حامل نہیں

تھا، اس لئے پولس نے بعد میں اس کی رفاقت کو گوارا کر لیا، لیکن یہ پولس کے عہد نامہ جدید

یا نایخ کی کسی اور کتاب میں کہیں نہیں ملتا کہ بعد میں برنباس کے ساتھ بھی پولس کے

تعلقات درست ہو گئے تھے، سوال یہ ہے کہ اگر جھگڑے کی بنا، مرقس ہی تھا تو اس کے

ساتھ پولس کی رضامندی کے بعد برنباس اور پولس کی دوستی کیوں ہموار نہ ہوئی؟

(۳) جب ہم خود پولس کے خطوط میں برنباس سے اس کی ناراضی کے اسباب تلاش

کرتے ہیں تو ہمیں کہیں یہ نہیں ملتا کہ اس کا سبب یوحنا مرقس تھا، اس کے برخلاف

ہمیں ایک جملہ ایسا ملتا ہے جس سے دونوں کے اختلاف کے اصل سبب پر کسی قدر

روشنی پڑتی ہے، گلتیوں کے نام اپنے خط میں پولس لکھتا ہے:

”لیکن جب کیفار یعنی پطرس، انطاکیہ میں آیا، تو میں نے زور بردہ ہو کر اس

کی مخالفت کی، کیونکہ وہ ملامت کے لائق تھا، اس لئے کہ یعقوب کی

طرف سے چند شخصوں کے آنے سے پہلے تو وہ غیر قوم والوں کے ساتھ کھایا کرتا

تھا، مگر جب وہ آگئے تو مختونوں سے ڈر کر باز رہا اور کنارہ کیا، اور باقی

یہودیوں نے بھی اس کے ساتھ ہو کر ریاکاری کی، یہاں تک کہ برنباس

بھی اُن کے ساتھ ریاکاری میں پڑ گیا۔ (گلتیوں ۲: ۱۱-۱۳)

۱۵ اس کے بعد صرف ایک جگہ (کرنھیوں ۹: ۶) پولس اس کا ذکر بغیر کسی برائی کے کرتا ہے، اور

مگر اس سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ دونوں آپس میں ملے نہیں، ت

اس عبارت میں دراصل پوٹس اس اختلاف کو ذکر کر رہا ہے جو حضرت مسیح کے عروج آسمانی کے کچھ عرصہ کے بعد یرושلم اور انطاکیہ کے عیسائیوں میں پیش آیا تھا، یرושلم کے اکثر لوگ پہلے یہودی تھے، اور انھوں نے بعد میں عیسائی مذہب قبول کیا تھا، اور انطاکیہ کے اکثر لوگ پہلے بت پرست یا آتش پرست تھے، اور حواریوں کی تعلیم و تبلیغ سے عیسائی ہوئے تھے، پہلی قسم کو بائبل میں ”یہودی مسیحی“ (Jewish Christian) اور دوسری قسم کو ”غیر قوم کے لوگ“ (Gentile Christians) کہا گیا ہے، یہودی مسیحیوں کا کہنا یہ تھا کہ ختنہ کرانا اور موسوی شریعت کے تمام احکام پر عمل کرنا ضروری ہے، اسی لئے انھیں ”مختون“ بھی کہا جاتا ہے، اور غیر قوموں کا کہنا یہ تھا کہ ”ختنہ“ وغیرہ ضروری نہیں، اس کے علاوہ یہودی مسیحی چونکہ بت پرستوں اور آتش پرستوں کے ذبیحہ کو حلال نہ سمجھتے تھے، اس لئے وہ ان کے ساتھ کھانا اٹھنا بیٹھنا پسند نہ کرتے تھے، پوٹس اس معاملے میں سو فی صد غیر قوموں کا حامی بلکہ ان کے اس نظریے کا بانی تھا، اُس نے غیر قوموں کو اپنا ہم خیال بنانے کے لئے ہی یہ تمام کوششیں کی تھیں،

ادھر ہم نے گلیتیوں کے نام خط کی جو عبارت پیش کی ہے اس میں پوٹس نے پطرس اور برنباس پر اسی لئے ملامت کی ہے، کہ انھوں نے انطاکیہ میں رہتے ہوئے مختونوں کا ساتھ دیا، اور پوٹس کے ان نئے مریدوں سے علحدگی اختیار کی جو ختنہ اور موسوی شریعت کے قائل نہ تھے، چنانچہ اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے پادری جے پیٹر سن اسمتھ لکھتے ہیں:

”پطرس اس اجنبی شہر (انطاکیہ) میں زیادہ تر اقوام لوگوں کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا ہو جو یرושلم سے آئے تھے، اور جو اس کے پرانے ملاقاتی تھے، لہذا بہت جلد وہ ان کا ہم خیال ہونے لگتا ہے، دوسرے مسیحی یہودی پطرس سے متاثر ہوتے ہیں، یہاں تک کہ برنباس بھی غیر قوم مریدوں سے علحدگی اختیار کرنے لگتا ہے، اس قسم کے سلوک کو دیکھ کر ان نو مریدوں کی دل شکنی ہوتی ہو جہاں تک ممکن ہے پوٹس اس بات کی برداشت کرتا ہے، مگر بہت جلد وہ اس کا مقابلہ کرتا ہے، گویا اس نے اپنے ساتھیوں کی

مخالفت کرنی پڑتی ہے ۱۱

واضح رہے کہ یہ واقعہ برنباؤس اور پطرس کی جدائی سے چند ہی دن پہلے کا ہے، اس لئے کہ الطاقیہ میں پطرس کی آمد یرושلم میں حواریوں کے اجتماع کے کچھ ہی بعد ہوتی ہے، اور حواریوں کے اجتماع اور برنباؤس کی جدائی میں زیادہ فاصلہ نہیں ہے، لوقا نے دونوں واقعات کتاب اعمال کے باب ۱۵ میں بیان کئے ہیں۔

ہذا یہ بات انتہائی طور پر تسرین قیاس ہو کہ پطرس اور برنباؤس کی وہ جدائی جس کا ذکر لوقا نے غیر معمولی طور پر سخت الفاظ میں کیا ہے، یوحنا مرقس کی ہمسفری سے زیادہ اس بنیاد کی اور نظریاتی اختلافات کا نتیجہ تھی، پطرس اپنے مریدوں کے لئے حقنہ اور موسوی شریعت کے احکام کو ضروری نہیں سمجھتا تھا، اور برنباؤس ان احکام کو پس پشت ڈالنے کے لئے تیار نہ تھے جو بائبل میں انتہائی تاکید کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں، اور ان میں نسخ کا احتمال نظر نہیں آتا۔ چنانچہ اس بات کو پادری جے پیٹر سن اسمتھ بھی محسوس کرتے ہیں کہ پطرس اور برنباؤس کی جدائی کا سبب صرف مرقس نہ تھا، بلکہ اس کے پس پشت نظریاتی اختلاف بھی کام کرتا تھا، وہ لکھتے ہیں:

برنباؤس اور پطرس نے جو کہ بڑے عالی حوصلہ شخص تھے، منرد را بنی غلطی کا

اعتراف کر لیا ہوگا، اور یوں وہ دقت دور ہو جاتی ہے، لیکن باوجود اس

کے یہ احتمال ضرور گذرتا ہے، کہ ان کے درمیان کچھ نہ کچھ رنجش رہ جاتی ہے،

جو بعد میں ظاہر ہوتی ہے ۱۲ (حیات و خطوط پطرس ص ۸۹ و ۹۰)

گویا مسٹر اسمتھ نے یہ تسلیم کر لیا کہ بعد میں پطرس اور برنباؤس کی جو جدائی ہوئی تھی اس میں

نظریاتی اختلاف کا دخل تھا،

یروشلم کونسل | البتہ یہاں ایک اعتراض ہو سکتا ہے، اور وہ یہ کہ کتاب اعمال کے پندرہویں باب میں بیان کیا گیا ہے کہ تمام مقتدر حواریوں نے یرشلم میں جمع ہو کر باہمی مشورہ کے بعد یہ طے کر لیا تھا کہ غیر قوموں کو صرف حضرت مسیح علیہ السلام

پرایمان لانے کی دعوت دی جائے، اور انھیں موسوی شریعت کے احکام کا پابند نہ بنایا جائے۔ اس فیصلے میں پولس کے علاوہ پطرس، برنباؤس اور یعقوب بھی شریک تھے، پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ پطرس اور برنباؤس اس بناء پر پولس سے اختلاف کریں کہ وہ غیر قوموں کے لئے تورات کے احکام ختمہ وغیرہ کو واجب العمل قرار نہیں دیتا تھا، اگر پطرس اور برنباؤس کا مسلک پولس کے خلاف یہ ہوتا کہ غیر قوموں کے لئے بھی تورات کے احکام واجب العمل ہیں، تو وہ یرشلم کے اجتماع میں وہ فتویٰ صادر نہ کرتے، جس میں غیر قوموں کو تورات کے احکام سے مستثنیٰ رکھا گیا تھا،

یہ اعتراض بظاہر دینی معلوم ہوتا ہے، لیکن اگر نظر غائر کے ساتھ بالتفصیل اس ماحول کا جائزہ لیا جائے جس میں یرشلم کی کونسل منعقد ہوئی تھی، اور جس میں پولس اور برنباؤس کی جدائی عمل میں آئی تھی تو یہ اعتراض خود بخود رفع ہو جاتا ہے،

اس سلسلے میں ہماری تحقیق یہ ہے کہ یرشلم کے مقام پر حواریوں نے جو غیر قوموں کو تورات کے اکثر احکام سے مستثنیٰ قرار دیا تھا، اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ان احکام سے مستثنیٰ رہیں گے، اور یہ احکام ان پر سرے سے واجب ہی نہیں ہیں، بلکہ اس زمانے کے حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے معلوم ایسا ہوتا ہے کہ غیر قوموں کے لئے تورات کے بعض جسز دی اور فردعی احکام مثلاً ختمہ وغیرہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین پرایمان لانے کے لئے مانع بن رہے تھے، اور وہ اس ڈر سے دین عیسوی پرایمان نہیں لایے تھے کہ یہیں ان جزوی احکام پر عمل کرنا پڑے گا، بعض کم علم افراد نے انھیں یہ سمجھا دیا تھا کہ اخروی نجات کے لئے جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانا ضروری ہے، اسی طرح ختمہ کرنا اور تورات کی تمام موسوی رسموں پر عمل کرنا بھی لازمی ہے، اور اگر ان پر عمل نہ کیا جائے گا تو وہ نجات نہیں پاسکیں گے، چنانچہ تو قائل تھے یہ:

تپھر بعض لوگ یہودیہ سے آکر بھائیوں کو تعلیم دینے لگے، کہ اگر موسیٰ کی

رسم کے موافق تمھارا ختمہ نہ ہو تو تم نجات نہیں پاسکتے (اعمال ۱۵)۔

ظاہر ہے کہ یہ تعلیم غلط تھی، ختمہ وغیرہ کے جسز موسوی احکام اگرچہ دین موسوی اور دین عیسوی

میں واجب تھے، لیکن وہ کفر اور ایمان کا مدار نہیں تھے، اور نہ انھیں مدارِ نجات قرار دیا جاسکتا تھا۔ آپ غور فرمائیے کہ اگر کوئی غیر مسلم محض اس بنا پر اسلام قبول کرنے سے انکار کرے کہ اسے ختنہ کرائی پڑے گی، تو مسلمان علماء کا رویہ کیا ہوگا؟ کیا وہ محض ختنہ نہ کرانے کی وجہ سے اس بات کو گوارا کر لیں گے کہ وہ شخص دین اسلام سے یکسر محروم ہو جائے؟ ظاہر ہے کہ نہیں! ایسے مواقع پر اس غیر مسلم سے یہی کہا جائے گا کہ ختنہ کا حکم ضروری نہیں، مگر مدارِ نجات نہیں ہے۔ اس لئے تم اسلام کے بنیادی عقائد و احکام کو اختیار کر لو، اور اس کے لئے ہم تم سے ختنہ کرائے کا شرط نہیں لگاتے، اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ ختنہ کے حکم کو غیر مسلموں کے لئے منسوخ کر دیا گیا ہے، بلکہ مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ "آہون ابلتین minor evil" کو اختیار کرتے ہوئے غیر مسلموں کو کفر سے بچالیا جائے،

بس یہی طرزِ عمل حواریوں نے اختیار کیا تھا، اور جب اس مسئلے پر یہ دشلم کی مجلسِ مشاورت منعقد ہوئی تو باتفاق یہ طے کیا گیا کہ اگر غیر قومیں ختنہ وغیرہ کے احکام کو اپنے لئے ناقابلِ برداشت سمجھتی ہیں، تو انھیں اجازت دی جائے کہ وہ ان احکام پر عمل کئے بغیر بھی دین عیسوی کے بنیادی عقائد پر ایمان لا کر اس دین میں داخل ہو جائیں،

ہم نے حواریوں کے طرزِ عمل کی جو تشریح کی ہے وہ جنابِ بطرس کی اس تقریر پر بھی بخوبی واضح ہوتی ہے: "ہم انھوں نے یہ دشلم کے اجتماع میں کی تھی، انھوں نے کہا تھا،

"پس اب تم شاہدوں کی گروہ پر ایسا جو رکھ کر جس کو نہ ہمارے باپ دلا

اٹھا رکھتے تھے نہ ہم اعدا کو کیوں آزماتے ہو؟ حالانکہ ہم کو یقین ہے کہ جس طرح

وہ خداوندِ یسوع کے فضل ہی سے نجات پائیں گے اسی طرح ہم بھی

پائیں گے" (اعمال ۱۵: ۱۰-۱۱)

کیا اس کا صاف مطلب یہ نہیں ہے کہ تو رات کے بعض شرعی احکام تو اتنے سخت ہیں کہ ان پر خوردِ ہم اور ہمارے آباء و اجداد پوری طرح عمل نہیں کر سکے، لہذا اگر اس کے باوجود ہم مومن اور نجات کے امیدوار ہیں تو خیر قومیں بعض شرعی احکام کو چھوڑ کر مومن اور نجات کی امیدوار ہیں.....

کیوں دہن سکیں گی؟

یہاں یہ بات بھی واضح رہنی چاہئے کہ یرشلیم کونسل کا موضوع بحث یہ نہیں تھا کہ "تورات کے احکام غیر قوموں کے لئے واجب ہیں یا نہیں؟" بلکہ موضوع بحث یہ تھا کہ "تورات کے احکام کا غیر قوموں کو حکم دیا جائے یا نہیں؟" ہماری تحقیق یہ ہے کہ جہاں تک احکام تورات کے فی نفسہ واجب ہونے کا تعلق ہے اس کے بارے میں حواریوں کے درمیان کوئی اختلاف نہیں تھا، سب مانتے تھے کہ یہ احکام فی نفسہ واجب ہیں، گفتگو اس میں تھی کہ جب یہ بات تجربے میں آچکی ہے کہ غیر قومیں ان فروعی احکام کے نام سے بدکتی ہیں تو انہیں صرف بنیادی عقائد کی دعوت دینے پر اکتفا کیوں نہ کیا جائے؟ یہی وجہ ہے کہ جو لوگ اس بات کے قائل تھے کہ غیر قوموں کو تورات کا پابند بنایا جائے، ان کا حال بیان کرتے ہوئے روفانے لکھا ہے کہ:

"مگر فریسیوں کے فرقہ میں سے جو ایمان لائے تھے ان میں سے بعض نے

اٹھ کر کہا کہ ان کا (غیر قوموں کا) ختنہ کرانا اور ان کو موسیٰ کی شریعت

پر عمل کرنے کا حکم دینا ضرور ہے، (اعمال ۱۵: ۱)۔

اور اس کے جواب میں جب یعقوب نے اپنا فیصلہ صادر کیا تو انہوں نے کہا کہ:

"پس میرا فیصلہ یہ ہے کہ جو غیر قوموں میں سے خدا کی طرف رجوع ہوئے ہیں،

ہم ان کو تکلیف نہ دیں، مگر ان کو لکھ بھیجیں کہ بتوں کی مکروہات اور حرام کام

کو ترک کر دیں۔ (اعمال ۱۵: ۱۹، ۲۸-۲۹)

اور اس کونسل نے اجتماعی طور پر غیر قوموں کے نام جو خط لکھا اس میں کہا گیا کہ:

۵۔ درنہ اگر پطرس کا مقصد یہ ہوتا کہ غیر قوموں کے لئے تورات کے احکام کو قطعی طور پر منسوخ کر دیں،

تو ہونا چاہئے تھا کہ یہ احکام یہودی مسیحوں کے لئے بھی منسوخ کر دیئے جائیں، کیونکہ پطرس نے

جس طرح ان احکام کو غیر قوموں کے لئے ناقابل برداشت قرار دیا ہے، اسی طرح اپنے لئے بھی

ناقابل برداشت کہا ہے، نقی

’ہم نے مناسب جانا کہ ان ضروری باتوں کے سوا تم پر اور بوجھ نہ ڈالیں،
کہ تم بتوں کی فستربانیوں کے گوشت سے اور لہو اور گلا گھونٹے ہوئے
جانوروں اور حرام کاری سے پرہیز کرو، اگر تم ان چیزوں سے اپنے آپ کو
بچائے رکھو گے تو سلامت رہو گے، والسلام“ (اعمال ۱۵: ۲۸ و ۲۹)

ان تمام عبارتوں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حواریوں نے تورات کے احکام کو
قطعی طور پر منسوخ نہیں کیا تھا، بلکہ ایک اہم مصلحت کی وجہ سے غیر قوموں کو ان کے
بغیر دین عیسوی میں داخل ہونے کی اجازت دی تھی، پادری، جی، ٹی میتلی صراحت کے
ساتھ لکھتے ہیں:

’والہی پرا نہیں (برتباس اور پوتس کو) یہ معلوم ہوا کہ آجکل اس سوال
پر خوب مباحثہ ہو رہا ہے کہ غیر یہودیوں کو کن شرائط پر کلیسیا میں
پورے طور پر شریک کیا جاسکتا ہے، (۱: ۱۵)

انطاکیہ میں یہ رواج تھا، اور پوتس اور برتباس نے اپنے بشارتی سفروں
میں اسی اصول کی تقلید کی، اور غیر یہودیوں کو بھی یہودیوں کی طرح کلیسیا
کی شراکت اور رفاقت میں شریک کر لیا جاتا تھا، اور ان کے لئے حقہ
کی کوئی قید نہ تھی، (جیسا کہ یہودی مریدوں میں ہوا کرتی تھی) اور نہ ہی انہیں
موسوی شریعت کی ردم کا پابند ہونا پڑتا تھا، لیکن یرشلیم کی کلیسا کے
زیادہ کٹر یہودی سچی اس بات پر مصر تھے کہ یہ شرائط ان پر ضرور عائد کی
جائیں، پس یرشلیم کی کونسل میں انطاکیہ سے مندوبین بھیجے گئے، پوتس اور
برتباس ان کے پیشوا تھے، اس کونسل میں یہ فیصلہ ہوا کہ ایسی کوئی شرط
غیر یہودی نو مریدوں پر عائد نہ کی جائے، لیکن یہودی اور عبرانی مسیحوں
میں راہ دربط پیدا کرنے اور ایک ساتھ کھانے پینے کے لئے یہ بات
ضروری قرار دی گئی کہ غیر یہودی سچی بتوں کی فستربانیوں کے گوشت
سے اور لہو اور گلا گھونٹے ہوئے جانوروں اور حرام کاری سے پرہیز کریں

اور کہ وہ موسوی شریعت کے اعلیٰ اخلاقی معیار پر کاربند رہیں۔

اس عبارت اور بالخصوص اس کے خط کشیدہ جملوں سے بھی یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ حواریوں کا مقصد یہ نہیں تھا کہ ان احکام کو غیر یہودی مسیحیوں کے لئے یکسر منسوخ کر دیں، بلکہ مقصد یہ تھا کہ ان کے دین عیسوی میں داخل ہونے کے لئے ایسی کوئی شرط عائد نہ کی جائے،

یہ تھا حواریوں کا اصل موقف جس کا اعلان یرشلیم کونسل میں کیا گیا تھا، لیکن اس کے بعد جب برنباؤس اور پطرس انطاکیہ پہنچے، تو پطرس نے حواریوں کے اس اعلان سے غلط فائدہ اٹھایا، اور یہ تعلیم دینی شروع کر دی کہ تورات کے تمام احکام قطعی طور پر منسوخ ہو چکے ہیں، اس کے احکام ایک لعنت تھے جس سے اب ہم چھوٹ گئے ہیں، اور اب ان پر عمل کرنے کی کوئی حاجت نہیں رہی،

ظاہر ہے کہ پطرس کے اس دعوے کو قبول کرنا گویا دین عیسوی کو بالکل پیسٹ کر ڈالنا تھا، اس لئے اس موقع پر پطرس اور برنباؤس نے پطرس کی مخالفت کی جس کا ذکر خود پطرس نے اس طرح کیا ہے کہ،

”لیکن جب کیفارین پطرس، انطاکیہ میں آیا تو میں نے رد برد ہو کر اس کی مخالفت کی، کیونکہ وہ ملائت کے لائق تھا، اس لئے کہ یعقوب کی طرف سے چند شخصوں کے آنے سے پہلے تو وہ غیر قوم والوں کے ساتھ کھایا کرتا تھا، مگر جب وہ آگئے تو مختلفوں سے ڈر کر باز رہا اور کنارہ کیا اور باقی یہودیوں نے بھی اس کے ساتھ ہو کر رباکاری کی، یہاں تک کہ برنباؤس بھی ان کے ساتھ رباکاری میں پڑ گیا“ (گلتیوں ۱۱: ۲-۴)

۱۵ جی، ٹی میٹل: ہماری کتب مقدسہ، مترجمہ یحییٰ، ایس، امام الدین دمسز کے، این ٹاؤن ۲۰۰۵ء

مطبوعہ مسیحی اشاعت خانہ فیروز پور رڈ، لاہور،

۱۱۳: ۲ گلتیوں

اور اسی واقعہ کے متصل بعد برنباس نے پوتس سے ناراض ہو کر اس سے جدائی اختیار کر لی تھی (اعمال ۱۵: ۳۵ تا ۴۱)

گلتیوں کے نام خط | معلوم ایسا ہوتا ہے کہ اس مرحلے پر پطرس اور برنباس نے جو پوتس کی مخالفت کی تھی اس کی وجہ سے اصلی عیسائیوں کا

ایک بڑا طبقہ پوتس سے برگشتہ ہو گیا تھا، یہاں تک کہ گلتیہ کا علاقہ جو سامتر غیر قوموں کا مسکن تھا وہاں بھی اس کی وجہ سے شورش پیدا ہو گئی تھی، جس کی بناء پر گلتیہ کے لوگ پوتس کی طرف سے بدظن ہونے لگے تھے، اسی لئے اس نے انطاکیہ میں بیٹھ کر گلتیوں کے نام ایک خط لکھا جس میں نہایت شد و مد کے ساتھ ان لوگوں کی مخالفت کی گئی جو غیر قوموں کے لئے شریعت کو کسی بھی درجے میں واجب العمل سمجھتے تھے، یہ خط متعدد درجہ سے پوتس کے دوسرے خطوط کی بہ نسبت ممتاز درجہ رکھتا ہے، ایک تو اس لئے کہ یہ پوتس کے چودہ خطوط میں تاریخی اعتبار سے پہلا خط ہے، دوسرے اس لئے کہ یہ وہ پہلا موقع ہے جس میں اس نے خوب کھل کر اپنے نظریات کا اعلان کیا ہے، اس سے قبل اتنی وضاحت کے ساتھ اس نے اپنے نظریات بیان نہیں کئے، تیسرے اس لئے کہ وہ اس خط کے اندر بڑے جلال میں نظر آتا ہے، اور بار بار اپنے مخالفوں کو ملعون قرار دیتا ہے، چوتھے اس لئے کہ اسی خط میں اس نے پہلی بار یہ وضاحت کی ہے کہ مجھے دین عیسوی کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے کسی حودی کے واسطے کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ مجھے براہ راست بذریعہ وحی علم حاصل ہوا ہے،

پوتس کی اصل حقیقت کو معلوم کرنے کے لئے اس خط کا مطالعہ بہت ضروری ہے،
 ر لئے ہم ذیل میں اس خط سے متعلق چند اہم باتیں پیش کرتے ہیں،
 اس خط کا پس منظر جی ٹی مینٹی نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

اُس زبردست خط کے لکھنے کی وجہ یہ تھی کہ بعض یہودی مائل مسیحیوں نے اس انجیل پر حملہ کیا تھا جو پوتس نے گلتیہ کی کلیسیاؤں کو پہنچائی تھی،

۱۵ عبارت کے لئے دیکھئے، مقدمہ ہزاس ۱۴۱ و ۱۴۲

۱۶ واضح رہے کہ عیسائیوں کے کلام میں انجیل سے مراد تبلیغ دین کا مذہبی نظام ہوتا ہے،

ان جھوٹے استادوں کی تعلیم یہ تھی کہ جس انجیل کی پوتس منادی کرتا ہے، وہ مسیحی زندگی میں صرف پہلا قدم ہے، نو مرید مسیحیوں کے لئے پوری برکت حاصل کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ موسوی شریعت پر عمل کریں (۲:۳)۔ وہ پوتس پر الزام لگاتے تھے کہ وہ بے اصول اور تھالی کا بیٹن ہیں، خود تو شریعت پر عمل پیرا ہے، لیکن نو مریدوں سے مطالبہ نہیں کرتا، کہ وہ بھی ایسا کریں، اُن کے حملے کا طریقہ یہ تھا کہ وہ پوتس کے اختیار کو یہ کہہ کر اس کی منادی کو کھوکھلا کریں کہ وہ مسیح کے بارہ رسولوں سے مختلف ہے، اور اُسے یہ حق حاصل نہیں، کیونکہ اذل الذکر ہر صورت میں پوتس پر فوقیت رکھتے ہیں، ظاہر ہے کہ ایسی منطق اور دلائل غلطی نو مریدوں کی اکثریت منحرف اور برگشتہ ہوگی اور مخالفین نے اپنا مقصد پالیا۔^۱

اور انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں اس خط کا پس منظر اس طرح بیان کیا گیا ہے: یہ تو پوتس کو بعد میں معلوم ہوا کہ (گلتیہ کے لوگوں میں) انحراف کا خطرہ ہے، اور یہ بعض ایسے احتجاج کرنے والوں نے پیدا کیا ہے کہ جو گلتیوں کو یہ یقین دلا رہے تھے کہ پوتس کی انجیل کو یہودی قوانین سے الگ ہونا چاہئے، اور جس طرح قدیم اور اصلی حواریوں (Apostles) کی تعلیم ہے، ایک مکمل مسیحی زندگی کے لئے عتد اور موسوی رسمیں بھی ضروری ہیں دوسرے الفاظ میں گلتیوں کو یہ یقین دلایا گیا تھا کہ مسیح کی مسیحانی نظم کا استحقاق حاصل کرنے کے لئے ہٹنا جائز راستہ تو رات پر عمل کرنا ہے، جو تمام نو مریدوں (Converts) کے لئے ضروری ہے، یہاں تک کہ اُن کے لئے بھی جو بت پرستی سے عیسائیت کی طرف آئے ہیں، یہ دخل اندازی کرنیوالے قدیم کلیسیا کی یہودی سچی جماعت سے تعلق رکھتے

تھے، انھیں شدید طور پر خطرہ تھا کہ اگر تورات کو خراج کیا گیا تو کلیسائے
اخلاقی مفادات قربان ہو جائیں گے، ان لوگوں کی ہمدردیاں یعقوب کی
پارٹی کے ساتھ تھیں، جیسا کہ اس کا عکس اعمال کے باب ۵ میں نظر آتا ہے:
بظاہر ان لوگوں کی سرکردگی بعض ممتاز افراد کر رہے تھے۔

ان عبارتوں کے خط کشیدہ جملوں سے مندرجہ ذیل نتائج برآمد ہوتے ہیں،

۱۔ گلتیہ میں پوتس کے مخالفین کلیسائے قدیم کے ممتاز افراد تھے،

۲۔ ان لوگوں کا کہنا یہ تھا کہ غیر قومیں جو دین عیسیٰ میں بغیر ختنہ کے داخل ہوتی ہیں، یہ
ان کا پہلا قدم ہے، مکمل مسیحی زندگی کے لئے ختنہ اور شریعت کے تمام احکام
ضروری ہیں،

۳۔ یہ لوگ کہتے تھے کہ دین عیسوی کی شریعت و تعبیر کا حق صرف حواریوں کو پہنچتا ہے
پوتس کو نہیں،

۴۔ ان لوگوں کے خیال کے مطابق قدیم اور اصلی حواریوں کی تعلیم یہ تھی کہ مکمل
مسیحی زندگی کے لئے ختنہ اور تمام موسوی احکام پر عمل کرنا ضروری ہے،

اس سے صاف واضح ہے کہ پوتس کے معترضین کا اصل اعتراض یہ تھا کہ وہ حواریوں
کی مخالفت کر رہا ہے، اور اسے اس بات کا حق نہیں پہنچتا، لہذا اگر حواری اس معاملے میں
پوتس کے ہمنوا ہوتے تو اس کے لئے جواب دہی کا سیدھا راستہ یہ تھا کہ وہ یا تو خود کوئی
خط لکھنے کے، جو اسے حواریوں سے لکھواتا، جس میں وہ پوتس کی حمایت کا اعلان کرتے، یا
اگر خود ہی لکھنا تھا تو اس میں یہ وضاحت کرتا کہ تمام حواری میرے ہمنوا ہیں، اور وہ یرشلم
کی کونسل میں یہ فیصلہ دے چکے ہیں کہ غیر قوموں کے لئے ختنہ وغیرہ ضروری نہیں ہے،

لیکن وہ محفلتوں کے نام خط میں ایسا ایک جملہ بھی نہیں لکھتا جس سے یہ ظاہر ہوتا ہو
کہ اصل حواری اس کے ہمنوا ہیں، اس کے بجائے وہ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ مجھے دین عیسوی کا

تشریح و تعبیر میں حواریوں سے تعلیم یا اُن کی حمایت حاصل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، بلکہ مجھے خود براہ راست وحی کے ذریعہ علم عطا کیا جاتا ہے، وہ لکھتا ہے:

اے بھائیو! میں تمہیں بتاؤں کہ جو خوشخبری میں نے سنائی وہ انسان کی سی نہیں، کیونکہ وہ مجھے انسان کی طرف سے نہیں پہنچی اور نہ مجھے سکھائی گئی، بلکہ یسوع مسیح کی طرف سے مجھے اس کا مکاشفہ ہوا (گلیتوں: ۱: ۱۱-۱۲)

۱۱. آگے چل کر وہ علی الاعلان پطرس کو ملامت کے لائق اور برنباس کو "ریاکار" قرار دیتا ہے (۱۲: ۱۱-۱۳) اور اپنا سارا زور یہ ثابت کرنے پر صرف کرتا ہے کہ مجھے براہ راست خدا کی طرف سے وحی ہوتی ہے،

اس سے صاف ظاہر ہے کہ جس مرحلے پر پطرس گلیتوں کو خط لکھ رہا ہے اس مرحلے پر حواری اس کے ہم خیال نہیں رہتے، ورنہ وہ پہلے ہی قدم پر یہ کہہ کر ساری بحث ختم کر سکتا تھا کہ حواری میرے ہم خیال ہیں،

اس پر یہ اعتراض کیا جاسکتا ہے کہ آخر دور کے عیسائی علماء کے نزدیک گلیتوں کے نام پطرس کا خط یرושلم کو نسل سے پہلے لکھا گیا ہے، اور چونکہ اس کو نسل سے پہلے اس معاملے میں حواریوں کا نقطہ نظر واضح نہیں ہوا تھا، اس لئے پطرس نے اپنے اس خط میں ان کا حوالہ نہیں دیا،

لیکن ہمارے نزدیک یہ خیال درست نہیں ہے کہ گلیتوں کے نام خط یرושلم کی مجلس سے پہلے لکھا گیا ہے، اس لئے کہ اس خط میں پطرس لکھتا ہے:-

"لیکن جب کیفار پطرس، انطاکیہ میں آیا تو میں نے رد بردہ ہو کر اس کی

خلافت کی، کیونکہ وہ ملامت کے لائق تھا" (۱۱: ۲)

اس میں پطرس پطرس کے انطاکیہ میں آنے کا ذکر کر رہا ہے، اور یہ واقعہ لازماً یرושلم نسل کے بعد کا ہے، جیسا کہ انسائیکلو پیڈیا: ڈیانا میں ہے:

”گلیتیوں ۱۱:۲ میں پطرس یہ حقیقت واضح کرتا ہے کہ یرושلم کونسل کے معاہدے کے باوجود پطرس نے غیر قوموں کے متعلق اپنی پالیسی میں تذبذب کا اظہار کیا۔“

اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ واقعہ یرושلم کونسل کے بعد پیش آیا تھا، نیز پطرس کے اکثر سوانح نگار بھی اس واقعہ کو یرושلم کونسل کے بعد قرار دیتے ہیں، لونی وینک اور جے پیٹرسن اسمتھ نے واقعات اسی طرح بیان کئے ہیں، اور اس جملے کے تیور بھی صاف بتا رہے ہیں کہ یہ واقعہ یرושلم کونسل کے بعد کا ہے، اس لئے کہ پطرس کو قابل ملامت اسی وقت تو قرار دے سکتا ہے، جب اس نے پہلے اپنے موجودہ طرز عمل کے خلاف کوئی اقرار کیا ہو، اگر پطرس نے پہلے یہ اقرار نہ کیا ہو تا کہ غیر قوموں کو موسمی شریعت کے احکام چھوڑنے کی اجازت ہے تو پطرس اسے آسانی سے قابل ملامت کیسے قرار دے سکتا تھا؟ اس جملے کا صاف مطلب ہی یہ ہے کہ پطرس نے یرושلم کونسل میں پطرس کی حمایت کی تھی، اور اب وہ اس کی مخالفت کر رہا تھا، اس لئے پطرس نے اسے قابل ملامت قرار دیا، لہذا لازم تھا یرושلم کونسل انطاکیہ میں پطرس کی آمد سے پہلے ہو چکی تھی، اور چونکہ گلیتیوں کے نام خط میں پطرس کی انطاکیہ میں آمد کا تذکرہ کر رہا ہے، اس لئے گلیتیوں کا خط بھی یرושلم کے اجتماع کے بعد ہی لکھا گیا ہے،

لہذا ہمارے نزدیک عیسائیت کے علماء متقدمین ہی کی رائے صحیح ہے، جسے جی،

ٹی مینلی نے اس طرح بیان کیا ہے کہ:

۱۵ برٹانیکا، ص ۶۲۲ ج ۱۷، مقالہ پطرس (Peter) واضح رہے کہ برٹانیکا کے مقالہ نگار نے آگے چل کر اس نقطہ نظر کی تردید کی ہے، کہ گلیتیوں کے نام خط یرושلم کونسل کے بعد لکھا گیا تھا، (حوالہ بالا)

۱۷ حیات و خطوط پطرس ص ۸۸ مطبوعہ لاہور ۱۹۵۲ء اور Paul, His Life and Work

by Walter Von Loewenich, trans by Gordan E Harris, London 1950

پہلے یہ خیال کیا جاتا تھا کہ پولس نے اپنے قیسرے بشارتی سفر کے دوران
میں قسریاً اسی وقت اس علاقہ (گلتیہ) کی کلیساؤں کو یہ خط لکھا، جب
روما کے لوگوں کو رومیوں کا خط تحریر کیا تھا، اور یہ واقعہ اعمال ۱۵ کی
مجلس کے بعد کا ہو گا۔

نتائج

- ۱۔ مندرجہ بالا بحث سے یہ باتیں پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہیں:
- ۲۔ برنباس اور دوسرے حواریوں نے شروع میں یہ سمجھ کر پولس کی تصدیق
کی تھی کہ وہ صحیح معنی میں دین عیسوی پر ایمان لا چکا ہے،
- ۳۔ اسی بناء پر عرصہ دراز تک برنباس پولس کے ساتھ رہا،
- ۴۔ پھر برنباس نے اس سے جو جدائی اختیار کی اس کا سبب نظریاتی اختلاف تھا،
- ۵۔ یروشلم کونسل میں حواریوں نے غیر قوموں کے لئے ختنہ وغیرہ کے احکام کو قطعی طور پر
منسوخ نہیں کیا تھا، بلکہ اس بات کی اجازت دی تھی کہ غیر قومیں ان احکام پر عمل
کریں نیز دین عیسوی میں داخل ہو سکتی ہیں، اور یہ مکمل مسیحی زندگی کی طرف پہلا قدم ہو گا
- ۶۔ لیکن پولس نے اس بات کی تبلیغ شروع کر دی، کہ تورات کے تمام احکام منسوخ ہو چکے
ہیں، یہ ایک لعنت تھی جس سے ہمیں چھڑا لیا گیا ہے (گلتیوں ۳: ۱۳) اور اگر تم ختنہ
کراؤ گے تو مسیح سے تم کو کچھ فائدہ نہ ہو گا۔ (گلتیوں ۵: ۱) تو پطرس اور برنباس نے
انطاکیہ میں اس کی مخالفت کی (گلتیوں ۲: ۱۱)
- ۷۔ حواریوں کی اس مخالفت سے پولس کے خلاف زبردست شورش برپا ہو گئی کہ وہ اصل
حواریوں کی مخالفت کرتا ہے جس کے جواب میں پولس نے گلتیوں کے نام خط لکھا،
- ۸۔ اس خط میں اس نے حواریوں کو اپنا ہم خیال ظاہر کرنے کے بجائے ان کی مخالفت کا
ذکر کیا، اور اپنا سارا زور یہ ثابت کرنے پر صرف کیا کہ مجھے دین عیسوی کی تشریح
میں حواریوں سے علم حاصل کرنے کی ضرورت نہیں، بلکہ مجھے براہ راست وحی کے ذریعہ
علم دیا گیا ہے، (گلتیوں ۱: ۱۱ اور ۱۲)

۸۔ یہ خطیر و شلم کونسل کے بعد لکھا گیا تھا، جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یرشلیم کونسل کے وقت حواریوں نے پولس کی جو حمایت کی تھی، اب وہ ختم ہو چکی تھی، اور اب حواری اس کے مخالف ہو گئے تھے، اسی لئے پولس نے مخالفین کے جواب میں حواریوں کی حمایت کا ذکر نہیں کیا۔
 ۹۔ پولس کے تمام خطوط اس واقعہ کے بعد لکھے گئے ہیں، ریمونک جی، ٹی مینلی کی تصریح کے مطابق گلیتیوں کا خط تاریخی اعتبار سے پولس کا پہلا خط ہے، اس لئے تثلیث و حلولِ مجسم، کفارہ اور تورات کی منسوخی کے جو عقائد ان خطوط میں بیان کئے گئے ہیں، وہ صرف پولس کے ذاتی نظریات ہیں، انھیں حواریوں کی حمایت حاصل نہیں،

جدائی کے بعد | آپے! اب ذرا یہ دیکھنے کی کوشش کریں کہ برنباس پولس سے اس سنگین اختلاف کی وجہ سے جدا ہو کر کہاں گئے؟ کتابِ اعمال سے تو صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ وہ پولس سے جدا ہونے کے بعد یوحنا مرقس کو لے کر قبرص چلے گئے تھے، مگر اس جملے کے بعد کتابِ اعمال اُن کا کچھ حال بیان نہیں کرتی، دوسری عیسائی تاریخیں بھی برنباس کی آئندہ زندگی کے متعلق بالکل خاموش ہیں، انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کا مقالہ بیکار لکھتا ہے:

”برنباس مرقس کو لے کر بذریعہ جہاز قبرص چلا جاتا ہے، تاکہ وہاں اپنا کام جلد رکھے، اس سے آگے اس کے متعلق تاریخ کی دھند چھا جاتی ہے۔“

سوال یہ ہے کہ برنباس جو کلیسا کے ابتدائی دور میں اہم ترین شخصیت تھا، اور جس نے اپنی ساری زندگی تبلیغ و دعوت میں صرف کی تھی، کیا پولس سے اختلاف کرنے کے بعد اس لائق بھی نہیں رہتا کہ پولس کے شاگرد (لوقا وغیرہ) چند سطروں میں اس کا کچھ حال ذکر کریں؟ اس سے سوائے اس کے اور کیا نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ برنباس پولس کی اصل حقیقت جان چکا تھا اور اس کے بعد اس کی تمام تر کوششیں یہ رہی ہوں گی کہ پولس نے دینِ عیسوی میں جو تحریفات کی ہیں اُن سے لوگوں کو باخبر کیا جائے، اور ظاہر ہے کہ یہ سرگرمیاں ایسی نہ تھیں کہ پولس کے شاگرد انھیں ذکر کرنا پسند کرتے،

انجیل برناباس

یہ عقلی نتیجہ تفسیر بنا واقعہ بن جاتا ہے، جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ سولہویں صدی میں پوپ اسکٹس پنجم کے خفیہ کتب خانے سے برناباس کی لکھی ہوئی انجیل برآمد ہوتی ہے، جس کے پہلے ہی صفحے پر یہ عبارت ہے کہ:

اے عزیزو! اللہ نے جو عظیم اور عجیب ہے، اس آخری زمانے میں ہمیں اپنے نبی یسوع مسیح کے ذریعہ ایک عظیم رحمت آزمایا، اس تعلیم اور آیتوں کے ذریعہ جنہیں شیطان نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کرنے کا ذریعہ بنایا ہے جو تقویٰ کا دعویٰ کرتے ہیں، اور سخت کفر کی تبلیغ کرتے ہیں، مسیح کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں، غنہ کا انکار کرتے ہیں، جن کا اللہ نے ہمیشہ کے لئے حکم دیا ہے، اور ہر نبی گوشت کو جائز کہتے ہیں، ابنی کے زمرے میں پوسے بھی گمراہ ہو گیا، جس کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا، مگر افسوس کے ساتھ اور وہی بچے جس کی وجہ سے وہ حق بات لکھ رہا ہوں، جو میں نے یسوع کے ساتھ رہنے کے دوران سنی اور دیکھی ہے، تاکہ تم نجات پاؤ، اور تمہیں شیطان گمراہ نہ کرے، اور تم اللہ کے حق میں ہلاک ہو جاؤ اور اس بناء پر ہر اس شخص سے بچو جو تمہیں کسی نئی تعلیم کی تبلیغ کرتا ہے، جو میرے لکھنے کے خلاف ہو، تاکہ تم ابدی نجات پاؤ۔ (برناباس ۱: ۱۷-۱۹)

یہی برناباس کی وہ انجیل ہے جسے عرصہ دراز تک چھپانے اور مٹانے کی بڑی کوششیں کی گئیں، اور جس کے بارے میں پانچویں صدی عیسوی میں (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے کئی سو سال پہلے) پوپ جیلاشیس اول نے یہ حکم جاری کر دیا تھا کہ اس کتاب کا مطالعہ کرنے والا مجرم سمجھا جائے گا، اور آج یہ کہا جاتا ہے کہ یہ کسی مسلمان کی لکھی ہوئی ہر

۱۔ دیکھئے انسائیکلو پیڈیا اسکالنا، ص ۲۶۲، ج ۲ مقالہ برناباس، چمبرس انسائیکلو پیڈیا، ص ۱۹، ج ۶

مقالہ جیلاشیس اور مقدمہ انجیل برناباس از ڈاکٹر خلیل سعادت صری مسیحی،

۲۔ اظہار الحق (اردو ترجمہ) جلد سوم، ص کے ایک طویل حاشیے میں ہم نے انجیل برناباس کا مفصل

تعارف کرایا ہے، اور اس کی اصلیت کی تحقیق کی ہے، ضرورت ہو تو اس کی مراجعت کی جائے،

یا اس کے بعد بھی اس بات میں کسی شبہ کی گنجائش رہ جاتی ہے کہ موجودہ عیسائی مذہب سرسری پوئس کے نظریات ہیں، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا آپ کے حواریوں کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ فحاشی حدیث بعدۃ یؤمنون؟

پوئس اور پطرس

برنباس کے ساتھ پوئس کے تعلقات کی نوعیت سمجھ لینے کے بعد آئیے! اب ہم دیکھیں کہ پطرس کے ساتھ پوئس کے تعلقات کیسے تھے؟ اور پطرس پوئس کے نظریات کے حامی تھے، یا مخالف؟

جناب پطرس کی اہمیت اس لئے زیادہ ہے کہ انھیں کیتھولک چرچ ہمیشہ سے سردار کلیسا تسلیم کرتا آیا ہے، اور انھیں تمام حواریوں میں سب سے اونچا مرتبہ حاصل ہے، (۱) کتاب اعمال جو حواریوں کے کارناموں کی تفصیل بیان کرتی ہے، پندرہویں باب تک پطرس کی تقریباً تمام سرگرمیوں پر مفصل روشنی ڈالتی ہے، اس تمام عرصے میں پطرس اور پوئس ہم خیال نظر آتے ہیں، لیکن انتہائی حیرت انگیز بات یہ ہے کہ کتاب اعمال جس کی تصنیف کا مقصد ہی حواریوں کی سرگذشت بیان کرنا ہے، پندرہویں باب کے بعد حواریوں کے سردار پطرس کے حالات بیان کرنے سے یک بیک خاموش ہو جاتی ہے، اور اس میں آخر (باب ۲۸) تک پطرس کا کہیں نام نظر نہیں آتا، جیسے ایک کمن لکھتے ہیں

یروشلم کی کانفرنس کے بعد پطرس کتاب اعمال کے واقعات غائب ہو جاتا ہے۔

اور انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں ہے:

”کتاب اعمال میں پطرس کا آخری تذکرہ یروشلم کونسل متعلق ہے، جس میں اس نے غیر قوموں کے متعلق نہایت وسیع المشرقی کی پالیسی اختیار کی تھی۔“

قدرتی طور پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ پطرس جیسا شخص جسے اعظم الحواریین کا لقب دیا گیا ہے، اور پندرہویں باب سے پہلے کتاب اعمال کا کوئی صفحہ جس کے تذکرے سے خالی نہیں ہے، اچانک اتنا غیر اہم کیوں بن جاتا ہے کہ آگے اس کا کہیں نام بھی نہیں آتا؟ اس سوال کا جواب بھی گلتیوں کے نام پطرس کے نطق کی اس عبارت سے ملتا ہے جس کا ذکر بار بار آچکا ہے، پطرس کہتا ہے:

”لیکن جب کیفار یہ پطرس کا دوسرا نام ہے، انطاکیہ میں آیا تو میں نے ردہ ردہ

ہو کر اس کی مخالفت کی، کیونکہ وہ ملائت کے لائق تھا“ (گلتیوں ۲: ۱۱)

جیسا کہ پیچھے بیان کیا جا چکا ہے، یہ واقعہ یرושلم کونسل کے متصل بعد کا ہے، روکھے مقدمہ ص ۱۵۶) لہذا کیا اس سے واضح طور پر یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ یرושلم کونسل تک چونکہ پطرس نے پطرس کی کوئی مخالفت نہیں کی تھی، اس لئے پطرس کا شاگرد و نواسا اپنی کتاب اعمال میں اس کے اس زمانے کے حالات تفصیل سے ذکر کرتا رہا، لیکن جب اس کونسل کے بعد پطرس انطاکیہ گئے، اور وہاں پطرس کے خود ساختہ نظریات کے سبب ان کا پطرس سے اختلاف ہو گیا اور ان کے حالات لکھنے بند کر دیئے،

۲۔ ان شواہد کی روشنی میں یہ گمان غالب قائم ہوتا ہے کہ انطاکیہ میں اس اختلاف کے پیش آجانے کے بعد پطرس نے بھی برتنباس کی طرح پطرس سے علیحدگی اختیار کر لی تھی اور انھوں نے بھی پطرس سے الگ کوئی جماعت بنالی تھی، تاکہ دین عیسوی کے صحیح عقائد کی تبلیغ کی جائے، اس کی تائید پطرس کی ایک اور عبارت سے بھی ہوتی ہے، گرتھیوں کے نام خط میں وہ لکھتا ہے:

”مجھے خلوت کے گھر والوں سے معلوم ہوا کہ تم میں جھگڑنے ہو رہے ہیں میرا

یہ مطلب ہو کہ تم میں سے کوئی تو اپنے آپ کو پطرس کا کہتا ہے، کوئی اپطرس کا

کوئی کیفا کا کوئی مسیح کا“ (۱۔ گرتھیوں ۱: ۱۳)

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اُس وقت کیفار (یعنی پطرس) نے اپنی الگ جماعت بنالی تھی جو پطرس کی جماعت سے ممتاز تھی، اور ان دونوں جماعتوں میں جھگڑنے ہو رہے تھے۔

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کا مقالہ نگار بھی اس عبارت سے یہی نتیجہ اخذ کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

۱۔ کرنٹیوں ۱۲:۱ کی عبارت بیان کرتی ہے کہ کرنتمس میں کیفار پطرس کی ایک

جماعت بن گئی تھی۔

یرشلیم کونسل کے بعد پطرس کا صرف یہ تذکرہ ملتا ہے، ظاہر ہے کہ اس کی روشنی میں یہ قیاس قائم کرنا کچھ مشکل نہیں ہے، کہ پطرس نے اصل دین یسوی کو پطرس کی تحریفات بچانے کی کتنی کوششیں کی ہوں گی، مگر افسوس ہے کہ اس وقت ہمارے پاس اس زمانے کی تاریخ کا جتنا مواد ہر وہ سارا پطرس کے معتقدین کا لکھا ہوا ہے، اس لئے اس سے کچھ پتہ نہیں چلتا کہ پطرس اس کے بعد کہاں گئے؟ اور انھوں نے کیا کارنامے انجام دیئے؟

بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ ایشیائے کوچک ہی کے علاقوں میں رہے، اور زیادہ تر بابلون کے علاقے میں ان کا قیام رہا، اور آرتیئوس، کلیمنٹ اسکندری اور ٹرٹولین وغیرہ کا کہنا ہے کہ وہ روم میں رہے، آرتجن، یوسی میں اور جیروم کا خیال ہے کہ انطاکیہ ہی میں رہے۔ ان کی وفات کا بھی کوئی یقینی حال معلوم نہیں، ٹرٹولین کا کہنا ہے کہ انھیں شاہ نیرود نے شہید کر دیا تھا، آرتجن کہتا ہے کہ انھیں اٹالیکا کر سولی دی گئی تھی (برٹانیکا ص ۶۴۲ و ۶۴۳ ج ۱، مقالہ پطرس)۔

پطرس کے خطوط | یہاں ایک شبہ یہ ہو سکتا ہے کہ بائبل کے عہد نامہ جدید میں پطرس کے دو خط شامل ہیں، ان خطوط میں پطرس نے تقریباً اپنی نظریات کا اظہار کیا ہے جو پطرس کے نظریات تھے، بلکہ دوسرے خط میں تو یہاں تک لکھا ہے کہ:

”ہمارے پیارے بھائی پطرس نے بھی اس حکمت کے موافق جو اُسے عنایت

ہوئی تھیں یہی لکھا ہے“ (۲۔ پطرس ۳: ۱۵)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پطرس اور پطرس میں کوئی اختلاف نہیں تھا،

دہاں سے یہ قسطنطنیہ کے کلیسا کی فہرست مسئلہ میں شامل ہوا، لیکن روم میں اُسے چوتھی صدی سے پہلے قبولیت حاصل نہ ہو سکی اور سٹوریا کے کلیسا نے تو اُسے چھٹی صدی میں قبول کیا،

اس خط کی اصلیت پر مندرجہ ذیل اعتراضات کے مجموعی وزن کی وجہ سے عام طور پر اس ... دعوے کو غلط سمجھا گیا ہے کہ اس کا ... نہت پطرس پر ۱۔ پہلا وہ شخص جس نے اسے پطرس کی تصنیف قرار دیا ہے، آریجن ہے، اور نہ خود اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ اس کی اصلیت متنازع فیہ ہے،

۲۔ اس کا اسلوب، زبان، اور خیال نہ صرف پطرس کے پہلے خط سے بلکہ پورے عہد نامہ جدید سے مختلف ہیں،

۳۔ ”بداخلاقی“ اور ”جھوٹی تعلیم“ کے جو حوالے اس میں دیئے گئے ہیں وہ کس ایسی تاریخ سے متعلق معلوم ہوتے ہیں جو پطرس رسول کے بعد کی معلوم ہوتی ہے،

۴۔ یہوداہ کی شرکت اس خط کے پطرس کی تحریر ہونے کو اور مشتبہ بناتی ہے،

۵۔ اس خط کے ۱۶:۳ میں پطرس کے خطوط کو جو الہامی طور پر قابل تسلیم قرار دیا گیا ہے، اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ خط دوسری صدی سے پہلے کا لکھا ہوا نہیں ہے، ... ہو سکتا ہے کہ یہ خط مصر میں لکھا گیا ہو، جہاں یہ پہلی بار منظر عام پر آیا، یا ڈیس مین کے خیال کے مطابق ہو سکتا ہو کہ ایشیائے کوچک میں لکھا گیا ہو۔

”انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا، ص ۶۲، ج ۱، مقالہ ”Peter, Second Epistle of.“

ایک کنن نے بھی ان خطوط کو مشتبہ قرار دیا ہے: from Christ to Constantine P.116

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ خود نطق عیسائی علماء اس خط کو پطرس کی تصنیف ماننے سے انکار کرتے ہیں، لہذا ان خطوط کی بناء پر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ پطرس پوتس کے ہم خیال تھے، اور دونوں میں کوئی نظریاتی اختلاف نہیں تھا،

یعقوب اور پوتس

حضرت مسیح علیہ السلام کے زمانے میں یعقوب تین آدمیوں کا نام تھا،

۱۔ یعقوب بن حلفی، انھیں یعقوب اصغر بھی کہتے ہیں، اُن کا ذکر صرف شاگردوں کی فہرست میں آیا ہے، (متی ۱۰: ۴) یا پھر اُن عورتوں کے ساتھ جو صلیب کے گرد جمع تھیں وہاں ان کا صرف نام مذکور ہے، (مرقس ۱۵: ۴۰) اس کے علاوہ پوتس عہد نامہ جدید میں ان کا کچھ حال معلوم نہیں ہوتا،

۲۔ یعقوب بن زبدی، یہ یوحنا حواری کے بھائی تھے (متی ۱۰: ۲) لیکن انھیں حضرت مسیح علیہ السلام کے عروج آسمانی کے کچھ ہی عرصہ کے بعد ہیروڈیس بادشاہ نے تلوار کے ذریعہ شہید کر دیا تھا (اعمال ۱۲: ۲) لہذا اُن کو اپنی زندگی میں پوتس سے کوئی خاص واسطہ نہیں پڑا، اور یہ یروشلم کونسل سے پہلے ہی دنیا سے تشریف لے گئے،

۳۔ یعقوب بن یوسف نجار، جنھیں انجیل میں حضرت مسیح علیہ السلام کا بھائی قرار دیا گیا ہے (متی ۱۳: ۵۵) اناجیل ہی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرت مسیح علیہ السلام کی زندگی میں آپ پر ایمان نہیں لائے تھے، (دیکھئے مرقس ۱۳: ۲۱ و یوحنا، ۵: ۱) یا تو آخر وقت میں ایمان لائے تھے، یا اُس وقت جب کہ بقول پوتس حضرت مسیح علیہ السلام حیاتِ ثانیہ (Resurrection) کے موقع پر انھیں نظر آئے (۱۔ کرنتھیوں ۱۵: ۷) اور

کتاب اعمال کے انداز سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انھیں یروشلم کی کلیسا کا صدر منتخب کیا گیا تھا یہی وجہ ہے کہ یروشلم کونسل کی صدارت انھوں نے کی (اعمال ۱۵: ۱۹) یروشلم کونسل میں اگرچہ انھوں نے ہی یہ فیصلہ صادر کیا تھا کہ غیر قوموں کے لئے ختنہ وغیرہ کو دین عیسوی میں داخل ہونے کی شرط قرار نہ دیا جائے، لیکن اس بات پر تقریباً تمام عیسائی علماء کا اتفاق ہو

کہ ان کا یہ فتویٰ عبوری اور عارضی حیثیت رکھتا تھا، ورنہ وہ تورات کی سختی کے ساتھ پابندی کے قائل تھے، سٹرجمیں میک کنن یروشلم کونسل کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں،
 ”رجعت پسند پارٹی نے اگرچہ اُس وقت اس وسیع المشربہ کی پالیسی کی حمایت کی تھی، لیکن وہ اس پر کسی طرح مطمئن نہ تھی، یہاں تک کہ یعقوب ختنہ کے مطالبہ سے دست کش ہونے کے باوجود یہودی مسیحیوں اور غیر قوموں کے آزادانہ میل جول کی راہ میں پابندیاں باقی رکھنا چاہتا تھا
 اس کے اثرات اتنے تھے کہ پطرس یہاں تک کہ برنباس بھی ...
 ”غیر قوموں کے ساتھ کھانے سے باز رہے“^۱

نیز ایک اور موقع پر یعقوب کے بارے میں لکھتے ہیں،

”یوسیفس کے مختصر نوٹ اور ہیج سیس کے نسبتاً طویل تذکرے سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ یعقوب کے پختہ اور یکساں کردار اور تورات کی پابندیوں نے یہودیوں کے دل جیت لئے تھے“^۲

پھر لطف یہ ہے کہ یروشلم کونسل کے بعد کتاب اعمال میں یعقوب کا ذکر صرف ایک جگہ آیا ہے، اور وہاں بھی یعقوب نے پوتس کو تورات کی خلاف ورزیوں پر کفارہ ادا کرنے اور تورات پر عمل کرنے کی تلقین کی ہے (اعمال ۲۱: ۲۶ تا ۲۷)
 اس سے کم از کم اتنی بات وضاحت کے ساتھ ثابت ہوتی ہے کہ یعقوب ان نظریات کے ساتھ متفق نہیں تھے، جو پوتس نے بعد میں اختیار کر لئے تھے، رہا وہ خط جو یعقوب کی طرف منسوب ہو اس کے بارے میں جمیں میک کنن لکھتے ہیں:
 ”دلائل کا وزن اس بات کی تائید نہیں کرتا کہ اس کا مصنف یعقوب ہے“^۳

۱ From Christ to Constantine P. 95

۲ Ibid P. 119

۳ Ibid P. 120

یوحنا اور پولس

پطرس اور برنباس کے بعد حواریوں میں بلند ترین مقام یوحنا بن زبیدی کا ہے، اور بقول میک کٹن انھیں کلیسا کے تین ستونوں میں سے ایک سمجھا جاتا ہے، دلچسپ بات یہ ہے کہ پطرس اور برنباس کی طرح یوحنا بھی یرושلم کونسل کے بعد کتاب اعمال سے یکٹ کر غائب ہو جاتے ہیں، اور اس کے بعد ان کا بھی کوئی حال معلوم نہیں ہوتا، جیسے میک کٹن لکھتے ہیں: "پطرس کی طرح یوحنا بھی یرושلم کانفرنس کے بعد کتاب اعمال کے واقعات سے غائب ہو جاتا ہے، جبکہ وہ اس کانفرنس میں کلیسا کے تین ستونوں میں سے ایک تھا، یرושلم کو خیر باد کہہ کر انھوں نے اپنا تبلیغی کام کس جگہ انجام دیا؟ یہ ہمیں معلوم نہیں ہے۔"

اس سے بھی واضح طور پر یہ قیاس قائم ہوتا ہے کہ یرושلم کونسل کے بعد جب پطرس اور برنباس پولس سے ناراض ہو کر اس سے الگ ہو گئے تھے، اسی وقت یوحنا نے بھی اس سے علیحدگی اختیار کر لی تھی، بظاہر انھوں نے بھی دین عیسوی کی اصل تعلیمات کو پھیلانے کی کوشش کی ہوگی، اسی لئے پولس کے شاگردوں نے یرושلم کونسل کے بعد ان کو کسی تذکرے کا مستحق نہیں سمجھا،

رہ گئی انجیل یوحنا اور وہ تین خطوط جو یوحنا کے نام سے عہد نامہ جدید میں موجود ہیں، سو ان کے بارے میں ہم پیچھے تفصیل کے ساتھ یہ بات ثابت کر چکے ہیں کہ خود عیسائی علماء متاخرین کا اس پر تقریباً اجماع ہو چکا ہے، کہ ان کا مصنف یوحنا حواری نہیں، بلکہ یوحنا بزرگ ہے۔^{۱۱۸}

۱۱۸ ایضاً صفحہ ۱۱۸،

۱۱۹ دیکھئے مقدمہ، صفحہ ۱۱۶

دوسرے حواری

یہ تو وہ حواریں تھیں جن کا ذکر کتاب اعمال یا عہد نامہ جدید کی دوسری کتابوں میں آیا ہے، ان کے علاوہ جو دوسرے حواریں ہیں ان کے حالات ان سے زیادہ پردہ راز میں ہیں، ان کے بارے میں یہی ثابت نہیں ہوتا کہ پوئس سے ان کی ملاقات بھی ہوئی تھی یا نہیں؟ جیسے میک کنن لکھتے ہیں:

بارہ حواریوں میں سے باقی حضرات نے یسوع مسیح کے بعد کیا کیا؟ اس کے بارے میں کوئی قابل اعتماد بات نہیں کہی جاسکتی، روایات ان میں سے مختلف حضرات کی طرف گال سے انڈیا تک مختلف حلقہ ہائے کار تجویز کرتی ہیں یونسی تیس (۳) کہتا ہے کہ تو ماپریشیا چلے گئے تھے جس میں ان دنوں انڈیا کا کچھ شمالی حصہ بھی شامل تھا، لیکن اعمال تو ماکی روایت یہ ہے کہ وہ مقرر اور بحر ہند کے راستے سیدھے انڈیا گئے تھے، (۳۶۵ ف)، اسی طرح برتلمائی بھی ہندوستان چلے گئے تھے (اعمال برتلمائی)، اور اندراؤس اسکاٹشیا چلے گئے تھے جو بحر اسود کے شمال میں واقع ہے، تداؤس (یعنی یہوداہ تداؤس) اڈیسیہ میں مقیم ہو گئے تھے، جہاں کے بادشاہ نے یسوع مسیح سے خط و کتابت کی تھی، اور وہاں انھوں نے اس بادشاہ کی رعایا میں بہت سے لوگوں کو دین عیسوی کا پیرد بنایا۔

آگے فلپس وغیرہ کے بارے میں بھی اسی طرح کی روایات نقل کرنے کے بعد ناضل مصنف لکھتے ہیں:

”یہ کہنے کی ضرورت ہی نہیں ہے، کہ یہ تمام کہانیاں خالص افسانے ہیں، یہ ممکن ہے کہ تو ما اور برتلمائی کو ہندوستان جانے کا موقع ملا ہو، لیکن ہندوستان کے کسی خاص علاقے کو اس سلسلے میں مقرر کرنا مشتبہ ہے۔“

نتائج | اوپر ہم نے حضرت مسیح علیہ السلام کے بارہ حواریوں کے حالات کی جو تحقیق کی ہے اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ :

۱۔ بارہ حواریوں میں سے دو تو وہ تھے جو یرושلم کونسل سے پہلے ہی انتقال فرما گئے تھے یعنی یعقوب بن زبدي (اعمال ۱۲: ۲) اور یہودآہ اسکر یوتی (اعمال ۱۸: ۱)

۲۔ اور سات حواری وہ ہیں جن کا حضرت مسیح علیہ السلام کے عروج آسمانی کے بعد کوئی حال معلوم نہیں، یعقوب بن حلفی، توما، برتلمائی، یہودآہ تداؤس، اندراؤس، فلپس اور متی،

۳۔ باقی تین حواریں میں سے برنباؤس اور پطرس کے بارے میں ہم نے تفصیل کے ساتھ یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ یرושلم کونسل کے بعد پوتس کے ساتھ سنگین نظریاتی اختلاف کی بناء پر الگ ہو گئے تھے، اب صرف یوحنا بن زبدي رہ جاتے ہیں، اُن کے بارے میں بھی ہم پچھ لکے آئے ہیں کہ پطرس اور برنباؤس کی طرح یرושلم کونسل کے بعد وہ بھی اچانک گم نام ہو جاتے ہیں، اور ان کا کوئی تذکرہ نہیں ملتا،

اس تشریح و تجزیہ سے یہ بات کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ حواریوں نے پوتس کی صرف اس وقت تک تصدیق کی تھی جب تک کہ اس نے دین عیسوی کی تحریف کے لئے کوئی قدم نہیں اٹھایا تھا، لیکن یرושلم کونسل کے بعد جب اُس نے اپنے انقلابی نظریات کا اعلان کیا، اور گلیٹیوں کے نام خط میں (جو پوتس کا پہلا خط ہے) اُن نظریات پر ججے رہنے کا اعلان کیا تو تمام وہ حواری جو اُس وقت موجود تھے اس سے جدا ہو گئے،

اس لئے کتاب اعمال میں یرושلم کونسل کے حالات تک پوتس کو ان حواریوں کے ساتھ جس طرح شیر و شکر دکھایا گیا ہے، اس سے یہ نتیجہ نکالنا قطعی غلط ہے، کہ حضرت مسیح کے حواری حضرات، پوتس کے نظریات تشلیث، تجسم اور کفارہ وغیرہ میں اس کا ساتھ متفق تھے، حقیقت یہی ہے کہ ان نظریات کا پہلا بانی پوتس ہے، اور حضرت مسیح علیہ السلام یا آپ کے حواریوں کا ان نظریات سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے،

پولس کے مخالفین

اب یہاں قدرتی طور پر ایک سوال پیدا ہو سکتا ہے، اور وہ یہ کہ اگر واقعہ پولس نے دین عیسوی میں قمریم و تحریف کرے ایک نئے مذہب کی داغ بیل ڈالی تھی جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات سے یکسر مختلف تھا، تو اس کی کیا وجہ ہے کہ پولس کی کوئی مؤثر مخالفت نہیں کی گئی، اس کے نظریات عیسائی دنیا پر چھا گئے، اور اصل دین عیسوی بالکل نابود ہو کر رہ گیا؟ جب اس سوال کا جواب ہم تاریخ کے صفحات میں تلاش کرتے ہیں تو ہمیں واضح طور سے نظر آتا ہے کہ تاریخ عیسائیت کی ابتدائی تین صدیوں میں پولس اور اس کے نظریات کی شدید مخالفت کی گئی تھی، اور اس زمانے میں پولس کے مخالفین کی تعداد اور ان کا اثر در سبب پولس کے اثرات سے کسی طرح کم نہیں تھا، لیکن اتفاق سے جب تیسری صدی عیسوی میں عیسائیت بازنطینی سلطنت کا سرکاری مذہب قرار پایا تو پولس کی حامی جماعت حکومت پر غالب آگئی، اور اس نے نہ صرف یہ کہ اپنے مخالفوں کو بزدل کھل ڈالا، بلکہ وہ تمام مواد بھی ضائع کرنے کی کوشش کی جس سے پولس کے مخالفین استدلال کر سکتے، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دنیا میں پولس کا دین پھیلتا چلا گیا، اور رفتہ رفتہ اصل دین عیسوی کا نام و نشان بالکل مٹ گیا،

ابتدائی تین صدیوں میں جس شدت کے ساتھ پولس کی مخالفت کی گئی، اس کی کچھ مثالیں ہم یہاں مختصراً پیش کرتے ہیں:-

۱۔ پولس کی مخالفت تو ٹھیک اُس وقت سے شروع ہو گئی تھی، جب اُس نے یرושلم کونسل کے فیصلے سے ناجائز فائدہ اٹھا کر تورات کو بالکل ٹیہ منسوخ کرنے کا اعلان کیا تھا، اپنی مخالفین کے جواب میں پولس نے گلیٹیوں کے نام اپنا معرکہ الآراء خط لکھا تھا، انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے حوالہ سے ہم یہ ثابت کر چکے ہیں کہ پولس کے ان مخالفین کا کہنا یہ تھا کہ وہ اصل حواریوں کی تعلیم سے لوگوں کو برگشتہ کر رہا ہے، یہ مخالفت کرنے والے قدیم کلیسا کی یہودی مسیحی جماعت سے تعلق رکھتے تھے، اور

ان لوگوں کی سرکردگی بعض ممتاز افراد کر رہے تھے،

۲۔ یہ مخالفت پوتس کے خطوط کے بعد کم نہیں ہوئی، بلکہ بڑھتی چلی گئی، مسٹر جیمز میک کنن لکھتے ہیں:۔

”یہ سمجھنا غلط ہے کہ پوتس یا انجیل یوحنا کے مصنف کے خیالات حواریوں کے متصل بعد والے زمانے میں مذہبی عقائد کا سب سے زیادہ نمایاں اور با اثر معیار بنے ہوئے تھے، اگرچہ یہ درست ہے کہ پوتس اس زمانے کے ذہنوں کو مسلسل متاثر کرنے میں لگا رہا، اور بالآخر چوتھی انجیل کے عقائد نے مابعد کے کلیساؤں پر اثر و رسوخ حاصل کر لیا، لیکن یہ بھی اپنی جگہ حقیقت ہے کہ ابتدائی کیتھولک چرچ کے حتمی مذاہب نے بہت جلد پوتسی خیالات کو نکال باہر کیا تھا، اور دوسری صدی میں جہاں انجیل یوحنا کے عقائد کو ملتے دلتے موجود تھے، وہاں اس کے مخالفین بھی پائے جاتے تھے، پوتس نے عیسائیت کا جو تصور پیش کیا تھا، وہ حواریوں کے ذمے میں بھی کسی طرح معیاری تصور نہ تھا۔“

۳۔ دوسری صدی عیسوی کی ابتداء میں آرتھوڈوکس، ہتھولیکس، ایپی فانیس اور آریجن ایکٹ

فرقے کا تذکرہ کرتے ہیں جسے نصرانی (Nazarene) اور ... ایونی

(Ebionites) فرقہ کہا جاتا ہے، مسٹر جے، ایم رابرٹسن ان لوگوں کا

تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”یہ لوگ مسیح کی خدائی کا انکار کرتے تھے اور پوتس کو رسول تسلیم نہ کرتے تھے،“

۱۷ دیکھئے مقدمہ ص ۱۵۳ اور ۱۵۴، بحوالہ برٹانیکا، ص ۹۷، ج ۹،

۱۸ پیچھے گزر چکا ہے کہ انجیل یوحنا کا مصنف پوتس کا بالکل ہم خیال تھا،

۱۹ From Christ to Constantine ch. VII

۲۰ J. M. Robertson, History of Christianity, London 1913 P. 5

اور انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کا مقالہ نگار آریوس سے نقل کر کے بیان کرتا ہے:

اُن لوگوں کا عقیدہ یہ تھا کہ مسیح ایک انسان تھے، جسے معجزات دیئے گئے تھے، یہ لوگ پوتس کے بارے میں یہ تسلیم نہ کرتے تھے کہ وہ موسوی دین سے برگشتہ ہو کر عیسائی ہو گیا تھا، اور یہ لوگ خود موسوی شریعت کے احکام اور رسموں یہاں تک کہ ختنہ پر بھی مضبوطی کے ساتھ کاربند تھے۔

۴۔ پھر تیسری صدی میں پال آف سموسٹا کے نظریات بھی تقریباً یہی تھے، جو ۲۶۱ء سے ۲۷۲ء تک انتظامیہ کا بطریق رہا ہے، اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اس کے تاثرات کس قدر ہوں گے، یہی وجہ ہے کہ چوتھی صدی میں یوسین اور آریوس مستقل مکاتب فکر کی صورت میں اس کی تائید کرتے نظر آتے ہیں،

۵۔ پھر چوتھی صدی میں آریوس (Arius) کے فرقے نے توثلیت کے عقیدے کے خلاف پوری عیسائی دنیا میں ایک ہتھکڑی بچا دیا تھا، اس زمانے میں یہ بحث کتنے زوروں پر تھی؟ اس کا اندازہ قدیم تواریخ سے ہوتا ہے، عیسائیوں کا مشہور عالم تھیوڈورٹ لکھتا ہے:

”ہر شہر اور ہر گاؤں میں تنازعات اور اختلافات اُٹھ کھڑے ہوئے، جو تمام ترمذی عقائد سے متعلق تھے، یہ ایک نہایت المناک مرحلہ تھا جس پر آنسو بہانے چاہئیں، اس لئے کہ اُس وقت کلیسا پر زمانہ ماضی کی طرح بیرونی دشمنوں کی طرف سے حملہ نہیں ہو رہا تھا، بلکہ اب ایک ہی ملک کے باشندے جو ایک چھت کے نیچے رہتے اور ایک میز پر بیٹھتے تھے، ایک دوسرے کے خلاف برسرِ پیکار تھے، لیکن نزدیک نہیں بلکہ زبانوں سے“

۱۔ برٹانیکا، ص ۸۸ ج ۷، مقالہ: Ebionites

۲۔ تفصیل کے لئے دیکھئے مقدمہ ص ۶۲ اور اس کے حواشی،

۳۔ Theodoret, quoted by James Mackinon, *From Christ to Constantine* ch. 17

سینٹ آگسٹائن نے اپنی کتاب *On the Trinity* میں آریوس کی تردید جس بسط و تفصیل کے ساتھ کی ہے، اس سے بھی یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آریوس کا فرقہ کتنی اہمیت اختیار کر گیا تھا، اور اس کے پیروکار کتنے زیادہ تھے؟

۶۔ پھر ۳۲۵ء میں شاہ قسطنطین نے نیقیہ کے مقام پر جو عام کونسل منعقد کی، اس میں آریوس کے نظریات کی تردید کی گئی، لیکن ادل تو جیس میک کنن لکھتے ہیں :-

”یہ کہنا بہت مشکل ہے کہ اس کونسل میں تمام عالم عیسائیت کے نمائندے شریک تھے، اس میں مغرب کے علاقے کے بہت کم افراد شامل ہوئے تھے، مکمل تین سو بشپ حاضر تھے جن کی اکثریت یونانی تھی۔“

پھر اس کونسل میں آریوس کے نظریات پر ایک منٹ کے لئے بھی سنجیدگی سے غور نہیں کیا گیا، تھیوڈورٹ لکھتا ہے :

”جوہنی آریوس کا فارمولا کونسل کے سامنے پڑھا گیا، اُسے فوراً پھاڑ کر ٹکڑا کر ٹکڑے کر دیا گیا، اور اسی لمحے اسے غلط اور جھوٹ قرار دیا گیا۔“

اس کا نتیجہ کیا ہوا؟ جیس میک کنن کے الفاظ میں سنئے :

”اہتانی شیتس کی پارٹی کو چونکہ شاہی دباؤ اور سرکاری پشت پناہی حاصل تھی اس لئے وہ فتح پا گئی، اور اس کے ساتھ مذہبی مباحثات میں حکومت کے تشدد، ایذارسانی، جبر و استبداد اور مذہبی اظہارِ رائے پر سزائیں جاری کرنے کے جذبات کو بھی فتح ہوئی۔“

جیس میک کنن نے اس کے بعد تفصیل کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ اس فیصلے کے بعد بھی عرصے تک عوام میں زبردست اختلافات چلتے رہے، خاص طور سے مشرقی عیسائی تو کسی طرح نیقیہ کونسل کے فیصلے کو ماننے کے لئے تیار نہ تھے، لیکن رفتہ رفتہ حکومت نے

بزدور انھیں ٹھنڈا کر دیا، اور اس طرح یہ مخالفیتیں دھیمی پڑ گئیں،

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ عیسائیت کی ابتدائی تین صدیوں میں پوس کے نظریات کے بے شمار مخالفین موجود تھے، اور اُس وقت تک کثیر تعداد میں ملتی رہے جب تک کہ حکومت نے انھیں بزدور ختم نہیں کر دیا،

آخری زمانے میں | اب ہم اپنے قریبی زمانے کے خود عیسائی علماء کے کچھ اقوال پیش کرتے ہیں، جن سے آپ یہ اندازہ کر سکیں گے کہ پوس

کو عیسائیت کا بانی قرار دینے کا نظریہ تنہا ہمارا نہیں ہے، بلکہ وہ عیسائی علماء بھی اس کی تائید کرنے پر مجبور ہیں جنہوں نے غیر جانبداری کے ساتھ بائبل کا مطالعہ کیا ہے:

۱۔ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں پوس کے حالات بیان کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ،

”مصنفین کا ایک محکمہ فکر جس میں سے ڈبلیو ریڈ (W Wrede) کو بطور

مثال ذکر کیا جاسکتا ہے، اگرچہ کسی بھی اعتبار سے پوس کا منکر نہیں

ہو، تاہم وہ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے کہتا ہے کہ پوس نے عیسائیت

کو اس قدر بدل دیا تھا کہ وہ اس کا دوسرا بانی بن گیا، وہ درحقیقت اُس

”کلیسائی عیسائیت“ کا بانی ہے جو یسوع مسیح کی لائی ہوئی عیسائیت سے

بالکل مختلف ہے، یہ لوگ کہتے ہیں کہ ”یا تو یسوع کی اتباع کر دیا پوس

کی“ ان دونوں پر بیک وقت عمل نہیں کیا جاسکتا،

یہ لوگ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ پوس مذہب نہ صرف یہ کہ گناہ

کفارہ اور نجات کے ابدی وجود سے متعلق بعض توہم پرستانہ تصورات کو

شامل ہے، بلکہ..... یسوع مسیح سے متعلق پوس کی تمام تر تصوفانہ

روش جو اسے ذریعہ نجات و کفارہ قرار دیتی ہے، خود یسوع مسیح کی

ان تعلیمات کے متناقض ہے جو انھوں نے خدا اور انسان کے صحیح شے سے متعلق

پیش کی ہیں۔“

۲۔ اور پوٹس کا ایک مشہور سوانح نگار ڈالٹر وڈن لونی وینک (Walter Von

Loewenich) لکھتا ہے:

پال ڈی لاگاردے کہتا ہے کہ پوٹس کو جو واقعی طور پر ابراہیم کی نسل سے تھا، اور اپنے نظریاتی انقلاب کے بعد بھی "فریسیوں کا فریسی" تھا، اُسے یسوع اور اس کی انجیل کے بارے میں کوئی قابلِ اعتماد علم مطلق نہیں تھا، لہذا یہ بات کسی طرح سننے کے لائق نہیں ہے کہ جو لوگ تاریخی طور پر تعلیم یافتہ ہیں انھیں پوٹس نام کے اس شخص کو کوئی اہمیت دینی چاہئے،

آج بھی کلیسا اپنے "پوٹس ورثے" کی بنیاد پر شدید مشکلات سے دوچار ہے، پوٹس نے کلیسا میں عہد نامہ قدیم کو داخل کیا، اور اس کے اثرات نے ہر ممکن حد تک انجیل کو تباہ کر دیا، یہ پوٹس ہی تھا جس نے یہودی تشریباتی کا نظریہ اپنے تمام لوازم کے ساتھ درآمد کیا، اسی نے یہودیوں کا پورا تاریخی نظریہ ہم پر مسلط کر دیا،

یہ تمام کام اُس نے قدیم کلیسا کے لوگوں کی شدید مخالفت کے میں درمیان انجام دیئے، جو ہر چیز کہ یہودی تھے، مگر اَدَل تو یہودی ہانداز میں پوٹس کی بہ نسبت کم سوچتے تھے، دوسرے کم از کم وہ ایک ترمیم شدہ اسرائیلی مذہب "کو خدا کی بھیجی ہوئی انجیل تشریح دیتے تھے"

۳۔ ڈی لاگاردے کا یہ اقتباس نقل کر کے لونی وینک لکھتے ہیں:

"حاضر میں پوٹس کے بیشتر مخالفین اپنی خطوط پر سوچتے ہیں جو لاگاردے نے بیان کئے، اب بھی لوگ بہت جلد اُس تضاد پر زور دیتے ہیں جو یسوع اور پوٹس کے درمیان پایا جاتا ہے، اُس شخص کو اس بات کا ذمہ دار

قرار دیا جاتا ہے کہ اس نے یسوع کی خالص اور اصل تعلیمات کو مکمل طور پر مسخ کر ڈالا۔"

۴۔ اگرچہ خود لوی دینک پوتس کے سرگرم حامی ہیں، مگر وہ ہوسٹن اسٹیورٹ چمبرلین کے اس قول کی تائید کرتے ہیں کہ:

”اس نے (یعنی پوتس نے) عیسائیت کو مٹا دی کر کے اسے یہودیت سے الگ ایک شکل عطا کی، اس لئے وہ اُن کلیساؤں کا خالو بن گیا، جو یسوع کے نام پر بنے۔“

نیز آگے چل کر ایک جگہ لوی دینک کہتے ہیں:

”اگر پوتس نہ ہوتا تو عیسائیت یہودی مذہب کا ایک فرقہ بن جاتا اور کوئی کائناتی مذہب نہ ہوتا۔“

کیا اس بات کا کھلا اعتراف نہیں ہے کہ عیسائیت کو ایک کائناتی مذہب بنانے کے شوق میں پوتس نے حضرت مسیح علیہ السلام کے لئے ہوئے دین کو بدل ڈالا، لوی دینک کے نزدیک یہ پوتس کا قابلِ تعریف کارنامہ ہے، لیکن ہمارے نزدیک یہی وہ چیز ہے جسے تحریف کہتے ہیں،

۵۔ مسٹر جیمز میک کٹن جن کے حوالے اس کتاب میں بار بار آچکے ہیں ایک فاضل عیسائی مؤرخ ہیں، اور انہیں کسی طرح بھی پوتس کا مخالف نہیں کہا جاسکتا، لیکن وہ کھل کر اعتراف کرتے ہیں کہ:

”پوتس کا اندازِ فکر اُس کا اپنا ہے، یہ بات دلائل سے واضح نہیں ہوتی کہ اس کا یہ اندازِ فکر یسوع کے اندازِ فکر سے پوری طرح مطابقت رکھتا ہے، یسوع کا تورات کے بارے میں جو تصور تھا وہ پوتس کے تصور سے ہم آہنگ نہیں ہے اس لحاظ سے پوتس کا یہ دعویٰ کہ اس نے اپنی تعلیم یسوع سے براہِ راست وحی کے ذریعہ حاصل کی ہے، ایک مشکل مسئلہ ہے۔“

۶۔ پوتس کے ایک اور سوانح نگار جیکسن جو پوتس کے حامی ہیں، پوتس کے مخالفین کا نظریہ نقل کر کے آخر میں اس بات کا اعتراف کرتے ہیں:

”اگر پوتس نہ ہوتا تو عیسائیت مختلف ہوتی، اور اگر یسوع نہ ہوتے تو عیسائیت ناممکن تھی۔“

۷۔ سوشلزم میں امریکہ سے (The Nazarene Gospel Re-ared)

کے نام سے ایک کتاب شائع ہوئی ہے جو رابرٹ گریوےز (Robert Graves) اور جوشوا پوڈرو (Joshua Podro) کی مشترکہ تصنیف ہے، مؤخر الذکر

ایک مشہور عیسائی بشپ کا لڑکا ہے، اس کتاب کے مقدمے میں پوتس پر مفصل تاریخی تنقید کی گئی ہے، اور ثابت کیا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مذہب کو پوتس نے بُری طرح جھاڑ ڈالا تھا، اور اس بناء پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اصل حواری اس سے ناراض تھے، ہم نے اوپر مختلف عیسائی علماء کے جو حوالے پیش کئے ہیں، ان کی حیثیت ”مثبت نمونہ از خردارے“ کی ہے، ورنہ اگر پوتس کے مخالفین اور ناقدین کے اقوال اہتمام کے ساتھ جمع کئے جائیں تو بلاشبہ ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے، ان چند اقتباسات کو پیش کرنے کا مقصد صرف یہ دکھلانا تھا کہ خود عیسائی علماء میں سے بھی بے شمار لوگ اس بات کا اعتراف کرنے پر مجبور ہیں کہ موجودہ عیسائیت کے اصل بانی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہیں ہیں، بلکہ پوتس ہی، امید ہے کہ مندرجہ بالا دلائل و شواہد ایک حق پرست انسان پر یہ حقیقت آشکار کرنے کے لئے کافی ہوں گے کہ موجودہ عیسائی مذہب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اصل تعلیمات سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا، وہ تمام تر پوتس کی ایجاد ہے، اس بناء پر اس مذہب کا صحیح نام ”عیسائیت“ کے بجائے ”پولسیت“ ہے، —————

بین بین بین بین بین بین بین بین

تیسرا باب

حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی

مُصَنَّفُ "اَظْهَارُ الْحَقِّ"

حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی اُن خدا مست مجاہدین میں سے ہیں جن کی زندگی کا ہر سانس دینِ اسلام کی خدمت کے لئے وقف تھا، انھوں نے ایک ایسے زمانے میں حق کا آواز بلند کیا تھا، جب حق کے پرستاروں کے لئے جگہ جگہ دار کے تختے لٹکے ہوئے تھے، تاریخ اسلام ایسے حضرات کے تذکروں سے مالا مال ہے جنھوں نے علمی طور پر حق کو پھیلانے اور پہنچانے کی موثر خدمتیں انجام دیں، اور اپنی زبان اور قلم سے دینِ اسلام کا دفاع کیا، دوسری طرف ایسے جانبازوں کی بھی کمی نہیں ہے جنھوں نے دین کی حفاظت کے لئے تلوار اٹھائی، اور اس کی آبیاری کے لئے اپنا خون پیش کیا، لیکن ایسے لوگوں کی تعداد بلاشبہ کم ہے، جنھوں نے قلم اور تلوار دونوں میدانوں میں اپنے جوہر دکھلائے ہوں،

حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی انہی معتمد سہیتوں میں سے ہیں جن کی نظیریں ہر زمانے کی تاریخ میں گنی جاتی ہیں، انھوں نے اگر ایک طرف عیسائیت کے تابڑ توڑ حملوں کا دفاع کرنے کے لئے اپنی زبان اور قلم کی تمام توانائیاں وقف کر دیں، تو دوسری طرف ہندوستان کو مغربی اقتدار سے آزاد کرانے کے لئے تلوار لے کر بھی نکلے اور دونوں میدانوں میں جہد و عمل کی وہ دلولہ انگیز داستانیں چھوڑ گئے جو رہتی دنیا تک یادگار رہیں گی، اقبال انہی جیسے سرفردشوں کے لئے کہا تھا کہ ۵

فلند راں کہ براہ تو سخت می کوشند

ز شاہ باج سرستانند و خرقد می پوشند

بہ جلوت اندو کمندے بہ مہر و مہ چپند
 بہ خلوت اندو زمانہ مکان در آغوشند
 بر دوز بزم سرا پا چو پر نیاں دھسریہ
 بر دوز رزم خود آگاہ و تن منرا موشند

مولانا کے آباء و اجداد | حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانہ کے مشہور و معروف عثمانی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں، آپ کے جد امجد شیخ عبدالرحمن گاذر دنی، سلطان محمود غزنوی کی فوج میں شرعی حاکم تھے، یہ عہدہ "قاضی عسکر" کے نام سے سلطنت ترکیہ کے زمانے میں بھی ہمیشہ رہا ہے، اور آخری خلیفہ سلطان محمد رشاد خان خاص مرحوم کے زمانے تک اس عہدے پر ممتاز علماء و مستر رکھے جاتے تھے، جو فوج کے تمام شرعی معاملات اور مقدمات کا فیصلہ کیا کرتے تھے، شیخ عبدالرحمن گاذر دنی سلطان محمود غزنوی کے لشکر کے ساتھ "قاضی عسکر" کی حیثیت سے ہندوستان آئے، اور جب سلطان نے سو منات پر حملہ کیا تو یہ فوج کے ساتھ جہاد میں شریک تھے، اور پانی پت کی فتح کے بعد یہیں قیام اختیار کر لیا، پانی پت کے قلعے کے نیچے آپ کا مزار ہے، شیخ عبدالرحمن گاذر دنی کی اولاد میں ایک بزرگ حکیم عبدالکریم کے نام سے گزر رہے ہیں، جو مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی کے آٹھویں جد امجد ہیں، یہ دربار اکبری کے مشہور طبیب تھے، اور حکیم بنیا کے نام سے معروف، ایک مرتبہ شاہ اکبر لاہور کے قریب چاندنی رات میں ہرنوں کی لڑائی کا تماشا دیکھ رہا تھا، اتفاقاً ایک ہرن نے جھپٹ کر اکبر کی رانوں کے بیچ میں سینک مار کر اسے زخمی کر دیا، علاج کیا گیا، مگرفاقہ نہ ہوا، تو ابو الفضل کے مشورے سے "حکیم بنیا" کو پانی پت سے بلایا گیا، ایک ماہ ساٹ روز کے بعد صحت ہو گئی، اس پر شہنشاہ اکبر نے حکیم بنیا صاحب کو "شیخ الزمان" کا شاہی خطاب عطا کیا، حکیم بنیا

۱۔ مفصل نسب نامہ کے لئے ملاحظہ ہو "ایک مجاہد معمار" از مولانا محمد سلیم صاحب، مطبوعہ مدرسہ صولتبیہ مکہ معظمہ،

کے صاحبزادے حکیم محمد حسن صاحب مرحوم بھی اپنے والد کے ساتھ بادشاہ کے علاج میں ہمہ تن مصروف رہے تھے، اس لئے انھیں ۱۱۵ھ میں قصبہ کیرانہ جاگیر کے طور پر عطا کیا گیا تھا، شاہزادہ سلیم نے انھیں نواب مقرب خان کالقب دیا، بعد میں جہانگیری نے انھیں صوبہ دکن اور گجرات کا اور شاہجہاں نے صوبہ بہار کا گورنر مقرر کیا تھا،

حکیم محمد حسن کے دوست سر بھائی حکیم عبدالرحیم صاحب رجن کی ساتویں پشت میں مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی آتے ہیں، بھی اپنے بھائی کی طرح صاحب منصب جاگتھو اور جہانگیری کے عہد میں دربار کے خاص طبیب رہے ہیں،

جب حکیم محمد حسن صاحب کو کیرانہ بطور جاگیر عطا ہوا تو عثمانی خاندان کا بڑا حصہ پانی پت سے منتقل ہو کر کیرانہ میں آباد ہو گیا تھا، حکیم محمد حسن اور حکیم عبدالرحیم دونوں نے قصبہ سے باہر اپنے محلات، کچھریاں، اور ریاستی مکانات بنائے تھے، ایک سو چالیس بیگہ زمین میں انھوں نے آموں کا ایک باغ لگایا تھا، جسے دیکھنے کے لئے شاہ جہانگیر خود کیرانہ آیا تھا، اس نے اپنے اس سفر کا ذکر ”تزک جہانگیری“ میں کیا ہے، اور باغ کی تعریف کی ہے، کہتے ہیں کہ اس میں نو لاکھ درخت تھے، اس لئے آج بھی اس باغ کی زمین ”نولکھا باغ“ کے نام سے مشہور ہے،

حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب اسی خاندان کے چشم و چراغ **ابتدائی حالات** تھے، اور اپنے آباء و اجداد کے اپنی مکانات میں جہادی لاد کے ۱۲۳۳ھ کو پیدا ہوئے، مولانا نے ۱۲ سال کی عمر تک قرآن کریم بھی ختم کر لیا، اور اس کے

۱۵ شہنشاہ جہانگیر لکھنؤ میں جمعہ ۲۱ ماہ آذر کو مقرب خاں کی جاگیر پر کچھ کیلئے میں نزول اجلال کیا، اس سرزمین پر مقرب خان نے باغ اور عمارات تعمیر کرائی ہیں، ہفتہ ۲۲ ماہ مذکور کو میں اہل محل کے ساتھ باغ اور عمارات کی سیر کو گیا، اس باغ میں ہر قسم کے پھل دار درختوں کے پودے لگائے گئے ہیں، باغ کی سیر سے میں بہت محفوظ ہوا، اور بہت تعریف کی، ”تزک جہانگیری“ مترجمہ مولوی احمد علی راپوری ص ۲۹۲ مطبوعہ لاہور ۱۹۶۶ء

ساتھ فارسی اور ابتدائی دینیات کی کتابیں اپنے بزرگوں سے پڑھ لیں، اس کے بعد علوم اسلامیہ کی تحصیل کے لئے دہلی تشریف لے گئے، جہاں حضرت مولانا محمد حیات صاحب نے ایک مدرسہ قائم کیا ہوا تھا، شش ماہ میں آپ کے والد مولوی خلیل اللہ صاحب دہلی میں ہمارا راجہ ہند و راجہ بھار کے میرمنشی مقرر ہوئے، اور وعیرج پہاڑی کے قریب قیام اختیار کیا، اس وقت مولانا مدرسہ اپنے والد کے پاس آ گئے، دن میں تعلیم حاصل کرتے اور رات کو والد ماجد کے پاس رہتے، اور راجہ کو اکبر نامہ سناتے تھے، کچھ عرصہ تک اپنے والد کا ہاتھ بٹانے کے لئے آپ نے میرمنشی کا کام بھی کیا ہے، لیکن بالآخر اس کام سے حضرت مولانا نے صلح کی اختیار کر لی، اور لکھنؤ کی علی شہرت سکروہاں تشریف لے گئے، اور حضرت مولانا مفتی سعد اللہ صاحب سے شرف تلمذ حاصل کیا، اور ان سے مسلم الثبوت اور میرزا ہد کا درس لیا،

اگرچہ حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کے ابتدائی اساتذہ مولانا محمد حیات صاحب اور مولانا مفتی سعد اللہ صاحب تھے، مگر مندرجہ ذیل حضرات سے بھی آپ کو شرف تلمذ حاصل ہے :

- (۱) مولانا احمد علی صاحب بڈولی ضلع مظفرنگر، جو آخر میں ریاست پٹیالہ کے وزیر ہو گئے تھے
- (۲) عارف باللہ مولانا حافظ عبدالرحمن صاحب چشتی، یہ استاد شاہِ دقت تھے، تمام علوم و فنون میں ہمارت تامہ رکھتے تھے، بستی نظام الدین اولیاء میں ان کا مزار ہے،
- (۳) مولانا امام بخش صاحب صہبائی، ان سے فارسی پڑھی،
- (۴) حکیم فیض محمد صاحب، ان سے علم طب کی تکمیل کی،
- (۵) مصنف لوکارنم سے ریاضی پڑھی،

ہندوستان میں حضرت مولانا کبر انوی کو تدریس کا بہت کم موقع ملا، ملک میں عیسائیت کا فتنہ اپنے شباب پر تھا، اس کی روک تھام کی فکر نے مولانا کو اتنی ہمت ندی، کہ آپ اطمینان کے ساتھ تدریس کا فیض جاری رکھتے، طالب علم

تدریس

لے سرسید احمد خاں نے ان کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ آپ کا علم و فضل قابلِ مثال اور لائقِ رشک تھا۔ (آثار الصنادید ص ۲۱ تا ۲۲ ج ۲)

سے فراغت کے بعد اور سن ۱۲۷۰ھ سے قبل مولانا نے قصبہ کیرانہ میں ایک دینی مدرسہ قائم کیا تھا اس مدرسہ کے سینکڑوں تلامذہ ہیں سے حضرت مولانا محمد سلیم صاحب مدظلہم مہتمم مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ نے مندرجہ ذیل نام بطور خاص ذکر فرماتے ہیں:

۱۔ مولانا عبد السمیع صاحب رامپوری، (مصنف حمد باری)

۲۔ مولانا احمد الدین صاحب چکوالی

۳۔ مولانا نور احمد صاحب امرتسری

۴۔ مولانا شاہ ابوالنخیر صاحب

۵۔ مولانا شاہ شرف الحق صاحب صدیقی مشہور مناظر عباسیت و مصنف دافع الہیات

(استیصال دین عیسوی)

۶۔ مولانا قاری شہاب الدین عثمانی کیرانوی

۷۔ مولانا حافظ الدین صاحب دکانوی

۸۔ مولانا امام علی صاحب عثمانی کیرانوی

۹۔ مولانا عبد الوہاب صاحب دیوری بانی مدرسہ الباقیات الصالحات مدراس

۱۰۔ مولانا بدرالاسلام صاحب عثمانی کیرانوی، مہتمم حمیدیہ کتب خانہ شاہی قسطنطنیہ

پھر جب مولانا ہجرت کر کے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تو آپ کا حلقہ مدرسہ سینکڑوں

طلباء اور علماء وقت پر مشتمل ہوتا تھا، مکہ مکرمہ میں آپ کے شاگردوں کی تعداد بہت زیادہ

ہے، بعض خاص تلامذہ کے نام یہ ہیں:

۱۔ شریف حسین بن علی سابق امیر حجاز و بانی حکومت ہاشمیہ،

۲۔ شیخ احمد النجار سابق قاضی طائف

۳۔ شیخ القراء حضرت مولانا قاری عبد الرحمن صاحب الہ آبادی

۴۔ شیخ محمد حسین الخياط بانی مدرسہ خیرہ مکہ مکرمہ

- ۵۔ شیخ احمد ابوالخیر مفتی الاحناف مکہ مکرمہ
- ۶۔ شیخ (مسعد الدہان) قاضی مکہ و مدرس مسجد حرام
- ۷۔ شیخ عبدالرحمن سراج شیخ الائمہ و مفتی الاحناف بمکہ المکرمہ
- ۸۔ شیخ محمد حامد النجدادی، قاضی جدہ
- ۹۔ شیخ محمد عابد المالکی، مفتی المالکیہ بمکہ المکرمہ و المدرس بالمحرم الشریف
- ۱۰۔ شیخ عبداللہ دحلان، من مشاہیر علماء المحرم

گھریلو حالات | ۱۳۵۶ھ میں مولانا کی شادی اپنی خالہ کی صاحبزادی سے ہوئی، شادی کے اگلے سال پھر بہاراجہ ہند دراد نے آپ کو اور آپ کے والد ماجد کو اپنے پاس دہلی بارہ ہند دراد میں بلا لیا، اور حضرت مولانا کو اپنا میر منشی مقرر کیا، اور آپ کے والد کو جائداد کی نگرانی اور دیکھ بھال کا کام سپرد کیا، اسی دوران ۱۳۵۷ھ میں مولانا کا ایک سالہ لڑکا فوت ہو گیا، اور کچھ ہی عرصے کے بعد آپ کی اہلیہ محترمہ دق کے عارضے میں مبتلا ہو کر انتقال فرما گئیں، اعزہ نے دوسری شادی کے لئے اصرار کیا، مگر کافی عرصے تک آپ نے دوسری شادی نہ کی، ابھی اس غم کو زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ والد ماجد کا انتقال ہو گیا، چنانچہ آپ نے اپنی جگہ پر اپنے چھوٹے بھائی مولوی محمد علیل صاحب کو ملازم رکھ کر راجہ کی ملازمت سے علیحدگی اختیار کی، اور کہ آنے پہنچ کر درس و تدریس کے ساتھ ترویج عیسائیت کی خدمت میں مصروف ہو گئے،

رد عیسائیت کی خدمات | شاہ عبدالغنی ساکن خانقاہ غلام علی شاہ کی فرمائش پر مولانا نے عیسائیت پر اپنی پہلی تصنیف ”ازالۃ الادہام“ فارسی زبان میں لکھنی شروع کی، حضرت مولانا محمد سلیم مدظلہم ہتھم مدرسہ مولتیہ مکہ مکرمہ تحریر فرماتے ہیں:

”ازالۃ الادہام زیر ترتیب تھی، کہ حضرت مولانا مرحوم سخت علیل ہوئے، اُسٹے بیٹھے اور چلنے پھرنے کے قابل نہ رہے، اشارہ سے نماز ادا ہوتی تھی“

استرہاء۔ واعزاء تلامذہ اور تیمار دار بڑھتی ہوئی کمزوری اور شدت مرض سے پریشان تھے، ایک روز نماز فجر کے بعد آپ رونے لگے، تیمار دار سمجھے کہ زندگی سے مایوسی ہے، اعزاء نے تسلی و تشفی کرنی چاہی، آپ نے فرمایا ”بخدا صحت کی کوئی علامت نہیں، لیکن انشاء اللہ صحت ہوگی“ رونے کی وجہ یہ ہے کہ خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی ساتھ ہیں، حضرت صدیق اکبرؓ فرماتے ہیں ”اے جوان! تیرے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خوش خبری ہے کہ اگر تالیف از آلہ الاہام مرض کی وجہ ہے تو وہی باعث شفاء ہوگی“ حضرت مولانا مرحوم نے فرمایا کہ اس خوشخبری کے بعد مجھے کوئی رنج و ملال نہیں، بلکہ مسرور اور خوش ہوں، اور شرط سرت سے یہ آنسو نکل آتے“

یہ وہ زمانہ تھا جبکہ عیسائی مشنریوں نے ہندوستان میں اپنی اسلام دشمن سرگرمیاں تیز کر رکھی تھیں، پادری فائڈر (REV. C. C. P. FONDER) عیسائیوں کا سرگردہ تھا، وہ جگہ جگہ اسلام کے خلاف دلخراش تقریریں کر رہا تھا، اور اس نے ”میزان الحق“ نامی اپنی کتاب میں جو شبہات و تلبیسات پیدا کئے تھے، ان کی وجہ سے مسلمانوں میں خوف و ہراس پیدا ہو رہا تھا، پادری علماء کی خاموشی سے ناجائز فائدہ اٹھا رہے تھے،

حضرت مولانا کیرانویؒ نے محسوس فرمایا کہ اس سیلاب کا موثر مقابلہ اس وقت تک نہ ہو سکے گا جب تک کہ پادری فائڈر کے ساتھ کسی مجمع عام میں ایک فیصلہ کن مناظرہ کر کے عیسائیت کی کمر نہ توڑ دی جائے، تاکہ عوام کے دلوں میں عیسائیت کا جو خوف مسلط ہونے لگا ہے وہ بالکل دور ہو جائے، اور وہ پہچان لیں کہ دلیل و حجت کے میدان میں عیسائیت کے اندر کتنی سکت ہے؟

فانڈر سے مناظرہ

چنانچہ مولانا اپنے دوست مولوی محمد امیر اللہ صاحب میر مختار راجہ صاحب بنارس کی معرفت پادری فانڈر سے ملنے تشریف لے گئے۔ تاکہ مناظرہ کے لئے گفتگو کریں، پادری مکان پر نہ ملے، چنانچہ ۲۳ مارچ ۱۸۵۴ء سے حضرت مولانا نے پادری فانڈر سے خط و کتابت شروع کی، فانڈر شروع میں پہلو تہی کرتا رہا، بالآخر، ۱۰ اپریل ۱۸۵۴ء کے آخری خط میں مناظرہ طے پا گیا، طرفین کے اتفاق کے ابتدائی مراحل کی تکمیل کے بعد پیر کے دن ۱۱ رجب ۱۲۷۴ھ مطابق ۱۰ اپریل ۱۸۵۴ء کو علی الصباح کٹرہ عقیدہ مسیح اکبر آباد آگرہ میں مناظرہ کا پہلا اجلاس منعقد ہوا، حضرت مولانا کے ساتھ جناب ڈاکٹر محمد وزیر خاں صاحب مرحوم معاون تھے، اور فانڈر کے ساتھ پادری فریچ، مناظرہ کی مجلس میں پہلے دن حاکم صدر دیوانی مسٹر اسمتھ صدر صوبہ بورڈ مسٹر گرہن سیکنڈ، مجسٹریٹ علاقہ فوج مسٹر ولیم، ترجمان حکومت مسٹر لیڈلی، پادری ولیم گلبن، مفتی ریاض الدین صاحب، منشی خادم علی صاحب مہتمم مطمح الاخبار وغیرہ بطور خاص قابل ذکر ہیں،

ان کے علاوہ تفتربیناچھ سومسلمان، عیسائی، ہندو اور سکھ موجود تھے، مناظرے کے لئے پانچ مسائل طے ہوئے تھے، تحریف بائبل، وقوع نسخ، تثلیث، رسالت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حقانیت قرآن، اور شرط یہ طے پائی تھی کہ اگر مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی غالب آئے تو فانڈر مسلمان ہو جائے گا، اور اگر فانڈر غالب آئے تو مولانا عیسائی ہو جائیں گے،

پہلے تین مسائل میں طے یہ ہوا تھا کہ مولانا اعتراضات کریں گے | **مناظرے کا پہلا دن** | اور فانڈر جواب دے گا، اور آخری دو مسئلوں میں برعکس صورت

ہوگی، سب پہلے نسخ کے مسئلے پر بحث شروع ہوئی، مولانا نے پہلے نسخ کی حقیقت واضح

۱۵ یہ پوری خط و کتابت مناظرے کی مطبوعہ روداد میں موجود ہے، اس کا عربی ترجمہ "البحث الثریف"

کے نام سے شیخ رفاعی خولی نے کیا ہے، جو انظار الحق مطبوعہ مطبع علیہ سنبول ۱۳۱۵ھ کے حاشیہ پر چھپا ہے،

۱۶ البحث الثریف فی مسئلۃ النسخ والتحریف علی باش انظار الحق ۱۳۱۶ھ ج ۱،

من ربانی، اور بتایا کہ مسلمانوں کے نزدیک اس کا کیا مطلب ہو؟ اس کے بعد مسلمانوں کا دعویٰ معین کیا کہ انجیل کے بعض احکام منسوخ ہیں، اور بعض منسوخ نہیں، فائدہ رنے دونوں کی مثالیں پوچھیں، تو آپ نے بتایا کہ مثلاً انجیل میں طلاق کی ممانعت کا جو حکم ہے وہ منسوخ ہو چکا ہے، مگر انجیل مرقس باب ۱۲ میں جو توحید کا حکم دیا گیا ہے وہ منسوخ نہیں ہوا، اس پر فائدہ رنے کہا کہ انجیل کا کوئی حکم منسوخ نہیں ہو سکتا، اس لئے کہ انجیل تو قاً باب آیت ۳۳ میں حضرت مسیح علیہ السلام کا یہ قول مذکور ہے کہ ۱۔

”زمین و آسمان ٹل جائیں گے، مگر میری باتیں ہرگز نہ ٹلیں گی۔“

مولاناؒ نے جواب دیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ ارشاد اپنی تمام باتوں کے لئے نہیں تھا، بلکہ خاص اُن باتوں کے لئے تھا جو اکیسویں باب میں مذکور ہیں،

فائدہ رنے کہا: لیکن الفاظ تو عام ہیں؛

اس پر مولاناؒ نے ڈی آگلی اور رچرڈ مینٹ کی تفسیر انجیل کا حوالہ دیا، جس میں خود عیسیٰؑ علمائے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ اس قول میں ”میری باتیں“ سے مراد وہ باتیں ہیں جو اوپر ذکر ہوئیں،

تھوڈی سی گفت دشید کے بعد فائدہ ر مولاناؒ کے اس اعتراض کا جواب دے دے سکا اور اس نے پطرس کے پہلے خط کے باب اول آیت ۲۳ کی یہ عبارت پیش کی:

”کیونکہ تم فانی تخم سے نہیں بلکہ غیر فانی سے خدا کے کلام کے وسیلے سے

جو زندہ اور قائم ہے“

فائدہ رنے کہا کہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا کا کلام ہمیشہ قائم رہے گا اور منسوخ

نہ ہوگا،

اس پر حضرت مولاناؒ نے فرمایا کہ بعینہ اسی قسم کا جملہ تورات کی کتاب یسعیاہ میں

بھی مذکور ہے کہ ۱۔

”گھاس مڑھاتی ہے، پھول کھلتا ہے، پر ہمارے خدا کا کلام اب تک قائم ہے۔“

ہذا اگر کلام کے زندہ اور قائم ہونے سے اس کا کبھی منسوخ نہ ہونا لازم آتا ہے تو آپ کو ثورات کے بارے میں بھی یہ کہنا چاہئے کہ وہ منسوخ نہیں ہو سکتی، حالانکہ اس کے سینکڑوں احکام کو آپ خود منسوخ کہتے ہیں۔

فائدہ دینے لاجواب ہو کر کہا کہ میں اس وقت صرف انجیل کے نسخے سے بحث کر رہا ہوں۔ اس پر ڈاکٹر وزیر خاں صاحب نے کہا کہ حواریوں نے اپنے زمانے میں بتوں کی تشریفانی، خون، گلا گھونٹے ہوئے جانور اور حرامکاری کے سوا تمام چیزوں کو حلال کر دیا تھا، اس سے معلوم ہوا کہ انھوں نے انجیل کے دوسرے احکام بھی منسوخ قرار دیئے تھے، اس کے علاوہ اب آپ کے نزدیک ان چیزوں میں سے بھی صرف حرامکاری ناجائز رہ گئی ہے،

فائدہ دینے کہا کہ اصل میں ان اشیاء کی حرمت میں ہمارے علماء کا اختلاف ہے اور ہم بتوں کی تشریفانی کو اب بھی حرام کہتے ہیں، اس پر مولانا نے فرمایا کہ آپ کے مقدس پوتس نے رومیوں کے نام خط کے باب ۱۴ میں لکھا ہے کہ،

”مجھے یقین ہے کہ کوئی چیز بذاتہ حرام نہیں، لیکن جو اس کو حرام سمجھتا ہے اس کے لئے حرام ہے۔“

اور ططس کے نام خط کے باب اول آیت ۱۵ میں بھی اس قسم کی عبارت ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام چیزیں حلال ہیں، پھر آپ انھیں حرام کیوں کہتے ہیں! فائدہ دینے زچ ہو کر کہا کہ انہی آیات کی بناء پر ہمارے بعض علماء نے ان چیزوں کو حلال کہا ہے،

اس کے بعد مولانا رحمۃ اللہ اور ڈاکٹر وزیر خاں مرحوم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کلام سے نسخ کی کچھ اور مثالیں پیش کیں، آخر میں فائدہ دینے نے یہ تسلیم کر لیا کہ انجیل کے احکام

کا منسور ہونا ممکن ہے، البتہ نسخ کے وقوع کو تسلیم نہ کیا، مولاناؒ نے فرمایا کہ فی الحال ہم آپ یہی چاہتے تھے کہ آپ نسخ کے امکان کو تسلیم کر لیں، رہا اس کا وقوع، سو اس کا اثبات انشاء اللہ اُس وقت ہو جائے گا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی بحث آئے گی،

فائدہ دے کر کہا: ٹھیک ہے اب آپ دوسرے مسئلہ یعنی تحریف کو لے لیجئے، تحریف کی بحث شروع ہوئی تو سب سے پہلے مولاناؒ نے فائدہ دے کر پوچھا کہ آپ پہلے یہ بتائیے کہ میں کونسی قسم کی تحریف کے شواہد پیش کروں کہ آپ اُسے تسلیم کر سکیں؟ فائدہ دے کر اس کا کوئی واضح جواب نہ دیا، تو مولاناؒ نے پوچھا: یہ بتائیے کہ بائبل کی کتابوں کے بارے میں آپ کا کیا اعتقاد ہے؟ کیا کتاب پیدائش سے لیکر کتاب مکاشفہ تک ان کا ہر فقرہ اور ہر لفظ الہامی اور اللہ کا کلام ہے؟ فائدہ دے کر کہا: نہیں! ہم ہر لفظ کے بارے میں کچھ نہیں کہتے، کیونکہ ہمیں بعض مقامات پر کاتب کی غلطی کا اعتراض ہے۔

مولاناؒ نے فرمایا: میں اس وقت کاتب کی غلطیوں سے صرف نظر کر کے ان کے علاوہ دوسرے جملوں اور الفاظ کے بارے میں پوچھنا چاہتا ہوں؟ فائدہ دے کر کہا: میں ایک ایک لفظ کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اس پر مولاناؒ نے کہا کہ: مورخ یوحناؒ نے اپنی تاریخ کی چوتھی کتاب کے اٹھارہویں باب میں لکھا ہے کہ جسٹس شہید نے طریقہ یونانی کے مقابلے میں بعض بشارتوں کی عبارتیں نقل کر کے یہ دعویٰ کیا تھا کہ یہودیوں نے بائبل کے عہد نامہ قدیم سے یہ بشارتیں ساقط کر دی تھیں۔

یہ کہہ کر مولاناؒ نے والٹسن ج ۳، ص ۳۲ اور تفسیر ہورن ج ۴ ص ۶۲ کے حوالے بھی دکھائے کہ اس میں بھی جسٹس کا یہ دعویٰ مذکور ہے، اور آئرینوس، کریسپ، سلپریچس، وائی ٹیکر اور کلارک نے بھی جسٹس کی تصدیق کی ہے، اس کے بعد مولاناؒ نے فرمایا:

اب بتائیے کہ جسٹن نے جو یہ بشارتیں ذکر کی تھیں اور ان کے کلامِ الہی ہونے کا دعویٰ کر کے یہودیوں پر انھیں مٹانے کا الزام لگایا تھا، اس معاملے میں وہ سچا تھا یا جھوٹا؟ اگر سچا تھا تو ہمارا دعویٰ ثابت ہو گیا، کہ یہودیوں نے تحریف کی ہے، اور اگر جھوٹا تھا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جسٹن جو آپ کا اتنا بڑا عالم ہے، اپنی طرف سے چند جملے گھڑ کر انھیں خدا کا کلام ثابت کر رہا تھا۔

اس پر فائڈر نے کہا کہ: ”جسٹن ایک انسان تھا، اس سے بھول ہو گئی۔“
 مولاناؒ نے فرمایا: ”ہنری واسکاٹ کی تفسیر کی جلد اول میں تصریح ہے کہ آگسٹائن بھی یہودیوں کو یہ الزام دیا کرتا تھا کہ انھوں نے اکابر کی عمروں میں تحریف کی، اور اس طرح عبرانی نسخے کو بگاڑ دیا، اس کے علاوہ تمام متقدمین اس معاملے میں آگسٹائن کے ہم نوا تھے، اور مانتے تھے کہ یہ تحریف مسیح میں واقع ہوئی تھی۔“
 فائڈر نے جواب دیا: ”ہنری اور واسکاٹ کے لکھنے سے کیا ہوتا ہے؟ یہ دونوں مفسر تھے، اور ان کے علاوہ سینکڑوں نے تفسیریں لکھی ہیں۔“
 مولاناؒ نے فرمایا: ”مگر یہ دونوں اپنی رائے نہیں لکھ رہے، بلکہ جمہور علماء متقدمین کا مذہب بیان کر رہے ہیں۔“

فائڈر نے کہا: ”یسوع مسیح نے انجیل یوحنا ۵: ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰،

فانڈرنے کہا: ”اس معاملے میں ہم پہلی کی بات نہیں مانتے۔“
 مولانا نے فرمایا: ”اگر آپ پہلی کی بات نہیں مانتے تو ہم آپ کی بات نہیں مانتے،
 ہمارے نزدیک پہلی کا کہنا درست ہے۔“
 تھوڑی سی بحث دیکھنے کے بعد فانڈرنے کہا:
 ”میں نے تو رات کی اصلیت کے لئے انجیل سے استدلال کیا ہے، اگر آپ انجیل کو
 درست نہیں سمجھتے تو انجیل کی تحریف ثابت کیجئے۔“
 ڈاکٹر وزیر خان نے کہا:

”اگرچہ آپ کی یہ بات اصول کے خلاف ہے، کہ آپ انجیل سے استدلال کریں، تاہم
 اگر آپ انجیل کی تحریف کے دلائل سننا چاہتے ہیں تو سنئے۔“
 یہ کہہ کر ڈاکٹر صاحب نے انجیل اٹھائی، اور انجیل متی ۱: ۱، پڑھنی شروع کی، جس
 میں حضرت مسیح علیہ السلام کے نسب نامے کے سلسلے میں کئی فحش غلطیاں ہیں،
 فانڈرنے یہ سن کر کہا: ”غلطی اور چیز ہے اور تحریف دوسری چیز۔“
 ڈاکٹر صاحب نے کہا: ”اگر انجیل پوری الہامی ہے تو اس میں غلطی کی کوئی گنجائش
 نہ ہونی چاہئے، لہذا اگر اس میں کوئی غلطی پائی جاتی ہے تو لازماً وہ تحریف کا نتیجہ ہوگی۔“
 فانڈرنے کہا: ”تحریف صرف اس وقت ثابت ہو سکتی ہے کہ آپ کوئی ایسی عبارت
 دکھلائیں کہ جو پرانے نسخوں میں نہ ہوں، اور موجودہ نسخوں میں موجود ہو۔“
 اس پر ڈاکٹر صاحب نے یوحنا کے پہلے خطاب آیت ۷ کا حوالہ دیا:

۱۔ ان آیات کی عبارت عربی ترجمہ مطبوعہ کیمبرج یونیورسٹی پریس ۱۹۵۷ء، کیتھولک بائبل ٹرانس لٹریچر
 مطبوعہ میکملن لندن ۱۹۶۲ء وکنگس جیس درژن مطبوعہ بائبل سوسائٹی نیویارک ۱۹۵۷ء میں اس طرح ہے:
 ”آسمان میں گواہ تین ہیں، باپ، کلمہ اور روح القدس، اور یہ تین ایک ہیں، اور زمین کے
 گواہ تین ہیں، روح، پانی اور خون، اور تینوں متفق ہیں۔“

اس میں خط کشیدہ عبارت تمام علماء پرولٹنٹ کے نزدیک الحاقی ہے، یعنی کسی نے اپنی طرف سے طبعاً حادی ہے،
 کر تیباخ اور شوٹز اس کے محقق ہونے پر متفق ہیں اور ہورن نے اسے کاٹ ڈالنے کا مشورہ دیا ہے، چنانچہ
 اردو ترجمہ بائبل مطبوعہ بائبل سوسائٹی لاہور ۱۹۵۷ء اور جدید انگریزی ترجمہ مطبوعہ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس
 ۱۹۷۷ء میں یہ جملہ ساقط کر دیا گیا ہے، نقل

فائدہ سے کہا: ہاں! اس جگہ تحریف ہوئی ہے، اور اسی طرح دوسرے ایک دو مقامات پر بھی۔

دیوانی عدالت کا صدر جج اسمتھ جو پادری فریچ کے برابر میں بیٹھا تھا، جب اس نے یہ سنا تو اس نے پادری فریچ سے انگریزی میں پوچھا:

”یہ کیا بات ہے؟“

فریچ نے جواب دیا:

”ان لوگوں نے ہورن وغیرہ کی کتابوں سے چھ سات مقامات نکالے ہیں جن میں

تحریف کا اقرار موجود ہے۔“

اس کے بعد فریچ نے ڈاکٹر وزیر خان صاحب سے کہا:

”پادری فائڈر بھی اعتراف کرتے ہیں کہ سات آٹھ مقامات پر تحریف

ہوئی ہے۔“

اس پر بعض مسلمانوں نے ”مطلع الاخبار“ کے مہتمم سے کہا کہ آپ کل کے اخبار میں

پادری صاحب کا یہ اعتراف شائع کر دیں، تو فائڈر بولا:

”ہاں! شائع کر دیں، مگر اس قسم کی معمولی تحریفات سے بائبل کو کوئی نقصان نہیں

پہونچتا، خود مسلمان انصاف کے ساتھ اس کا فیصلہ کر لیں۔“

یہ کہہ کر وہ مفتی ریاض الدین صاحب کی طرف دیکھنے لگا، تو مفتی صاحب نے فرمایا:

”اگر کسی دہشتے میں ایک جگہ جعل ثابت ہو جائے تو وہ قابل اعتماد نہیں رہتا، اور

آپ تو سات آٹھ جگہ تحریف کا اعتراف کر رہے ہیں، اس بات کو جج صاحبان اچھی طرح

سمجھیں گے۔“

یہ کہہ کر مفتی صاحب نے سول جج اسمتھ کی طرف دیکھا، مگر اسمتھ خاموش رہا، تو مفتی صاحب

نے فرمایا:

”دیکھئے! مسلمانوں کا دعویٰ یہی تو ہے کہ بائبل کو یقینی طور پر اللہ کا کلام نہیں کہا

جاسکتا، اور آپ کے اعتراف سے بھی یہی بات ثابت ہوئی ہے۔“

اس پر فائدہ کرنے کہا: "اجلاس کا وقت آدھا گھنٹہ زائد ہو چکا ہے باقی بحث کل ہوگی،" مولانا رحمت اللہ صاحب نے فرمایا:

"آپ نے آٹھ جگہ تحریف کا اعتراف کیا ہے، ہم کل انشاء اللہ پچاس ساٹھ مقامات پر تحریف ثابت کریں گے، لیکن تین باتوں کا خیال رکھئے، ایک تو یہ کہ ہم آپ سے بائبل کے بعض صحیفوں کی سند متصل کا مطالبہ کریں گے، وہ آپ کو بیان کرنی ہوگی، دوسرے ہم جن پچاس ساٹھ مقامات پر تحریف ثابت کریں گے، آپ کے ذمے لازم ہوگا کہ یا ان کی تحریف کو تسلیم کریں، یا اس میں کوئی تاویل کریں، تیسرے جب تک ان مقامات کی تحریف کی بحث ختم نہ ہو جائے، آپ بائبل کی کسی عبارت سے استدلال نہیں کریں گے۔"

فائدہ کرنے کہا: "ہمیں یہ شرطیں منظور ہیں، مگر شرط یہ ہے کہ آپ بھی بتلائیں کہ آپ کے نبی کے زمانے میں انجیل کونسی تھی؟"

مولانا نے فرمایا: "یہ شرط منظور ہے، ہم انشاء اللہ کل یہ بتادیں گے۔"

ڈاکٹر وزیر خان بوسے: "اگر آپ فرمائیں تو یہ بات مولانا ابھی بتادیں؟"

فائدہ کرنے کہا: "نہیں، اب دیر ہو گئی ہے، نکل ہی نہیں گئے۔"

اس پر پہلے دن کی نشست برخاست ہو گئی،

مناظرے کا دوسرا دن | پہلے دن کے مناظرے کی شہرت دُور دُور تک پھیل چکی تھی، اس لئے دوسرے دن ماضی کی تعداد ایک ہزار سے زائد تھی، انگریز حکام، عیسائی، ہندو، سکھ، اور مسلمان عوام بھی کافی تعداد میں آئے تھے، اُس دن کی بحث میں سب سے پہلے فائدہ کرنے ایک ایلیل تقریر میں قرآن کریم کی بعض آیات سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے تک انجیل اپنی اصلی شکل میں محفوظ تھی، اور مسترآن نے اسی پر ایمان لانے کی دعوت دی ہے، لیکن مولانا رحمت اللہ صاحب کیرالوی اور ڈاکٹر وزیر خان صاحب مرحوم نے نہایت معقول اور مدلل جوابات دے کر ان کے تمام دلائل پر پانی پھیر دیا، اور اس کے بعد پہلے دن کی طرح بائبل کے بہت سے مقامات پر تحریف ثابت کی، بالآخر فائدہ رادر فریچ نے کہا کہ یہ تمام

غلطیاں کاتب کاہو ہیں، اور ہم اسے تسلیم کرتے ہیں، لیکن ان غلطیوں سے ”متن“ کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

حاضرین نے پوچھا: ”متن“ سے آپ کا کیا مطلب ہے؟
فائدہ کرنے کہا: ”وہ عبارتیں جن میں تثلیث، الوہیت مسیح، کفارہ، اور شفاعت کا بیان ہے۔“

مولانا نے فرمایا، یہ بات ناقابلِ فہم ہے کہ جب اتنے سارے مقامات پر آپ تحریف کا اعتراف کر چکے ہیں، تو اب اس کی آپ کے پاس کیا دلیل ہو کہ بقول آپ کے ”متن“ ان تحریفات سے محفوظ رہا ہے؟

فائدہ کرنے کہا، اس لئے کہ خاص ان عبارتوں کے محض ہونے پر کوئی دلیل ہونی چاہئے، اور وہ صرف اُس وقت ثابت ہو سکتی ہے کہ آپ کوئی قدیم نسخہ دکھلائیں جس میں تثلیث وغیرہ کا عقیدہ مذکور نہ ہو؟

مولانا نے فرمایا: ”آپ نے جن تحریفات کا اعتراف کیا ہے اُن سے یہ پوری کتنا مشکوک ہو چکی، اب اگر کسی عبارت کے بارے میں آپ کا دعویٰ یہ ہے کہ یہ یقیناً اللہ کا کلام ہے، تو اسے اللہ کا کلام ثابت کرنے کی دلیل آپ کے ذمہ ہے،

فریخ نے کہا: آپ نے بائبل کے جن مفسرین کے حوالہ سے تحریف ثابت کی ہے، وہی مفسرین یہ کہتے ہیں کہ تثلیث وغیرہ کے عقائد تحریف سے محفوظ رہے ہیں،

مولانا نے فائدہ کرنے سے مخاطب ہو کر فرمایا: ”آپ نے ابھی تفسیر کشاف اور تفسیر بیضاوی کے حوالے دیئے تھے نا؟“

فائدہ کرنے کہا: ”جی ہاں!“

مولانا نے فرمایا: ”ابھی مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ انجیل میں تحریف ہوئی ہے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، اور آپ کے منکر کا فرہیں، کیا اُن کی یہ باتیں بھی آپ مانتے ہیں؟“

فائدہ کرنے کہا: ”نہیں!“

مولاناؒ نے فرمایا: ”اسی طرح ہم آپ کے علماء کی یہ بات تسلیم نہیں کرتے کہ بائبل میں اتنی ساری تحریفات کے باوجود عقیدہ تثلیث وغیرہ تحریف سے یقینی طور پر محفوظ ہے، اصل بات یہ ہو کہ ہم نے آپ کے علماء کے اقوال الزامی طور سے نقل کئے تھے، اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہوتا کہ ہم ان کی ہر بات تسلیم کرتے ہیں۔“

فائدہ دینے کہا: ”بہر حال، عقیدہ تثلیث وغیرہ میں تحریف نہیں ہوئی، اور اس میں کوئی نقص واقع نہیں ہوا، اس لئے جب تک آپ اس بات کو نہیں مانیں گے میں آگے بحث نہیں کروں گا، کیونکہ تثلیث کے عقیدے میں ہم بائبل ہی سے استدلال کرتے ہیں۔“

حاضرین میں سے مولانا فیض احمد نے کہا: ”یہ عجیب بات ہے کہ آپ ایک کتاب کے اتنے بڑے حصے میں تحریف کا اقرار کرتے ہیں اس کے باوجود آپ کو اس پر بھی اصرار ہے کہ اُسے بے نقص مانا جائے۔“

اس پر بحث ختم ہو گئی، اور فائدہ تیسرے دن مناظرے کے لئے نہیں آیا، اس کے بعد پہلے ڈاکٹر وزیر خاں صاحب مرحوم اور اس کے بعد حضرت مولاناؒ سے اپریل ۱۹۵۷ء تک اس کی کافی طویل خط و کتابت رہی، مگر زبانی مناظرے کی طرح قلبی بحث میں بھی وہ اپنی ہٹ دھرمی پر جما رہا، اور ان حضرات کے اتمامِ بحث کر دینے کے باوجود اپنی ضد پر قائم رہا، یہ تحریری بحث بھی مناظرے کی مطبوعہ روداد میں موجود ہے، جو ”مباحثہ مذہبی“ اور ”مراسلات مذہبی“ کے نام سے سید عبداللہ صاحب اکبر آبادی نے ملشی محمد امیر صاحب کے اہتمام سے مطبوعہ ”منعمیہ اکبر آباد“ ۱۳۸۷ھ میں چھپوایا، پہلا حصہ فارسی میں تعتریری مناظرے کی روداد ہے، اور دوسرے حصے میں ڈاکٹر محمد وزیر خاں صاحب مرحوم اور

پادری فائزر کا تحریری مناظرہ اردو میں ہے، اور اس کا عربی ترجمہ اظہار الحق کے بہت سے نسخوں میں
حاشیہ پر چھپا ہوا ہے،

اس مناظرے کی عالمگیر شہرت کا اندازہ اس بات سے لگائیے کہ مکہ مکرمہ کے شیخ رفاعی
خولی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

”میں نے اس مناظرے کا حال مکہ معظمہ میں اُن بے شمار لوگوں سے سنا،

جو اُس مناظرے کے بعد حج کے لئے آئے، یہاں تک کہ یہ بات تواتر

معنوی کی حد تک پہنچ گئی کہ پادری فائزر اس میں مغلوب ہوا تھا۔“

مناظرے کے بعد تین سال تک مولانا تصنیف و تالیف میں مشغول
جہاد ۱۸۵۷ء ہے، بالآخر ۱۸۵۷ء میں سلطنت مغلیہ کا ٹٹھانا ہوا چراغ گل ہو گیا اور

ہندوستان پر انگریزی اقتدار نے اپنے پاؤں پوری طرح جمائے، اُس زمانے کے علماء کی
ایک خدامت جماعت اپنے فرائض سے غافل نہ تھی، جہاد فی سبیل اللہ کے عظیم مقصد
کے لئے یہ جماعت میدان میں آئی، اور اپنی بساط و ہمت کے مطابق خدمتِ دین کا حق ادا کیا۔

۱۸۵۷ء کا جہاد آزادی در حقیقت کسی باضابطہ اسکیم یا لائحہ عمل کے تحت پیش
نہیں آیا تھا، بلکہ واقعہ یہ تھا کہ ۱۸۵۷ء میں پلاسی کی جنگ کے بعد جب انگریزوں نے
ہندوستان پر باضابطہ حکومت کا فیصلہ کر لیا تو اس کے بعد سو سال تک ہندوستانی
باشندوں میں اس حکومت کے خلاف نفرت اور بیزاری کے غیر معمولی جذبات پروان
چڑھتے رہے، اور انگریزوں نے ہندوستانی باشندوں کی شجاعت کے پیش نظر انھیں اپنی
فوج میں اکثریت دیدی، نفرت و بیزاری کی انتہا، ان فوجیوں کی بغاوت پر ہوئی، جب

۱۷ البعث الشریع علی ما مش اظہار الحق، ص ۵ ج اول، مطبوعہ مستقبل،

۱۸ ۱۸۵۷ء کے جہاد آزادی کے اس پہلو پر حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی فاضلانہ

تصنیف سوانح قاسمی میں تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ کامدو ج ۱ ص ۷۷ اس جہاد میں جس طرح حصہ لیا اس

کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو سوانح قاسمی ص ۷۹ تا ۲۰۸ ج ۲، ت

فوج باغی ہو گئی تو ملک کے عام باشندے جو سو سال سے انگریزی حکومت سے تنگ آ رہے تھے، اُن کے سامنے بھی ایک نجات کی صورت آ گئی، چنانچہ ملک کے مختلف حصوں میں مختلف جتے اور جماعتیں بنیں، اور ہر علاقے میں اس جہاد کا ایک امیر منتخب ہوا، تو ایخ سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اُن امرار کا آپس میں کوئی رابطہ تھا یا نہیں؟

چنانچہ تھانہ بھون اور کیرانہ کا ایک محاذ قائم کیا گیا، مجاہدین کی جماعت مراغت اور مقابلہ کرتی رہی، تھانہ بھون میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مباحبر مکتی امیر، حضرت حافظ ضامن شہید امیر جہاد، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سپہ سالار اور حضرت مولانا محمد منیر صاحبؒ مولانا نانوتویؒ کے یاد جری اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ وزیرِ اعلیٰ قرار پائے، اپنی حضرات نے شاملی میں انگریزی فوج کی ایک گڑھی پر حملہ کر کے تحصیل شاملی کو فتح کر لیا،

دوسری طرف کیرانہ اور اس کے گرد و نواح میں حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ امیر، اور چودھری عظیم الدین صاحب مرحوم سپہ سالار تھے، اُس زمانے میں عصر کی نماز کے بعد مجاہدین کی تنظیم و تربیت کے لئے کیرانہ کی جامع مسجد کی سیڑھیوں پر نقارہ بجایا جاتا، اور اعلان ہوتا کہ:

”ملک خدا کا اور حکم مولوی رحمت اللہ کا“

اس دور کی تواریخ و میرے ہیں یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ شاملی کی جنگ میں حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ فی الواقع شامل تھے یا نہیں، لیکن آپ کے سوانح نگاروں نے اتنا ضرور لکھا ہے کہ انگریزوں نے آپ پر بھی تحصیل شاملی پر حملہ کرنے کا الزام لگایا تھا، اور اس کی وجہ بعض ابن الوقت لوگوں کی مخبری تھی، اسی کے نتیجے میں آپ کے نام حکومت

۱۔ سوانح قاسمی، ص ۱۲۷ ج ۲، مطبوعہ دیوبند ۱۳۴۳ھ

۲۔ چودھری صاحب مرحوم انقلاب کے بعد حضرت مولانا رحمت اللہؒ کے پاس مکہ معظمہ آ گئے تھے وہیں وفات پائی (ایک مجاہد معمار، ص ۲۹)

نے گرفتاری کا وارنٹ جاری کر دیا، مجھ نے اطلاع دی تھی کہ مولانا کیرانہ کے محلے دربار میں موجود ہیں اس لئے مولانا کو گرفتار کرنے کے لئے انگریز فوج نے کیرانہ کے محلے دربار کا محاصرہ کر لیا، اسی محلے کے دروازے کے سامنے اس نے توپ خانہ نصب کیا، اور محلے کی تلاشی یعنی شروع کر دی، عورتوں اور بچوں کو فرداً فرداً دربار سے باہر نکالا گیا، مولانا بذاتِ خود پورے مجاہدانہ عزم اور حوصلے کے ساتھ گرفتاری کے لئے تیار تھے، لیکن آپ کے بعض بزرگوں نے دپوش ہو جانے پر اصرار کیا، کیرانہ کے قریب پنجپٹھ کے نام سے ایک چھوٹا سا گاؤں ہے، جس میں مسلمان گوجروں کی ایک بڑی تعداد آباد تھی، یہاں کے بہت سے مسلمان مولانا کی جماعت مجاہدین میں شامل تھے، انھوں نے پیشکش کی کہ آپ پنجپٹھ تشریف لے چلیں،

چنانچہ اُن لوگوں کے اصرار پر آپ وہاں تشریف لے گئے، گاؤں کا مکھیا ایک مخلص مسلمان تھا، اُس کی جاں نثاری پر صد آفریں کہ اُس نے اُس وقت آپ کی حفاظت کی جب کسی ”باغی“ کو پناہ دینا موت کو دعوت دینے کے مرادف تھا،

مولانا پنجپٹھ میں رہتے ہوئے کیرانہ کے حالات معلوم کرنے اور لوگوں کو تسلی دینے کے لئے چرداہوں کے بھیس میں خود بھی کیرانہ آتے جاتے تھے، اور دوسرے لوگ بھی آپ کو اہم واقعات کی خبریں پہنچا دیتے تھے،

ہجرت ایک دن انگریزی فوج کو کسی طرح یہ اطلاع مل گئی کہ مولانا پنجپٹھ گاؤں میں مقیم ہیں، چنانچہ انگریزی فوج کا ایک شہسوار دستہ مولانا کو گرفتار کرنے کے لئے پنجپٹھ روانہ ہوا، گاؤں کے مکھیا کو جب اس کا علم ہوا تو اس نے جماعت کو منتشر کر دیا، اور مولانا سے گزارش کی کہ کھرپالے کر کھیت میں گھاس کاٹنے چلے جائیں، مولانا تشریف لے گئے، اور گھاس کاٹنی شروع کر دی، انگریزی فوج اسی کھیت کی پگڈنڈی سے گذری، مولانا خود فرماتے تھے:

”میں گھاس کاٹ رہا تھا، اور گھوڑوں کی ٹاپوں سے جو کنکریاں اڑتی تھیں،

میرے جسم پر لگ رہی تھیں، اور میں اُن کو اپنے پاس سے گذرتا ہوا دیکھ رہا تھا“

فوج نے گاؤں کا محاصرہ کیا، مکھیا کو گرفتار کر لیا گیا، پورے گاؤں کی تلاشی ہوئی، مگر

مولانا کا پتہ نہ چلا، مجبوراً یہ فوجی دستہ کیرانہ واپس ہوا، مولانا کی روپوشی کی وجہ سے انگریزوں نے حالات پر قابو نہ لیا تھا، مولانا پر فوجداری کا مقدمہ دائر کیا گیا، وارنٹ جاری ہوا، اور آپ کو "مفرور باغی" قرار دے کر گرفتاری کے لئے ایک ہزار روپیہ انعام کا اعلان ہوا، ہجرت کی سنت پر عمل قسمت میں لکھا تھا، مولانا نے یہ حالات دیکھ کر ہجرتِ حجاز کا عزم فرمایا، حجاز پہنچنا اس وقت کوئی ہنسی کھیل نہ تھا، لیکن مولانا کی اولوالعزمیٰ جرات و حوصلہ مندی اور مجاہدانہ جفاکشی نے تمام مراحل سر کر دیئے، مولانا نے اپنا نام بدل کر "مصلح الدین" رکھا، اور پیدل دہلی روانہ ہوئے، ایک ایسے وقت میں جبکہ معمولی شبہات پر مسلمانوں کے لئے دار کے تختے تلکے ہوئے تھے، آگ اور خون کے اس دریا کو عبور کرنا کوئی آسان کام نہ تھا، مگر مولانا نے دہلی سے سورت تک بھی پیدل سفر کرنے کا ارادہ کر ہی لیا، چنانچہ چشمِ فلک نے یہ نظارہ بھی دیکھ لیا کہ وہ مولانا رحمت اللہ جو ہمیشہ ناز و نعم اور عیش و آرام میں پلے تھے، جے پور اور جودھپور کے وحشت خیز ریگستانوں اور مہیب اور خطرناک راستوں کو نہایت مجاہدانہ عزم و استقامت اور صبر و استقلال کے ساتھ قطع کرتے ہوئے سورت پہنچ گئے،

لیکن سورت کی بندرگاہ سے جہاز کا سفر آسان نہ تھا، اس وقت بادبانی جہاز چلا کرتے تھے، سال بھر میں صرف ایک جہاز ہوا کی موافقت کے زمانے میں سورت سے جدہ جایا کرتا تھا، ایک خط کا محصول چار روپے تھا، جو لوگ ہجرت کے ارادے سے ترکِ وطن کرتے وہ ساتھ ہی دنیوی تعلقات اور باہمی رشتوں کو زندگی ہی میں ختم کر دیتے تھے، غرض چند در چند آلام و مصائب کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتا ہوا یہ مجاہد فی سبیل اللہ اپنی جان پر کھیل کر اس مقدس سرزمین میں پہنچ گیا جسے قدرت کی طرف سے "مَنْ دَخَلَهُ كَانَ اٰمِناً" کا شرف عطا ہوا ہے،

جائد کی ضبطی | ادھر مولانا حجاز روانہ ہوئے، اور ادھر آپ پر غائبانہ فوجداری مقدمہ چلا کر حکومت نے آپ کی اور آپ کے خاندان کی ساری جائیداد ضبط کی، اور اس کا نیلام کر دیا، یہ فیصلہ ڈپٹی کمشنر کرناٹ کی طرف سے ۳۰ جنوری ۱۹۶۲ء کو

کیا گیا، سرکاری کاغذات میں اس نیلام کا عنوان اس طرح درج کیا گیا ہے :
 * انڈیکس مشمولہ مثل فوجداری مقدمہ عرضی کمال الدین ساکن کیراٹہ
 حال پانی پت مولوی رحمت اللہ باغی *

اس طرح مندرجہ ذیل جائیدادیں نیلام ہوئیں :

(۱) سرائے کھجور، جس کی قیمت سرکاری طور پر پانچ سو روپے تھی،

(۲) سرائے چوڑھے، " " " " " " " "

(۳) سرائے معروف شیخ فضل الہی،

(۴) سرائے قعتاباں،

(۵) سرائے لوآباد،

(۶) سرائے مالیان،

یہ سب سرائیں اور وسیع قطعات زمین اور مکانات ۱۴۲۰ روپے میں نیلام ہوئے، جن کی اصل قیمت لاکھوں روپے تھی، مزروعہ علاقے جو بحق سرکار ضبط ہوئے اس کے علاوہ ہیں،

بیت اللہ میں | حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ مولانا سے پہلے ہی ہجرت فرما کر مکہ معظمہ پہنچ چکے تھے، اور باب الامر سے متصل رباط داؤدیہ کے ایک حجرے میں مقیم تھے، صبح صادق کے قریب حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ مکہ مکرمہ پہنچے، مطاف میں حضرت حاجی صاحب سے ملاقات ہوئی، طواف قدوم اور سعی میں حضرت حاجی صاحب ساتھ رہے، اس کے بعد دونوں رباط داؤدیہ میں آگئے، اس زمانے میں سلطان عبدالعزیز خان خلافت عثمانیہ کے خلیفہ تھے، اور عبداللہ بن عون بن محمد شریف مکہ شیخ العلماء حضرت سید احمد دحلانؒ مسجد حرام میں درس دیا کرتے تھے، اور شریف مکہ ان کا بڑا احترام کرتا تھا، مولانا

رحمت اللہ صاحب اکثر شیخ العلماء کے درس میں بیٹھ جاتے، شیخ العلماء شافعی المذہب تھے اس نے ایک روز دوران تقریر کسی مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے اپنے مذہب کی ترجیح کے ساتھ حنفیہ کے دلائل کو کم زور قرار دیا، درس ختم ہونے کے بعد حضرت مولانا نے شیخ سید احمد دحلان سے پہلی بار ملاقات کی، اور اس مسئلہ کے بارے میں طالب علمانہ انداز سے اپنی تشنی چاہی، تھوڑی دیر کے سوال و جواب اور علمی گفتگو سے شیخ العلماء کو انداز ہو گیا کہ یہ شخص طالب علم نہیں، اس پر انھوں نے مولانا سے حقیقت حال دریافت کی، مولانا نے اختصار کے ساتھ کچھ حالات بیان فرمائے، دوسرے دن شیخ نے مولانا کو اپنے گھر پر مدعو کیا، آپ اپنے رفیق عزیز حضرت حاجی صاحب کے ساتھ شیخ کی دعوت میں شریک ہوئے، اسی مجلس میں انقلاب ششہ کے تمام حالات اور خاص طور سے نصاریٰ کی تبلیغی سرگرمیوں اور ان کی تردید میں مسلمانوں کی عظیم الشان کامیابیوں کا ذکر آ گیا، شیخ نے اس پر بجد مسرت کا اظہار فرمایا، اور حضرت مولانا سے دیر تک بغلگیر ہوئے، اسی مجلس میں انھوں نے آپ کو مسجد حرام میں درس کی باقاعدہ اجازت دی، اور علماء نے مسجد حرام کے دفتر میں آپ کا نام درج کرادیا، مولانا شیخ دحلان سے بہت متاثر تھے، اظہار الحق کے مقدمہ میں آپ نے ان کا ذکر نہایت عقیدت و محبت کے ساتھ کیا ہے،

۱۸۵۷ء کے بعد پادری فائزر جرمنی، سویٹزر لینڈ اور انگلستان میں رہا، اس کے بعد لندن کی چرچ مشنری

قُسطنطنیہ کا پہلا سفر

سوسائٹی نے اسے قسطنطنیہ بھیج دیا، تاکہ وہاں کام کرے، وہاں اس نے سلطان عبدالعزیز خاں مرحوم سے بیان کیا، کہ ہندوستان میں میرا ایک مسلمان عالم سے مذہبی مناظرہ ہوا تھا، جس میں عیسائیت کو فتح اور اسلام کو شکست ہوئی، سلطان عبدالعزیز خاں مرحوم کو دینی معاملات سے کافی شغف تھا، انھوں نے تحقیق حال کے لئے شریف مکہ عبداللہ پاشا کے نام فرمان جاری کیا کہ: ”جج کے زمانے میں ہندوستان سے جو باخبر حضرات آئیں ان سے پادری فائزر کے مناظرے اور انقلاب ششہ کے خاص حالات معلوم کر کے باپ خلافت کو مطلع کیا جائے“

شریف مکہ کو اس مناظرے کی پوری کیفیت شیخ العلماء سید احمد دحلانؒ سے معلوم ہو چکی تھی چنانچہ انھوں نے فوراً خلیفہ کو جواب میں مناظرے کی مختصر کیفیت کے ساتھ اطلاع دی کہ وہ عالم جن سے ہندوستان میں یہ مناظرہ ہوا تھا مکہ مکرمہ میں موجود ہیں، سلطانؒ کو جب یہ معلوم ہوا تو انھوں نے حضرت مولاناؒ کو قسطنطنیہ طلب کر لیا، چنانچہ سنہ ۱۲۸۷ھ مطابق ۱۸۶۲ء میں آپ شاہی مہمان کی حیثیت سے قسطنطنیہ پہنچے،

پادری فائڈر کو جب یہ معلوم ہوا کہ مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ قسطنطنیہ آرہے ہیں تو وہ قسطنطنیہ چھوڑ کر چلا گیا، سلطانؒ نے مولاناؒ کی تشریف آوری پر ایک مجلس علماء منعقد کی، جس میں وزراء سلطنت کے علاوہ اہل علم حضرات کو مدعو کیا گیا، اور حضرت مولاناؒ سے ہندوستان میں مذہب عیسوی کی شکست اور انقلابِ ششہ کے حالات سنے، دولت عثمانیہ میں اس فتنہ و فساد کو روکنے کے لئے حکومت نے مشنریوں پر مختلف قسم کی پابندیاں لگائیں، اور سخت احکام جاری کئے،

اکثر نماز عشاء کے بعد سلطانؒ پوری توجہ اور اشتیاق کے ساتھ حضرت مولاناؒ کو بلا تے خیر الدین پاشا تونسہ صدر عظم اور شیخ الاسلام وغیرہ بھی شریک مجلس ہوتے، سلطانؒ نے حضرت مولاناؒ کی جلیل القدر دینی خدمات کی قدر افزائی کی، اور خلعتِ فاخرہ کے ساتھ تمغہ مجیدی درجہ دوم عطا کیا، اور مولاناؒ کے لئے گراں قدر ماہانہ وظیفہ مقرر کیا،

سلطان عبدالعزیز خانؒ اور صدر عظم خیر الدین پاشا کی خواہش تھی کہ مولاناؒ عربی زبان میں ایک کتاب

انہار الحق کی تصنیف

تصنیف فرمائیں، جس میں ان پانچوں مسائل پر محققانہ بحث کی گئی ہو جو اکبر آباد کے مناظرے میں موضوع بحث بنے تھے، چنانچہ ماہِ رجب سنہ ۱۲۸۷ھ میں حضرت مولاناؒ نے ”انہار الحق“ لکھنی شروع کی، اور ذی الحجہ سنہ ۱۲۸۷ھ میں چھ ماہ کے اندر اسے مکمل کر کے سلطانؒ کی خدمت میں پیش کر دیا،

مولاناؒ نے انہار الحق کے مقدمہ میں تالیف کا سبب شیخ العلماء سید احمد دحلانؒ کے حکم کو سراہ دیا تھا، خیر الدین پاشا نے جب یہ دیکھا تو مولاناؒ سے فرمایا کہ آپ نے تو یہ

کتاب امیر المؤمنین کی خواہش پر لکھی ہی اس لئے اس میں امیر المؤمنین کا ذکر ہونا چاہئے تھا، اس کے بجائے آپ مکہ معظمہ کے شیخ العلماء کا ذکر فرمایا ہے! حضرت مولانا نے جواب میں فرمایا:

”اس خالص مذہبی خدمت میں کسی دنیادی غرض و مقصد کا کوئی شائبہ نہ آنا چاہئے، اس کے علاوہ مکہ معظمہ میں خود شیخ العلماء مجھ سے ان حالات کے قلمبند کرنے کی خواہش کر چکے تھے، اور ابتدائی مواد کی ترتیب کا کام بھی شروع کر دیا تھا، دوسری وجہ یہ ہے کہ اس کتاب کی تالیف کا اصل سبب شیخ العلماء ہیں، کسی وجہ سے اگر وہ مجھے امیر مکہ تک پہنچاتے تو میری رسائی یہاں تک نہ ہوتی اور اس خدمت کا موقع نہ ملتا“

مولانا کی بیان فرمودہ ان وجوہات کو بنظر استحسان دیکھا گیا:

قسطنطنیہ میں قیام کے دوران مختلف مذاق و خیال کے اہل علم سے مولانا کی گفتگو رہتی تھی، مغربی تعلیم کے اثرات یہاں بھی رفتہ رفتہ ذہنوں کو مادیت کی طرف لے جا رہے تھے، اس لئے مولانا نے یہیں رہتے ہوئے ”تنبیہات“ کے نام سے ایک رسالہ تحریر فرمایا جس میں اسلام کے بنیادی عقائد کو خالص عقلی دلائل سے ثابت کیا گیا ہے، یہ رسالہ اظہار الحق کے بعض نسخوں کے حاشیہ پر چھپا ہوا ہے،

مدرسہ صولتیہ کا قیام | قسطنطنیہ سے واپس تشریف لانے کے بعد حضرت مولانا نے محسوس فرمایا کہ مکہ مکرمہ میں ایک ایسے دینی مدرسے

کی شدید ضرورت ہے، جو دینی معاملات میں ٹھوس علم و بصیرت رکھنے والے علماء پیدا کرے، اُس زمانے میں اگرچہ مسجد حرام میں مختلف علماء کے درس ہوا کرتے تھے، جن کی سرپرستی خلافت عثمانیہ پوری توجہ کے ساتھ کرتی تھی، لیکن اوّل تو درس کے یہ حلقے کسی بچے تلے نظام اور ضابطے کے ماتحت نہ تھے، یہاں تک کہ کوئی نصابِ تعلیم بھی مقرر نہ تھا، دوسری تدریس کا طریقہ ایسا تھا کہ درس میں شریک ہونے والے ایک وعظ و تقریر کی طرح اس سے مستفید ہوتے تھے، طلباء میں قوتِ مطالعہ اور ذاتی استعداد پیدا کرنے کے لئے جس طرح

تدائیں کی ضرورت ہوتی ہے وہ مفقود تھا، تمام عمر میں طلباء نحو، فقہ، تفسیر اور حدیث پڑھتے تھے اور وہ بھی نامکمل طریقے سے، اس لئے مولاناؒ نے مکہ معظمہ کے ہندوستانی مہاجرین اور اہل حیرا صاحب کو اس طرف متوجہ فرمایا، اور رمضان ۱۲۹ھ میں نواب فیض احمد خاں صاحب مرحوم رئیس ضلع علی گڑھ کے رہائشی مکان کے ایک حصے میں مدرسے کی ابتداء کی، پھر ۱۲۹ھ کے موسم حج میں سلکتہ کی ایک فیاض خاتون "صولت النساء صاحبہ" حج کرنے آئیں، تو حضرت مولاناؒ کے مشورے سے انھوں نے محلہ خندریہ میں ایک جگہ خریدی، اور اس پر مدرسے کی تعمیر خود اپنی نگرانی میں کر دالی، اپنی نیک دل خاتون کے نام پر مدرسے کا نام مدرسہ عدولتیہ رکھا گیا،

اس مدرسے میں دینی علوم کی تدریس کے علاوہ حضرت مولاناؒ نے ایک صنعتی اسکول بھی قائم فرمایا، جس میں مہاجرین اور اہل عرب کے بچوں کی تعلیم و تربیت کے انتظام کے ساتھ انھیں صنعت و دستکاری کی تعلیم دی جاتی تھی، تاکہ اگر اہل حجاز اور مہاجرین کی اولاد کو ضروری ابتدائی تعلیم کے بعد مزید پڑھنے کا موقع نہ ملے تو وہ باعزت معاش چل کر سکے، یہ مدرسہ آج تک بھد اللہ مکہ مکرمہ کے "حارۃ الباب" میں قائم ہے، اور تعلیمی خدمات کے علاوہ تبلیغی جماعتوں اور حجاج و زائرین کی خدمت کا فریضہ انجام دے رہا ہو، حضرت مولانا رحمۃ اللہ صاحبؒ کے بعد آپ کے بھتیجے محمد صدیق صاحب کے صاحبزادے حضرت مولانا محمد سعید صاحبؒ اس کے ہتھم ہوئے، اور پچاس سال کے بعد اپنی زندگی کے

۱۵ مولانا محمد سعید صاحبؒ کے والد محمد صدیق صاحبؒ اہل آلہ میں سررشتہ دار تھے، ان کے مکان کے قریب ایک مشن اسکول تھا، محمد صدیق صاحب مرحوم نے اپنے ایک دوست کے مشورے سے اپنے صاحبزادے مولانا محمد سعید صاحبؒ کو اس اسکول میں داخل کرادیا، جب کہ ان کی عمر دس سال تھی، اس وقت حضرت مولانا رحمۃ اللہ صاحبؒ مکہ مکرمہ ہجرت فرما چکے تھے، جب آپ کو اس کا علم ہوا تو بے حد بخبیہ ہوئے، کہ اسلام کے جن دشمنوں سے لڑتے ہوئے میری ساری عمر گزری، آج میرے ہی خاندان کا ایک بچہ ان سے تعلق جوڑے ہوئے ہے، چنانچہ آپ نے اپنے خاندان کے (باقی صفحہ آئندہ)

آخری ایام میں یہ ذمہ داری اپنے قابل فخر فرزند حضرت مولانا محمد سلیم صاحب مدظلہم کو سونپ دی، جو بحمد اللہ آج تک اسے بحسن و خوبی انجام دے رہے ہیں، اٹال اللہ تعالیٰ بقاء وہ

۱۲۹۹ھ میں دولت عثمانیہ نے عثمان نوری پاشا کو **قسطنطنیہ کا دوسرا سفر** حجاز کا گورنر نامزد کیا، انھوں نے نہ جانے کس غلط فہمی

کی بنا پر مدرسہ صولتیہ کو ایک اجنبی ملک کی تحریک سمجھا، اور اس سے بدظن ہو گئے، بالآخر معاملہ قسطنطنیہ تک پہنچا، اس وقت سلطان عبد المجید خاں مرحوم کی خلافت قائم تھی، انھوں نے مولانا کو طلب فرمایا، چنانچہ مولانا دوسری بار قسطنطنیہ تشریف لے گئے، اس سفر میں حضرت مولانا کے بھتیجے مولانا ہدرا لا سلام صاحب بھی ساتھ تھے، حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ اپنے اس سفر کی روداد خود اس طرح بیان فرماتے ہیں:

(بقیہ صفحہ ۱۸۸) ہر بزرگ کو خطوط لکھے، اور تاکید کے ساتھ لکھا، کہ محمد سعید کو مشن اسکول سے نکال کر فوراً میرے پاس بھیج، مولانا محمد سعید صاحب کی والدہ بڑی نیک دل اور ادولوا العزم خاتون تھیں، انھوں نے اپنے لخت جگر کو بارہ سال کی عمر میں مکہ معظمہ روانہ کر دیا، حضرت مولانا نے ان کی تعلیم و تربیت خصوصی توجہ کے ساتھ فرمائی، اپنی نواسی سے ان کا نکاح کیا، نکاح کی مجلس میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ بھی موجود تھے، آپنے اُن سے فرمایا: ”میں نے اس بچے کی اس طرح تربیت کی ہے جس طرح سنار سونے کو بھٹی میں ڈال کر تپاتا ہے“ حضرت مولانا سعید صاحب نے ۱۳۵۰ھ میں بمقام کیرانہ وفات پائی، اور پچاس سال مدرسہ صولتیہ کے ناظم رہے۔

(ماہنامہ قومی زبان کراچی ستمبر ۱۹۶۶ء مضمون مولانا محمد سعید مرحوم از جناب امداد صابری)

۱۷ مولانا محمد سلیم صاحب مدظلہم مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے، وہیں تعلیم حاصل کی، اور پندرہ بیس سال مدرسہ صولتیہ میں تعلیم دی، ۱۳۳۰ھ سے مدرسے کے نائب ناظم اور ۱۳۵۰ھ کے بعد سے اس کے ناظم ہیں، ہم نے حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ کے تذکرے میں زیادہ تر آب ہی کے لکھے ہوئے مختصر مگر جامع رسالہ ”ایک مجاہد معارف سے استفادہ کیا ہے، تقی

۲۰ ربیع الاول ۱۳۱۸ھ ہفتہ کے دن مغرب کے وقت مکہ معظمہ سے جد
 کو روانہ ہوئے، آٹھویں کے آگسٹ میں چلنے کی تجویز موقوف رہی، پھر
 باہور (جہاد) مصری میں ۵ ربیع الثانی ۱۳۱۸ھ روز بدھ کو سوار ہوئے،
 اور اس نے جمعرات کے روز صبح کے وقت لنگر اٹھایا، پر کی رات کو پانچ
 بجے سوز پھنچے، اور صبح کو جد پیر کا دن اور ۲۰ ربیع الثانی کی تھی باہور سے
 سے اترے، ... وہاں سے منگل کے دن ۲۱ تاریخ اسکندریہ کو ریل پر نڈا
 تین بجے اسکندریہ پہنچے، سعد اللہ بے کے مکان پر اترے ... پھر
 آٹھویں دن ... باہور مصری پر سوار ہو کے ... جادی الادلے کی
 پانچویں تاریخ پیر کے دن استنبول میں پہنچے، اور جہاز نے لنگر ڈالا، اُسی وقت
 فی الفور مصطفیٰ وہابی بے یا در (لے ڈی سی) اور بن باشی حضرت سلطان
 کے، جہاز پر چڑھے، اور مل کے کہا کہ حضرت سلطان نے بہت بہت
 سلام فرمایا ہے، اور کشتی خاص اپنی بھیجی ہے، چلے وہاں سے چل کر
 سرائے (محل) قصر شاہی سلطانی تک جو بنائے سلطان مرحوم عبدالجید خاں
 غازی کی ہے، آئے، وہاں کشتی سے اتر کر دو گھوڑوں کی بگلی میں سوار ہو کر
 محل سرائے سلطانی میں آئے، اور محل سرائے کے ایک کمرے میں اترے
 اس روز ملاقات کو جناب کمال پاشا اور جناب عثمان بے اور جناب
 علی بے اور جناب نسیم بے تینوں قرناء (مشیر) حضرت سلطان کے ہیں،
 اور جناب سید احمد اسعد مدنی جو مصاحب حضرت سلطان ہیں، دن کو
 اور رات کو نصرت پاشا آئے، اور اگلے دن منگل کو جناب عثمان پاشا غازی
 اور بدھ کو ساتویں تاریخ جناب شیخ حمزہ ظافر اور جناب سید احمد سعدنی
 اور جناب کمال پاشا آئے، اور رات کو جناب علی بے و سترنا درجہ دوم
 نے حضرت سلطان کی طرف سے مزاج پرسی کر کے کلمات عواطف
 شاہانہ پہنچائے، آٹھویں تاریخ جمعرات کے روز شیخ محمد ظافر صاحب تشریف

لائے اور جمعہ کو جناب حسنی پاشا داماد سلطان عبد المجید مرحوم اور جناب صفوت پاشا اور جناب اسماعیل حئی اور جناب سید فضل پاشا آئے اور اسی دن مغرب کے وقت خلعتِ سلطانی میرے اور بدرالاسلام اور مولوی حضرت نور (صدر مدرس مدرسہ صولتیہ) کے لئے آیا،، تاریخ ہفتہ کے دن وہی بے نے حضرت سلطان کی طرف سے حکم پہنچایا کہ ”مرضی سلطانی یہ ہو کہ تم اپنے اہل و عیال کو بلوالو، موسمِ ریح قریب آ پہنچا، اب عرصہ تک آب و ہوائے استنبول بہت اچھی رہیگی نرمی سے اُس میں عذر کیا گیا،، منگل کے دن کیسہ مفتاح کعبہ اور ایک تسبیح عقیق البحر کی اور ایک تسبیح سنگِ مقصود کی بھجوائی گئی، اور فرمایا کہ: اُس کے شکر یہ میں نے تم کو رتبہ ”پایہ حرمن شریفین“ کا عطا کیا، اس کا لباس بھی پہنچے گا، اور چھٹی تاریخِ رجب کی جمعرات کے دن کو عصر کے بعد سرے سلطانی (محل) کو جانا ہوا، مغرب کے بعد ملاقات ہوئی، غایت عنایتِ شاہانہ سے پیش آئے، مسند سے اُٹھ کے ایک دو قدم بڑھا کر ہاتھ میرا قوت سے اپنے ہاتھ میں پکڑ کے فرمایا کہ ”کثرتِ شغل کے سبب اب تک میں نے ملاقات نہیں کی تھی، اور تاخیر کا سبب اس کے سوا کوئی دوسرا امر نہیں“۔ میں نے بھی دعا و اذکار کلماتِ شکر یہ مناسبہ کہے ۔

اس کے بعد سلطان سے متعدد بار ملاقاتیں رہیں، مختلف مسائل و معاملات پر گفتگو ہوتی تھی، سلطان نے مدرسہ صولتیہ کے لئے معقول ماہانہ امداد مقرر کرنے کے متعلق خیال ظاہر فرمایا، جس کے جواب میں شکر یہ اور دعا کے بعد حضرت مولانا نے فرمایا کہ:

”حرمن شریفین میں امیر المؤمنین کے بہت سے جاری کردہ امور خیر ہیں اور بہت سے نیک کام تشنہ تکمیل، مدرسہ صولتیہ چونکہ ہندوستان

کے دیندار اور نیک خیال مسلمانوں کی امداد سے چل رہا ہے، اور قائم ہے،

اُن کو اس کارِ خیر میں شرکت و سرپرستی کی سعادت سے محروم نہ فرمایا جائے جو

بقینا امیر المومنین کے الطافِ شاہانہ سے بعید نہیں۔

اسی دوران سلطان نے حضرت مولانا کے بھتیجے مولانا بدرالاسلام صاحب کو

اپنے شہرہ آفاق شاہی کتب خانے ”حمیدیہ“ کا ناظم بنادیا، یہ آخر وقت تک سلطان

سے معتمد علیہ رہے، سلطان عبدالحمید کی معزوری کے پُر خط وقت میں صرفت میں اشخاص

سلطان کی خدمت میں باقی رہے تھے، اُن میں مولانا بدرالاسلام صاحب بھی تھے،

ایک عرصہ نظر بند رہنے کے بعد یہ اپنے وطن کیرانہ واپس آگئے تھے،

بالآخر سلطان سے الوداعی ملاقات کے بعد دوسرے دن مصطفیٰ وہی بے یار و

اور خیر الدین پاشا وغیرہ تشریف لائے، اور سلطان کی طرف سے ذاتی ہدیہ ایک صبح تلوار

حضرت مولانا مرحوم کو دی، اور سلطان کے یہ الفاظ نقل کئے کہ:

”ہتھیار ہر مجاہد فی سبیل اللہ کی زینت ہے“

جب آپ مکہ معظمہ پہنچے تو استقبال کرنے والوں میں حجاز کے گورنر عثمان نوری

پاشا بھی تھے، جو سب سے پہلے حضرت مولانا سے بغل گیر ہوئے، اور اپنی غلط فہمی کی

معافی چاہی،

دوسرے سفر سے واپس آنے کے بعد بھی سلطان اور مختلف وزراء

مولانا کی خط و کتابت جاری رہی، آخر عمر میں کبرسنی اور کثرتِ مشاغل

سے آپ کو ضعفِ بصر کی شکایت ہو گئی تھی، اور ۱۳۱۵ھ میں حضرت مولانا موتیابند

کی وجہ سے لکھنے پڑھنے کے قابل نہ رہے، سلطان کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے فوراً

تیسرا سفر

۱۵ ایک مجاہد معمار، ص ۲۸ تا ص ۵۲

۱۵ ۱۹۱۲ء کی جنگ عظیم میں انگریزوں پرست شہرہ کرتے تھے، اس نے پکھڑ چلے گئے تھے، چہا

نہیں ندوۃ العلماء میں، دب عربی کا استاد مقرر کیا گیا، مولانا علی مراد اُل کے بڑے اچھے تعلقات تھے،

نوی زماں نمبر ۱۹۱۱ء ص ۵۸

حضرت مولانا کو علاج کے لئے قسطنطنیہ طلب کیا، اس سفر میں آپ کے شاگرد اور خادم مولوی عبداللہ ساتھ تھے،

۲ رمضان ۱۳۲۴ھ کو مولانا پھر استنبول پہنچے، اسی دن دو مرتبہ سلطان سے ملاقات ہوئی، افطار بھی سلطان کے ساتھ ہوا، اور تراویح بھی دیں پڑھی، اس وقت سلطان نے فرمایا کہ آپ کی آنکھوں کے علاج کے لئے میں کل ڈاکٹروں کو جمع کروں گا، چنانچہ اگلے دن پانچ ممتاز ڈاکٹروں نے مولانا کی آنکھوں کا معائنہ کیا، اور کہا کہ ابھی موتیا پوری طرح نہیں اُترا، اس لئے علاج دو ماہ بعد ہوگا، چنانچہ آپ دو تین ماہ قسطنطنیہ میں رہے بالآخر ڈاکٹروں نے آپریشن تجویز کیا، اس زمانے میں آپریشن ایک نہایت ہیبت ناک چیز تھی، اس لئے حضرت مولانا اس کے لئے تیار نہ ہوئے، سلطان کو آپ کی از حد دلداری مقصود تھی، اس لئے آپ کی مرضی کے خلاف اصرار نہیں کیا، سلطان کی خواہش تھی کہ آپ قسطنطنیہ میں ان کے پاس رہیں، ایک ملاقات میں انھوں نے اس خواہش کا اظہار بھی کیا مگر مولانا نے فرمایا:

”اعزاء اور اقارب کو چھوڑ کر ترک وطن کر کے خدا کی پناہ میں اس کے

دردانے پر آکر پڑا ہوں، وہی لاج رکھنے والا ہے، آخری وقت میں

امیر المؤمنین کے دردانے پر مردوں تو قیامت کے دن کیا منہ دکھاؤں گا؟

چنانچہ ذی قعدہ کے مہینے میں مولانا واپس مکہ معظمہ تشریف لے آئے،

مکہ مکرمہ میں قیام کے دوران حضرت مولانا رحمۃ اللہ صاحب سماجی خدمات | کیرانوی نے وہاں کی بہت سی سماجی اور معاشرتی اصلاحات

میں حصہ لیا، جن میں اہم مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) حجاز کی نہر زبیدہ، ہارون رشید کی بیوی زبیدہ کا صدقہ جاریہ ہے، لیکن مرد ایام کی کی بنا پر اس نہر میں بہت زیادہ نقص واقع ہو گئے تھے، اور پانی کے حصول کے لئے ساکنان حرم کو کافی زحمت اٹھانی پڑتی تھی، عرصے سے اس کی مرمت اور اصلاح کی ضرورت محسوس کی جا رہی تھی، اسی زمانے میں سیٹھ عبدالواحد صاحب عرف

واحد ہائیڈرکٹ مکہ مکرمہ آئے، اور اس سلسلے میں مدرسہ صوفیہ کے اندر ایک مشائخ
اہتمام منعقد ہوا، حضرت مولانا نے ہنزہ بیدہ کی اصلاح و مرمت کا بیڑا اٹھایا، مکہ
کی اجازت سے اس کام کے لئے ایک مجلس بنائی گئی، جس میں ہماہرین کے پیشوا
سے ممتاز افراد ارکان منتخب ہوئے، اس مجلس کی صدارت کے لئے مولانا کو منتخب
کیا گیا، محرر اپنے اپنے شاگرد و رشید مولانا شیخ عبدالرحمن صاحب مرحوم
مفتی الاساتذہ و شیخ العلماء مکہ معظمہ کو اس کے لئے موزوں سمجھا، اور خود نائب
صدر کی حیثیت اختیار کی، یہاں تک کہ ابوالواحد صاحب ہنزہ بیدہ کے خازن اور تحویل
مقرر ہوئے، اور اس طرح ہنزہ بیدہ کا عقدہ جاریہ ان حضرات کی بہت سے دوبارہ
زندہ ہوا۔

(۲) جس وقت حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب مکہ مکرمہ پہنچے، تو وہاں ڈاک آتے
کرنے کا کوئی انتظام نہیں تھا، نہ کوئی ڈاک خانہ تھا، اس زمانے میں جو ڈاک
آتی تھی حرم شریف کے دروازے کے سامنے رکھ دی جاتی تھی، جس کا خط ہوتا
تلاش کر کے لیجاتا، حضرت مولانا نے ڈاک کے انتظام کے لئے کوشش فرمائی
زندگی میں تو اس میں کامیابی نہ ہوئی، مگر آپ کے بعد مولانا محمد سعید صاحب نے
اس جہد و جہد کو جاری رکھا، اور سلطان عبدالحمید کو توجہ دلا کر باب الوداع پر ڈاک
تعمیر کرایا۔

(۳) دینی تعلیم کا ایک خاص مہیاچ اور نظام قائم کیا، اور مکہ مکرمہ میں باضابطہ دینی
تعلیم کی طرح ڈالی،

(۴) مکہ مکرمہ میں ایک صنعتی اسکول قائم فرمایا، جس میں ہماہرین اور مقامی باشندوں
کے بچے ابتدائی تعلیم و تربیت کے بعد ہنزہ مند بن کر اپنے پاؤں پر کھڑے ہو سکیں،

(۵) جب عثمان نوری پاشا نے سلطان عبدالحمید مرحوم کی اجازت سے حرم میں بنے

ہوئے شاہی کتب خانے کو حجاج کی سہولت کے لئے منہدم کرایا، تو مولانا نے اس
کے بھروں اور سامان تعمیر سے مدرسہ صوفیہ کے قریب ایک مسجد تعمیر کرائی، جس کے

تینوں گنبد پانی پت ضلع کرناں کے معماروں نے تعمیر کئے، اس مسجد کا تاریخی نام
 "خانہ رحمت" ہے، اور یہ مسجد آج تک وہاں موجود ہے،

(۶) مدرسہ مولائیہ ازراہ اس کے طرز پر جو دوسرے مدارس حجاز میں قائم ہوئے ان کی افتاد
 کا اندازہ اس بات سے لگائیے کہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب ہما حبر مکیؒ
 اپنے خلیفہ ارشد حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کے نام اپنے ایک محبوب
 میں تحریر فرماتے ہیں:

"یہ مدرسہ (مولانا قاری احمد مکیؒ کا مدرسہ) جناب مولوی رحمت اللہ
 صاحبؒ کی شاخ ہے، جناب مولانا مرحوم کی ہمت اور توجہ سے یہ مدرسہ
 قائم ہوا، اور اس کا اہتمام قاری حافظ احمد مکی صاحب موصوف کے
 ذمہ کیا گیا، ماشاء اللہ ان مدرسوں سے فائدہ عظیم ہوئے ہیں۔"

وفات | اسلام اور مسلمانوں کی گوناگوں علمی و عملی خدمات کے بعد اس محترم
 و سبیل اللہ نے پچھتر سال کی عمر میں جمعہ کے دن ۲۲ رمضان المبارک ۱۳۱۸ھ
 کو وفات پائی، اور حرم محترم کی مقدس سرزمین میں دفن ہونے کی سعادت حاصل ہوئی،
 جنت البقیع میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے جوار میں صدیقین و شہداء کے قریب
 آپ کا مزار ہی، اس پھوٹے سے احاطے میں پانچ قبریں ہیں جن میں حضرت مولانا رحمت اللہ
 صاحب کیرانویؒ کے علاوہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب ہما حبر مکیؒ اور مولانا عبدالحق
 صاحب شیخ الدلائل، مصنف اکلیس شرح مدارک التنزیل بطور خاص قابل ذکر ہیں
 حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانے کے ممتاز علماء
 اور اولیاء اللہ کی نگاہوں میں کتنا محبوب مقام رکھتے تھے، اس کا اندازہ اس بات سے
 کیجئے کہ جس زمانے میں مولانا استنبول گئے ہوئے تھے، اُس وقت حضرت حاجی امداد اللہ
 صاحب ہما حبر مکی رحمۃ اللہ علیہ مکہ مکرمہ سے حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی، حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی وغیرہم کے نام اپنے ایک گرامی نامے میں تحریر فرماتے ہیں:

”مولوی رحمت اللہ بنور تشریف باستنبول میدارند، خدائے تعالیٰ
مولوی صاحب راجلہ آرد“

تصانیف

حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ کی بیشتر تصانیف ردّ عیسائیت کے موضوع پر ہیں، ان تصانیف کا مختصر تعارف درج ذیل ہے:-

۱۔ **ازالۃ الاولیاء** | یہ کتاب بڑی تقطیع کے ۵۶۴ صفحات پر ۱۲۶۹ھ میں سید المطالع شاہجہاں آباد میں چھپی، یہ فارسی زبان میں ہے، اور اس میں نصاریٰ

کے اکثر مباحث کا جواب ہے، پادری فائدہ دے ”میزان الحق“ میں جو اعتراضات کئے تھے اُن کے دندان شکن جوابات بھی اس میں موجود ہیں، مسئلہ تثلیث اور بشارات کی بحث اس کتاب کی خصوصیت ہے، ”ازالۃ الاولیاء“ کے اس نسخے کے حاشیے پر مولانا آل حسن صاحب کی ”استفسار“ بھی چھپی ہوئی ہے، احقر نے اپنے کام میں اس کتاب کے کافی مدد لی ہے،

۲۔ **ازالۃ الشکوک** | یہ کتاب اردو زبان میں ہے، اور اس میں عیسائیوں کے ۳۹ سوالات کا جواب ہے، دونوں جلدوں کے مجموعی صفحات

۱۱۱۶ ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اثبات اور بائبل کی تخریف اس کتاب کے خاص مباحث ہیں، اس کی پہلی جلد مدرسۃ الباقیات الصالحات مدرّس کے بانی اور حضرت مولانا کے خاص شاگرد مولانا عبدالوہاب صاحب دیوبند نے مدد میں چھپائی تھی، پھر دوسری جلد مولانا کے فرزند مولانا ضیاء الدین صاحب نے اپنی نگرانی میں طبع کرائی ہے،

۳۔ اعجاز عیسوی

یہ کتاب بھی اردو میں ہے، اس کا موضوع ”تحریف بائبل“ ہے، اور اپنے موضوع پر بے نظیر تصنیف ہے، متوسط تقطیع کے چھتوں صفحات پر مشتمل ہے، پہلی بار آگرہ کے مطبع رضوی میں چھپی تھی، سن طباعت ۱۲۸۷ھ ہر ذلک ہدی اللہ یحییٰ بہ من یشاء۔ اس کی تاریخ ہے،

۴۔ اوضح الاحادیث

اس کا پورا نام ”ادّٰیض الاحادیث فی ابطال التّٰلیث“ ہے، یہ ۶۴ صفحات پر مشتمل ایک مختصر رسالہ ہے، جس میں عقیدہ تثلیث کو عقلی و نقلی دلائل سے باطل کیا گیا ہے، ۱۲۹۲ھ میں دہلی میں چھپا تھا۔
یہ رسالہ راقم المحدث کی نظر سے نہیں گذرا۔

۵۔ بروق لامعہ

یہ کتاب غیر مطبوعہ ہے، اور اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا مدلل اثبات اور عقیدہ ختم نبوت پر فاضلانہ گفتگو کی گئی ہے،

۶۔ معدل اعوجاج المیزان

یہ کتاب فائڈر کی میزان الحق کا جواب ہے، پادری صفدر علی نے رسالہ ”نور انشاں“ جلد ۱۲، شمارہ ۳۰ مطبوعہ ۲۴ جولائی ۱۸۸۷ء میں اس کتاب کا ذکر کیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب کا قلمی نسخہ ان کے پاس ہے،

۷۔ تقلیب المطاعن

یہ کتاب پادری لاسمند کی تحقیق دین حق کا جواب ہے، جو افسوس ہے کہ زیور طبع سے آراستہ نہیں ہو سکا،

۸۔ معیار التحقیق

یہ پادری صفدر علی کی کتاب ”تحقیق الایمان“ کا مدلل اور مفصل جواب ہے،

”اظہار الحق“

ردِ عیسائیت پر مولانا کی آخری اور سب سے زیادہ معرکہ آرا کتاب اظہار الحق ہے،
 چند ابواب پر مشتمل اس کتاب میں اسلام اور عیسائیت کے بنیادی اختلافی مسائل میں سے
 ہر ایک پر اس قدر مبسوط، سیر حاصل، مدلل اور قاضیانہ بحثیں کی گئی ہیں کہ شاید کسی بھی
 زبان میں ردِ عیسائیت پر اتنا قیمتی مواد ایک جگہ نہ ہو، یہ کتاب حضرت مولانا نے قسطنطنیہ
 میں رہتے ہوئے چھ ماہ کے اندر تصنیف فرمائی، اصل کتاب عربی زبان میں تھی، جس کا
 پہلا ایڈیشن ۱۳۲۸ھ میں استنبول میں چھپا، پھر ایک ترک عالم نے ”ابراز الحق“ کے نام
 سے اس کا ترکی زبان میں ترجمہ کیا، پھر حکومت عثمانیہ نے یورپ کی متعدد زبانوں و انسیسی
 وغیرہ میں اس کے ترجمے شائع کئے، پادریوں نے خاص اہتمام سے ان ترجموں کو خرید کر
 جلایا، مصر میں بار بار طبع ہوئی، مولانا سلیم اللہ صاحب مرحوم نے اردو میں اس کا ترجمہ کیا
 تھا، مگر چھپ نہ سکا، پھر مولانا غلام محمد صاحب بھانجا راندیری نے اس کا گجراتی میں ترجمہ
 کیا، اور اس کے بعض مقامات پر مفید حواشی کا اضافہ کیا، اسی گجراتی ترجمے سے کسی صاحب نے
 اس کا انگریزی ترجمہ کیا ہو ”THE TRUTH REVEALED“ کے نام سے چھپا، یہ
 انگریزی ترجمہ راقم الحروف کے پاس موجود رہا ہے، اور اس نے اس سے اپنے کام میں
 کافی استفادہ کیا ہے،

مصر اور استنبول میں متعدد مرتبہ شائع ہونے کے باوجود یہ کتاب عربی زبان میں
 بھی تقریباً نایاب ہو چکی تھی، اب حال ہی میں مراکش کی وزارت مذہبی امور نے ۱۳۸۲ھ
 میں اسے عمدہ طریقے پر شائع کیا ہے، ابھی جلد اول ہی راقم الحروف کی نگاہ سے گزری ہے
 جلد ثانی کا انتظار ہے، مصر کے ایک عالم استاد عمر الدسوقی نے اس کی تصحیح و ترتیب
 کی ہے،

اردو زبان میں یہ کتاب پہلی بار منظرِ عام پر آ رہی ہے، اللہ تعالیٰ اسے نافع اور مقبول

بنائے، آمین،

تبصرے کوئی شک نہیں، اظہار الحق جس زبان میں بھی چھپی، اس نے علمی دنیا میں ایک تہلکہ مچا دیا، اور ہر طبقے کی طرف سے اسے زبردست خراج تحسین پیش کیا گیا، ۱۲۹۱ھ کے بعد جو کتاب بھی ردّ عیسائیت میں لکھی گئی، اظہار الحق اس کا ماخذ بنی، علماء، محققین، اور صحافیوں نے اس کتاب کو جو خراج تحسین پیش کیا، ہمارے لئے ممکن نہیں ہے، کہ اس سب کو یک جا کر کے پیش کریں، تاہم ماضی قریب کی چند اہم علمی شخصیتوں کے تبصرے ہم ذیل میں پیش کرتے ہیں:

لندن ٹائمز "الفضل ما شهدت به الاعداء" کے پیش نظر ہم سب کے پہلے ایک غیر مسلم کی شہادت پیش کرتے ہیں، جب اظہار الحق کا انگریزی ترجمہ شائع ہو کر لندن پہنچا، تو لندن ٹائمز نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ:

"لوگ اگر اس کتاب کو پڑھتے رہیں گے تو دنیا میں مذہب عیسوی کی ترقی بند ہو جائے گی۔"

قواب حاجی اسماعیل خاں صاحب مرحوم رمیں دہلی ضلع علیگڑھ میں مکہ معظمہ میں حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کو "ٹائمز" کا یہ تراشا خاص طور پر دیا تھا:

شیخ باچہ جی زادہ ۱۳۲۲ھ میں "الفارق بین المخلوق والمخالق" کے نام سے ردّ عیسائیت پر ایک معرکہ الاراء کتاب لکھی جو بلاد عربیہ کے علمی حلقوں میں بہت مشہور ہے، مگر اظہار الحق اس کتاب کا اہم ماخذ ہے، وہ ایک موقع پر لکھتے ہیں:

"ان الاستاذ الفاضل رحمت اللہ الہندی قدس اللہ روحہ فی کتابہ اظہار الحق فضیلتہم وبتین ما فیہا من التحریف والمناقضات والکذب وتجاوزہم علی اللہ تعالیٰ وانہما لہ الطاہرین فان اثرت الوقوف علی مناویہم فراجعہ فهو یغنیہ ویشفیہ"

۱۔ ایک مجاہد شمار ص ۲۶

۲۔ الفارق بین المخلوق والمخالق، ص ۳۸۶ مطبوعہ التقدم بمصر ۱۳۲۲ھ

بلاشبہ استاذ فاضل رحمۃ اللہ ہندی قدس اللہ روحہ نے اپنی کتاب اظہار الحق میں عیسائیوں کی کتابوں کو رسوا کر کے چھوڑا ہے، اور ان کتابوں میں جو تحریف ہوئی ہے، جو اختلافات اور جھوٹی باتیں ان میں پائی جاتی ہیں اور اللہ تعالیٰ اور انبیاء طاہرین کے حق میں جو گستاخیاں اُن میں کی گئی ہیں اُن سب کو کھول کھول کر بیان کیا ہے، لہذا اگر آپ اُن کے نقائص سے واقف ہونا چاہیں تو اس کتاب کی مراجعت کیجئے، وہ آپ کو بے نیاز کر دے گی اور تشفی بخشنے لگی۔

اور اسی کتاب کے مقدمے میں بشارات کی بحث کے ذیل میں لکھتے ہیں،
 ”من اراد زیادة التبیان والاطمینان فلیراجع ماکتبه العلامة
 والحبر الفہامة الشیخ رحمۃ اللہ الہندی رحمہ اللہ تعالیٰ
 فی الجزء الثانی من کتابہ المسمی المہار الحق ففیہ غنیۃ الحقائق
 اذ قد اشبع القول فی ذکر الدلائل العقلیۃ والبراہین النقلیۃ
 من کتب علماءہم وروءساء دینہم“

جو صاحب زیادہ وضاحت اور زیادہ اطمینان حاصل کرنا چاہیں تو وہ عالم مفکر علامہ شیخ رحمۃ اللہ ہندی رحمہ اللہ کی کتاب اظہار الحق جلد ثانی کی طرف رجوع فرمائیں اس میں حاجت مند کو بے نیاز کر دینے والا سامان ہے، اس لئے کہ انھوں نے عقلی دلائل اور خورد عیسائیوں کے علماء اور مذہبی پیشواؤں کی کتابوں کے نقل دلائل سے اس موضوع پر سیر حاصل بحث کی ہے

مصر میں سابق ہیئۃ کبار العلماء کی لجنۃ علیہ کے ایک رکن
شیخ جزیری رکن اور مساجد الاوقاف کے مفتش اول شیخ عبدالرحمن
 جزیری رحمۃ اللہ علیہ نے پادری فائزر کی کتاب ”میزان الحق“ کا ایک جواب

”ادلۃ البقین“ کے نام سے لکھا ہے، اس کے دیباچے میں وہ تحریر فرماتے ہیں،
 ”اں بلاشبہ استاذہ بنیل شیخ رحمت اللہ ہندی مرحوم نے
 اس کتاب (میزان الحق) کے بعض نظریات کی تردید میں سخت محنت
 اٹھائی ہے، اور اپنی کتاب اظہار الحق میں تورات و انجیل کی تحریف
 پر دلائل قاطعہ قائم کئے ہیں۔“

رشید رضا مصری | مصر کے مشہور جدت پسند عالم اور مجلۃ المنار کے ایڈیٹر
 شیخ رشید رضا لکھتے ہیں:

”شیخ ہندیؒ نے اظہار الحق کے چھٹے باب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
 کی بشارات کو کافی دانی طریقے سے بیان فرمایا ہے، اور قاطع دلائل
 قائم کئے ہیں۔“

عمر الدسوقی | قاہرہ یونیورسٹی کے شعبہ ادب عربی کے صدر جناب عمر الدسوقی
 اظہار الحق پر اپنے مقدمے میں اظہار الحق کا مفصل تعارف کرانے
 اور مدح و ستائش کرنے کے بعد آخر میں لکھتے ہیں:

”اس کتاب کو پڑھتے وقت ہر شخص یہ محسوس کرتا ہے کہ یہ شخص اپنے
 دین پر گہرا ایمان رکھتا ہے، دوسرے مذاہب سے پوری طرح
 باخبر ہے، اپنے موضوع پر اسے پوری گرفت حاصل ہے، دلائل
 قائم کرنے اور فن مناظرہ میں اس کو زبردست ملکہ حاصل ہے،
 اپنے مخالف کی تمام کمزوریوں سے واقف ہے، اس نے جہد نامہ
 قدیم و جدید کا ایک ایک لفظ پڑھا ہے، اور ان تمام باتوں کا
 مطالعہ کیا ہے جو بائبل کے بارے میں یہودی اور عیسائی علماء نے

۱۷ ادلۃ البقین، ص ۹ مطبعۃ الارشاد ۱۳۵۲ھ

۱۸ مقدمہ انجیل برناباس، ترجمۃ الدكتور خلیل سعادت المسیح،

لکھی ہیں اور اس کی دلیلوں میں سب سے زیادہ زور دار حصہ وہ ہے،
جہاں وہ خود عیسائی مفکرین اور مورخین کے اقوال سے استشاد
پیش کر کے اپنے نظریات کی تائید کرتا ہے۔

اس کے علاوہ ہندوستان کے علماء میں سے حکیم الامت حضرت مولانا
اشرف علی صاحب تھانویؒ نے بیان القرآن میں اور حضرت مولانا حفظ الرحمن
سید ہادیؒ نے قصص القرآن میں اس کتاب کا ذکر فرما کر اس کی تعریف و توصیف
کی ہے، اور تقریباً تمام مشاہیر علماء اس پر اپنے اعتماد کا اظہار فرماتے رہے ہیں
وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ اَدَّ لَہٗ وَ اٰخِرَہٗ

محمد تقی عثمانی

یکم شعبان ۱۳۸۷ھ

دائرۃ العلوم

کراچی نمبر ۱۳



خطبہ کتاب

تمام تعریفوں کے لائق وہ ذات ہے کہ جس کے نہ کوئی اولاد ہے، نہ اس کی سلطنت میں کبھی کوئی شریک ہو سکتا ہے، پھر تمام پاکی اور پاکیزگی اس ہستی کے لئے مخصوص ہے، جس نے اپنے بندے پر کتاب نازل کی، اور اس کو سمجھ والوں کے لئے بصیرت اور نصیحت کا ذریعہ بنایا، اور جس نے یقین کے چہرہ سے اپنی آیات کے دلائل سے نقاب اٹھا دی، اور یقین کی جلوہ گاہ پر ہدایت کے جھنڈے نصب فرمائے، تاکہ اپنے کلام سے حق کا حق ہونا ثابت کرے، تاکہ اس کی دلیل کے بعد ان اقوام کے دلائل بیکار ہو جائیں جو سطحیات کا سہارا لیتے ہیں، اور جو اللہ کی روشنی کو اپنے منہ سے بھانا چاہتے ہیں، حالانکہ خدا اپنے نور کو مکمل کر کے رہے گا، خواہ کافروں کو کتنا ہی ناگوار ہو،

اور رحمت و سلامتی اس ذات اقدس پر نازل ہو جس کی نبوت کے معجزے سینہ منور پر روشن ہیں، اور جس کی شریعت کے شعائر واضح اور ظاہر ہیں، جس نے تمام دوسرے دینوں اور مذاہب کی نشانیوں کو منسوخ کر دیا، جس کو اس کے مالک نے ہدایت

اور سچا دین دے کر بھیجا، تاکہ اس کو تمام دینوں پر غالب بنائے، اور اس کی تائید ایسی محکم کتاب سے فرمائی، جس نے بڑے بڑے بلغاء کو اس جیسی ایک سورت پیش کرنے سے عاجز کر دیا، یعنی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم، جن کے ظہور کی خوشخبری تو ریت اور انجیل نے دی، اور جن کے وجود سے اُن کے باپ ابراہیم خلیل صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا ظہور ہوا، اُن پر اور اُن کی اولاد پر جو آپ کی شریعت کے اتباع کرنے کی بناء پر کامیاب ہیں، اور صحیح راہ پر چلنے والے ہیں، اور آپ کے اُن صحابہؓ پر بھی خدا کی رحمت و سلامتی نازل ہو جن کو اللہ نے دولتِ اسلام عطا فرمائی، جس کے نتیجہ میں وہ کافروں پر نہایت سخت اور آپس میں ایک دوسرے پر بڑے مہربان ہیں :

—————

www.ahlehaq.org

پیش لفظ مصنف

اما بعد، اپنے محسن، خدا کی رحمت کا امیدوار رحمت اللہ بن خلیل الرحمن عفی عنہ
عرض پر دان ہے کہ جب برٹش حکومت کا ہندوستان پر زبردست تسلط اور غلبہ ہو گیا،
اور اس نے امن و امان اور بہترین نظم و انتظام کو قائم کر دیا، تو ان کے آغاز حکومت سے ۴۳
برس تک ان کے علماء کی طرف سے اپنے مذہب کی دعوت کا کوئی خاص اظہار نہیں ہوا، اس
کے بعد آہستہ آہستہ انھوں نے اپنے مذہب کی دعوت دینی شروع کی، اور مسلمانوں کے خلاف
رسالے اور کتابیں تالیف کیں، اور مختلف شہروں میں ان کو عوام میں تقسیم کیا، نیز بازاروں
اور عام جلسوں، محفلیں اور شاہراہوں پر دعوے بکنا شروع کیا،

ایک عرصہ تک تو عام مسلمان ان کے دعوے سننے، اور ان کی کتابوں، رسالوں کے مطالعہ
سے نفرت کرتے رہے، اس لئے کسی ہندوستانی عالم نے بھی ان رسالوں کی تردید کی طرف
کوئی توجہ نہیں کی، مگر ایک مدت گزرنے پر کچھ لوگوں کی نفرت میں ضعف اور کمزوری پیدا
ہونے لگی، اور بعض جاہل عوام کی لغزش کا خطرہ لاحق ہوا، تب کچھ علماء اسلام کو ان کی تردید
کی طرف توجہ ہوئی،

میں اگرچہ گمنامی کے گوشہ میں پڑا ہوا تھا، اوصریہ اشار بھی کوئی بڑے علماء کی حجت

ہیں نہ تھا، اور حقیقت میں میں اس عظیم الشان کام کا اہل بھی نہ تھا، مگر جب مجھ کو عیسائی علماء کی قسمت، بریدوں اور تحریروں کا علم ہوا، اور ان کے تالیف کردہ بہت سے رسالے میرے پاس پہنچے، تو میں نے مناسب سمجھا کہ اپنی امکانی حد تک میں بھی کوشش کروں، لہذا سب سے پہلے تو میں نے کچھ رسالے اور کتابیں تالیف کیں، تاکہ سمجھدار لوگوں پر حقیقت حال واضح ہو جائے، اس کے بعد عیسائی حضرات کے وہ بڑے پادری جن کا شمار ان عیسائی علماء میں تھا جو ہندوستان میں تحریری اور تقریری دونوں طریقوں سے مذہب اسلام پر اعتراض اور نکتہ چینی و عیب جوئی میں مشغول رہتے تھے، یعنی "نیزان الحق" کے مصنف، میں نے ان سے درخواست کی کہ میرے اور آپ کے درمیان ایک عام جلسہ میں مناظرہ ہو جانا چاہئے تاکہ یہ امر خوب اچھی طرح واضح ہو جائے کہ علماء اسلام کی بے توجہی کا سبب یہ نہیں کہ وہ حضرات عیسائی پادریوں کے رسالوں کی تردید سے قاصر و عاجز ہیں، بلکہ بعض عیسائیوں کا دعویٰ اور خیال تھا،

چنانچہ پادری مذکور سے ان پانچ مسائل میں مناظرہ ہونے لگا جو عیسائی اور مسلمانوں کے باہمی نزاعی مسائل کی بنیاد ہیں، یعنی تحریف، نسخ، تشلیث، قرآن کی حقانیت اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا حق ہونا، اور شہر آگرہ میں ماہ رجب ۱۲۵۲ھ میں ایک جلسہ عام منعقد ہوا، میرے ایک محترم دوست (خدا ان کو تادیر زندہ رکھے) اس جلسہ میں میرے معین، مددگار تھے، اسی طرح بعض پادری صاحبان پادری صاحب کے مددگار تھے۔

۱۵ یعنی ڈاکٹر ذریخان صاحب مرموم، ۱۸۳۲ء میں انگلینڈ سے ڈاکٹری کی ڈگری حاصل کرنے گئے تھے، وہیں عیسائی کے موضوع پر کتابوں کا عظیم الشان ذخیرہ جمع کر کے ہندوستان لائے، آپ انگریزی کے ساتھ یونانی زبان بھی جانتے تھے، آپ ہی کے پرنٹلوس تعاون نے مولانا رحمت اللہ صاحب کو انگریزی اور یونانی لٹریچر سے واقف کرایا، آپ ۱۸۵۶ء کی جنگ آزادی کے مجاہدین میں سے ہیں، جنرل بخت خان کپ کو اودھ کا گورنر مقرر کر دیا تھا باقی مشہور

خدا کے فضل و کرم سے نسخ اور تخریف والے دو مسئلوں میں جو دقیق ترین مسئلے تھے، اور پادریوں کے خیال میں سب سے مقدم تھے، چنانچہ اس پر ان کی ایک عبارت بھی دلائل کے ذریعے جو کتاب حل الاشکال میں موجود ہے، ہم کو کامیابی اور غلبہ حاصل ہوا، جب پادری مذکور نے یہ دلخراش شکست دیکھی تو باقی تین مسائل میں مناظرہ سے راہ فرار اختیار کی،

پھر مجھ کو مکہ مکرمہ کی حاضری کا اتفاق ہوا، اور میں حضرت الاستاذ علامہ سیدی دستری د مولائی سید احمد بن زینی دھلان ادام اللہ فیضہ کی چوکھٹ پر حاضر ہوا، موصوف نے حکم دیا کہ میں ان پانچوں مباحث کا ان کتابوں سے جو اس سلسلہ میں میں نے تالیف کی ہیں عربی زبان میں ترجمہ کروں، کیونکہ وہ کتابیں یا فارسی زبان میں تھیں، یا مسلمانان ہند کی زبان (اردو) میں، اور دوزبانوں میں نیری تالیفات کا یہ سبب تھا کہ پہلی زبان تو ہندوستانی مسلمانوں میں بے حد مانوس تھی، اور دوسری زبان خود ان کی اپنی مادری زبان تھی، اور پادری حضرات جو ہندوستان میں مقیم تھے، اور دعوے کرتے پھرتے تھے وہ دوسری زبان میں یقیناً ماہر تھے اور پہلی زبان سے بھی کچھ نہ کچھ واقفیت رکھتے تھے بالخصوص وہ پادری جنہوں نے مجھ سے مناظرہ کیا تھا، وہ تو فارسی زبان میں بہ نسبت اردو کے بہت زیادہ ماہر تھے،

ادھر اپنے آقا کے حکم کی تعمیل میرے لئے واجب اور ضروری تھی، مجبوراً میں امتثال حکم کے لئے تیار ہو گیا، مجھ کو ایسے لوگوں سے جو انصاف کی راہ پر چلتے اور بے انصافی کی راہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴) اس وقت سے مسلسل آزادی کی جدوجہد میں شریک رہے۔ پھر ہجرت کر کے حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ کی خدمت میں مکہ مکرمہ تشریف لے گئے، وہیں وفات پائی، جنت البقیع میں مدفون ہیں (از فرنگیوں کا جال) ۱۲ محمد تقی

سے احراض کرتے ہیں، پوری پوری امید ہے کہ وہ میری غلطیوں پر پردہ ڈالیں گے، اور میری
ثوابیہ بیانی کی اصلاح فرمائیں گے،

اپنے اس خدا سے جو ہر مشکل کو آسان کرنے والا ہے درخواست کرتا ہوں کہ مجھے وہ
بصیرت و صلاحیت عطا کرے جو حق و صواب کی جانب رہنمائی فرمائے، اور اس کتاب
کو مخلوق میں شرف قبول بخشے، خاص دعام سب اس سے مستفید ہوں، اہل باطل کے
شبہات اور منکرین کے ادھام سے اس کو محفوظ رکھے،

وہی توفیق بخشے والا ہے، اسی کے ہاتھ میں تحقیق کی لگام ہے، اور وہ تو ہر چیز پر قادر
ہے، اور قبول کرنے کا اہل ہے،

اور میں نے اس کا نام اظہار الحق رکھا ہے، جو ایک مقدمہ اور چھ بابوں پر تقسیم ہے۔

—————

www.ahlehaq.com

مقدمہ

کتاب سے متعلق چند ضروری باتیں

www.ahlequran.org

مقدمہ

کتاب سے متعلق چند ضروری باتیں

۱

میں اس کتاب کے کسی حصہ میں اگر کوئی بات بلا کسی قید کے ذکر کروں گا تو سمجھ لیا جائے کہ وہ علماء پروٹسٹنٹ کی کتابوں سے الزامی طور پر منقول ہے، اگر کسی صاحب کو وہ بات مسلمانوں کے مذہب کے خلاف نظر آئے تو اس کو شک اور غلط فہمی میں نہ پڑنا چاہئے ہاں اگر کوئی بات میں اسلامی کتابوں سے نقل کروں گا تو عموماً اس کی جانب اشارہ کروں گا، الا یہ کہ وہ بہت زیادہ مشہور ہو،

۲

اس کتاب میں جو کچھ نقل کیا گیا ہے، عموماً فرقہ پروٹسٹنٹ کی کتابوں سے ماخوذ ہے،

۱۵ فرقہ پروٹسٹنٹ Protestant عیسائیوں کا مشہور فرقہ جو سولہویں صدی عیسوی میں نمودار ہوا، اور پھر رفتہ رفتہ تمام دنیا میں پھیل گیا، اس کا دعویٰ یہ تھا کہ کلیسا کے پاپاؤں نے عیسائیت کی شکل صورت کو بڑی حد تک بگاڑ دیا ہے، اس میں بہت سی بدعتیں شامل کر دی ہیں، اور سجدہ تنگ نظری سے کام لیا ہے، اس لئے کلیسا کے نظام کی از سر نو اصلاح کرنی چاہئے، چنانچہ اس فرقہ نے جو نظریات پیش کئے (باقی صفحہ آئندہ)

خواہ تراجم ہوں یا تفسیریں یا تاریخیں، کیونکہ ملک ہندوستان پر اسی فرقہ کے لوگوں کا تسلط ہے، اور انہی کے علماء سے مناظرہ اور مباحثہ کا اتفاق ہوتا ہے، اور انہی کی کتابیں مجھ تک پہنچی ہیں، بہت کم ایسی چیزیں بھی آپ کو ملیں گی جو فرقہ کیتھولک کی کتابوں سے لی گئی ہیں، تغیر و تبدل اور اصلاح کرتے رہنا، فرقہ پر ڈسٹنٹ کے لئے ایک امر طبعی بن گیا ہے، اسی لئے آپ دیکھیں گے کہ جب کبھی ان کی کوئی کتاب دوسری بار طبع ہوتی ہے، اس میں پہلے کی نسبت بے شمار تغیر و تبدل پایا جاتا ہے، یا تو بعض مضامین بدل دیئے جاتے ہیں، یا گھٹا بڑھا دیئے جاتے ہیں، یا کسی بحث کو مقدم یا مؤخر کر دیا جاتا ہے،

اب اگر کسی ایسی چیز کا جو ان کی کتابوں سے نقل کی گئی تھی اصل کتاب سے مقابلہ کیا جائے تو اگر یہ کتابیں اسی نوع کی ہیں جن سے ناقل نے نقل کیا تھا تب تو نقل مطابق نظر آئے گی، ورنہ عموماً مخالف، لہذا اگر کوئی صاحب ان کی اس عادت سے واقف نہ ہوں تو ان کو یہی غلط فہمی ہوگی کہ ناقل نے غلط کہا ہے، حالانکہ وہ غریب صحیح کہتا ہے، یہ بات

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲۷) بشمار چیزوں میں قدیم رومن کیتھولک فرقہ سے مختلف ہیں، اس فرقہ نے چوتھ کتابوں کو بائبل سے نکال دیا، بائبل کو لوگوں کی مادر زنی میں پہنچانے کی تحریک چلائی، اور پاپا سے اس کے بہت سے اختیارات سلب کر لئے رومن کیتھولک فرقہ نے جو بہت سی رسمیں گھڑ رکھی تھیں انہیں منسوخ کر کے صرف بپتسمہ (Baptism) اور عشاء ربانی (Eucharist) کو باقی رکھا، اور عشاء ربانی کی تفصیلات بھی بدل دیں، ان تمام اختلافات کی تفصیل آگے کتاب میں اپنے اپنے مقام پر آئے گی، مارٹن لوتھر اس فرقہ کا بانی ہے، اور کالون وغیرہ اس کے مشہور لٹدریں، (تفصیل کے لئے دیکھئے انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا، ص ۳۲ تا ۳۳، ج ۱۹، مقالہ ریفارمیشن)۔

۱۵ رومن کیتھولک (Roman Catholic) عیسائیوں کا قدیم ترین فرقہ جس کا دعویٰ ہے کہ وہ خود حضرت مسیح علیہ السلام نے اس کی بنیاد رکھی تھی، یہ فرقہ حضرت مسیح کے حواری جناب پطرس کو نائب مسیح مانتا ہے، اور کہتا ہے کہ وہ کلیسا کے رئیس، اور جتنے پاپا کلیسا میں منتخب ہو جائیں گے وہ سب کے سب جناب پطرس کے خلیفہ ہوں گے، اس لئے انہیں یہی امور میں مکمل اختیار حاصل ہوں گے، اس کے مختلف عقائد و نظریات کی تفصیل کے لئے دیکھئے

کتاب ہذا، ص ۱۰۴ تا ۱۰۵، ج ۲، ۱۲ اخذ تھی

گویا ان پادریوں کی عادت بن گئی ہے، میں خود بھی دوبار ان کی اس عادت کے جاننے سے قبل اس قسم کے مغالطہ میں پڑ چکا ہوں، اس لئے ناظرین کو یہ نکتہ ہمیشہ پیش نظر رکھنا ضروری ہے، تاکہ خود بھی غلط فہمی کا شکار نہ ہوں، نہ دوسرے کو غلطی میں مبتلا کریں، اور نہ ناقل پر بہتان لگائیں،

کتاب کے اہم مآخذ | اب ہم ان کتابوں کی تفصیل بیان کرتے ہیں جن سے ہم نعتل کریں گے وہ کتابیں حسب ذیل ہیں:-

- ۱۔ موسیٰ علیہ السلام کی پانچوں کتابوں کا عربی ترجمہ، جس کو ولیم وائٹسن نے لندن میں صبح کیا ہے، مطبوعہ ۱۸۳۸ء، جو نسخہ طبعہ دوم ۱۸۶۴ء کے بعد طبع کیا گیا ہے،
- ۲۔ عہد عتیق و جدید کی تمام کتابوں کا عربی ترجمہ جس کو ولیم وائٹسن نے ۱۸۳۴ء میں طبع کیا اور اس ترجمہ میں زبور ۹ و خط کو یک جا کر کے ایک کر دیا گیا، اور زبور ۱۳۷ کے دو حصے کر کے دو زبوریں قرار دیں، اس طور پر زبوروں کی تعداد ۱۰ اور ۱۴۷ کے درمیان بہ نسبت دوسرے تراجم کے بقدر ایک کے کم ہو گئی،
- ۳۔ عہد جدید کا ترجمہ عربی زبان میں بیروت میں ۱۸۶۰ء میں طبع ہوا، میں نے عہد جدید کی عبارت اکثر اسی ترجمہ سے نقل کی ہے، کیونکہ اس کی عبارت پہلے ترجمہ کی طرح رکیک نہیں ہے،

۴۔ تفسیر آدم کلارک جو عہد عتیق و جدید پر لندن میں ۱۸۱۰ء میں طبع ہوئی،

۵۔ ہورن کی تفسیر جو ۱۸۲۰ء میں لندن میں تیسری بار طبع کی گئی،

۶۔ ہنری واسکاٹ کی تفسیر مطبوعہ لندن،

۷۔ اصل میں ہنری کی تفسیر انگلہ تھی، اور اسکاٹ کی انگلہ، بعد میں بعض عیسائی علماء (باقی صفحہ ۲۳۰)

۷۔ لارڈز کی تفسیر مطبوعہ لندن ۱۸۳۸ء،

۸۔ بارسلے کی تفسیر،

۹۔ وارٹن کی کتاب،

۱۰۔ فرقہ پروٹسٹنٹ کا ترجمہ انگریزی ہر شدہ مطبوعہ ۱۸۱۹ء و ۱۸۳۰ء و ۱۸۳۱ء و ۱۸۳۶ء،

۱۱۔ عہد عتیق و جدید کا:۔ انگریزی ترجمہ جو رد من کیتھولک کا کیا ہوا ہے، مطبوعہ ڈبلن ۱۸۳۰ء،

اس کے علاوہ دوسری کتابیں بھی ہیں جن کا ذکر اپنے اپنے موقع پر آئے گا، یہ کتابیں ان ممالک میں جن پر انگریزوں کا تسلط ہو بڑی کثرت سے ملتی ہیں، جس کسی کو شک ہو نقل کو اصل کے مطابق کر سکتا ہے،

(۴)

اگر کسی جگہ میرے قلم سے کوئی ایسا لفظ نکل جائے جو عیسائیوں کی کسی مسئلہ کتاب کی نسبت یا ان کے کسی پیغمبر کے متعلق بے ادبی اور گستاخی کا شبہ پیدا کرتا ہو تو ناظرین اس کو اس کتاب کی یا نبی کی نسبت میری بد اعتقادی پر محمول نہ فرمائیں، کیونکہ میرے نزدیک خدا کی کسی کتاب یا اس کے کسی پیغمبر کی شان میں بے ادبی کرنا بدترین عیب ہے، اللہ تعالیٰ مجھ کو اور تمام مسلمانوں کو اس سے محفوظ رکھے، مگر چونکہ وہ کتابیں جو عیسائیوں کے نزدیک مسلم اور انبیاء کی جانب منسوب ہیں، ان کا اہمامی کتابیں ہونا آج تک ثابت نہیں ہو سکا، بلکہ

دہیشہ سنو گزشتہ نے دونوں کو یک جا کر دیا اور اس کا نام ہنری واسکاٹ کی تفسیر ہو گیا، اسی لئے آپ دیکھیں گے کہ مصنف اس کا سوال دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ تفسیر ہنری واسکاٹ کے جامعین نے یوں کہا ۱۲ محمد تقی

اس کے برعکس ان کا من گھڑت اور مصنوعی ہونا ہی ثابت ہے، اور ان کتابوں کے بعض مضامین کا شدید انکار کرنا ہر مسلمان پر واجب ہے، اور یہ بھی ثابت ہے کہ ان کتابوں میں اغلاط و اختلاف اور تناقض و تحریف یعنی طور پر موجود ہے، اس لئے میں یہ کہنے پر مجبور اور معذور ہوں کہ یہ کتابیں خدا کی کتابیں نہیں ہو سکتیں اور بعض واقعات کے قطعی انکار کرنے میں حق بجانب ہوں، مثلاً یہ کہ حضرت لوط علیہ السلام نے شراب پی کر اپنی دو بیٹیوں سے زنا کیا جن کو گل رہ گیا، اور داؤد علیہ السلام نے اوریا کی بیوی سے زنا کیا، اور ان سے حاملہ ہو گئیں، پھر حضرت داؤد علیہ السلام نے امیر لشکر کو اشارہ کیا کہ کوئی ایسی تدبیر کرے جس سے اوریا مارا جائے، اور حیلہ سے اس کو مروا دیا، اور اس کی بیوی میں انھوں نے ناجائز تصرف کیا، اس طرح حضرت ہارون علیہ السلام نے بچہ ایتایا، اور اس کے لئے شرابان گاہ تعمیر کی، اور خود ہارون علیہ السلام نے مع بنی اسرائیل کے اس کی عبادت کی، اور اس کو سجدہ کیا، اس کے سامنے قربانی کی، یا یہ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام آخر عمر میں مرتد ہو گئے تھے، اور بت پرستی کرنے لگے تھے، انھوں نے بت خانے تعمیر کئے، ان کی مقدس کتابوں سے یہ بھی ثابت نہیں ہوتا کہ سلیمان علیہ السلام نے ان افعال سے کبھی توبہ کی ہو، بلکہ اس کے برعکس یہی ثابت ہے کہ ان کی وفات مرتد و مشرک ہونے کی حالت میں ہوئی، ظاہر ہے کہ اس قسم کے واقعات کا انکار کرنا ہمارے لئے ضروری اور واجب ہے،

۱۵ نقلی کفر کفر نباشد سوا انھوں نے (یعنی حضرت لوط علیہ السلام کی بیٹیوں نے) اس بات اپنے باپ کو عی پلائی؟ (سیدائش ۱۹-۳۳) اور لوط کی دونوں بیٹیاں اپنے باپ سے حاملہ ہوئیں (سیدائش ۱۹-۳۶) ۱۲
 ۱۳ (سموئیل دوم ۱۱-۵ تا ۲۵) ۱۴ (سموئیل دوم ۱۱-۱۵) ۱۵ (خروج ۳۲-۶۵۲)
 ۱۶ (سلاطین اذل ۱۱-۱۳ تا ۲۱) محمد تقی

ہمارا دعویٰ ہے کہ یہ واقعات یقینی طور پر غلط ہیں۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ نبوت کا مقدس مقام ان شرمناک کاموں سے پاک ہے،

غرض ہم غلط کو غلط کہنے میں مسدور ہیں، اس لئے علماء پر ڈسٹنٹ کے لئے زیبا نہیں ہوگا کہ وہ اس سلسلہ میں ہماری شکایت کریں، ان حضرات کو خود اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھنا چاہئے کہ وہ قرآن کریم اور احادیث نبوی اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر طعن و اعتراض میں کس قدر حدود سے تجاوز کر جاتے ہیں، اور کیونکر ان کے قلم سے ناشائستہ الفاظ نکلے ہیں؛ مگر انسان اپنے عیب کو خواہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو نہیں دیکھتا، اور دوسرے کے عیوب کے خواہ کتنے ہی معمولی ہوں درپے ہوتا ہے، ہاں وہ شخص اس سے مستثنیٰ ہے جس کی بصیرت کی آنکھیں اللہ نے کھول دی ہیں، حضرت مسیح علیہ السلام نے کیا ہی اچھی بات کہی ہے کہ:-

تو کیوں اپنے بھائی کی آنکھ کے تنکے کو دیکھتا ہے! اور اپنی آنکھ کے شہتیر پر غور نہیں کرتا؟ اور جب تیری ہی آنکھ میں شہتیر ہے تو تو اپنے بھائی سے کیونکر کہہ سکتا ہے کہ لا تیری آنکھ میں سے نیکانکال دوں؟ ایسے ریاکار پہلے اپنی آنکھیں سے تو شہتیر نکال، پھر اپنے بھائی کی آنکھ میں سے تنکے کو اچھی طرح نکال سکے گا۔ (متی ۷ - ۵، ۴۰، ۳) اور (لوقا ۶ - ۴۱ و ۴۲)

(۵)

عیسائی لٹریچر میں مخالفین کبھی کوئی ایسی بات نکل جاتی ہے جو مخالف کو گراں ہوتی ہو، آپنے کے لئے نازیبا الفاظ دیکھا ہوگا کہ مسیح علیہ السلام نے کس طرح پر کتبہ اور فریسیوں کے

لہ اہل الحق کے دونوں نسخوں میں یہ لفظ اسی طرح ہے جو غالباً کاتب کی جھج ہے، مگر انجیل متی میں "فریسیوں" کے ساتھ "فقہوں" کا لفظ ہے (متی ۲۳ - ۲۹ تا) اور یوحنا میں شرع کے "عالموں" کا لفظ ہے (۱۱ - ۴۵) مفہوم تقریباً ایک ہی ہے ۱۲ محمد تقی

سامنے اُن کے منہ پر یہ الفاظ استعمال کئے۔

اے ریاکار کتبہ اور فریسیوں! تم پر افسوس، اور آندھے راہ بتانے والو! اور اے احمق!

اور اندھو! تم پر افسوس! اے ندھے فریسی! اے نہو! اے افعی کے بچو! تم جہنم کی

سزا سے کیونکر بچو گے؟

نیز اُن کی بُرائیاں اور عیوب بھرے مجمع میں بیان کئے، یہاں تک کہ ان میں سے بعض نے شکایت کی کہ آپ ہم کو گالیاں دیتے ہیں، جس کی تصریح انجیل متی باب ۲۳ اور انجیل لوقا باب ۱۱ میں موجود ہے،

اسی طرح کنعانی کافروں کے حق میں کس طرح کثوں کا لفظ استعمال کیا، جس کی تصریح انجیل متی باب ۲۳ میں موجود ہے، نیز حضرت یحییٰ علیہ السلام نے یہودیوں کو ان الفاظ کے ساتھ کس طرح خطاب کیا کہ۔

اے اژدھوں کی اولاد! کس نہ تم کو بتایا کہ تم آنے والے غضب سے بھاگ سکو گے؟

جس کی تصریح انجیل متی باب ۲۳ میں موجود ہے،

بالخصوص علماء ظاہر کے مناظروں میں اس قسم کے کلمات بشری تعلق کے ماتحت نکل جاتے ہیں، ذرا ملاحظہ کیجئے فرقہ پرڈسٹنٹ کے مقتدی اور ریمیں المصلحین یعنی جناب کو کہ وہ ایسے شخص کے حق میں جو اپنے زمانہ میں عیسائیوں کا مقتدی اور اس کا معاصر یعنی

۱۵ آیت ۲۶ و ۲۷،

۱۵ اے سانپ کے بچو! تمہیں کس نے جتا دیا کہ آنے والے غضب سے بھاگو، (متی ۳-۴)

۱۶ مارٹن لوتھر Martin Luther، جرمنی میں فرقہ پرڈسٹنٹ کا بانی اور اس کا سب سے

پہلا لیڈر ہی، اس نے سب سے پہلے یہ آواز اٹھائی کہ ہر عام و خاص انسان کو براہ راست کتب مقدسہ سے استفادہ کا حق حاصل ہے، ماس نے کلیسائے روم کی بدعات کے خلاف احتجاج کیا تھا، اس لئے اس کے (باقی صفحہ)

پاپائے روم تھا، کس قسم کے الفاظ استعمال کرتا ہے،

اسی طرح ملک معظم ہنری ہشتم شاہ انگلستان کے حق میں کیا کیا لفظ کہتا ہے؟ ہم اس کے بعض اقوال ترجمہ کے طور پر کیتھولک ہیرلڈ جلد ۹ ص ۲۷ سے نقل کرتے ہیں، اس کے مصنف کا دعویٰ ہے کہ اس نے ان اقوالِ جناب رئیس المصلحین مذکور کی سات جلدوں میں سے جلد ۲ء سے نقل کیا ہے، غرض رئیس مذکور نے جلد ۲ء مطبوعہ ۱۵۵۸ء کے صفحہ ۲۷۴ میں پاپا کے حق میں یوں کہا ہے کہ:-

تین سب پہلا شخص ہوں جس کو خدا نے ان باتوں کے بیان کرنے کے لئے طلب کیا ہے جن کی تم کو نصیحت کرنا ہی، میں خوب اچھی طرح جانتا ہوں کہ خدا کا مقدس کلام جو تمہارے پاس تھا آہستہ آہستہ بکھل گیا، اے حقیر لوسی! اے گدھے اپنے کو گرنے سے بچا، اے میرے گدھے پاپا! اپنے کو بچا، اے ذلیل گدھے آگے مت بڑھ! ممکن ہے تو گر پڑے اور پاؤں ٹوٹ جاتے، کیونکہ اس سال بڑا بھی بہت کم ہے، یہاں تک کہ برف میں بھی بے شمار چکنائی پائی جاتی ہے، اور اس میں پاؤں پھسل جاتے ہیں پھر اگر تو گر پڑا تو لوگ مذاق اڑائیں گے، کہ یہ کونسا شیطانی کام ہے، میرے پاس

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۳۴) فرقہ کو پرڈسٹنٹ کہتے ہیں، اسی نے تورات کا ترجمہ جرمنی زبان میں کیا، جس کو جرمنی منسٹر کا ایک شاہکار تیار دیا جاتا ہے، پیدائش ۱۷۸۳ء، وفات ۱۸۵۴ء ۱۲

۱۱ پاپا یا پوپ نصاریٰ کی اصطلاح میں کلیسا کے رئیس کو کہا جاتا ہے، اُسے نصاریٰ حضرت مسیح کا خلیفہ سمجھتے ہیں پہلے اسی کو پیٹرک کہا جاتا تھا، بعد میں پاپا کا نام دیا گیا، اور وہ امور مذہبیہ کے اندر کامل طور پر خود مختار ہوئے تا کہ موت نے ابن خلدون، ص ۴۱۸) کو تھور نے اپنے زمانہ کے پاپا سے بغاوت کی تھی ۱۳

۱۲ ہنری ہشتم شاہ انگلستان (۱۵۰۹ء - ۱۵۵۰ء) اس نے سب سے پہلے شروع میں لو تھر کی

تحریک بغاوت کا کلیسا کی جانب سے مقابلہ کیا، جس پر اُسے پاپا نے "تھانٹز ایمان" کا خطاب دیا، بعد میں یہ کلیسا سے

۱۳ پوپا، اور ایک اور نام، مذہب کے بنیاد والی چیز کا نفاذ، یہ تھا کہ بادشاہی کو کلیسا پر کامل اختیارات ہونے چاہئیں ۱۴ تقی

دور ہو جاؤ، اے شریر! ناقابلِ اتقات! حقو! ذلیل گدھو! تم اپنے کو گدھوں کے
بہتر سمجھتے ہو؟ اے پوپ! بے شک تو گدھا ہے، بلکہ بیوقوف گدھا ہے، اور
ہمیشہ گدھا ہی رہے گا۔

پھر صفحہ ۴۷۴ جلد مذکور میں یوں ہے:-

”اگر میں حاکم ہوتا تو یہ حکم جاری کرتا کہ شریر پوپ اور اس کے متعلقین کو
باندھ کر دریائے ہستیاء میں جو ردم سے تین میل کے فاصلہ پر ایک بڑا دریا ہو
ڈبو دیا جائے، کیونکہ وہ پاپا اور اس کے جملہ متعلقین کے لئے تمام امراض اور
کمزوری سے شفاء اور صحت حاصل کرنے کے لئے ایک بہترین حمام ہے، اور
میں نہ صرف اپنا قول دیتا ہوں، بلکہ مسیح کو بھی اس امر کا ضمان بنانا ہوں کہ
اگر میں ان کو صرف آدھا گھنٹہ ڈبودوں تو وہ تمام بیماریوں سے صحتیاب
ہو جائیں گے۔“

پھر جلد مذکور کے صفحہ ۴۰۱ پر کہتا ہے کہ:-

”پوپ اور اس کے متعلقین ایک شریر اور منسدمکار و فریب کار گروہ ہے،
اور بد قماش لوگوں کی ایسی پناہ گاہ ہے جو بڑے بڑے جہنی شیاطین سے بھری
ہوتی ہے، کہ اس کے ٹھوک اور ناک کی ریزش سے بھی شیاطین برآمد
ہوتے ہیں۔“

پھر جلد ۲ مطبوعہ ۱۵۶۲ء کے صفحہ ۱۰۹ پر کہتا ہے کہ:-

”میں پہلے کہا کرتا تھا کہ جان ہنس کے بعض مسائل انجیل والوں کے مسائل ہیں

اب میں اس قول سے ہٹ کر کہتا ہوں کہ صرف بعض مسائل ہی نہیں، بلکہ وہ تمام مسائل جن کی تردیدِ جمال اور اس کے حواریوں نے کونشنس کے جلسہ میں کی ہے، وہ سب انجیلی ہیں، اور اب میں تیرے منہ پر کہتا ہوں، اے اللہ کے مقدس نائب کہ جان ہس کے تمام مسائل جن کی تردید کی گئی ہے واجبِ تسلیم ہیں، اور تیرا ہر مسئلہ شیطانی اور کافرانہ ہے، اس لئے میں جان ہس کے تمام رد کئے ہوئے مسائل کو تسلیم کرتا ہوں، اور ان کی تائید کے لئے خدا کے فضل سے تیار ہوں۔“

جان ہس کے مسائل میں سے یہ بھی ہے کہ پادشاہ یا پادری اگر کسی کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرے تو پھر وہ بادشاہ یا پادری نہیں رہ سکتا،

اب سوال یہ ہے کہ جب رئیسِ مصلحین جناب لو تھر کے نزدیک اس کے تمام مسائل مسلمہ ہیں، تو یہ مسئلہ بھی ضروری ہے کہ مسلم ہو، اس بناء پر اس کے ماننے والوں میں ایک شخص بھی ایسا نہیں نکلتے گا جو پادشاہت یا پادری ہونے کا اہل ہو، کیونکہ ان میں کسی کا بھی دامن کبیرہ گناہ

(بقیہ حاشیہ) کی اعتبار میں کلیسائے روم کے خملات آواز بند کی، اور اسی کی تعلیمات کی بنیاد پر لو تھر نے اپنا فرقہ قائم کیا، اس زمانہ کے پاپا مغفرت نامے فرودخت کیا کرتے تھے، اس کی بنیادی تعلیمات میں اس کی خملان احتجاج، گناہ کبیرہ کے مرتکبوں کو پادری نہ بنانے کی تجویز اور بائیسبل کو ہر شخص کی مادری زبان میں پڑھانے کی آرزو شامل ہے، مسئلہ ۱۲ میں جب مغفرت ناموں کی تقسیم کا اعلان ہو رہا تھا اس کی موثر تبلیغ سے یہ کام نہ ہو سکا چنانچہ پاپا نے اسے کلیسائے خارج کر دیا، اور ستایا، مسئلہ ۱۳ میں اسے گرفتار کیا گیا، اور سات مہینے متواتر محبس رکھنے کے بعد، جولائی ۱۸۵۷ء کو شہر کانسٹنس میں زندہ جلادیا گیا (تواریخ کلیسائے روم) ۱۲

حاشیہ مزید ۱۵ Constance Council جس زمانہ میں پاپاؤں اور پادشاہوں میں خانہ جنگی جاری تھی، یکم نومبر ۱۸۵۷ء کو شہر کانسٹنس میں ایک عالمگیر اجلاس بلایا گیا جس میں شرکاء کی تعداد تقریباً ایک لاکھ تھی، اس میں بھی اتحاد کی بحالی، کلیسا میں اصلاحات اور غلط تعلیمات کو بدعتیوں (باقی برص ۱۸۵۷ء)

سے پاک نہیں ہے، اور بڑی عجیب بات ہے کہ عصمت و پاک و امنی عیسائیوں کے نزدیک انبیاء اور پیمبروں کے لئے تو شرط ہی نہیں، چنانچہ جناب لو تھر کے نزدیک یہ حضرات معصوم نہیں ہیں، مگر پادشاہ اور پادری کے لئے شرط ہے، شاید یہ بات ہو کہ نبوت کا منصب اس کے نزدیک پادری کے منصب سے کم ہوگا،

لو تھر صاحب نے جو الفاظ ملک معظم ہنری ہشتم کے حق میں استعمال کئے ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔ جلد ۷ مطبوعہ ۱۵۵۸ء صفحہ ۲۷۷ پر کہتا ہے کہ:-

(۱) بیشک لو تھر ڈرتا ہے کیونکہ بادشاہ نے اس قدر اپنا ٹھوک کذب و لغویں خرچ کیا ہے؛

(۲) میں جھوٹے اور بے غیرت کے ساتھ بات کر رہا ہوں، اور چونکہ وہ اپنی بیوقوفی سے اپنے منصب سلطانی کا لحاظ نہیں کرتا تو پھر میں کیوں اس کا جھوٹ اس کے حلق میں نہ ٹوٹاؤں؛

(۳) آئے لکڑی کے بڑے حوض جاہل؛ تو جھوٹا ہے، اور احمق پادشاہ ہو؛ جو کفن چور بھی ہے؛

(۴) اسی طرح یہ احمق پادشاہ بکو اس کیا کرتا ہے؛

بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ مخالفین کے لئے اس قسم کے الفاظ کا استعمال علماء پڑھنے والوں کے نزدیک جائز ہے، یہ دوسری بات ہے کہ وہ یہ کہیں کہ یہ استعمال مقتضائے بشریت کی بناء پر ہوا ہے، اب ہم کہتے ہیں کہ انشاء اللہ تعالیٰ ہم کوئی ایک لفظ بھی جان بوجھ کر اس

(بقیہ حاشیہ گذشتہ) سمیت دفع کرنے کی تدابیر پر غور کیا گیا، جان رس کی تعلیمات زیر بحث آئیں تو انہیں بااتفاق رد کیا گیا، اور اسی کے نتیجے میں اُسے زندہ نذر آتش کیا گیا، (دیکھئے شارٹ ہسٹری آف دی چرچ، از سی پی ایس کلیرک، ص ۲۳۹ و ۲۴۰) ۱۲ محقق

انداز کا استعمال نہیں کریں گے، جس انداز کے الفاظ ان کے مقتدار نے مسیحی علماء کے حق میں استعمال کئے ہیں، ہاں اگر کوئی لفظ بلا ارادہ ایسا نکل گیا جو ان کے خیال میں ان کی شان کے مناسب نہیں ہے تب بھی ہم ان سے چشم پوشی اور دعاء کے طالب ہیں،
 مسیح علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ:-

”تم اپنے لعنت کرنے والوں کو برکت کی دعاء دو، اپنے ساتھ بغض رکھنے والوں
 سے بھلائی کرو، جو تمہارے ساتھ بُرائی سے پیش آئیں اور تم کو دھتکاریں تم ان سے
 صلہ رحمی کرو۔“

جس کی تصریح انجیل متی باب میں موجود ہے

(۶)

عیسائی محدثین کے اقوال | یورپی ممالک میں ایسے لوگ بڑی کثرت سے موجود ہیں جن کو عسما
 نقل کرنے کی وجہ | پروٹسٹنٹ ملحد اور بد دین کہتے ہیں، جو نبوت و الہام کے منکر اور مذاہب
 کا مذاق اڑاتے ہیں، مذہب عیسوی کے پیغمبروں کی بے ادبی کرتے ہیں، بالخصوص حضرت مسیح
 علیہ السلام کی، ان ممالک میں ان کی تعداد دن بدن بڑھتی جاتی ہے، ان کی کتابیں دنیا کے اطراف
 میں پھیل چکی ہیں، کچھ تحوڑی مفت دار میں ان کے اقوال بھی اس کتاب میں نقل کئے جاتے ہیں گے،
 اس نقل سے کوئی صاحب یہ خیال نہ فرمائیں کہ ہم ان کے اقوال یا افعال کو اچھا سمجھتے ہیں، حاشا
 وکلا، کیونکہ ہمارے نزدیک جن پیغمبروں کی نبوت ثابت ہو چکی ہے ان کا منکر بالخصوص حضرت
 مسیح کا منکر ایسا ہی ہے جیسا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کرنے والا، بلکہ اس نقل کا منشاء
 محض علماء پروٹسٹنٹ کو یہ بتانا ہے کہ انھوں نے مذہب اسلام پر جو اعتراضات کئے ہیں، وہ
 ان اعتراضات کی نسبت کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتے، جو خود ان کے اہل ملک و مچنس لوگوں

نے عیسائی مذہب پر کئے ہیں،

۷

علمائے پروٹسٹنٹ کی اکثر علماء پروٹسٹنٹ کی عادت مخالفین کے جواب لکھنے کے موقع پر یہ مسلمانوں پر بیتان طرازی رہتی ہے کہ وہ اس کی کتاب میں عناد اور مخالفت کی نگاہ سے جستجو کرتے ہیں، اگر پوری کتاب میں تھوڑے سے بھی کمزور اقوال ان کو مل گئے تو وہ اُن کو غنیمت سمجھ کر عوام کو مغالطہ میں ڈالنے کے لئے اُن کو نقل کرتے ہیں، پھر دعویٰ کرتے ہیں کہ تمام کتاب اسی نمونہ کی ہے، حالانکہ انھوں نے پوری بھاگ دوڑ کے بعد محدودے چند اقوال کمزور پائے ہیں، پھر مخالف کے ان اقوال کو لے لیتے ہیں جن میں وہ تادیل کر سکتے ہیں، یا ان کا جواب دے سکتے ہیں، اور قومی و مضبوط اقوال کو قطعی ہاتھ نہیں لگاتے، بلکہ ان کی طرف اشارہ بھی نہیں کرتے اور نہ تردید کے لئے اس کی کتاب کی تمام عبارت نقل کرتے ہیں، کہ ناظرین پر فریقین کے کلام کی حقیقت واضح ہو سکے، بلکہ کبھی کبھی تو اُن کی طرف سے نقل کرنے میں بھی خیانت کا ارتکاب ہوتا ہے، یعنی ناظرین کو مغالطہ میں ڈالنے کے لئے اس کے الفاظ اور اصل غرض میں تحریف اور تغیر و تبدل کر دیتے ہیں، تاکہ دیکھنے والا صرف ان منقول اقوال کو دیکھ کر یہ سمجھے کہ واقعی مخالف کا تمام کلام اسی نمونہ کا ہو گا جس طرح انھوں نے نقل کیا ہے،

یہ عادت بہت ہی ناپسندیدہ ہے، جو حضرات اُن کی اس عادت سے واقف ہیں اُن کو یقین ہو جاتا ہے کہ ان معترضین کو مخالف کی کتاب میں اس کے سوا کچھ نہیں ملے گا، پھر یہ بات بھی واضح ہے کہ اگر بالفرض نقل درست بھی ہو تو صرف ان اقوال سے پوری کتاب کا کمزور ہونا لازم نہیں آتا، بالخصوص جبکہ وہ کتاب بھی بڑی ہو کیونکہ جب کسی کتاب الہامی نہیں ہے تو عادتاً اس میں بعض باتوں کا کمزور ہونا بھی لازمی ہے، اس لئے کسی انسانی کلام اس عیب سے پاک ہونا بہت ہی مشکل ہے کہ ہر کاٹوالی تو اس کی گندہ نواؤں پر ہر نما گویا کیلئے اذیت مند

گر مالازم ہے، اور سب سے پہلا انسان سب سے پہلا بھولنے والا ہے؛

ہمارے نزدیک غلطی اور بھول پن کا ہر صورت کلام الہی اور کتاب الہی کیلئے مخصوص ہے یہ شان کسی اور کتاب کی نہیں سکتی، ذرا غور کیجئے کہ امام جنت
 دوتھرے وقت اس موجود زمانہ تک ان محققین میں کوئی ایک بھی یاسٹین نہیں کیا جاسکتا جس کے کلام میں کوئی غلطی اور کمزوری یا کئی قصص
 میں کسی موقع پر نہ ہوئی ہو، اگر کوئی ایسا ہو تو پیش کیجئے، پھر اس کی جواب دہی ہمارے ذمہ ہوگی،
 کیا پھر اسی طرح ہمارے لئے بھی جائز ہوگا کہ ہم بھی ان کے امام ممدوح یا دوسرے امام
 کالون یا ان کے کسی مشہور محقق کے بعض کمزور اقوال کو نقل کر کے یہ کہیں کہ اس کا باقی کلام بھی
 اسی طرح باطل ہے، اور اسی قسم کی کجواس ہے، اور اس کو باریک بینی نصیب نہیں تھی، عاशा
 کہ ہم یہ بات کہیں، کیونکہ یہ قطعی انصاف کے خلاف ہے، اور اگر عیسائیوں کے نزدیک اتنی بات
 کافی ہے تو ہم کو بڑی راحت حاصل ہو جائے گی، کیونکہ ہم ان کے کسی امام یا محقق کے بعض وہ
 اقوال جن کے بارے میں خود ان کے مقتداؤں اور اہل مذاہب نے اعتراف کیا ہے کہ یہ کمزور
 یا غلط ہیں، نقل کرنے کے بعد کہہ دیں گے کہ ان کا باقی کلام بھی اسی نمونہ کا ہے، اور وہ ایسے تھے
 اس لئے کہ مجھ کو عیسائی علماء سے توقع ہے کہ اگر وہ ہماری کتاب کا جواب لکھیں تو تردید
 کے لئے میری پوری عبارت کو نقل کریں، اور اس مقدمہ میں جو باتیں ذکر کی گئی ہیں ان کی
 پوری پوری رعایت کریں، اس پر اگر یہ لوگ عدیم الفرستی کا بہانہ پیش کریں تو یہ کسی طرح
 مقبول نہ ہوگا، کیونکہ مصنف مرشد الطالبین نے اپنی کتاب مطبوعہ ۱۸۴۸ء جز ۲ فصل ۲۱

۱۔ کالون Calvin فرقہ پرڈسٹنٹ کا مشہور مصلح (۱۵۰۹ء تا ۱۵۶۴ء) شروع میں مسیح
 کی تھو لک عقائد کا تھا، بعد میں دوتھر کے عقائد و نظریات کو قبول کیا، پھر ان نظریات کی تبلیغ میں بڑی قربانیاں
 دیں، فرانس میں پیدا ہوا تھا، بعد میں بے شمار سفر کر کے جینیوا میں مقیم ہو گیا، جینیوا اور گرد و نواح میں پرڈسٹنٹ
 نظریات کو پھیلانے میں اس کا بڑا کام کر دیا، یہاں پر اس کی بہت سی تصانیف ہیں، فرانسیسی زبان میں بائبل کا پہلا
 ترجمہ اسی نے کیا ہے، اگرچہ موجودہ کلیسہ اس کے تمام نظریات کو تمام کمال قبول نہیں کرتا، مگر اسے اپنا مقتدا تسلیم کرتا ہے (از براہین، ج ۲)

میں تصریح کی ہے کہ:-

تقریباً ایک ہزار گشتی علماء پر ڈسٹنٹ دوامی طور سے انجیل کی اشاعت میں مشغول رہتے ہیں، جن کی اعانت اور مدد کرنے کے لئے ایک سودا عظیم اور معلن

ہر وقت مستعد رہتے ہیں۔

پھر یہ سب کے سب اپنے گھروں سے صرف اس ضروری کام کے لئے نکلے ہوئے ہیں کہ وعظ و نصیحت کریں، اور اپنے مذہب کی لوگوں کو دعوت دیں، ایسی صورت میں اتنی بڑی جماعت کے ہوتے ہوئے عدیم الغرضی کاغذ کیسے مانا جاسکتا ہے؟ اپنے بیان کی توضیح کے لئے کچھ حالات امام جماعت جناب لوتھر کے اور کتاب میزان الحق وحل الاشکال و مفتاح الاسرار مصنف پادری فنڈر صاحب کے ہم ذکر کرنا چاہتے ہیں،

دارڈ کیتھولک اپنی کتاب مطبوعہ ۱۸۴۱ء میں ترجمہ مذکورہ کے حال میں جو ڈچ زبان

میں ہے کہتا ہے:-

روٹکلیس جو علماء پر ڈسٹنٹ ہیں بڑے پایہ کا عالم ہیں، لوتھر کو خطاب کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اے لوتھر تو خدا کے کلام کو بگاڑتا ہے، تو بڑا مخرب ہے، اور کتب مقدسہ کو خراب کرنے والا ہے، ہم کو تجھ سے عید شرم آتی ہے، کیونکہ ہم تیری بے شمار تعظیم کرتے تھے، اور اب پتہ چلا کہ تو اس قسم کا ہی، اور لوتھر نے روٹکلیس کے توجہ کار و کیا، اور اس کو احمق، گدھا، دجال، دھوکہ باز، القاب سے یاد کیا، پادری لکرمین ترجمہ مذکورہ کے حق میں کہتا ہے کہ "عہد عتیق کی کتابوں کا ترجمہ، بالخصوص کتاب ایوب کا اور انبیاء کی کتابوں کا، عیسویوں سے لبریز ہے اور عہد جدید کا ترجمہ بھی عجیب دار ہے، اور اس کا عیب بھی کچھ کم نہیں ہے،

اور بسروا سیانڈر، نو تھرے کہتا ہے کہ "تیرا ترجمہ غلط ہے، اور سٹافیلز اور

امیرس نے فقط عہد جدید کے ترجمہ میں چودہ سو غلطیاں پائی ہیں جو بدعنائیں"

پھر جو اغلاط صرف عہد جدید کے ترجمہ میں پائے جاتے ہیں، اُن کی تعداد ۱۴۰۰ ہے، تو

غالب یہی ہے کہ پورے ترجمہ میں ہزار اغلاط سے کم ہرگز نہ ہوں گے، پھر جب اتنی اغلاط

پائے جانے کے باوجود ان کے پیشوائے عظیم کیلئے جہل اور عدم تحقیق کی نسبت نہیں کی جاتی، تو

ایک منصف مزاج کے نزدیک وہ شخص جس کا کلام پانچ سات مقامات پر اور وہ بھی مخالف

کے نزدیک مجروح ہو، تو جہل اور عدم تحقیق کا مجرم کس طرح قرار پاسکتا ہے؟

اب عیسائیوں کے پیشوائے عظیم کا حال سننے کے بعد کچھ حالات میزان الحق وغیرہ کتابوں

کے بھی سنتے جانیے :-

اس کتاب کے دو نسخے ہیں، ایک قدیم نسخہ جو عرصہ دراز تک داعظ پادریوں کے یہاں

استفسار کی تالیف سے قبل مرذوج رہا ہے، مگر جب فاضل محترم علامہ آل حسن نے استفسار

تصنیف فرمائی اور نسخہ مذکورہ کے باب نمبر ۱۰ کی تردید لکھی، اور اس کتاب کے دیکھنے کے

بعد پادری فنڈر کو اپنی کتاب کا حال معلوم ہوا، تو انھوں نے مناسب سمجھا کہ دوبارہ اس کو

کاٹ تراش کر اور کچھ حذف و اضافہ کر کے شائع کیا جائے، چنانچہ پادری صاحب نے ایک

بد نسخہ کامل اصلاح کے بعد مرتب کر کے اس کو فارسی زبان میں ۱۸۴۹ء میں آگرہ میں طبع

کرایا، پھر ۱۸۵۰ء میں اردو زبان میں طبع کیا، گویا وہ قدیم نسخہ اس جدید نسخہ کے مقابلہ میں

قانون منسوخ کی حیثیت سے عیسائیوں کے یہاں غیر معتبر قرار دیا گیا، اس لئے ہم اس قدیم

نسخہ سے ایک قول کے علاوہ اور کچھ نقل نہیں کریں گے، اگرچہ اس سلسلہ میں کافی گفتگو کی

گنجائش ہے،

بہر کیف! ہم اس جدید فارسی نسخہ سے نمونہ کے طور پر ۲۴ اقوال نقل کریں گے، اسی طرح حل الاشکال مطبوعہ ۸۴۷ء سے ۹ اقوال اور صرف دو قول کتاب مفتاح الاسرار قدیم و جدید سے بطور ترجمہ عربی زبان میں نقل کریں گے، ساتھ ساتھ ہم باب اور فصل اور صفحات کے حوالے بھی دیتے جائیں گے،

”میزان الحق“ کے اقوال

پہلا قول | میزان الحق، صفحہ ۱، باب اول میں یوں لکھا گیا ہے کہ:-

اُس نسخ کے مسئلہ میں قرآن اور مفسرین دعویٰ کرتے ہیں کہ جس طرح زبور کے نزول سے توریت اور انجیل کے نزول سے زبور منسوخ ہو گئی، اسی طرح قرآن کے نازل ہونے پر انجیل منسوخ ہو گئی۔

ملاحظہ کیجئے کہ زبور کے نزول سے توریت اور انجیل کے نزول سے زبور کا منسوخ ہو جانا، اس کی نسبت قرآن کی طرف کرنا سرسری بہتان اور افتراء ہے، قرآن کریم میں اس کا کہیں کوئی ذکر نہیں ہو بلکہ مسلمانوں کی کئی معتبر مستند کتاب بھی اسکا ذکر نہیں کرتیں۔ ہمارے نزدیک زبور توریت کی نسخہ اور انجیل منسوخ ہے، بلکہ اس کے برعکس داؤد علیہ السلام پورے طور پر غریمیت موسوی کے منبج تھے اور زبور تو صرف چند دعاؤں کا مجموعہ ہی جس کے نسخ و منسوخ ہونے کا سوال ہی نہیں ہو سکتا۔ ممکن ہے کہ پادری موصوف نے کسی جاہل عامی سے سکر قیاس کیا ہو گا کہ یہ بات قرآن اور تفسیروں میں ہوگی۔ اس لئے اس کو قرآن اور مفسرین کی جانب منسوب کر دیا، یہ شان ہے اُن محقق صاحب کے دعاوی کی، ایسے طعن و اعتراض کے سلسلہ میں جو عیسائیوں کا اولین اور بہت بڑا اعتراض ہے۔

دوسرا قول | فصل مذکور صفحہ ۲۴ پر لکھا ہے کہ:-

مسلمانوں کے اس دعوے کی کوئی اصل نہیں ہے کہ زبور توریت کی نسخہ ہے اور

انجیل دونوں کی

یہ بھی پہلے کی طرح غلط ہے، کیونکہ آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ زبور نہ تو توریت کی نسخہ ہے نہ انجیل سے منسوخ ہے، میں نے جب اس مشہور مناظرہ میں جو میرے اور پادری مذکور کے درمیان مجمع عام میں ہوا تھا، ان دونوں قولوں کی نقل کی تصحیح کا مطالبہ کیا تو پادری صاحب کے لئے کوئی پناہ کی جگہ اس کے سوا نہیں مل سکی کہ اپنی غلطی کا اقرار کرنے پر مجبور ہوئے جس کی تصریح ان مناظرہ کے رسالوں میں موجود ہے جو آگرہ اور دہلی میں فارسی اور اردو میں کئی بار طبع ہو چکے ہیں، جو صاحب چاہیں دیکھ سکتے ہیں،

تیسرا قول | فصل مذکور، صفحہ ۲۵ میں یوں ہے کہ :-

قانون نسخ سے یہ تصور لازم آتا ہے کہ خدائے تعالیٰ نے جان بوجھ کر محض اپنی مصلحتوں اور ارادہ کے پیش نظر یہ چاہا کہ ایک ایسی ناقص چیز جو مطلوب تک پہنچانے والی نہیں ہے عطا کرے اور پھر اس کی توضیح کرے، مگر اس قسم کے ناقص اور باطل تصورات اللہ تعالیٰ کی مقدس ذات کی نسبت جو قدیم اور کامل الصفات ہر کوئی شخص بھی نہیں کر سکتا۔

یہ اعتراض مسلمانوں پر ان کے اصطلاحی نسخ کے پیش نظر کسی طرح بھی نہیں پڑ سکتا، چنانچہ باب میں آپ کو معلوم ہو جائے گا، ہاں عیسائیوں کے مقدس جناب پولس پر یہ اعتراض

۱۔ پولس (لام کے پیش کے ساتھ) Paul نصاریٰ کا ایک مقدس پیشوا ہے، جس کے ۴ خطوط پہلے کے موجودہ مجموعہ (عہد نامہ جدید) میں موجود ہیں، بزعم نصاریٰ نصرانی مذہب کی تبلیغ میں اس کا بڑا اہم کردار ہے، شروع میں عیسائیوں کے عقیدہ کے مطابق اس کا نام ساؤل تھا، اور یہ یہودی تھا، اس نے یروشلم میں عیسائیوں پر بڑے ظلم و ستم ڈھائے، بعد میں دمشق گیا، تو ایک غیر معمولی واقعہ سے مرعوب ہو کر عیسائی ہو گیا (باقی برصغیر)

ضرور وارد ہوگا، کیونکہ یہ بزرگ اسی ناقص باطل تصور میں مبتلا نظر آتے ہیں، جو پادری فنڈ کے نزدیک ناممکن ہے، ہم اس کی عبارت عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۶۷ء سے نقل کرتے ہیں، عبرانیوں کے نام خط کے باب آیت ۱۸ میں یوں فرماتے ہیں کہ:-

”غرض پہلا حکم کمزور اور بے فائدہ ہونے کے سبب منسوخ ہو گیا کیونکہ شریعت نے کسی چیز کو کامل نہیں کیا،“

نیز اسی خط کے باب ۸ آیت ۷ میں یوں ہے کہ:-

”کیونکہ اگر پہلا عہد بے نقص ہوتا تو دوسرے کے لئے موقع نہ ڈھونڈا جاتا“

اور تیسری آیت میں ہے:-

”جب اس نے نیا عہد کیا تو پہلے کو پرانا ٹھہرایا، اور جو چیز پرانی اور مدت کی

ہو جاتی ہے وہ مٹنے کے قریب ہوتی ہے“

اور اسی خط کے باب ۱۰ آیت ۹ میں ہے کہ:-

”غرض وہ پہلے کو موقوف کرتا ہے تاکہ دوسرے کو قائم کرے“

دیکھئے! عیسائیوں کے مقدس نے توریت پر یہ اطلاق کیا کہ وہ باطل اور منسوخ ہو گئی

اور وہ بیکار محض اور کمزور تھی، اور کسی چیز کو مکمل نہ کر سکتی تھی، عیب دار تھی، اور اس کو مضحکہ

باطل ہونے کے لائق شمار کیا،

بلکہ اس پادری کے قول کے موافق تو یہ لازم آتا ہے کہ نعوذ باللہ خود باری تعالیٰ بھی سب

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۶) اور عیسائیوں کا زبردست مبلغ بنا، (یہ واقعات کتاب اعمال پٹ دے میں دیکھے جاسکتے

ہیں، شمالی جزیرہ عرب اور ایشیائے کوچک Asia Minor کے مختلف شہر مقدونیہ وغیرہ اس کی

تبلیغ کا اہم مرکز ہے ہیں اسے بیت المقدس میں دو مرتبہ قید کیا گیا، پھر روم میں لیجا کر شہر میں قتل کر دیا گیا تفصیل

کے دیکھئے مقدمہ باب ۱۲ مرقومہ صفحہ ۱۲ تھی

پہلے اس باطل ناقص تصور میں مبتلا ہوا، کیونکہ اس نے حزقیلؑ کی زبانی یہ فرمایا کہ :-

”سو میں نے ان کو بُرے آئین اور ایسے احکام دیئے جن سے وہ زندہ نہ رہیں“ (حزقی ایل ۲۵)

بہم کو اس محقق کے انصاف پر بڑا ہی تعجب ہوتا ہے کہ وہ مسلمانوں پر وہ الزام قائم کرتا ہو

جو خود اس کے مذہب پر عائد ہوتا ہے، نہ کہ مسلمانوں کے مذہب پر،

چوتھا قول | فصل مذکور صفحہ ۲۶ میں یوں کہا گیا ہے کہ :-

”ان آیات کا مقتضایہ ہے کہ انجیل اور عہد عتیق کی کتابوں کے احکام رہتی دنیا

تک قائم اور باقی رہیں“

حالانکہ یہ چیز اس لئے قطعی غلط ہے کہ اگر آیت کا مقتضی یہ ہوتا... کہ دونوں کے احکام ہمیشہ باقی رہیں گے، تو لازم آتا ہے کہ تمام پادری واجب القتل ہوں، اس لئے کہ یہ لوگ شنبہ کے دن کی تعظیم نہیں کرتے، اور نوریت کے حکم کے مطابق اس کی تعظیم کو توڑنے والا واجب القتل ہے، اس کے علاوہ پادری صاحب نے اسی فصل میں صراحت پر اصرار کیا ہو کہ :-

”نوریت کے ظاہری احکام مسیحؑ کے ظہور پر پورے ہو چکے، اور اس معنی کے اعتبار

سے منسوخ ہو گئے کہ ان کی پابندی اب ضروری نہیں رہی“

یعنی یہ احکام ظاہری پادری صاحب کے اقرار کے مطابق قیامت تک باقی رہنے والے نہیں ہیں، اب بتایا جائے کہ اس معنی کے لحاظ سے ان احکام کی تکمیل و ترجیح میں اور ہمارے

لوحہ قیال بن بوزئی آپ کبار انبیاء علیہم السلام میں سے ہیں، آپ کا نام تائیخ کی عام کتابوں میں ”حزقیل“ عربی کی بائبل میں حزقیال اور دو ترجمہ میں حزقی ایل مذکور ہے، آپ لادمی (Levi) بن یعقوب علیہ السلام

کی اولاد میں سے ہیں، جب ششہ ق م میں بنو کد نصر (Kabuchodonosor) نے بابل

پر حملہ کیا تو آپ نے اہل شہر کے ساتھ اس کاڈٹ گر مقابلہ کیا، عہد قدیم کے موجودہ مجموعہ میں ایک کتب

”کتاب حزقی ایل“ کے نام سے آپ کی طرف منسوب ہے،

اصطلاحی نسخ میں کیا فرق باقی رہ جاتا ہے،

حضرت مسیح علیہ السلام اپنے حواریوں کو روانہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں ۱۔
غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا، بلکہ اسرائیل
کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جانا ۲۔

یعنی مسیح علیہ السلام نے حواریوں کو دوسری قوموں اور سامریوں کو دعوت دینے سے
منع کیا، اور اپنی پیغام رسانی کو بنی اسرائیل تک محدود و مخصوص رکھا، پھر آسمان پر چڑھنے کے
وقت فرمایا کہ ۳۔

تم تمام دنیا میں جا کر ساری خلق کے سامنے انجیل کی منادی کرو ۴۔

یہاں سارے عالم کو دعوت دینے کا حکم کر رہے ہیں، اور اپنے پیغام کے عموم کا ارشاد
فرماتے ہیں جس کا مطلب یہ ہوا کہ اپنے پہلے حکم کو منسوخ کر دیا، پھر حواریوں نے مشورہ کے بعد
توریت میں کہے ہوئے سارے ہی عملی احکام کو باستثناء چار احکام کے منسوخ کر ڈالا،
بتوں کے ذبیحہ کی حرمت، خون کی حرمت، گھلا گھونٹے ہوئے جانور کی حرمت، زنا کی
حرمت، اس سلسلہ میں تمام گرجوں کے نام ہدایت نامہ جاری کیا گیا، جس کی تصریح کتاب الاعمال
باب ۱۵ میں موجود ہے،

پھر مقدس پولس نے ان چار استثنائی احکام میں سے پہلے تین احکام کو اباحت عام

۱۔ (متی ۱۰-۱۱، ۱۲)

۲۔ (مرقس ۶-۷، ۱۵)

۳۔ روح القدس نے اور ہم نے مناسب جانا کہ ان ضروری باتوں کے سوا تم پر اور بوجھ نہ ڈالیں، کہ تم بتوں
کی قربانیوں کے گوشت سے اور ہوا اور گھلا گھونٹے ہوئے جانوروں اور حرام کاری سے پرہیز کرو، اگر تم اپنے آپ کو
ان چیزوں سے بچاتے رکھو گے تو سلامت رہو گے، والسلام (اعمال ۱۵-۲۸ و ۲۹) ۱۳

کے فتوے کے ذریعہ (جو اس کے رسالہ اہل روم کے باب ۱۴ آیت ۱۴ میں اور ططس کے نام خط کے باب آیت ۱۵ میں درج ہے) منسوخ کر ڈالا، غرض حواریوں نے توریت کے احکام کو منسوخ کیا، اور مقدس پولس نے حواریوں کے احکام کو لہذا ہمارے بیان سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ نسخ جس طرح توریت کے احکام میں واقع ہوا، اسی طرح انجیل کے احکام میں بھی واقع ہوا ہے، اور دونوں کے احکام منسوخ قیامت تک باقی رہنے والے نہیں ہو سکے، ان چیزوں کی تفصیل انشاء اللہ تعالیٰ آپ کو باب میں معلوم ہو جائے گی،

وہ آیتیں جن سے پادری مذکور نے استدلال کیا ہے چار ہیں، جن کو فصل مذکور ص ۲۶ و ۲۷

میں نقل کیا ہے:-

۱۔ انجیل لوقا، باب ۲۱ آیت ۳۳ میں ہے کہ،

”آسمان اور زمین ٹل جائیں گے، لیکن میری باتیں ہرگز نہ ٹلیں گی۔“

۲۔ انجیل متی باب ۵ آیت ۱۸ میں یوں ہے کہ:

”پس بے شک میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان اور زمین ٹل نہ جائیں

ایک نقطہ یا ایک شوشہ توریت سے ہرگز نہ ٹلے گا جب تک سب کچھ پورا نہ ہو جائے۔“

۳۔ ”مجھے معلوم ہے بلکہ خداوند یسوع میں مجھے یقین ہے کہ کوئی چیز بذاتہ حرام نہیں، لیکن جو اس کو حرام سمجھتا ہے اس کے لئے حرام ہے۔“ (رد میوں کے نام ۱۴-۱۴) اور ”پاک لوگوں کے لئے سب چیزیں پاک ہیں، مگر گناہ آلود لوگوں اور بے ایمان لوگوں کے لئے کچھ بھی پاک نہیں۔“ (ططس کے نام، ۱-۱۵) ان فتوؤں سے پہلی تین چیزیں منسوخ ہوتی ہیں، کیونکہ یہاں کھانے پینے کی اشیاء کا ذکر ہے۔ زنا کی حرمت اس سے منسوخ نہیں ہوتی، اس لئے مصنف نے فرمایا کہ ”چار استثنائی احکام میں سے پہلے تین احکام کو الخ ۳“

۳۔ پطرس کے پہلے خط باب آیت ۲۴ میں اس طرح ہے کہ ۱

”کیونکہ تم قانی تھم سے نہیں، بلکہ غیر قانی خدا کے کلام کے وسیلہ سے جو زندہ اور

قائم ہے، نئے سرے سے پیدا ہوئے ہو“

۴۔ کتاب اشعیا کے باب ۴۰ آیت ۵ میں ہے کہ ۱۔

”گھاس مڑھاتی ہے، پھول کھلتا ہے، پر ہمارے خدا کا کلام ابد تک قائم ہے“

یہ باتوں کا دوسری اور چوتھی آیت سے اس امر پر استدلال کرنا کہ توریت کا کوئی حکم منسوخ نہیں ہو سکتا۔ ہرگز درست نہیں، کیونکہ اس کے جملہ عملی احکام شریعت عیسوی میں منسوخ ہو چکے ہیں، اسی طرح پہلی اور تیسری آیت سے اس امر پر استدلال کرنا بھی غلط ہے کہ انجیل کا کوئی حکم بھی منسوخ نہیں ہے، کیونکہ انجیل کے احکام میں بھی نسخ ثابت ہے، ناظرین کو اس کا کچھ علم ہو بھی چکا ہے، اور مزید تفصیل کے ساتھ انشا اللہ باب میں ہو جائے گا، صحیح بات یہ ہے کہ پہلی آیت میں جو ”میری باتیں“ کہا گیا ہے اس میں اصناف عہد کی ہے، جس سے مراد وہ پیشینگوئیاں ہیں جو پیش آنے والے واقعات کی نسبت انھوں نے کی ہیں، چنانچہ مفسر ڈی آکلی اور چرچ ڈمینٹ نے پادری پیرس اور ڈین اسٹان

۱۔ پطرس ربا اور رمار مضمون ہیں (Peter) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں میں ممتاز حیثیت رکھتے ہیں ان کا اصل نام سمعان تھا، پھلیوں کے شکار پر گزارہ کرتے تھے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے تو آپ نے ان کی تبلیغی سرگرمیوں کو دیکھ کر ان کا نام پطرس رکھا، جس کے معنی چٹان کے ہیں، شروع میں یہ انطاکیہ میں رہے پھر انھیں روم لایا گیا، اور وہیں پھانسی دی گئی، عہد نامہ جدید کے موجودہ مجموعہ میں ان کے دو خط شامل ہیں

۲۔ پیدائش تقریباً سن ۳۰ ق، م، وفات سن ۶۰ ق، م

۳۔ یعنی اس سے مراد اپنی ہر ایک بات نہیں، بلکہ چند مخصوص باتیں مراد ہیں، ۱۲

کی اختیار کردہ تفسیر کے مطابق یہی مطلب لینا ہے، چنانچہ اس باب میں عنقریب آپ کو معلوم ہو جائے گا، غرض یہ اضافت کسی طرح بھی استغراق کے لئے نہیں ہے، کہ یہ مراد لیا جاسکے کہ میری ہر بات قیامت تک باقی رہے گی، خواہ وہ حکم ہو یا اور کچھ، اسی طرح میرا کوئی حکم منسوخ نہ ہو سکے گا، ورنہ احکام منسوخہ کی نسبت اُن کی انجیل کا بھوٹا ہونا لازم آئے گا،

اس کے علاوہ یہ چیز بھی قابل غور ہے کہ دوسری آیت میں نہ ملنا کمال کی قید کے ساتھ مفید ہو، اور پادری مذکور کے خیال کے مطابق توریت کے احکام کی تکمیل شریعت عیسوی میں ہو چکی، اس کے بعد ان کے مٹ جانے کے لئے کوئی مانع نہیں رہا،

نیز تیسری آیت میں الی الابد، ابد تک کا لفظ محرف اور الحاقی ہے، جس کا پتہ کسی قدیم اور صحیح نسخہ میں نہیں ہے، اسی لئے اس کی دونوں جانب قوسین اس طرح لکھے ہوئے ہیں ' (الی الابد) نسخہ عربی مطبوعہ ۱۸۶۷ء بیروت اور اس کے طبع کرنے والوں اور تصحیح کرنے والوں نے دیباچہ میں جو نوٹ دیا ہے اس میں کہا ہے کہ "یہ دونوں ہلالی نشان اس کی دلیل ہیں کہ جو الفاظ اُن کے درمیان ہیں اُن کا وجود قدیم اور صحیح نسخوں میں نہیں ہے،"

پطرس حواری کے الفاظ "خدا کے کلام کے وسیلے سے جو زندہ اور قائم ہے،" اشعیاء کے الفاظ کی طرح ہیں، انھوں نے کہا ہے کہ "پھر ہمارے خدا کا کلام ابد تک قائم ہے،" لہذا جس طرح اشعیاء کا کلام توریت کے احکام کے منسوخ نہ ہونے کا فائدہ نہیں دیتا، اسی طرح پطرس کا قول انجیل کے منسوخ نہ ہونے کے لئے مفید نہیں ہے، اور جو بھی تاویل اشعیاء کے قول میں چل سکتی ہے وہی بعینہ پطرس کے قول میں بھی ممکن ہے،

غرض یہ چاروں آیتیں مسلمانوں کے مقابلہ میں اُن کے نسخ اصطلاحی کے ابطال کے لئے بطور استدلال پیش نہیں کی جاسکتیں، اسی لئے پادری صاحب نے اس مناظرہ کے

دوران جو میرے اور ان کے درمیان ہوا تھا، ان آیات سے استدلال کرنے میں بہت بہکی بہکی باتیں کی ہیں جن کا علم ان لوگوں کو خوب ہی جنھوں نے اس مناظرہ کی مطبوعہ روئیداد ملاحظہ کی ہوگی، جو دہلی اور آگرہ میں بار بار طبع ہو چکی ہے،

پانچواں قول پادری جسٹس ٹروٹون نے شیعہ اثنا عشریہ کا مسلک قرآن مجید کے بارے میں بیان کرتے ہوئے فانی کا قول اس کی کتاب دبستان سے میزان الحق کے باب فصل ۳ صفحہ ۲۹ میں نقل کیا ہے، مگر اس کے الفاظ کو کاٹ تراش کر بدل ڈالا، کیونکہ اس کی عبارت یوں تھی کہ: "ان میں سے کچھ لوگ کہتے ہیں کہ عثمانؓ نے قرآن کو جلا دیا تھا، مگر پادری مذکور نے یوں نقل کیا ہے کہ "وہ کہتے ہیں" یعنی "ان میں سے کچھ لوگ" اڑا دیا، اور لفظ تمی بڑھایا، تاکہ اس قول کی نسبت تمام شیعہوں کی طرف ہو جائے،

اسی طرح پادری مذکور نے استفسار کی اپنی کتاب حل الاشکال کے ص ۱۰۳ پر اس طرح نقل کی ہے کہ:۔

مصرنی، نحوی اور معانی و بیان اور جملہ فنون کے قواعد و اصول اسلامی عہد سے پہلے کسی یہودی یا سبھی کے یہاں نظر نہ آئیں گے،

حالانکہ استفسار کی عبارت میں "جملہ فنون" موجود نہیں ہے، بلکہ اس کے عوض میں "مفردات لغت" پایا جاتا ہے، اور مصنف استفسار کا مطلب یہ تھا کہ جن فنون کا تعلق توریت و انجیل کی اصلی زبان سے ہے وہ اسلامی عہد سے قبل کسی یہودی یا نصرانی کے پاس نہ تھے پادری صاحب نے لفظ مفردات لغت کو جملہ فنون سے بدل کر پھر اس پر اعتراض کر دیا،

فرقہ کی تھو لک دالے کہتے ہیں کہ اس قسم کی باتوں میں تحریف اور تغیر کر دینا فرقہ پرستانت

لہ فارسی زبان کا لفظ "می" مراد ہے جو ہماری عادت پر دلالت کرتا ہے ۱۶ تقی

والوں کی طبیعت ثانیہ بن گئی ہے، چنانچہ وارڈ کیتھولک اپنی کتاب میں کہتا ہے کہ:-
 ”فسرہ پروٹسٹنٹ کی ایک رپورٹ پادشاہ جمیں اول کے حضور میں پیش ہوئی
 کہ جو زبوریں ہماری کتاب ”صلوٰۃ“ میں داخل ہیں وہ اندازاً دوسو مقامات میں
 کمی بیشی کے اور تخریروں کے لحاظ سے عبرانی کی مخالف ہیں۔“

تھامس انگلس کیتھولک اپنی کتاب مرآۃ الصدق میں جو اردو زبان میں ۱۸۵۱ء میں
 طبع ہوئی ہے، صفحہ ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸ پر یوں کہتا ہے کہ:-

”اگر تم فقط چودھویں زبور کو دیکھو جو کتاب الصلوات میں موجود ہے اور جس پر
 علماء پروٹسٹنٹ کی رضامندی حلف اور قسم کے ساتھ ظاہر ہوتی ہے، پھر اس
 زبور کا مطالعہ کر دو جو علماء پروٹسٹنٹ کی کتاب مقدس میں ہے تو تم کو معلوم ہوگا
 کہ کتاب الصلوٰۃ میں چار آیتیں کتاب مقدس کی نسبت کم ہیں، اب یہ آیتیں اگر
 کلام اللہ کی ہیں تو ان کو چھوڑنے کا کیا سبب؟ اور اگر خدا کے کلام کی نہیں ہیں تو
 کتاب الصلوٰۃ میں ان کا سچا نہ ہونا کیوں نہیں ظاہر کیا گیا، صاف ہی بات تو یہ ہو کہ
 پروٹسٹنٹ والوں نے خدا کے کلام میں تحریف کی، اور یہ پیشینگوئی جو آئندہ واقعات
 کی نسبت تھی، اس میں یا کمی ہوئی یا بیشی۔“

ظاہر ہے کہ فانی کی عبارت میں سے صرف لفظ ”ان میں سے کچھ لوگ“ اڑا دینا بہت
 خفیف اور معمولی بات ہے، بہ نسبت اس کے کہ ایک زبور سے کئی چار آیات کا صفایا کر دیا جائے
 اسی طرح لفظ ”مفردات لغت“ کو بدل ڈالنا کتاب زبور کے دوسو مقامات میں تحریف کرنے
 کے مقابلہ میں نہایت آسان اور مخفیف ہے،

چھٹا قول | میزان الحق کے باب فصل ۳ صفحہ ۵۴ میں یوں کہا گیا ہے کہ:-

ہمارا عقیدہ نبی کی نسبت یہ ہے کہ پیغمبر اور حواریوں سے اگرچہ تمام کاموں میں بھول
مجھک اور سہو و نسیان واقع ہو سکتا ہے، مگر تبلیغ و تحریر کے دائرے میں معصوم ہیں

لیکن یہ بھی غلط ہے، چنانچہ باب ازل کی فصل سوم میں ناظرین کو معلوم ہو جائے گا، کتاب
سلاطین اول باب ۱۳ میں اس نبی کا واقعہ بیان کیا گیا ہے جو خدا کا حکم لے کر یہود اسے یوربعام
کے پاس آیا تھا، پھر جب یہ معلوم ہوا کہ یوربعام کی فستریان گاہ کو داؤد علیہ السلام کی اولاد میں
سے سلطان یوسیاہ گرا دیگا، تو یہود اواپس پہونچا، اس میں یوں بیان کیا گیا ہے کہ:-

اور بیت ایل میں ایک بڑھا بی رہتا تھا، اس کے بیٹوں میں سے ایک نے آکر
وہ سب کام جو اس مرد خدا نے اس روز بیت ایل میں کئے اُسے بتائے، اور جو
بائیں اس بادشاہ سے کہی تھیں ان کو بھی اپنے باپ سے بیان کیا، اور اُن کے باپ
نے اُن سے کہا وہ کس راہ سے گیا؟ اُس کے بیٹوں نے دیکھ لیا تھا کہ وہ مرد خدا
جو یہوداہ سے آیا تھا، کس راہ سے گیا ہے، سو اُس نے اپنے بیٹوں سے کہا میرے
لئے گدھے پر زین کس دو، پس انھوں نے اس کے لئے گدھے پر زین کس دیا
اور وہ اس پر سوار ہوا، اور اُس مرد خدا کے پیچھے چلا، اور اسے بلوط کے ایک درخت

۱۱ یہوداہ یا یہودیہ (Judah) بحریت اور بحر متوسط کے درمیان ایک ملک کا نام ہے، جس میں رحبت
بن سلیمان علیہ السلام نے تقریباً ۹۲۰ ق م میں اپنی مملکت قائم کی تھی جس کا پایہ تخت یروشلم تھا ۱۲
۱۳ یربعام بن نباط (Jeroboam) شروع میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا خادم تھا، بعد میں اُن کی بغاوت
کی، اور اُن کے انتقال کے بعد جب اُن کا بیٹا ربعام تخت پر بیٹھا تو اس نے اکثر بنی اسرائیل کو اپنے ساتھ ملا کر
الگ سلطنت قائم کر لی، اور اس میں ایک قربان گاہ بنائی، ربعام اور یربعام میں ہمیشہ جنگیں رہیں، اس نے
بائیس سال بنی اسرائیل پر حکومت کی، اس کے تفصیلی حالات کتاب سلاطین باب ۱۱، باب ۱۲ اور کتاب
تواریخ باب ۱۲ و ۱۳ میں دیکھے جاسکتے ہیں ۱۴

کے نیچے بیٹھے پایا، تب اس نے اس سے کہا کیا تو وہی مرد خدا ہے جو یہوداہ سے
آیا تھا؟ اُس نے کہا ہاں، تب اُس نے اُس سے کہا میرے ساتھ گھر چل، اور
روٹی کھا، اس نے کہا میں تیرے ساتھ لوٹ نہیں سکتا اور نہ تیرے گھر جاسکتا
ہوں اور میں

تیرے ساتھ اس جگہ نہ روٹی کھاؤں نہ پانی پیوں، کیونکہ خداوند کا مجھ کو یوں حکم
ہوا ہے کہ تو وہاں نہ روٹی کھانا، نہ پانی پینا، اور نہ اس راستے سے ہو کر ٹوٹنا،
جس سے تو جاتے، تب اس نے اس سے کہا کہ میں بھی تیری طرح نبی ہوں اور
خداوند کے حکم سے ایک فرشتہ نے مجھ سے یہ کہا کہ اسے اپنے ساتھ اپنے گھر میں
ٹوٹا کر لے آ، تاکہ وہ روٹی کھائے اور پانی پئے، لیکن اس نے اس سے جھوٹ کہا
سو وہ اس کے ساتھ ٹوٹ گیا، اور اس کے گھر میں روٹی کھائی، اور پانی پیا،
اور جب وہ دسترخوان پر بیٹھے تھے تو خداوند کا کلام اس نبی پر جو اُسے ٹوٹا لایا تھا
نازل ہوا، اور اس نے اس مرد خدا سے جو یہوداہ سے آیا تھا، چلا کر کہا، خداوند یوں
فرماتا ہے، اس لئے کہ تو نے خداوند کے کلام سے نافرمانی کی، اور اس حکم کو نہیں
مانا جو خداوند تیرے خدا نے تجھے دیا تھا، بلکہ تو ٹوٹ آیا اور تو نے اسی جگہ جس کی
بابت خداوند نے تجھے فرمایا تھا کہ نہ روٹی کھانا نہ پانی پینا، روٹی بھی کھائی
اور پانی بھی پیا، سو تیری لاش تیرے باپ دادا کی قبر تک نہیں پہنچے گی، اور جب
وہ روٹی کھا چکا اور پانی پی چکا تو اس نے اُس کے لئے یعنی اُس نبی کے لئے
جسے وہ ٹوٹا لایا تھا گیسے پر زین کس دیا، اور جب وہ روانہ ہوا تو راہ میں اسے
ایک شیر ملا جس نے اُسے مار ڈالا، سو اس کی لاش راہ میں پڑی رہی، اور گدھا

اس کے پاس کھڑا رہا، اور شیر بھی اس لاش کے پاس کھڑا رہا، اور لوگ ادھر سے گزرتے، اور دیکھا کہ لاش راہ میں پڑی ہے، اور شیر لاش کے پاس کھڑا ہے، سو انہوں نے اس شہر میں جہاں وہ بڑھا بنی رہتا تھا، یہ بتایا، اور جب اس نبی نے جو اسے راہ سے لوٹا لایا تھا، یہ سنا تو کہا، یہ وہی مرد خدا ہے جس نے خداوند کے کلام کی تائید کی، اسی لئے خداوند نے اس کو شیر کے حوالہ کر دیا، اور اس نے خداوند کے اس سخن کے مطابق جو اس نے اس سے کہا تھا اُسے پھاڑ ڈالا اور مار ڈالا، پھر اس نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ میرے لئے گدھے پر زین کس دو، سو انہوں نے زین کس دیا، تب وہ گیا اور اس نے اس کی لاش راہ میں پڑی ہوئی اور گدھے اور شیر کو لاش کے پاس کھڑے پایا، کیونکہ شیر نے نہ لاش کو کھایا اور نہ گدھے کو پھاڑا تھا، سو اس نبی نے اس مرد خدا کی لاش اٹھا کر اُسے گدھے پر رکھا، اور لے آیا اور وہ بڑھا بنی اس پر ماتم کرنے اور اسے دفن کرنے کو اپنے شہر میں... آیا۔ (سلاطین اول - ۱۳ - ۲۹ تا ۱۱)

اس عبارت میں بوڑھے پیغمبر کے لئے پانچ مقامات پر نبی کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، نیز آیت نمبر ۸ میں ان کی جانب سے سچی پیغمبری کا دعویٰ نقل کیا گیا ہے، اور آیت ۲۰ میں اس کی سچی رسالت کی تصدیق بھی ثابت ہو چکی ہے، اب غور کیجئے اس بوڑھے پیغمبر کی حرکت پر جو صادق النبوت ہے، کہ خدا پر بہتان لگایا، اور تبلیغ کے سلسلہ میں جھوٹ بھی بولا، اور اللہ کے مسکین بندے کو سخت فریب دیا، اور اس کو خداوند کے قہر و غضب میں مبتلا کر دیا، اس واقعہ سے ثابت ہوا کہ انبیاء علیہم السلام تبلیغ کے دائرہ میں بھی معصوم نہیں ہیں،

ممکن ہے کہ کوئی صاحب پھر نکتہ پیدا کریں کہ انبیاء کی خدا پر بہتان طرازی اور تبلیغ میں دروغ بانی

قصداً ہوتی ہے نہ کہ یہودنسیان کے طور پر اور پادری صاحب کا کہنا یہودنسیان والی صورت کے متعلق ہے،

جواباً گذارش ہے کہ پادری مذکور کی عبارت کی توجیہ کا جہاں تک تعلق ہے اس میں شک نہیں، یہ توجیہ ان کی عبارت کے مناسب ہے، مگر اس میں یہودنسیان سے زیادہ ایک شدید خرابی لازم آئے گی، پھر اس کے علاوہ یہ واقعہ کے بھی تو خلاف ہے، چنانچہ عنقریب آپ کو معلوم ہو جائے گا، اس کے بعد پادری صاحب فرماتے ہیں کہ:-

”اگر کسی شخص کو ان کی تحریروں میں کسی مقام پر کوئی اختلاف یا عقلی استحالہ نظر

آئے تو یہ اس کی عقل اور سمجھ کے ناقص ہونے کی دلیل ہے“

ہم کہتے ہیں کہ یہ نہ صرف غلط، بلکہ دھوکہ بازی اور فریب کاری اور علماء یہودی کی تصریحات

کے خلاف ہے۔ اور نہ صرف علماء یہود کے بلکہ فرقہ پر دسٹنٹ کے مشہور مفسر آدم کلارک کی تصریح کے بھی مخالف ہے، اسی طرح اس فرقہ کے دوسرے محقق لوگوں کی تصریحات کے خلاف ہے، چنانچہ باب ادل کی فصل ۳ و ۴ اور باب دوم، مقصد کے شاہد نمبر ۱۶ میں عنقریب آپ کو معلوم ہو جائے گا،

اگر پادری صاحب کو اپنے دعوے کی صداقت پر اصرار ہے تو اس کے لئے ضروری ہے

کہ وہ ان تمام اختلافات اور اغلاط کی معقول توجیہ فرمائیں، جن کو ہم نے فصل ۳ میں نقل کیا

ہے، تاکہ صحیح کیفیت منکشف ہو جائے، مگر یہ ضروری ہے کہ تمام اغلاط و اختلاف کی توجیہ

کرنا ہوگی، صرف بعض کی توجیہ کافی نہ ہوگی، اور یہ بھی ضروری ہوگا کہ اس کا جواب سیری

عبارت اور تقریم کے نقل کرنے کے بعد ذکر کیا جائے، تاکہ ناظرین فریقین کی باتوں کو پیش نظر

رکھیں، اور اگر بعض چیزوں کی جن کی تائید ممکن ہو توجیہ کی گئی، خواہ وہ کتنی ہی بعید ہو اور

میری عبارت کو چھوڑ دیا گیا تو پھر اُن کا دعویٰ قابلِ سماعت نہ ہوگا۔

ساتواں قول | میزان الحق کے باب ۲ کے مقدمہ میں ص ۱ پر یوں ہے کہ :-

خدا نے یہودیوں کو اولیاء سے کئے ہوئے وعدہ کے مطابق ستر سال گزرنے پر

رہائی دیدی اور ان کو ان کے وطن پہنچا دیا۔

یہ بھی غلط ہے، اس لئے کہ اُن کے قیام کی مدت بابل میں ۶۳ سال ہے، نہ کہ ستر سال،

چنانچہ باب فصل ۳ میں آپ کو معلوم ہو جائے گا،

آٹھواں قول | باب فصل ۳ صفحہ ۱۰۵ میں فرماتے ہیں کہ :-

اور ستر اسبوع جس سے مراد ۴۹۰ سال کی مدت ہے، ظہور مسیح پر پورے ہوئے گئے

جس طرح دانیال پیغمبر نے خبر دی تھی کہ بنی اسرائیل کی بابل سے واپسی اور مسیح کی

آمد کے درمیان مذکور مدت ہوگی۔

یہ بھی غلط ہے، چنانچہ باب فصل ۳ میں آپ کو معلوم ہوا جاتا ہے، نیز یہ قول اپنی محفقت

اور واقعیت کے لحاظ سے صحیح نہیں ہو سکتا، اگرچہ ہم یہ بات مان لیں کہ یہودیوں نے بابل میں

ستر سال قیام کیا تھا، پھر ان کو آزاد کر دیا گیا تھا، کیونکہ صفحہ ۶۰ پر تصریح کی گئی ہے کہ

۱۔ بابل (Babylon) دنیا کے قدیم ترین شہروں میں سے ہے، جو تباہ ہو چکے ہیں، یہ دریائے فرات کے کنارے

بغداد سے ۶۰ کیلو میٹر جنوب مشرق میں واقع تھا، یہاں سومالیوم اموری نے ششک زبہم میں ایک نسل آباد کی تھی،

جس کا چھٹا بادشاہ مشہور تاز یعنی انسان حمورابی (انسانوں میں سب سے پہلا انسان واضح قانون دانیسوس ۱۲

قبل مسیح میں گذرا ہے، سلطنت نینوا کے خاتمہ کے بعد ششک زبہم میں بنو کہ نصر

نے اُسے پایہ تخت بنا کر دنیا کے اہم ترین شہروں میں داخل کر دیا، پھر سکندر مقدونی نے

اسے مشرق کا مرکزی شہر بنایا، اس زمانہ میں اس شہر کی تہذیب دنیا کی سب سے ترقی یافتہ تہذیب تھی، پھر

سلو قیین کے زمانہ (تیسری صدی قبل مسیح) میں اسے انحطاط ہوا، ۱۲

”یہودیوں کا قیدی بنایا جانا ولادت مسیح سے ۱۰۰ سال پیشتر ہوا ہے“

اگر ہم اس میں سے ستر سال کم بھی کر دیں تب بھی ۵۳۰ باقی رہتے ہیں، تو رہائی سے
نہور مسیح تک کی مدت اس قدر ہوگی نہ کہ ۴۹۰ سال،

نواں قول | باب فصل ۳ صفحہ ۱۰۰ میں ارشاد ہے کہ:-

خدا نے داؤد پیغمبر کو خبر دی تھی کہ یہ نخلص تیری نسل سے پیدا ہوگا، اور اس کی

سلطنت ہمیشہ باقی رہے گی۔“

چنانچہ اس کی تصریح سفر صموئیل ثانی فصل ۷ آیت ۱۲ میں موجود ہے، اور ان دونوں

آیتوں سے استدلال کرنا غلط ہے، چنانچہ باب فصل ۳ میں آپ کو تفصیل سے معلوم ہوگا،

دسواں قول | باب فصل ۳ صفحہ ۱۰۱ میں یوں کہا گیا ہے کہ:-

اس نخلص کی پیدائش کا مقام کتاب مہنجا پیغمبر کے باب ۵ آیت ۲ میں یوں بتایا گیا ہے

کہ اے میت لحم: افراتاہ، اگرچہ تو یہوداہ کے ہزاروں میں شامل ہونے کے لئے

چھوٹا ہے تو بھی تجھ میں سے ایک شخص نکلے گا اور میرے حضور اسرائیل کا حاکم ہوگا،

اور اس کا مصدر زمانہ سابق ہاں قدیم الایام سے ہے (میکہ ۵، ۲)۔

اس عبارت میں تحریف کی گئی ہے، جیسا کہ عیسائیوں کے مشہور محقق ہودن کی تحقیق ہے

۱۷ اور جب تیرے دن پورے ہو جائیں گے تو اپنے باپ دادا کے ساتھ سو جائے گا تو میں تیرے بعد تیری نسل کو

جو تیری صلب سے ہوگی کھڑا کر کے اس کی سلطنت کو قائم کروں گا، وہی میرے نام کا ایک گھر بنائے گا اور

میں اس کی سلطنت کا تختہ ہمیشہ کے لئے قائم کروں گا (سموئیل ثانی ۷، ۱۲-۱۳)

۱۷ بیت اللحم Bethlehem فلسطین کا ایک شہر جو بیت المقدس سے ۸ کیلو میٹر جنوب میں واقع ہے،

کہتے ہیں کہ اسی میں حضرت داؤد اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام پیدا ہوئے اور اس میں ایک چوتھی صدی عیسوی

کی عمارت اب تک موجود ہے، واللہ اعلم ۱۲ تقی

چنانچہ باب مقصد (۱) شاید ۲۳ میں آپ کو معلوم ہوگا،

نیز یہ انجیل مثنیٰ باب ۲ آیت ۶ دے کے قطعی مخالف ہے، اس لئے پادری صاحب کو ہر دو

باتوں میں سے ایک کو قبول کرنا ہوگا؛

یا تو میخا کی عبارت میں تحریف واقع ہونے کا اقرار کریں، جس طرح اُن کے مشہور محقق نے

اعتراف کر لیا ہے، یا پھر انجیل کی عبارت کو محرف تسلیم کریں، مگر وہ عوام کے سامنے اس کے

استرار سے پناہ مانگتے ہیں، کیونکہ اقرار کی شکل میں پہلی صورت میں اُن پر یہ الزام آتا ہے کہ

انہوں نے دیدہ و دانستہ محرف عبارت سے استدلال کرنے کی جرأت کس طرح کی؟ اور

ہر دونوں صورتوں میں اُن پر واجب ہو کہ وہ بتائیں کہ کس نے اور کب اور کس مقصد کے

ماتحت یہ تحریف کی؟ کہ اس کو کچھ دنیوی عہدے مل گئے؟ یا پھر کچھ آخرت کا ثواب ملا؟

طرح وہ خود مسلمانوں سے مطالبہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو صلیح مسلمانوں کے ذمہ قرض ہو،

اور ہم خدا کے فضل سے اس قرض سے پاک ہیں، چنانچہ کتاب اعجاز عیسوی اور ازانۃ الشکوک

اور معدل اعوجاج المیزان اور اس کتاب میں کافی تفصیل کے ساتھ اس حقیقت کو واضح کیا

کیا گیا ہے،

گیارہواں قول | مذکورہ صفحہ پر کہا گیا ہے کہ :-

”یہ مخلص ایک کنواری کے پیٹ سے پیدا ہوگا، جیسا کہ اشعیا نے فصل ۷ آیت ۱۴

میں کہا ہے۔“

۱۵ اے بیت لحم یہوداہ کے علاقے، تو یہوداہ کے حاکموں میں ہرگز سب سے چھوٹا نہیں، کیونکہ تجھ میں ایک سردار

نکلے گا جو میری امت اسرائیل کی گتہ بانی کرے گا۔ مثنیٰ ۲، کتاب یسکاء میں یہوداہ کو چھوٹا کیا ہو اور مثنیٰ میں اس کے چھوٹا ہونے

کی نفی کی گئی ہے ۱۲ تنق

۱۶ دیکھو ایک کنواری حاملہ ہوگی اور بیٹا پیدا ہوگا، اور وہ اس کا نام عمانوئیل رکھے گی (یسعیاہ ۷)۔

اس سے استدلال کرنا بھی بلاشبہ غلط ہے، چنانچہ باب ۳ فصل ۳ غلطی ۵۰ کے بیان میں آپ کو معلوم ہوگا، اور وہاں سے یہ بھی پتہ چلے گا کہ جناب پادری صاحب نے اپنی کتاب حل الاشکال کے صفحہ ۳۰ پر جو یہ دعویٰ کیا ہے کہ ”لفظ علماء کے معنی صرف کناری کے ہیں“ یہ بھی غلط ہے،

بارہواں قول | پادری صاحب نے زبور^{۱۷} ۲۲ کی ایک عبارت باب ۳ فصل ۳ ص ۳۱ پر نقل کی ہے، اور اس عبارت میں یہ جملہ بھی ہے کہ:-

”وہ (رکتے) میرے ہاتھ اور میرے پاؤں چھیدتے ہیں“

یہ جملہ عبرانی نسخہ میں موجود نہیں ہے، بلکہ اس میں اس کے بجائے یہ جملہ ہے ”میرے دونوں ہاتھ شیر کی طرح ہیں“ البتہ عیسائیوں کے تراجم میں خواہ قدیم ہوں یا جدید یہ جملہ پایا جاتا ہے، اب پادری صاحب سے پوچھا جاسکتا ہے کہ آپ کے خیال میں عبرانی نسخہ اس مقام پر محرف ہے یا نہیں؟ اگر محرف نہیں تھا تو آپ نے محض اس لئے کہ آپ کے خیال کے مطابق میح پر صادق آجائے، اس میں تحریف کیوں کی؟ اور اگر محرف تھا تو آپ پر اس کی تحریف کا اقرار و اظہار کرنا واجب ہو، پھر ان سے سوال کیا جائے کہ کس نے کب تحریف کی؟ کس غرض سے کی؟ کیا اس کو کچھ دنیوی عہدے ملے؟ یا اخروی ثواب حاصل ہوا؟

تیرھواں چودھواں | باب ۲، فصل ۶ صفحہ ۱۶۵ پر پادری صاحب نے منجملہ ان اور پندرھواں قول | پشینگوئیوں کے جن کے وقوع سے اس امر پر استدلال

۱۷ انظار الحق کے دونوں نسخوں میں یہ لفظ اسی طرح ہے، مگر باب ۳ فصل ۳ غلطی ۵۰ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لفظ ”علمہ“ ہے جو عبرانی لفظ ہے، اور اس کا ترجمہ ”کنواری“ سے کیا گیا ہے، اور مصنف کو اس پر اعتراض ہے، انھوں نے ثابت کیا ہے کہ اس کے معنی ”جوان عورت“ کے ہیں خواہ وہ کنواری ہو یا شادی شدہ، تفصیل کیساتھ بتاؤں موقع پر واضح ہوگی

کیا جاسکتا ہے کہ کتب مقدسہ خدائی کتابیں ہیں اُس پیشینگوئی کو بھی شمار کیا ہے جو کتاب دانیال کی فصل ۸ و ۱۲ میں درج ہے، نیز اُس پیشینگوئی کو جو انجیل متی آیت ۱۶ لغایت ۲۲ باب ۱۰ میں درج ہے شمار کیا ہے، حالانکہ یہ تینوں پیشینگوئیاں صحیح نہیں ہیں، جیسا کہ ہم انشاء اللہ باب ۳ فصل ۳ میں غلطی ۳ دا ۳۱ و ۹۸ میں بیان کریں گے،

سولہواں قول | باب ۳ فصل ۳ صفحہ ۲۳۴ میں یوں کہا گیا ہے کہ:-

اُن میں سے ہر ایک یوں کہتا ہے کہ متعدد دمنسوخ آیتیں قرآن میں موجود ہیں، اور جو شخص بھی ذرا غور کرے گا اور تھوڑی سی باریک بینی کو کام میں لائے گا وہ سمجھ سکتا ہے

کہ یہ اصول نہایت ناقص اور عجیب والا ہے

جو اباعرض ہے کہ اگر یہ بات کوئی عجیب کی ہے تو توریت و انجیل بدرجہ اولیٰ ناقص اور عجیب والی ہوں گی، کیونکہ ان دونوں میں بھی منسوخ آیتیں پائی جاتی ہیں، جیسا کہ آپ کو قول نمبر ۴ میں معلوم ہی ہو چکا ہے، اور تفصیل سے انشاء اللہ باب ۳ میں معلوم ہو جائے گا، ہمیں ان محقق صاحب پر انتہائی حیرت ہوتی ہے کہ وہ قرآن کی مخالفت میں وہ الزام عائد کرتے ہیں جو اس سے زیادہ بدترین طور پر توریت و انجیل پر عائد ہوتا ہے،

سترہواں قول | پادری صاحب نے باب ۳ فصل ۴، صفحہ ۲۴۶ میں اُس معجزہ کا انکار فرمایا ہے جو کلام الہی کی آیت وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰی سے مفہوم ہوتا ہے اور اپنے زعم میں اُس پر عجیب لگانے کے بعد یوں کہا ہے کہ:-

۱۔ ان کی اصل عبارتیں بھی وہیں پر ملاحظہ ہوں، کتاب ہذا ص ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸ (جلد اول) ۲۔ کتاب ۲۴۶ ص ۲۴۶ اور جب آپ نے کنکریاں پھینکی تھیں (تو درحقیقت) وہ آپ نے نہیں پھینکیں، بلکہ اللہ نے پھینکی تھیں " (انفال، ۲۶) اس آیت میں ایک معجزہ کا ذکر کیا گیا ہے جو غزوہ بدر کے موقع پر پیش آیا تھا، تفسیر بیضاوی کے الفاظ میں یہ معجزہ چند سطروں کے بعد آ رہا ہے، ۱۲ نفی

اور اگر ہم یہ تسلیم بھی کر لیں کہ وہ حدیث جس کو مفسرین نے ذکر کیا ہے صحیح ہے، اور محمد
صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعی مٹی کی ایک مٹھی بھر کر دشمن کے لشکر کی جانب پھینکی تھی تب بھی
اس سے معجزہ ہونا ثابت نہیں ہو سکتا ۛ

گزارش یہ ہے کہ جس حدیث کو مفسرین نے ذکر کیا ہے وہ اس طرح ہے :-
”منقول ہے کہ تشریش جس وقت ٹیلہ سے نمودار ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ
یہ تشریش ہیں جو اپنی بڑائی اور فخر کوئے کر آئے ہیں، تیرے رسول کو جھٹلاتے ہیں، اے اللہ
میں آپ کے اس چیز کی درخواست کرتا ہوں جس کا آپ نے مجھ سے وعدہ کیا ہے، پھر آپ
کے پاس جبریل آئے اور آپ سے کہا کہ ایک مٹھی مٹی کی لے کر ان پر پھینک دیجئے،
پھر جب دونوں لشکر ایک دوسرے کے مقابل ہوئے، آپ نے کنکریوں کی ایک
مٹھی بھر کر ان کے اوپر دے ماری، اور فرمایا چہرے بد نما ہو جائیں“ نتیجہ یہ ہوا کہ کوئی بھی
مشرک ایسا نہ رہا کہ اپنی آنکھوں کو نہ ملنے لگا ہو، پھر انھوں نے شکست کھائی
پھر مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا، اور ان کو قتل کیا، اور قید کیا، پھر جب واپس
ہونے لگے تو فخر کرنے لگے، اور کہنے والا کہتا تھا کہ میں نے قتل کیا اور میں نے قید کیا“

بیضادی میں اسی طرح منقول ہے، اس میں یہ الفاظ کہ آپ کے پاس جبریل آئے
اور آپ نے کہا کہ ایک مٹھی مٹی کی لے لیجئے، واضح طور پر دلالت کر رہے ہیں کہ یہ سب کچھ
خدا کی طرف سے ہوا ہے، اور یہ الفاظ ”کوئی مشرک باقی نہ رہا جو اپنی آنکھوں کی فکری
نہ لگ رہا ہو“ یہ بھی وضاحت سے اس امر پر دلالت کر رہے ہیں کہ یہ بات خلاف عادت
ہوتی۔۔۔۔۔ پھر حدیث کو تسلیم کرنے کے بعد اس کے معجزہ ہونے کا انکار صرف وہی شخص
کر سکتا ہے جس کی غرض ہی عناد اور مخالفت ہو، اور حق بات کا انکار کرنا اس کی طبعی عادت

ہی بن گئی ہو،

اٹھارہواں قول | تیسرے باب کی فصل ۵ صفحہ ۲۷۵ میں یوں کہا گیا ہے کہ:

یہ بات سمجھنے کی ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والوں کی کل تعداد تین سال کی مدت میں صرف دس یا بارہ اشخاص ہیں، اور تیرہویں سال میں جو ہجرت کا پہلا سال ہو کہ مکہ کے باشندوں میں سے ایمان لانے والے صرف ایک سو افراد اور اہل مدینہ میں سے صرف ستر افراد تھے۔

یہ بھی غلط ہے، اس کی تردید کے لئے ہم خود پادری صاحب کا قول نسخہ مطبوعہ ۱۸۵۷ء سے نقل کرتے ہیں:-

ہجرت سے قبل مدینہ کے گھرانوں میں شاید ہی کوئی ایسا گھر نکلتے گا جس میں کوئی مسلمان نہ ہو، اور جو شخص یہ کہتا ہے کہ اسلام فقط تلوار کے زور سے پھیلا ہے اس کا یہ قول ہرگز بہتان ہے، اس لئے کہ بہت سے شہر اور ممالک ایسے ہیں جہاں تلوار کا ذکر بھی نہیں تھا، اور وہاں اسلام خوب پھیلا۔

نیز ابو ذرؓ، اور ان کے بھائی انیسؓ اور ان دونوں کی والدہ ابتدائی دور کے ایمان لانیوالوں میں سے ہیں، پھر جب یہ واپس ہوئے تو غفار کا آدھا قبیلہ ابو ذرؓ کی دعوت سے متاثر ہو کر ایمان لے آیا،

نیز شہ نبوی میں مکہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والوں میں ۸۳۰ مرد اور ۱۸ عورتیں تھیں، ان کے علاوہ کافی تعداد مسلمانوں کی مکہ میں موجود تھی، نیز نجران کے عیسائیوں میں سے

۱۰ نجران، حجاز اور یمن کے درمیان ایک شہر ہے، جاہلیت میں یہاں عیسائی بہت بڑی تعداد میں آباد تھے، شروع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے صلح فرمائی تھی، بعد میں ان میں سے اکثر مسلمان ہو گئے تھے ۱۲

ہیں افراد اسلام قبول کر چکے تھے، اسی طرح ضاد از دی شمسہ نبوی سے قبل مشرف باسلام ہو چکے تھے، طفیل بن عمرو الدوسیؓ بھی جو اپنی قوم کے سربراہ اور شریف ترین فرد تھے، اسلام کے حلقہ بگوش ہو چکے تھے، اپنی قوم کی طرف واپس ہونے کے بعد ان کی دعوت پر ان کے والدین بھی مسلمان ہو گئے تھے، ہجرت سے پہلے مدینہ منورہ میں قبیلہ عبدالاشہل پورا کا پورا صرف ایک دن میں حضرت مصعب بن عمیرؓ کے دغظ کی برکت سے مشرف باسلام ہو گیا تھا، پورے قبیلہ میں صرف ایک شخص عمرو بن ثابتؓ ایسے تھے جنہوں نے اسلام لانے میں تاخیر کی اور غزوہٴ احد کے موقع پر مسلمان ہوئے، اس قبیلہ کے اسلام قبول کر لینے کے بعد تو حضرت مصعبؓ نے اپنی دعوت مدینہ کے باشندوں میں بڑی سرگرمی کے ساتھ جاری کی، یہاں تک کہ انصار کے گھروں میں کوئی ایسا گھر نہ تھا جس میں متعدد مرد و عورت مسلمان نہ ہوں، البتہ مدینہ کی بالائی جانب کی آبادیاں جو نجد کی طرف آباد تھیں، انہوں نے اس وقت اسلام قبول کرنے میں تاخیر کی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ ہجرت فرما کر مدینہ کے راستہ ہی میں بریدہ سلمیٰؓ اپنی قوم کے ستر اشخاص بے ضاد رغبت مسلمان ہو گئے، نیز حبشہ کے بادشاہ نجاشی ہجرت سے قبل اسلام قبول کر چکے تھے، شامی لوگوں میں سے ابوہندہؓ، تیممؓ، نعیمؓ اور چار دوسرے افراد ہجرت سے قبل ہی اسلام قبول کر چکے تھے، اسی طرح اور لوگ بھی،

انیسواں قول | باب ۳. فصل ۵. صفحہ ۲۷۹ میں پادری مذکور نے پہلے تو یہ کہا کہ :-

”ابوبکر رضی اللہ عنہ“ نے لشکر پر ۱۲-۱۱ میرے شکر کر کے ہر ایک کو احکامات کی ایک

ایک کتاب دی تاکہ کافروں کے سامنے پڑھی جائے“

اس کے بعد کتاب مذکور کے احکام میں یہ حکم بھی نقل کیا ہے کہ :-

”امیران لشکر کو پیٹھ موڑنے والوں پر ذرہ برابر رحم نہ کرنا چاہئے، بلکہ ان کو آگ میں

جلاد یا جائے، اور ہر صورت سے قتل کیا جائے۔

یہ بھی غلط ہے، کتاب روضۃ الصفاء میں ابو بکر رضی اللہ عنہ کی وصیت یوں بیان کی گئی ہے کہ:

”شکر کے امراء کو حکم دیا کہ خیانت مت کرنا، اور بد عہدی کے پاس نہ جانا، بچوں

بوڑھوں اور عورتوں کو قتل مت کرنا، پھل دار درختوں کو نہ کاٹنا، اور اُن راہوں

جو گرجوں اور عبادت خانوں میں اللہ کی عبادت میں مشغول رہتے ہیں تعرض نہ کرنا؛

پادری صاحب کے لئے لازم ہے کہ مسلمانوں کی کسی معتبر و مستند تاریخ کے حوالہ سے

ثابت کریں کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے امیروں کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ کافروں کو آگ میں جلائیں

بیسواں قول | باب ۳، فصل ۵، صفحہ ۲۸۰ میں کہتا ہے کہ:-

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہو گئے تو آپ نے عربوں کا ایک لشکر ایران کی

طرف بھیجا، اور یہ حکم دیا کہ اگر ایرانی لوگ دین محمدی کو بخوشی قبول کر لیں تو بہتر ہے

ورنہ پھر اُن کو جبراً بزورِ وقت قرآن کا معتقد اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا تابع بنایا جائے۔

یہ الزام بھی قطعی غلط اور دروغ بیانی ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کبھی اس قسم کا

حکم جاری نہیں کیا، کیا پادری صاحب کو یہ بات معلوم نہیں کہ غزوۃ بیت المقدس کے موقع

پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ لشکر کے ہمراہ بذاتِ خود موجود تھے، مگر بیت المقدس کے فتح ہونے

پر کسی عیسائی باشندہ پر آپ نے یہ جبر نہیں کیا کہ وہ مذہب اسلام قبول کرے، بلکہ ان کو نہایت

باعزت شرطیں پیش کیں، اُن کے کسی گرجا کو نہیں توڑا، بلکہ اُن کے ساتھ وہ شریفانہ برتاؤ کیا

ہو جس کی نظیر نہیں ملتی، یہاں تک کہ مفسر طامس نیوٹن نے اس موقع پر حضرت عمر کو

خراج تحسین پیش کیا ہے، چنانچہ باب ۳، فصل ۳ میں اس کے الفاظ آپ کے سامنے آئیں گے ہیں

اکیسواں قول | باب ۳، فصل ۳، صفحہ ۲۱۰ میں فرماتے ہیں:-

محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت سے قبل شام کا پہلا سفر اپنے چچا ابوطالب کے ہمراہ کیا اس کے بعد خود تنہا متعدد سفر آپ نے شام کے کئے۔

یہ بھی غلط ہے، اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلا سفر نو عمری میں جبکہ آپ نو سال کے تھے اپنے چچا کے ہمراہ کیا تھا، پھر دوبارہ آپ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے غلام میسرہ کے ساتھ ۲۵ سال کی عمر میں تشریف لے گئے، نبوت سے قبل ان سفروں کے علاوہ اور کوئی شام کا سفر کرنا آپ سے ثابت نہیں ہے، پادری صاحب نے ایک مرتبہ تنہا سفر کرنے کو متعدد سفروں سے تبدیل کر دیا،

بائیسواں قول | باب ۳، فصل ۴، صفحہ ۲۴۳ میں ہے کہ:-

”اور یہ آیت یعنی یونسؑ پیغمبر کا معجزہ جس کا مسیحؑ نے یہودیوں سے وعدہ کیا تھا اور

جو انجیل متی باب ۱۲ میں مذکور ہے، یہودیوں نے مسیح کے اٹھنے کے وقت پالیا۔“

یہ بھی غلط ہے، اس لئے کہ موعودہ معجزہ مطلقاً مرنے کے بعد کھڑے ہونے کے ساتھ نہ تھا، بلکہ اس طرح موعود تھا کہ مسیح تین شب دروز قلب ارض میں رہ کر پھر کھڑے ہوں گے، یہ معجزہ یہودیوں نے ہرگز نہیں دیکھا، جیسا کہ عنقریب آپ کو باب فصل ۳ میں غلطی نمبر ۶ کے ضمن میں معلوم ہو جائے گا،

تیسواں قول | باب ۳، فصل ۴، صفحہ ۲۵۳ میں اس طرح ہے کہ:-

۱۵ مشہور ہے، آپ کے تعارف کی حاجت نہیں، بائبل کے عربی ترجمہ میں آپ کا نام یونان، اردو ترجمہ میں یوناہ اور انگریزی ترجمہ میں Jonah مذکور ہے، عہد نامہ قدیم کے مجموعہ میں آپ کی ایک کتاب اسی نام سے موجود ہے ۱۲ آیت ۱۵ جیسے یوناہ تین رات دن مچھلی کے پیٹ میں رہا ویسے ہی ابن آدم تین رات دن زمین کے اندر رہیگا (متی ۱۲-۲۰) ۱۶ دیکھئے کتاب ہذا صفحہ ۵۰۳ جلد اول

یہ بات مخفی نہیں ہے کہ مسیحؑ کے معجزات کو اُن حواریوں نے کہا ہے جو ہر وقت

مسیحؑ کے ساتھ رہتے تھے اور جنہوں نے اُن معجزات کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ۛ

یہ بھی غلط اور خود باغی نے اس بیان کے خلاف ہے جو حل الاشکال میں نقل کیا گیا ہے، جیسا کہ آپ کو حل الاشکال کے قول نمبر ۴ و ۵ میں معلوم ہو جائے گا۔

چوبیسواں قول | باب فصل ۵ صفحہ ۲۸۳ میں پادری مذکور نے دعویٰ کیا ہے کہ:

جو شخص مذہب اسلام سے پھر جاتا تھا مسلمان اس کو ترآنی حکم کی تعمیل میں

قتل کر دیتے تھے، یہ امر قطعی واضح ہے کہ سچائی اور حقیقت بتلوار کے زور سے

ثابت نہیں کیا جاسکتا، اور یہ بات محال ہے کہ انسان جبر و اکراہ سے ایسے مرتبہ

کو پہنچ جائے کہ خدا کو دل سے مان لے، اور اس سے محبت کرنے لگے، اور اپنی

ہاتھوں کو بُرے کاموں سے روک لے، بلکہ اس کے برعکس جبر و اکراہ خدا پر ایمان

لانے اور اس کی فرمانبرداری کرنے سے مانع بنتے ہیں ۛ

ہم کہتے ہیں کہ یہ اعتراض اس سے زیادہ بدترین طور پر توریت پر واقع ہوتا ہے۔

ملاحظہ کیجئے کتاب الخروج باب ۲۲ آیت ۲۰ میں ہے کہ:-

”جو بتوں کے لئے قربانی کرے وہ واجب القتل ہے۔“

نیز کتاب الخروج باب ۳۲ میں ہے کہ:-

”موسیٰ علیہ السلام نے خدا کے علم سے بنی لادی کو حکم دیا کہ گوسالہ پرستوں کو قتل

کریں، چنانچہ انہوں نے قینیس ہزار آدمی قتل کئے ۛ

۱۵ اور جو کوئی واحد مذہب کو چھوڑ کر کسی اور معبود کے آگے قربانی چڑھائے وہ بالکل نابود کر دیا جائے (خروج ۲۲-۲۴)۔

۱۶ اظہار الحق کے تینوں نسخوں میں ثلاثہ و عشرین (۲۳ ہزار) کا لفظ ہی، مگر کتاب خروج میں تین ہزار مذکور ہے، اور بنی لادی

نے موسیٰ کے کہنے کے موافق عمل کیا، چنانچہ اُس دن لوگوں میں سے تقریباً تین ہزار مرد کعبیت آئے (خروج ۲۲-۲۸)۔

نیز کتاب الخروج باب ۲۵ آیت ۲ میں سبت کے حکم کے ذیل میں یوں کہا گیا ہوگا:
”جو کوئی اس میں کچھ کام کرے وہ مار ڈالا جائے۔“

اور ایک مرتبہ ایک بنی اسرائیلی سینچر کے دن لکڑیاں اکٹھی کرتا ہوا پکڑا گیا، تو
موسیٰ علیہ السلام نے خدائی فرمان کے مطابق حکم دیا کہ اس کو سنگسار کیا جائے، چنانچہ
بنی اسرائیل نے اس کو پتھر مار کر ہلاک کر دیا، جس کی تصریح کتاب گنتی کے باب ۱۵
میں موجود ہے۔

نیز کتاب استثنا باب میں مذکور ہے کہ اگر کوئی بنی غیر اللہ کی دعوت سے
اس کو قتل کیا جائے خواہ وہ کتنے ہی بڑے معجزے رکھتا ہو، اسی طرح اگر کوئی اتنی
غیر اللہ کی عبادت کی دعوت دے تو اس کو سنگسار کیا جائے، خواہ یہ دعوت دینے
والا رشتہ دار ہو یا دوست، ایسے شخص پر قطعی رحم نہ کیا جائے، اسی طرح اگر کسی
بستی کے لوگ مرتد ہو جائیں تو تمام باشندوں کو قتل کرنا واجب ہے، اُن کے
ساتھ اُن کے جانور بھی قتل کر دیئے جائیں، اور بستی کو اور تمام اموال و اسباب کو آگ
لگا دی جائے، اور اس کو ملبہ کا ڈھیر کر دیا جائے، جو قیامت تک
آباد نہ ہو سکے۔

about three thousand men

(بقیہ صفحہ ۲۶۹) انگریزی ترجمہ میں بھی (

کے الفاظ ہیں، یعنی تین ہزار،
۱۵ سبت سینچر کے دن کو کہتے ہیں، یہودیوں کا عقیدہ ہے کہ اللہ نے چھ دزین کائنات پیدا کر کے اس دن اکرام کیا تھا اُن
انسانوں کے لئے یہی کوئی کام کاج جائز نہیں (خروج ۲۰-۸) ت

۱۶ ساری جماعت نے اسے لشکر گاہ کے باہر لیجا کر سنگسار کیا اور وہ مر گیا (گنتی ۱۵-۳۶)

۱۷ مفہوم آیت ۸ و ۹

۱۸ مفہوم آیت ۱۵

۱۹ مفہوم آیات ۱۲ تا ۱۴

۲۰ مفہوم آیت ۶

اس کے علاوہ سفر استثناء ہی کے باب، میں ہے کہ اگر کسی پر غیر اللہ کی عبادت کا الزام ثابت ہو جائے تو اس کو سنگسار کیا جائے گا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔

اس قسم کے سخت احکام قرآن میں موجود نہیں ہیں، ہم کو پادری صاحب کے اس تعصب پر حیرت ہوتی ہے کہ ان کے نزدیک ان سخت احکام کے باوجود توریت میں کوئی عیب نظر نہیں آتا، اور قرآن عیب دار دکھائی دیتا ہے،

کتاب سلاطین اول باب ۸ میں ہے کہ ایلیاء نے وادی قیشون میں ایسے چار سو پچاس آدمیوں کو ذبح کر دیا جنہوں نے بعل کی طرف سے بھیجے ہوئے نبی ہونے کا دعویٰ کیا تھا،

لہذا پادری صاحب کے دعوے کے بموجب موسیٰ علیہ السلام اور ایلیاء علیہ السلام بلکہ خود اللہ تعالیٰ کو ایسی واضح بات کا قطعی کوئی علم نہ تھا، اور نحوذ باللہ یہ سب

لے ملاحظہ ہو استثناء باب، کی آیات ۶۴۲،

بعل (Baal) کے لغوی معنی شوہر یا آقا کے ہیں، بنی اسرائیل میں جب بنجوم پرستی اور بت پرستی کا رواج ہوا تو انھوں نے سورج یا مشتری کا نام بعل رکھا، اور اس کی پرستش شروع کر دی، بعد میں لوگوں نے بتوں کے نام بھی بعل رکھے، مگر یہاں آسمانی دیوتا ہی مراد ہے، بائبل کی روایت کے مطابق حضرت الیاس علیہ السلام کے دور میں یہوداہ کے بادشاہ احمی اب نے بعل پرستی کو فروغ دیا، تو بہت سے لوگوں نے یہ دعویٰ کر دیا کہ ہم اسی کے پیچھے ہوئے ہیں، اس پر حضرت الیاس علیہ السلام نے معجزات کے ذریعہ نہیں بھٹایا اور قتل کر دیا، یہ واقعہ تفصیل کے ساتھ سفر استثناء کے باب میں دیکھا جاسکتا ہے،

۱۷ ایلیاء علیہ السلام آپ کا قرآنی نام ایاس علیہ السلام ہے۔ تورات میں ایلیاء کے نام سے یاد کیا گیا ہے، یہودیش تقریباً ۱۷۴۴ ق م، وفات ۱۷۴۴ ق م۔

احق اور غبی تھے، کہ جوابات اس پادری کے نزدیک نہایت واضح اور کھلی ہوئی ہے ان کے لئے وہ مٹتی رہی، معلوم یہ ہوتا ہے کہ ان حضرات کا عقیدہ کچھ اسی قسم کا ہے، کیونکہ عیسائیوں کا مقدس پوس قورنیتھوس والوں کے نام پہلے خط میں باب آیت ۲۵ پر یوں کہتا ہے:

”خدا کی بیوقوفی آدمیوں کی حکمت سے زیادہ حکمت والی ہے، اور خدا کی کمزوری آدمیوں کے زور سے زیادہ زور آور ہے“

یعنی مقدس پوس کے نزدیک نعوذ باللہ خدا کی حماقت اس پادری کی رائے سے جو اس نے قائم کی ہے زیادہ مکمل ہے اس لئے اس کی رائے خدا کے حکم کے مقابلہ میں قابل قبول نہیں، یہ اقوال نمونہ کے طور پر ہم نے جدید نسخہ سے نقل کئے ہیں، باقی اقوال ہم اپنی کتاب کے ہر مناسب موقع پر ذکر کریں گے،

پادری صاحب نے میزان الحق کے قدیم نسخہ میں صفحہ ۲۵۲ پر (جواب نسوخ ہو چکا ہے) کہا ہے کہ:-

”بعض مفسرین مثلاً قاضی بیضاوی نے کہا ہے کہ آیت شریفہ اقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ

وَأَنْشَأَ الْقَمَرُ فِي لَفْظِ انْشَأَ، سَيْنَشَقْ کے معنی میں ہے“

یہ بات غلط ہے، اس لئے کہ درحقیقت قاضی بیضاوی اور صاحب کشاف نے بعض

۱۔ قورنیتھوس جنوبی یونان کے ایک شہر کا نام ہے جسے بائبل کے اردو ترجمہ میں کرنتھس کے نام سے یاد کیا گیا ہے اور انگریزی میں (Corinth) کہا جاتا ہے، یہ بڑا درہندہ شہر تھا، اب تک اس کے بعض آثار بچے جاتے ہیں۔

عہد نامہ جدید کے موجودہ مجمرعہ میں پوس کے دو خط اس شہر کے گرجاؤں کے نام ہیں ۱۲

۲۔ یعنی یہ کہ قتل مرندنا جائز ہونا چاہیے ۱۲

۳۔ آیت شریفہ کے معنی ہیں ”قیامت قریب آگئی اور چاند شق ہو گیا“ اور اگر انشق کو سینشق کے معنی میں لیا جائے تو معنی ہوں گے ”قیامت قریب آگئی اور چاند شق ہونے والا ہے“ ۱۲

لوگوں کے اس قول کو نقل کر کے اس کی تردید کی ہے، اس وجہ سے فاضل محترم آل حسن نے استفسار میں پادری صاحب پر اعتراض کیا ہے اور کہہ ہے کہ یا تو خود پادری صاحب نے غلط سمجھا ہے، یا عوام کو فریب دینا چاہا ہے، چنانچہ پادری صاحب نے اپنی عبارت کو جلد نسخہ میں بدل ڈالا۔

حل الاشکال کے اقوال

اب آپ حل الاشکال کی بعض عبارتیں ملاحظہ فرمائیے، اس کتاب کے دو قول تو آپ میزان الحق کے پانچویں اور گیارہویں قول کے ضمن میں ملاحظہ فرما چکے، اب سات اقوال جن کو ہم بطور نمونہ بیان کرنے کا ارادہ کیا ہے باقی ہیں،

تیسرا قول | چنانچہ تیسرا قول جو صفحہ ۱۰۵ میں مذکور ہے یہ ہے :-

”ہم یہ نہیں کہتے کہ خداتین اشخاص ہیں یا ایک شخص ہے، بلکہ ہم کہتے ہیں کہ تینوں اقنوم

وحدت میں ہیں، اور تین اقنوم اور تین اشخاص میں اتنا ہی فرق ہے جس قدر آسمان

اور زمین کے درمیان ۱۱

یہ خالص مغالطہ ہی، کیوں کہ وجود بغیر شخص کے نہیں پایا جاسکتا، پھر جب یہ فرض کیا جاتا ہے کہ اقنوم موجود اور ممتاز ہیں اور امتیاز بھی حقیقی ہے، جس کی تصریح خود انھوں نے اپنی کتابوں میں کی ہے، اس لئے تین اقنوم کے وجود کا دعویٰ بعینہ تین اشخاص کا دعویٰ کرنا کہ

۱۲ ملاحظہ فرمائیے کتاب ہذا، ص ۲۵۱ و ۲۶۰،

۱۳ ”اقنوم“ عبرانی زبان کا لفظ ہے جو بعد میں عربی میں بھی مستعمل ہوا ہے، اس کے معنی ”اصل“ اور ”عنصر“ کے ہیں، عیسائیوں کا مشہور عقیدہ یہ ہے کہ خداتین اقنوم ہیں، اللہ، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور روح القدس اقنوم کی جمع ”اقانیم“ ہے، چوتھے باب میں اس مسئلہ کی تفصیلات آپ کے سامنے آئیں گی ۱۲

اس کے علاوہ کتاب الصلوات (جو انگریزی میں گرجوں میں مروج ہے، اور جس کی طرف اس پادری نے لوٹ کر من گرجا کے طریقہ پر عرصہ دراز تک رہنے کے بعد آخر عمر میں رجوع کیا ہے، اور جو لندن میں اردو زبان میں رچرڈ واٹسن کے مطبع میں ۱۸۸۱ء میں طبع ہوئی ہے، اس کے صفحہ ۲۹ و ص ۳ پر ہے :-

اے مقدس اور مبارک : اور عالی شان : تینوں جو ایک ہو، یعنی تین شخص اور ایک

خدا ہم پریشان گنہگاروں پر رحم کرے

اس میں اشخاص کی تصریح موجود ہے،

چوتھا قول | صفحہ ۱۲۱ میں یوں ہے :-

”بے شک بعض علماء کا خیال صرف انجیل متی کے متعلق یہ ہے کہ شاید وہ عبرانی یا

عوامانی زبان میں تھی، پھر اس کا ترجمہ یونانی میں کیا گیا، لیکن غالب یہی ہے کہ متی

حواری نے اس کو بھی یونانی زبان میں لکھا ہے“

اس میں یہ کہنا کہ بعض علماء کا خیال ہے، اور یہ کہنا کہ غالب یہی ہے، دونوں باتیں قطعاً غلط ہیں، چنانچہ باب ۳ مقدمہ کے شاہد ۱۸ میں عنقریب آپ کو معلوم ہو جائے گا، اس کی عبارت

”۱۔ اصل میں عبرانی“ یہودیوں کو کہتے ہیں اور یہ ”عبرانی“ کی طرف نسبت ہے، جو حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب تھا، وجہ تسمیہ میں علماء لغت و تاریخ کا اختلاف ہے، انگریزی میں انھیں (Hebrews) کہتے ہیں ۱۲

۲۔ عوامانی یا آرامی، زبان کا ذکر کتاب دانی ایل (۲-۴) میں موجود ہے، جس کے بارے میں Oxford Bible Concordance میں لکھا ہے کہ یہ سوریہ کی زبان تھی، انگریزی میں اسے (Syriack) کہا گیا ہے

۳۔ متی، الف مقصورہ کے ساتھ (Maththew) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں حوالہ دینے میں

ایک ہے، آپ کفرناحوم (Capharnaum) میں جو فلسطین کا ایک شہر تھا، عشر وصول کرنے پر رومی

تھے، آپ کو شہید کیا گیا، مگر یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ کب اور کہاں؟ اناجیل اربعہ میں سے ایک انجیل آپ ہی کی

طرف منسوب ہے، اور اسے بیسانی حضرات قدیم ترین انجیل مانتے ہیں اگرچہ وہ درحقیقت ان کی ہرگز نہیں ۱۲

۴۔ ملاحظہ ہو کتاب پڑا، ص ۱۳ (جلد ۲)

میں تین الفاظ ضرور قابل غور ہیں، اول لفظ ”بعض علماء کا خیال ہے“ دوسرے ”شاید“ کا لفظ، تیسرے ”غالب“ کا لفظ، یہ تینوں مجموعی طور پر اس امر پر دلالت کر رہے ہیں کہ اس دعوے پر اُنکے پاس کوئی بھی سند متصل نہیں ہے، بلکہ جو کچھ کہتے ہیں وہ محض قیاس و تخمینہ ہے،

پانچواں قول | صفحہ ۱۲۵ پر کہا گیا ہے:-

”یہ بات واقعی اور صحیح ہے کہ دوسری اور تیسری انجیل (یعنی مرقس اور لوقا) حواریوں کی نہیں ہیں“

پھر صفحہ ۱۳۶ پر فرماتے ہیں:-

”تمام قدیم عیسائی کتابوں میں متعدد مواقع پر بیان کیا گیا ہے، اور اسناد کی کتابوں میں بہت سے دلائل سے ثابت ہو چکا ہے کہ موجودہ انجیل یعنی عہد جدید کے مجموعے کو حواریوں نے لکھا ہے اور وہ بعینہ وہی ہے جو اول میں تھی، اور اس کے سوا کسی زمانہ میں کوئی دوسری انجیل نہیں تھی“

ملاحظہ کیجئے کہ وہ تینوں اقوال جن کو ہم گزشتہ قول میں نقل کر چکے ہیں، اور یہ قول کس طرح آپس میں ایک دوسرے کی تردید کر رہے ہیں، کیونکہ اقوال سابقہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس امر کی کوئی سند متصل موجود نہیں، کہ فلاں شخص نے لکھا ہے، اور وہ فلاں زبان میں تھی، اور فلاں شخص نے اس کا ترجمہ کیا ہے،

اور تیسرا قول یہ بتا رہا ہے کہ عہد جدید کے مجموعہ کو حواریوں نے لکھا ہے، اور یہ چیز کتب اسناد میں بے شمار دلائل سے ثابت اور تمام قدیم عیسائی کتابوں میں مذکور ہے، اس کے علاوہ خود انہوں نے دوسرے قول میں یہ اقرار کیا تھا کہ دوسری اور تیسری انجیل کو حواریوں نے نہیں لکھا، اور تیسرے قول میں پھر اس کے خلاف دعویٰ فرماتے

ہیں کہ عہد جدید کے مجموعہ کو حواریوں نے لکھا ہے،

نیز انھوں نے گزشتہ قول میں یہ استرار کیا تھا کہ بعض علماء کا انجیل متی کی نسبت یہ خیال ہے کہ شاید وہ عبرانی یا عرامانی زبان میں تھی، اور پھر آخری قول میں اس کے برعکس یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ مجموعہ لعینہ وہی ہے جو ابتداء میں تھا، اسی طرح عنقریب باب ۱۱ فصل ۲ میں ناظرین کو معلوم ہو جائے گا کہ رسالہ یعقوب اور رسالہ یہود اور رسالہ عبرانیہ اور پطرس کا دوسرا رسالہ، نیز یوحنا کا دوسرا تیسرا رسالہ ان کی نسبت حواریوں کی جانب بلا حجت و سند تھی، اور ۳۶ء تک مشکوک رہی، اسی طرح یوحنا کے مشاہدات ۳۹ء تک مشکوک النسبہ تھے، یہاں تک کہ نائس کے جلسے اور لوڈیشیا کے اجلاس نے بھی ان کی مشکوکیت باقی رکھی، اور اس کو مردود قرار دیا، اور سریانی گرجے تو ابتداء سے آج تک پطرس کے دوسرے

۱۵ یوحنا (حار مفتوح ہی) (John) جیب بن زبدی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ حواریوں میں ممتاز حیثیت رکھتے ہیں، اناجیل اربعہ میں سچ تھی انجیل آپ ہی سے منسوب، اور عہد نامہ جدید کے مجموعہ میں تین خط اور ایک کتاب مکاشفہ بھی آپ کی طرف منسوب کی گئی ہے، آپ نے عمر بھر یہودیوں کے ظلم و ستم برداشت کئے، اور پہلی صدی عیسوی ہی میں آپ کا انتقال ہوا، یاد رہے کہ عیسائی حضرات حضرت یحییٰ علیہ السلام کو بھی یوحنا کہتے ہیں، مگر اس کے ساتھ "المتمد" کی قید ہے یہاں وہ مراد نہیں ۱۲

۱۵ نائس، روم کے ایک شہر کا نام تھا، جہاں ۳۲۵ء میں شاہ قسطنطین نے عیسائی علماء کا ایک عظیم الشان اجتماع بلایا تھا، تاکہ مشکوک کتابوں کے بارے میں کوئی صحیح بات محقق ہو جائے، اس اجلاس نے کتاب یہودیت کے سوا سب کو بدستور مشکوک قرار دیا تھا ۱۲

۳۵ لوڈیشیا کی مجلس بھی ۳۶۳ء میں اسی مقصد کے لئے منعقد ہوئی تھی، اور اس میں کتاب یہودیت کے علاوہ سات کتابیں بھی واجب النسیل قرار دی گئی تھیں ۱۲

۳۵ سریانی دراصل ایک زبان تھی، پھر زبان بولنے والے عیسائی چونکہ تقریباً پانچویں صدی عیسوی میں انطاکیہ کے گرجا سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں (کچھ نسبی مباحث میں) اختلاف کر کے الگ ہو گئے تھے، اس لئے ان کے قائم مقام کئے ہوئے گرجوں کو سریانی گرجے کہا جاتا ہے، اس فرقہ کا نام مونوفیسٹ (Mono physites)

رسالہ اور یہودا کے رسالہ اور یوحنا کے دونوں رسالوں اور کتاب مشاہدات کو رد کرتے آئے ہیں، اور عرب کے تمام گرجوں نے بھی ان کو رد کیا ہے، اور خود پادری مذکور نے مباحثہ محرفہ مطبوعہ ۱۸۵۵ء کے صفحہ ۳۸ و ۳۹ میں مذکورہ صحیفوں کے حق میں یہ اصرار کیا ہے کہ یہ تمام صحیفے پہلے زمانہ میں انجیل میں شامل نہ تھے، اور سریانی ترجمہ میں پطرس کا رسالہ نمبر ۲ اور یہودا کا رسالہ، یوحنا کے دونوں رسالے اور کتاب مشاہدات یوحنا موجود نہیں ہیں، اور انجیل یوحنا کے باب کی آیت نمبر ۲ تا ۱۱ اور یوحنا کے پہلے خط باب ۵ آیت، موجود نہیں ہیں، اسی لئے ہمارے دوست مصنف ہتفسار نے یہ اقوال نقل کرنے کے بعد کہا ہے کہ:-

”ہم اس کے سوا کیا کہہ سکتے ہیں کہ یہ پادری دیوانہ معلوم ہوتا ہے“

چھٹا قول | صفحہ ۱۳۶ میں کہا گیا ہے کہ:-

”سلسوس دوسری صدی کے بت پرست علماء میں سے تھا، جس نے عیسائی مذہب

کی تردید میں ایک کتاب لکھی تھی، اس کے بعض اقوال آج تک موجود ہیں، مگر اس نے

کسی مقام پر بھی یہ نہیں لکھا کہ انجیل حواریوں کی نہیں ہے“

ہم کہتے ہیں کہ یہ بات دو لحاظ سے غلط اور کمزور ہے، اول تو اس لئے کہ وہ خود اعتراف

کر رہے ہیں کہ اس کی کتاب آج موجود نہیں ہے، صرف اس کے بعض اقوال موجود ہیں، پھر

انھوں نے یہ کیسے مان لیا کہ اس نے کسی جگہ ایسا نہیں لکھا؟ ہمارے خیال میں یہ بات قریب

قریب یقین، بلکہ:

پروٹسٹنٹ جس طرح اس زمانہ میں اپنے مخالف کے اقوال نقل کرتے ہیں، اسی طرح

لہ پادری فنڈیک کے ساتھ مصنف کا جو مناظرہ ہوا تھا، اس کا حال خود فنڈیک نے بعد میں شائع کیا، مگر اس میں بہت

کچھ تحریف کر دی تھی، مصنف اسے اپنی کتاب ”مباحثہ محرفہ“ کے نام سے یاد کرتے ہیں ۱۲

تیسری صدی اور اس کے بعد کے مسیحی بھی اپنے مخالفین کے اقوال کو نقل کرتے تھے، آریجن نے اپنی تصانیف میں سلسوس کے بھی اقوال کو نقل کیا ہے، اس کے زمانہ میں عیسائی فرقہ میں جھوٹ اور فریب کا ارتکاب مذہبی لحاظ سے مستحب سمجھا جاتا تھا، چنانچہ آپ کو عنقریب باب ہدایت نمبر ۳ قول نمبر ۶ میں معلوم ہوگا، اور یہ آریجن صاحب ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے جھوٹی کتابیں گھڑ کر ان کو حواریوں اور تابعیوں کی طرف یا کسی مشہور پادری کی جانب منسوب کرنا جائز قرار دیا تھا، جس کی تصریح تاریخ کلیسا اردو مطبوعہ ۱۹۳۸ء مصنفہ ولیم میوز کے باب ۳ حصہ ۳ میں موجود ہے، ایسی شکل میں اس مفتی کی نقل پر کیا اعتماد کیا جاسکتا ہے، میں نے خود وہ جھوٹے اقوال اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں جو میری جانب اس مباحثہ میں منسوب کئے گئے تھے جن کو پادری صاحب نے تحریف کر کے شائع کیا ہے، اسی لئے سید عبداللہ کو جو انگریزی حکومت سے متعلق بھی تھے، اور محفل مناظرہ میں شریک تھے، اور انہوں نے پورے مناظرہ کو پہلے اردو میں پھر فارسی میں ضبط بھی کیا تھا، اور دونوں کو اکبر آباد میں طبع بھی کرایا تھا، انہیں ضرورت محسوس ہوئی کہ ایک مختصر لکھا کر اس پر معتبر اشخاص کی مہریں اور شہادتیں کرائیں، مثلاً (قاضی القضا محمد اسد اللہ، مفتی ریاض الدین اور فاضل امجد علی وغیرہ جو شہر کے سربراہ اور وہ اور حکومت انگریزی کے ارکان تھے)،

دوسرے اس لئے کہ یہ بات حقیقت اور واقعہ کے لحاظ سے بھی درست نہیں ہے،

کیونکہ سلسوس دوسری صدی میں بانگ دھل یوں کہہ رہا ہے:-

۱ "Origen" متقدمین علماء عیسائیت میں ممتاز حیثیت رکھتا ہے (پیدائش ۱۸۵ء وفات ۲۵۴ء)، عیسائی حضرات کہتے ہیں کہ اس نے چھ ہزار کتابیں لکھی ہیں، مگر محققین نے اسے بے بنیاد قرار دیا ہے، تاہم اس کی بیشتر تصانیف میں جن میں سے اکثر مذہب متعلق ہیں بائبل کے علوم کا اسے بطور خاص ماہر سمجھا جاتا ہے ۱۲

عیسائیوں نے انجیلوں کو تین یا چار مرتبہ تبدیل کیا، بلکہ اس سے بھی زیادہ اور ایسی تبدیلی کی کہ اس کے مضامین بھی بدل گئے۔

اسی طرح مشرقہ مانی کینزکان کا زبردست عالم فاسٹس چوتھی صدی میں باوازل بند اعلان کرتا ہے :-

یہ بات محقق ہے کہ اس عہد جدید کو خود مسیح یا حواریوں نے تصنیف نہیں کیا تھا، بلکہ ایک ایسے شخص نے تصنیف کیا، جس کا نام معلوم نہیں اور حواریوں اور ان کے ساتھیوں کی جانب اس اندیشہ سے منسوب کر دیا، کہ لوگ اس کی تحریر کا اس لئے اعتبار نہیں کریں گے کہ وہ خود لکھے ہوئے حالات کی خبر براہ راست نہیں رکھتا، اور اس نے محققین عیسائی کو بڑی سخت اذیت دی کہ ایسی کتاب تالیف کر دی جس میں اغلاط اور تناقضات پائے جاتے ہیں۔

جیسا کہ آپ کو باب کی ہدایت ۲ سے معلوم ہوگا،
ساتواں قول | صفحہ ۱۰۵ پر کہتا ہے :-

”کسی پیغمبر بچپڑے کی عبادت نہیں کی، صرف ہارون علیہ السلام نے ایک مرتبہ یہودیوں کے خوف سے کی تھی، اور وہ پیغمبر نہیں تھے، بلکہ صرف کاہن اور موسیٰ کے سرستادہ تھے۔“

اس پر دو طرح سے اشکال پیش آتا ہے، اول تو اس لئے کہ یہ جواب مکمل نہیں ہے کیونکہ استفسار کے مصنف نے گویا سالہ پرستی اور بت پرستی دونوں چیزوں پر اجتماعی اعتراض کیا تھا، مگر پادری صاحب نے بت پرستی کے جواب سے خاموشی اختیار کی، اور اس سلسلہ میں ایک لفظ بھی نہیں کہا، کیونکہ اس معاملہ میں وہ یقیناً عاجز ہیں، اور کیسے نہ ہوں جبکہ

سلیمان علیہ السلام کے متعلق توریت میں کہا گیا ہے کہ انھوں نے آخر عمر میں مرتد ہو کر بت پرستی اختیار کر لی تھی، اور بت خانوں کی تعمیر کرائی تھی، جس کی تصریح کتاب سلاطین الاول کے باب ۱۱ میں موجود ہے،

دوسرے اس لئے کہ ان کا یہ دعویٰ کہ ہارون بنی نہ تھے قطعی باطل ہے، چنانچہ انشاء اللہ تعالیٰ باب میں ہارون علیہ السلام کے حالات کے بیان میں یہ بات آپ کے سامنے آجائے گی،

آٹھواں قول | پادری صاحب موصوف صفحہ ۵۲ پہ گٹائن کا قول اس طرح نقل کرتے ہیں کہ:-

”کتب مقدسہ کی تحریف کسی زمانہ میں بھی ممکن نہیں تھی، کیونکہ بالفرض کوئی شخص اگر اس حرکت کا قصد کرتا تو چونکہ کتب مقدسہ کے نسخہ قدیم زمانہ سے موجود تھے اس لئے اسی وقت اس کا پتہ چل جاتا۔“

اس پر بھی دو اشکال ہیں، اول تو یہ کہ ہنری واسکاٹ کی تفسیر جلد ۱، میں گٹائن کا قول یوں بیان کیا گیا ہے:-

”واقعی یہودیوں نے توریت کے عبرانی نسخوں کو ان اکابر کے زمانہ کے حالات میں قطعی محرف کر دیا جو طوفان سے پہلے گزر چکے تھے، یا طوفان کے بعد موسیٰ علیہ السلام کے دور تک ہوئے ہیں، اور یہ تحریف و تغیر اس لئے کی تاکہ یونانی ترجمہ غیر معتبر ہو جائے، اور مسیحی

۱۵ آیت ۲ تا آیت ۱۳،

لکھ آگٹائن (St. Augustine) عیسائیوں کا مشہور بشارت اور فلاسفر جو افریقہ میں ۳۵۴ء کو پیدا ہوا، ۴۳۰ء میں ہینو کا بشارت مقرر ہوا، اور ۴۳۰ء میں انتقال کر گیا، لاطینی زبان میں اس کی بہت سی تصنیفات ہیں، حال ہی میں اس کی اہم تصانیف کا انگریزی ترجمہ نیو یارک سے ”بیک رائٹنگس آف سینٹ آگسٹین“ کے نام سے

مائع ہو گیا ہے، فرقہ پروٹسٹنٹ کے لیڈروں نے بہت حد تک اس کی تصانیف سے استفادہ کیا ہے ۱۳ ت

مذہب کے عناد و دشمنی نے ان سے یہ حرکت کرائی، قدما مسیحین کا نظریہ جس اسی قسم کا تھا، وہ

کہتے تھے کہ یہودیوں نے توریت میں منسلک میں تحریف کی تھی،

اس سے معلوم ہوا کہ آگسٹائن اور قدما مسیحین توریت کی تحریف کا اعتراف کرتے

تھے، اور ان کا دعویٰ تھا کہ یہ تحریف منسلک میں ہوئی ہے، تفسیر مذکور کا بیان پادری صاحب

کے بیان کے سراسر خلاف ہے، مگر چونکہ علماء پروٹسٹنٹ کے نزدیک یہ تفسیر بہت ہی معتبر

ہی، اس لئے اس کے مقابلہ میں پادری صاحب کا بیان قطعی مردود ہے، ہاں اگر یہ ثابت

ہو جائے کہ پادری صاحب کا بیان کسی ایسی کتاب سے منقول ہے جو تفسیر مذکور سے زیادہ معتبر

ہی، ایسی صورت میں ہم ان سے نقل کی تصحیح کا مطالبہ کریں گے، اور ان پر یہ بتلانا واجب ہوگا

کہ انھوں نے کس معتبر کتاب سے اس کو نقل کیا ہے؟

دوسرے یہ کہ دوسری صدی عیسوی سے موافق و مخالف سب ہی بیابانگہ دہل کی ہتر

آئے ہیں، کہ تحریف واقع ہوئی ہے، محققین مذہب عیسوی تحریف کی تینوں قسموں کا عہدیت

جدید کی کتابوں کے بہت سے مقامات میں واقع ہونا تسلیم کرتے ہیں، چنانچہ باب میں آپ کو

معلوم ہوگا، اس سے زیادہ واضح چیز اور کونسی ہو سکتی ہے، اسے تبارک کے مصنف نے تعجب

اور تعریف کرتے ہوئے کہا ہے۔

معلوم نہیں کہ پادری صاحب کے نزدیک تحریف ثابت ہونے کا مسند کیا ہی،

شاید ان کے نزدیک تحریف ثابت ہونے کی صورت صرف یہ ہوگی کہ تحریف

کرنے والا انگریزی عدالت میں گرفتار ہو کر آئے اور جعل سازی کے جرم میں دوا

جیل کی سزا پائے۔

ضروری نوٹ: پادری صاحب تحریف کو مستبعد ثابت کرنے کے لئے وہ احتمالات بیان

کرتے ہیں، جن کو ایک جاہل بھی حدود سے تجاوز خیال کرتا ہے، مثلاً یہ فرماتے ہیں:-

”کس نے تحریف کی؟ کس زمانہ میں کی؟ کس غرض سے کی؟ تحریف شدہ الفاظ کیا ہیں؟“

الحمد للہ: اُن کے بزرگوں نے اس سلسلہ میں ہماری یہ مشکل بھی آسان کر دی، اور بتا دیا

کہ یہودیوں نے توریت میں تحریف کی، اور تحریف کا زمانہ سنہ ۳۷۰ء ہے، اور تحریف کا سبب

دین مسیحی کی عداوت اور دشمنی اور یونانی ترجمہ کو غیر معتبر ثابت کرنا ہے، اور تحریف کردہ الفاظ

میں سے وہ الفاظ ہیں جن میں اکابر کے زمانہ کے واقعات بیان کئے گئے تھے، عیسائیوں کا

دعویٰ کرنا کہ مسیح نے قومیت کے حق میں شہادت دی ہے، اس کے تسلیم کرنے کے بعد بھی مضر

نہیں، کیونکہ یہ دعویٰ عروج و مرجع کے عرصہ دراز بعد کیا گیا ہے، اور یہ لوگ تین چار نہیں ہیں

بلکہ جمہور قدما مسیحین ہیں،

نواں قول | صفحہ ۱۲۱ پر فرماتے ہیں:-

”انجیل بواسطہ حواریین کے الہام کے طور پر لکھی گئی، یہ بات خود انجیل سے اور

قدیم سچی کتابوں سے ثابت اور ظاہر ہے“

پھر کہتا ہے:-

حواریوں نے مسیح کے اقوال، اُن کی تعلیمات اور حالات بذریعہ الہام کے لکھے ہیں“

یہ بھی اُن وجوہ کی بناء پر جو ہم نے حل الاشکال کے قول نمبر ۴ و ۵ کے بیان میں ذکر کی

ہیں، مردود باطل ہے، اور اس وجہ سے بھی کہ جس شخص نے بھی انجیل کو پڑھا ہو گا اس کو

اس امر کا یقین آجائے گا کہ پادری صاحب کا یہ دعویٰ صحیح نہیں ہے، اس سے قطعی یہ بات

ثابت نہیں ہوتی کہ فلاں انجیل کو فلاں حواری نے بذریعہ الہام یونانی زبان میں لکھا ہو،

بے شک انجیل کا نام اناجیل کے ہر صفحہ پر چھاپنے والوں اور کتابوں کی طرف سے ضرور

لکھا ہوتا ہے، لیکن یہ نہ کوئی حجت ہی نہ دلیل، کیونکہ یہ لوگ جس طرح انجیل کا نام لکھ دیتے ہیں، اسی طرح لفظ قصاۃ، راعوت و استیر اور ایوب بھی کتاب القصاۃ، کتاب راعوت کتاب استیر اور کتاب ایوب کے ہر صفحہ کی پیشانی پر لکھتے ہیں،

پھر جس طرح دوسری صورت میں یہ لکھنا اس امر کی دلیل نہیں کہ یہ کتابیں انہی لوگوں کی تصانیف ہیں جن کی طرف منسوب کی جا رہی ہیں، اسی طرح پہلی خبر بھی انجیل ہونی کی دلیل نہیں ہو سکتی، اس قسم کے نکات کا بیان پادری صاحب کی جانب سے علماء اسلام کے نزدیک موجب تعجب ہی، اور بعض اوقات کچھ لوگوں کے قلم سے تنگدل ہو جانے کی بناء پر کوئی ایسا لفظ نکل بھی جاتا ہے، جو پادری صاحب کی شان کے مناسب نہیں ہے، جیسا کہ ہستبشار کے مصنف نے اس موقع پر پادری کے قول کی تردید کرنے کے بعد کہا ہے کہ:-

”ہم لے کوئی پادری اتنا جھوٹا اور بیدھڑک جھوٹ بولنے والا نہیں دیکھا، جیسا کہ

پادری فنڈر ہے۔“

اور چونکہ اس کے اقوال کو نقل کرنا تطویل کا موجب ہے، اس لئے بہتر یہی ہے کہ اس مقدار پر اکتفا کریں،

اب جب کہ ہم عیسائیوں کی اس عادت کی نشان دہی کر چکے تو مناسب سمجھتے ہیں کہ ان کی دوسری دو عادتیں بھی بیان کر دیں تاکہ ناظرین کے لئے موجب بصیرت ہو،

عیسائی علماء کی دوسری عادت

پادری صاحب کی ایک عادت یہ بھی ہے کہ وہ اُن الفاظ کو پکڑ لیتے ہیں جو مخالف کے قلم سے بشریت کے تقاضہ سے اُن کے حق میں یا اُن کے اہل مذہب کے حق میں نکل گئی ہیں

اور اتفاق سے وہ ان کے زعم میں اُن کے منصب شان کے مناسب نہیں ہیں، اس پر شکریہ ادا کرتے ہیں، اور رائی کا پہاڑ بنا کر کھڑا کر دیتے ہیں، اور ان الفاظ کی جانب قطعی توجہ نہیں کرتے، جو خود اُن کے قلم سے مخالف کے حق میں نکلتے رہتے ہیں،

میں حیران ہوں کہ اس کا سبب کیا ہے؟ کیا وہ یہ سمجھتے ہیں کہ جو لفظ بھی اچھا ہو یا بُرا ان کی زبان و قلم سے نکلے تو وہ اچھا، بہتر اور بر محل بھی ہے، لیکن اگر وہی الفاظ مخالف کی جانب سے نکل جائیں تو وہ بُرے سہی ہیں اور بے محل بھی، چنانچہ ہم اُن کے بعض اقوال نقل کرتے ہیں،

پادری صاحب کشف الاستار (جو مفتاح الاسرار کا جواب ہے) کے مصنف فاضل ہادی علی کے حق میں حل الاشکال کے صفحہ ۱ پر کہتے ہیں:-

”اس مصنف کے حق میں پولس کا قول صادق آتا ہے“

پھر پولس کے قول کو نقل کرتے ہیں جس میں یہ جملہ بھی ہے:-

”اس زمانہ کے خدا نے کافروں کے ذہنوں کو اندھا کر دیا ہے“

اس عبارت میں انھوں نے اپنے مخالف پر کافر کا اطلاق کیا، پھر صفحہ ۲ پر کہتے ہیں:-

”مصنف نے تعصب کی بناء پر قصداً انصاف سے آنکھ بند کر لی“

اور صفحہ ۳ پر کہتے ہیں:-

”اس کا مقصد محض جھگڑا، بحث اور خالی تعصب ہے“

پھر صفحہ ۴ پر رقمطراز ہیں:-

”پوری کتاب باطل اعتراضات، مہمل دعووں اور نامناسب مطاعن سے لبریز ہے“

پھر اسی صفحہ پر کہتے ہیں:-

”کتاب مذکور خلاف اور باطل سے بھری ہوئی ہے“

صفحہ ۱۹ پر ارشاد ہے کہ:-

”مصنف نے تکبر کی وجہ سے گمان کیا“

پھر صفحہ ۲۴ پر فرماتے ہیں کہ:-

”یہ خالص تکبر ہے اور کفر ہے، اللہ اس پر رحم کرے اور اس کو فہم کی گمراہی کے جال

سے نکالے“

صفحہ ۲۵ پر کہتے ہیں کہ:-

”یہ فقط اس کی چہالت اور کم علمی ہی کی دلیل نہیں، بلکہ اسکی کج فہمی اور تعصب کی بھی دلیل ہے“

پھر اسی صفحہ پر کہتے ہیں کہ:-

”ظاہراً یہ معلوم ہوتا ہے کہ تکبر اور تعصب نے مصنف کو سمجھ سے محروم کر دیا ہے،

اور عقل و انصاف کی آنکھ کو بند کر دیا ہے“

صفحہ ۳۸ پر ہے کہ:-

”دوسری باطل باتوں سے قطع نظر کرتے ہوئے یہ بھی کہا ہے“

صفحہ ۴۲ پر ہے کہ:-

”یہ قول باطل اور بیکار ہے“

صفحہ ۵۰ پر:-

”یہ بعینہ تکبر اور کفر ہے“

پھر اسی صفحہ پر ہے کہ:-

مصنف کامل تکبر اور عجب سے اسی طرح بھرا ہوا ہے :

پھر اس صفحہ پر ہے کہ :-

”یہ بعینہ جہالت اور انتہائی تکبر ہے :

صفحہ ۵۵ پر ہے کہ :-

”یہ اس کی قلعی ناواقفیت اور تعصب پر دلالت کرتا ہے :

صفحہ ۵۶ پر ہے کہ :-

”اس کا بیان اعتبار کے درجہ سے گرا ہوا ہے، اور محض باطل اور بیکار ہے :

پھر اس صفحہ پر ہے کہ :-

”یہ انتہائی تعصب اور کفر ہے :

صفحہ ۸ پر ہے کہ :-

”وہ بات جو عقل کو فیصلہ کن و سترار دے محض نامعقول اور حیلہ حوالہ ہے :

یہ تمام الفاظ سید ہادی علی کی شان میں کہے گئے ہیں جن کی لکھنؤ کا بادشاہ بھی تعظیم

کرتا تھا، باقی جو الفاظ فاضل ذکی آل حسن مصنف استفسار کے حق میں کہے ہیں ان کا نمونہ بھی

ملاحظہ ہو، حل الاشکال کے صفحہ ۱۱ پر فرماتے ہیں کہ :-

”یہ شخص فہم میں بت پرست سے بھی کم ہے، اور کفر میں ان یہودیوں سے بڑھ کر ہے :

پھر صفحہ ۱۸ پر ہے کہ :-

”پھر اب جناب فاضل صفحہ ۵۹۲ پر انتہائی کافرانہ انداز میں لا پرواہی سے کہتے ہیں :-

پھر صفحہ ۱۲۰ پر ہے کہ :-

”انصاف اور ایمان دونوں جناب فاضل کے قلب سے رخصت ہو چکے ہیں :

اپنے آخری خط میں فاضل مدوح کے حق میں انھوں نے ”قرار“ کا لفظ بھی استعمال

کیا ہے، حالانکہ یہ لفظ اُن کے نزدیک بہت بیچ ہے کہ اگر کسی دوسرے اُن کے حق

نہوں کے تیس یا چالیس ہزار مقامات پر سہو کاتب کی وجہ سے حاشیہ کے فقرہ اور جملوں کا متن میں داخل ہو جانا، اور بہت سے جملوں کا ٹکڑا جانا، اور بدائع جانا بھی تم نے مان لیا ہے، پھر اس بات کے کہنے میں کوئی بھی رکاوٹ باقی رہ گئی ہے کہ تم لوگ دل میں تو سمجھتے ہو کہ مذہب عیسوی باطل ہے، اور اس بات کا بھی یقین رکھتے ہو کہ کتب مقدسہ منسوخ اور محذوف ہیں، اور ان کا تمہارے نزدیک کوئی اعتبار نہیں ہے مگر تم لوگ محض دنیوی طمع کے ماتحت مصنوعی طور پر ظاہر میں اس مذہب کو تمہارے ہوئے ہو، اور ان محذوف کتابوں کو چٹے ہوئے ہو، یا پھر چونکہ تمام عمر لوہریں کے گرجے کے مرید بنے رہے، اور چند ماہ سے انگریزی کلیسا کے آگے سرخم کر دیا ہے، تو یہی سمجھنا چاہئے کہ اس کا سبب بھی وہی دنیوی طمع ہے، کیونکہ اب تمہارا ارادہ جیسا کہ مجھ کو تمہارے ایک قلبی و جگری دوست (یعنی پادری فسرینج) سے معلوم ہوا ہے انگلستان کو وطن بنانے کا ہے، یا پھر اس کا سبب کوئی گھریلو معاملہ ہے (یعنی پادری مذکور کی میم صاحب انگلش چرچ سے تعلق رکھتی ہیں، اس لئے پادری صاحب نے اُن کی خوشنودی مزاج کے لئے اپنا مذہب تبدیل کر ڈالا، جیسا کہ مجھ کو ڈاکٹر مدوح کے بیان سے معلوم ہوا کہ گھریلو معاملہ سے یہی مراد ہے)۔“

اب ملاحظہ فرمائیے کہ کس طرح پادری صاحب نے ایک بات کہہ کر دس باتیں تبدیل مذہب کی جو رد و جوابات ڈاکٹر موصوف نے لکھی ہیں، میں جواب میں ان کا انکار نہیں کرتا، اور اگر تبدیلی مذہب کا سبب ان میں سے کوئی بھی ہو تو اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ بہت ہی قبیح ہے، اور دوسری بات ان دونوں کے علاوہ اور کسی سے نہیں سنی، مگر یہ موضوع ہماری بحث سے خارج ہے، اس لئے اس کو چھوڑ کر ان کی عادت کے بیان کا سلسلہ پھر

جاری کرتے ہیں۔

یہ الفاظ تو وہ تھے جو پادری مذکور نے ہندوستان کے دو بڑے عالموں کی شان میں استعمال کئے تھے، اوروہ ناپاک الفاظ جو اس نے حل الاشکال صفحہ ۱۳۹ میں اور اپنے آخری خطوط میں، نیز میزان الحق، اور طریق الحیات میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن و حدیث کی شان میں استعمال کئے ہیں، انہیں نقل کرنے کے لئے میرا قلم اور دل کسی طرح آمادہ نہیں ہوتا، اگرچہ نقل کفر کفر نہایت شہرہ

جب سلسلہ ۱۲۷ میں پادری صاحب اور مصنف استفسار کے درمیان تحریری مناظرہ ہوا تھا، تو صاحب استفسار نے اپنے دوسرے خط میں مناظرہ کے لئے چار شرائط کے قبول کرنے کی پیشکش کی تھی، جن میں پہلی شرط یہ تھی کہ:-

”ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے نام نامی یا لقب کو تعظیم الفاظ سے ذکر کیا جائے اور اگر تم کو یہ بات منظور نہ ہو تو تمہارے ”پیغمبر“ یا ”مسلمانوں کے پیغمبر“ کا لفظ استعمال کر سکتے ہو اور ان افعال کے صیغے یا ضمیر جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجح ہوں وہ جمع کے صیغے کے ساتھ ہونی چاہئیں، جیسا کہ اردو زبان والوں کی عادت ہو درنہ ہم گفتگو نہیں کر سکیں گے، اور ہم کو انتہائی کوفت ہوگی۔“

اس پادری نے اس کے جواب میں اپنے خط مورخہ ۲۹ جولائی سلسلہ ۱۲۷ میں یہ لکھا ہے:-
 ”خوب سمجھ لو! ہم تمہارے نبی کا ذکر تعظیم کے ساتھ کرنے یا افعال اور ضمیروں کو جمع کے صیغوں کے ساتھ لانے سے معذور ہیں، یہ بات ہمارے لئے قطعی ناممکن ہے، ہاں ہم بے ادبی کے الفاظ بھی استعمال نہیں کریں گے، بلکہ یہ لکھیں گے ”تمہارے پیغمبر یا مسلمانوں کا“
 محمد صلی اللہ علیہ وسلم، مثلاً میں کہوں گا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: اور کسی ایسی جگہ

جہاں کلام کا مقتضی ہو گا یہ بھی کہوں گا کہ ”محمد رسول نہیں ہیں“ یا ”بھوٹے ہیں“ لیکن

ان الفاظ سے یہ گمان مت کرنا کہ ہمارا مقصد تم کو ایذا دینا ہے، بلکہ اصل بات یہ ہے کہ

چونکہ ہمارے نزدیک محمدؐ سچے نبی نہیں ہیں اس لئے اس کا اظہار ضروری ہے۔

پھر اس خط میں جو ۳ جولائی ۱۸۵۲ء میں لکھا تھا یہ لکھتا ہے :-

”یہ بات محال ہے کہ ہم محمدؐ کا نام ذکر کرتے ہوئے افعال اور ضمیروں کو جمع کے صیغوں

کے ساتھ لائیں۔“

خود میں نے بھی اپنے خط مورخہ ۱۶ اپریل ۱۸۵۲ء میں اس سے یہی مطالبہ کیا تھا، اس نے

اس کے جواب مورخہ ۸ اپریل ۱۸۵۲ء میں دہی لکھا جو مصنف استفسار کو لکھا تھا،

ان باتوں کو جاننے کے بعد اب ہم کہتے ہیں کہ علماء اسلام اس کے حق میں دہی

اعتقاد رکھتے ہیں جو وہ ان کے حق میں رکھتا ہے، اور خود اس کے اور اس کے مذہبی علماء

کے حق میں اس سے زیادہ اعتقاد رکھتے ہیں جس قدر وہ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے حق

میں رکھتا ہے، پھر اگر مسلمان عالم ان کے حق میں خود یہ ان کی بات نقل کر کے کہہ دے کہ اس کے

حق میں پس کا قول صادق آتا ہے، کہ ”اس زمانہ کے خدا نے کافروں کے دلوں کو اندھا کر دیا

ہے“ اور اس نے قصداً تعصب کی وجہ سے انصاف اسے آنکھوں کو بند کر لیا ہے، اور اس کی

غرض و مقصد حسن جھگڑا اور بحث و تعصب ہے، اور اس نے تکبر سے یوں سمجھا ہے، اور

ظاہر یہی ہے کہ تعصب اور تکبر نے اس کی عقل سلب کر لی ہے، اور عقل کی آنکھوں کو بند

کر دیا ہے، اور قیاس نظر کرتے ہوئے دوسری باطل باتوں کے اس نے ایسا بھی کہا ہے، اس

کا قلب تکبر و تعصب سے لبریز اور سمجھ میں بہت پرست سے کم ہے، اور کفر میں یہودیوں

سے بڑھا ہوا ہے، اور وہ نہایت لاپرواہی اور کفر کی بناء پر لکھتا ہے، اور ایمان و انصاف

دونوں اس کے دل سے رخصت ہو چکے ہیں، اور وہ لازمہوں کے گروہ میں داخل ہے، اور وہ بھگوڑا ہے۔“

اسی طرح اگر اس کا کتاب میزان الحق کی شان میں یوں کہیں کہ وہ خالص مخالطوں اور محض فریب اور غلط دعاوی اور کمزور دلائل پر مشتمل ہے یہ الفاظ صادر ہو جائیں کہ وہ پوری کی پوری باطل اعتراضوں سے لبریز ہے، اور خلاف و باطل اور مہمل دعووں اور نامناسب مطاعن سے بھری ہوئی ہے۔“

اسی طرح اس کی اس تحریر کے حق میں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن و حدیث کے حق میں صادر ہوتی ہے یہ الفاظ استعمال کئے جائیں کہ یہ خالص تکبر ہے، اور یہ محض اس کی جہالت اور قلتِ علم ہی کی دلیل نہیں ہے، بلکہ یہ اس کی بد فہمی اور تعصب کی دلیل ہے اور یہ سب باطل و بیکار ہے، اور یہ لعینہ تکبر اور کفر ہے، اور یہ عین جہالت اور انتہائی تکبر ہے، اور یہ اس کی قطعی نادانیت و تعصب کی دلیل ہے، اور ہر اعتبار سے ساقط اور باطل محض اور بیکار انتہائی تعصب اور کفر اور غیر مقبول حیلہ حوالہ ہے۔“

تو کیا پادری صاحب کے نزدیک ان الفاظ کا استعمال کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو پھر پادری صاحب کو اس قسم کے الفاظ کا کوئی شکوہ نہیں کرنا چاہئے، اور اگر ناجائز ہے تو وہ خود کیوں ان الفاظ کو زبان پر لاتے ہیں؟ ان کے اس انصاف پر تعجب ہے کہ وہ ان الفاظ کے لکھنے سے معذور ہیں، اور مسلمان عالم لائق ملامت اور غیر معذور ہو، اس لئے ہم کو امید ہے کہ وہ سمجھ لیں گے کہ وہ عالم جس کے قلم سے کوئی لفظ اس کی یا

لے یہ سب پادری صاحب کے الفاظ ہیں جو انہوں نے مسلمان علماء کی شان میں استعمال کئے ہیں، مصنف انہیں اوراق نقل کر رہے ہیں۔“

یا اس کے علماء کی نسبت کسی مقام پر مقتضائے کلام کی وجہ سے صادر ہو جائے تو اس کا مقصود پادری یا اس کے اہل مذہب کو ایذا دینا نہیں ہوگا، بلکہ اس کی وجہ محض یہ ظاہر کرنا ہے کہ اس عالم کے نزدیک یہی حق ہے، یا پھر اس کے قول یا اس کے علماء کے اقوال کا انتقام ہو جیسا کہ مشہور ہے ہر شخص اپنا بویا ہوا کاٹتا ہے، اور جیسا کرتا ہے بھرتا ہے،

تیسری عادت پادری صاحب قرآن مجید کی آیتوں کا ترجمہ اور تفسیر اپنی رائے کے مطابق کرتے ہیں، تاکہ اپنے زعم میں اس پر اعتراض کریں، اور دعویٰ

کرتے ہیں کہ صحیح ترجمہ اور تفسیر وہی ہے جو میں نے کی ہے، نہ کہ وہ جو علماء اسلام یا مفسرین قرآن نے کی ہے، اور عوام کے سامنے اپنے اظہار کمال کے لئے بعض تفسیری قاعدے بھی بیان فرماتے ہیں،

(۱) مثلاً میزان الحق مطبوعہ ۱۲۹۹ھ بزبان فارسی باب ۳ فصل صفحہ ۲۳۷ و ۲۳۸،

اور حل الاشکال مطبوعہ ۱۲۹۷ھ باب ۴ صفحہ ۵۱ پر کئی تفسیری قاعدے بیان فرماتے ہیں، یہاں ہم دو قاعدے نقل کرتے ہیں، پادری صاحب فرماتے ہیں کہ:-

”مفسر کے لئے ضروری ہے کہ کتاب کے مطالب اس طرح سمجھے جس طرح مصنف کے دل میں ہیں، اس لئے ہر مطالعہ کرنے والے اور مفسر کے لئے لازمی ہے کہ وہ مصنف

کے زمانہ کے حالات اور اس قوم کی عادات سے پورا باخبر اور واقف ہو، جس میں مصنف کی تربیت ہوئی ہے، اور ان کے مذہب کا علم رکھتا ہو، مصنف کی صفات اور اس کے

احوال سے واقفیت رکھتا ہو، یہ نہ ہو کہ محض زبان دانی کے تل پوتے پر کتاب کے ترجمہ اور تفسیر کرنے کی جرأت کرے، دوسرے ضروری ہے کہ مضامین کے ربط و تسلسل

کا خیال رکھے، گزشتہ اقوال اور آنے والے اقوال کے درمیان ربط و علاقہ کو نہ توڑے۔“

حالانکہ خود پادری صاحب عربی زبان ہی سے پورے طور پر واقف نہیں، چہ جائیکہ ان کی بیان کردہ دوسری شرائط اُن میں پائی جائیں، آپ کو عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ موصوف محترم مضمون کے تسلسل کو کس طرح توڑ دیتے ہیں، اور مربوط باتوں کو کس صفائی کے ساتھ ایک دوسرے سے بالکل جدا فرما دیتے ہیں،

اس کے بعد ان کے اس قسم کے دعووں کو کس چیز پر محمول کیا جائے، اب اگر ہم اُن کے حق میں دہی بات کہہ دیں جو انھوں نے فاضل ہادی علی کے حق میں کہی ہے کہ ”محکمہ اور جہالت انسان کی عقل سلب کر لیتے ہیں، اور اس کی عقل و انصاف کی آنکھیں بند کر دیتے ہیں“ یا یہ کہہ دیں کہ ”یہ عین جہالت اور تکبر ہے“ تو ہمارا یہ کہنا صحیح و اظہار حق ہوگا، مگر چونکہ اس قسم کے الفاظ ناشائستہ ہیں، اس لئے میں اُن کے حق میں کبھی استعمال نہیں کروں گا، خواہ وہ ایسے الفاظ یا اس قسم کے دوسرے الفاظ علماء اسلام کی شان میں کتنے ہی استعمال فرماتے رہیں،

پادری صاحب نے میزان الحق باب ۳، فصل ۳ میں یوں کہا ہے کہ :-
 جو شخص کبڑی کو چھوڑ کر انصاف کی راہ اختیار کرے گا، اور قرآنی آیات کے معانی کو ملحوظ رکھے گا، وہ یقینی طور پر سمجھ لے گا کہ اس کے معانی و مطالب صحیح تفسیر کے مطابق اور قوانین تفسیر کے مطابق دہی ہیں جو میں نے بیان کئے ہیں ۝

ناظرین نے پادری صاحب کا بلند بانگ دعویٰ تو سن لیا ہے، اب ہم اُن کے علم و فضل کے تین نمونے (ثلیث کے عدد کی رعایت سے) پیش کرتے ہیں، تاکہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ پادری صاحب اپنے ان دعوؤں میں کس حد تک حق بجانب ہیں؟
پہلا شاہد | پادری صاحب نے اس مناظرہ کی دوسری مجلس میں جو میرے اور

اُن کے درمیان ہوا تھا، کھڑے ہو کر میزان الحق ہاتھ میں لیتے ہوئے اُن آیات قرآنہ کو پڑھنا شروع کیا، جو میں نے باب اول کی فصل اول میں نقل کی ہیں، یہ آیات بہت ہی خوب صورت تحریر میں لکھی ہوئی اور اعراب شدہ تھیں، مگر وہ الفاظ کو بکلی غلط پڑھتے تھے اعراب کی تو بات ہی کیا ہے، مسلمانوں کے لئے یہ مرحلہ بڑا صبر آزما تھا، آخر قاضی القضاۃ محمد اسد اللہ سے نہ رہا گیا، انھوں نے پادری صاحب سے کہا کہ صرف ترجمہ پر اکتفا کیجئے اور الفاظ چھوڑ دیجئے، کیونکہ الفاظ کی تبدیلی سے معنی تبدیل ہو جاتے ہیں، تب پادری صاحب نے کہا کہ آپ لوگ ہم کو معاف کریں، اس کا سبب ہماری زبان کا تصور ہے، یہ نقش تو اُن کی زبان دانی کا تقریر میں آپ نے دیکھ لیا، اب تحریری قابلیت کا بھی ایک نمونہ ملاحظہ ہو۔

پادری صاحب نے محض اپنی فضیلت و کمال کے اظہار کے لئے **دوسرا شاہد** اور یہ بتانے کے لئے کہ میں عربی زبان سے واقف ہوں، میزان الحق فارسی مطبوعہ ۱۲۸۹ء کے آخر میں اور میزان الحق اردو مطبوعہ ۱۲۸۵ء کے آخر میں ایک عربی عبارت لکھی ہے:-

تمت هذه الرسالة في سنة ثمانية مائة وثلاثون والثلاث

بعد الالف مسيحي بالمطابق مائتان واربعين ثمانية بعد الالف هجري

اسی طرح مفتاح الاسرار فارسی مطبوعہ ۱۲۸۵ء کے آخر میں یوں فرمایا کہ:-

تمت هذه الاوراق في سنة ثمانية مائة وثلاثون السابعة بعد الالف

مسيحي وفي سنة مائتان اثنا وخمسين بعد الالف من هجرة المحمدية^{۱۵}۔

۱۵ افسوس ہو کہ ان عبارتوں سے لطف اندوز ہونے کے لئے عربی گرامر سے واقفیت ضروری ہے، اس کے بغیر ان کی دلچسپ غلطیوں کو سمجھا نہیں جاسکتا، اس لئے ہم ان کی تشریح کرنے سے معذوریں، عربی داں حضرات کی تفریح طبع کے لئے یہ عبارتیں بعینہ بلا تبصرہ حاضر ہیں ۱۲ تقی

میز اس نسخہ میں جو اردو زبان میں ہے یہ عبارت بعینہ موجود ہے، صرف اتنا فرق ہے کہ لفظ ہجرت فارسی نسخہ میں بغیر الف لام کے ہے، اور اس نسخہ میں بح الف و لام ہے، غالباً اس کا سبب یہ ہے کہ فارسی نسخہ کی جانب پادری صاحب کی توجہ زیادہ تھی، اس لئے اس میں اس کی تصحیح زیادہ ضروری تھی، ادھر پادری صاحب موصوف کی کمالی تحقیق کا پتہ یہ ہے کہ موصوف و صفت دونوں کو معرف باللام نہیں ہونا چاہئے، اس لئے موصوف و الف لام کو ساقط کر دیا، یہ اُن کی تحریری فضیلت و کمال کا عکس ہے۔

تیسرا شاہد قدیم مفتاح الاسرار مطبوعہ ۱۸۴۲ء صفحہ ۴۴ پر انھوں نے پہلے سورہ تحریم کی یہ آیت نقل فرمائی ہے کہ :-

وَمَرْيَم ابْنَةَ عِمْرَانَ الَّتِي أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيهِ مِنْ رَوْحِنَا
پھر سورہ نسا کی آیت :-

إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى بْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ وَكَلَّمْنَاهُ الْقَاهَا إِلَى مَرْيَمَ
وَرَوْحَ مِنْهُ :-

نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ :-

جب ان دونوں آیتوں کے فیصلہ کے مطابق مسیح خدا کی رُوح ہیں تو ضروری بات ہو کہ وہ الوہیت کے درجہ میں ہوں، کیونکہ خدا کی رُوح خدا سے کم نہیں ہو سکتی، مگر بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس رُوح سے مراد جو دونوں آیتوں میں مذکور ہے جبرئیل فرشتہ ہے، حالانکہ اس قول کا انشاء محض بغض و عداوت ہے، کیونکہ منہ کی ضمیر جو دوسری آیت میں ہے اور لفظ روحنا کی ضمیر متصل جو پہلی آیت میں ہے صرف قاعدہ کے بموجب

لہ قیاس زحمتان من بہار مرا ۱۲ تقی

فرشتہ کی طرف راجع نہیں ہو سکتیں، بلکہ اللہ کی طرف راجع ہیں۔

اب ہم کہتے ہیں کہ اس پر چند وجوہ سے اشکال ہے، اذل تو ہم یہ معلوم کر کے اُن کی معلومات سے استفادہ کرنا چاہتے ہیں کہ وہ کونسا صر فی قاعدہ ہے جس کے مطابق دونوں ضمیریں فرشتہ کی طرف راجع نہیں ہو سکتیں، بلکہ خدا کی طرف ہوں گی، ہم نے تو کم از کم ایسا کوئی صر فی قاعدہ نہیں دیکھا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فاضل محترم کو یہ بھی معلوم نہیں کہ علم صرف کونسا علم ہو؟ اور اس میں کن چیزوں سے بحث کی جاتی ہے؟ محض اس کا نام سن لیا ہے، اور یہاں اس لئے اس کا ذکر کر دیا تاکہ جہلاً یہ سمجھیں کہ یہ شخص عربی علوم کا ماہر ہے،

دوسرے کسی بھی معتبر عالم نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ آیت شریفہ "بالا میں روح" کے مصداق جبرئیل ہیں، یہ ایسا بہتان ہے جس کا منشاء محض عداوت و بغض ہے، تیسرے سورہ نسا کی آیت یوں ہے:-

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ
إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ وَكَلَّمَتْهُ الْعَاہَا إِلَى مَرْيَمَ
وَرُوحٌ مِّنْهُ، فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ وَلَا تَقُولُوْا لِّلَّذِيْنَ اٰتٰہُمْ اٰخِرًا
لَّعْنًا اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ سُبْحٰنَہٗ اَنْ یَّکُوْنَ لَہٗ وَلَدٌ لَّہٗ مَا فِی
السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَکَفٰی بِاللّٰهِ وَکِیْلًا ۝

ترجمہ۔ اے اہل کتاب! تم اپنے دین میں غلو نہ کرو، اور مت کہو اللہ پر مگر حق بات، بلاشبہ مسیح عیسیٰ بن مریم اللہ کے رسول اور اس کے کلمہ ہی ہیں، جس کو اللہ نے مریم پر

لے کلمہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ صرف اللہ کے کلمہ کن سے پیدا ہوئے تھے، اُن کی پیدائش میں رانی مریم اللہ

القاء کیا ہے، اور اس کی روح ہیں، پس تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ، اور
مت کہو کہ (اللہ) تین ہیں، باز آؤ، اور اس بات کو مانو جو تمھارے لئے بہتر ہے، اللہ
تو ایک ہی معبود ہے، وہ اس بات سے پاک ہے کہ اس کا کوئی لڑکا ہو، آسمان زمین
میں جو کچھ ہے وہ اسی کا تو ہے، اور اللہ کا رسا زہونے کے اعتبار سے کافی ہے۔

اس آیت میں درود منہ سے قبل یہ الفاظ فرمائے گئے ہیں یا اہل الکتاب لا
تغلوا فی دینکم ولا تقولوا علی اللہ الا الحق۔ یعنی اے اہل کتاب تم اپنے دین میں
غلو نہ کرو، اور اللہ پر حق بات کے سوا کوئی بات نہ کہو۔ یہ الفاظ عیسائیوں کو مسیح کے بارہ
میں اعتقادی غلو پر ملامت کر رہے ہیں۔

پھر اس کے بعد یہ ارشاد ہے: ”اور مت کہو کہ (اللہ) تین ہیں، باز آجاؤ اور اس
بات کو مانو جو تمھارے لئے بہتر ہے“ یہ الفاظ ان کو تثلیث کا عقیدہ رکھنے اور مسیح کو خدا
کا بیٹا سمجھنے پر ملامت کر رہے ہیں، قرآن کریم نے اسی عقیدہ پر متعدد مقامات پر ملامت
کی ہے، مثلاً:-

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ
ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ (مائدہ، رکوع ۱۳)

”بلاشبہ وہ لوگ کافر ہو گئے جنہوں نے
کہا کہ اللہ تین میں کا تیسرا ہے“

اور

مَا الْمَسِيحُ بْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ رَمَدَ اللَّهُ

”نہیں ہیں مسیح بن مریم مگر ایک رسول“

بقیہ صفحہ ۲۹۴، ظاہری اسباب کا کوئی دخل نہ تھا، چونکہ یہودیوں کو حضرت مسیح علیہ السلام کی پیدائش میں کچھ شبہ
اس لئے قرآن نے یہاں تصریح فرمائی ہو، عیسائی حضرات قرآن کے اس لفظ سے بھی اپنے مذہب پر استدلال کیا
کرتے ہیں، مگر مصنف انہارالحق رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ایک دوسری کتاب ازالۃ الرشکوک صفحہ ۳۴ تا ۴۰
جلد اول میں اس مسئلہ پر سیر حاصل گفتگو فرمائی ہے جس میں کلمہ اللہ نے معنی قرآن لغت عربیہ کتب مقدسہ کی زد سے واضح

اب ہم اس کا فیصلہ ناظرین پر چھوڑتے ہیں کہ پادری صاحب قواعد تفسیر کے کس قدر ماہر اور متبحر ہیں، اور ان کی باریک بینی کتنی لاجواب ہے؟ مصنف کی مراد اور مقصود کو کس خوبی سے ادا کرتے ہیں، اور مضامین کے تسلسل کو کس طرح ملحوظ رکھتے ہیں، گزشتہ اور آئندہ اقوال میں باہمی ربط و تعلق کی کس قدر رعایت فرماتے ہیں؟ مگر ہم کو اس کا بڑا سخت افسوس ہے کہ ایسے عظیم النظر اور یکتائے روزگار عالم اور بے مثل مفسر نے عہد عتیق و جدید کی کوئی ایسی تفسیر نہ لکھی جو اس قسم کی انوکھی اور عجیب و غریب تحقیقات پر عادی ہوتی، اس سے ایک تو یہ فائدہ ہوتا کہ عیسائیوں کے یہاں یہ ایک یادگار چیز ہوتی، دوسرے عہد عتیق و جدید کی وہ باریکیاں جو آج تک منظر عام پر نہ آسکی تھیں وہ نمایاں ہو کر سامنے آجائیں،

سچی بات تو یہ ہے کہ ایسا بے مثل مفسر اگر پورے غور و تأمل کے بعد یہ فیصلہ کرے کہ دو اور دو پانچ ہوتے ہیں، تو اس کی باریک بینی اور درستی رائے سے کچھ بھی بعید نہ ہوگا، یہ نمونہ ہے پادری صاحب کی قوتِ فہم کا، اور اس تحریری و تقریری سرمایہ اور کج فہمی کے باوجود ان کو اپنی ذات سے اتنا حسن ظن ہے کہ ان کے خیال میں ان کا رومی ترمبہ اور رکیک تفسیر علماء اسلام کے ترجموں اور ان کی تفسیروں کے مقابلہ میں قابلِ ترجیح ہوں گے، یہ سب چیزیں تکبر اور خود رائی کا ثمرہ ہیں، اس کے سوا کچھ نہیں۔

چوتھے اس کا یہ دعویٰ کہ خدا کی روح خدا سے کم نہیں ہو سکتی، مردود و باطل ہے، اس لئے کہ خدا تعالیٰ نے سورۃ سجدہ میں آدم علیہ السلام کے حق میں فرمایا ہے :-

”ثُمَّ سَوَّاهُ وَ نَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِي“

”یعنی پھر اس کو درست اور مکمل کیا اور

اپنی روح اس میں پھونک دی“

رُوحِہ،

اور سورۃ حجر اور سورۃ ص میں بھی ان کے حق میں یوں کہا :-

<p>فَاِذَا اسْوَيْنٰهُ ۖ نَفَخْتَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا فَفَعُوْا اِلٰهَ سٰجِدِيْنَ کے لئے سجدہ کرتے ہوئے گر پڑنا،</p>	<p>اور جب میں نے دست کر لوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم اس</p>
---------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------	----------------------------------------------------------------------------

اس میں حق تعالیٰ شانہ نے آدمؑ کے نفس ناطقہ پر اپنی رُوح کا اطلاق کیا ہے، اور سورۃ

مریم میں جبریل کے حق میں یہ الفاظ فرمائے :-

<p>فَاَرْسَلْنَا اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا، پس ہم نے اس (یعنی مریم) کی طرف بھیجا اپنی روح کو سودہ اس کے ساپورا آدی بکر ظاہر ہوا</p>	<p>فَاَرْسَلْنَا اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا،</p>
------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------	----------------------------------------------------------------------------------

یہاں پر لفظ "ہماری رُوح" سے مراد جبریل ہیں، کتاب حزقیال کے باب ۳، آیت

۱۴ میں ان ہزاروں انسانوں سے خطاب کرتے ہوئے جن کو خدا نے حزقیال کے معجزہ سے

زندہ کر دیا تھا، خدا تعالیٰ کا ارشاد اس طرح مذکور ہے :- "اور میں اپنی رُوح تم میں ڈالوں گا"

اس میں بھی خدا نے انسان کے نفس ناطقہ پر لفظ "اپنی رُوح" کا اطلاق کیا ہے، جس سے

پادری صاحب کی تحقیق کے مطابق لازم آئے گا کہ کتاب حزقیال کے فیصلہ کے مطابق

ہزاروں انسان بھی معبود ہوں، اور قرآنی فیصلہ کی بنا پر جبریلؑ و آدمؑ بھی معبود ہوں،

لہذا سچی بات یہ ہے کہ درروح منہ میں "روح" سے مراد نفس ناطقہ ہی ہے، اور

مضاف محذوف ہے، یعنی ذوروح منہ (جلالین میں ایسا ہی لکھا ہے) اس میں

۱۷ "نفس ناطقہ" فلاسفہ کی اصطلاح ہے، انسان کی جان کو کہتے ہیں ۱۲

۱۸ یعنی اللہ کی جانب سے رُوح والا ۱۲

انشاء تشریف ہے، اور بیضاوی میں کہا گیا ہے کہ (روح) ای ذور روح (منہ) (صدر منہ لا بتوسط یا مجری مجری الاصل والمادة) یعنی ایسی روح والا جو اس سے بغیر کسی مادہ اور اصل کے صادر ہوئی۔

اور چونکہ یہ پادری صاحب کی ہنایت بچکانہ عبارت تھی۔ اور بعض فضلاء کے اعتراض کرنے پر پادری صاحب اس کی خرابی اور عیب پر مطلع ہوئے، اس لئے جدید نسخہ مطبوعہ ۱۲۵۷ء میں اس کو بدل ڈالا، اور ایک دوسری فریب آمیز عبارت استعمال کی، جس کو نقل کر کے میں نے اپنی کتاب ازالۃ الشکوک میں اس کا رد کیا ہے، جو صاحب چاہیں وہاں دیکھ لیں، ہم اس موقع پر دو قصے جو پادری صاحب کی حکایت کے مناسب ہیں ذکر کرتے ہیں۔

۱۔ یعنی بعض اوقات باری تعالیٰ کسی چیز کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے اسے اپنی جانب منسوب فرما دیتا ہے، مثلاً کعبہ کو اپنا گھر قرار دیا، اور فرمایا ”طہر بیتی“ (یعنی میرے گھر کو پاک کر) یہ نسبت ظاہر ہے کہ کعبہ کی فضیلت بتلانے کے لئے ہے، درہم از اس کا مطلب یہ نہیں کہ معاذ اللہ خدا اس میں مقیم ہو، اس اضافت کو اضافت تشریفی کہتے ہیں، اور مقصود یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر جو روح اللہ کا اطلاق کیا گیا ہے، وہ بھی ایسا ہی ہو جیسا کہ کعبہ کو بیت اللہ کہا گیا، اس کے علاوہ ایک بات یہ ہے کہ بعض اوقات کسی چیز کی پیدائش خلاف عادت عجیب طریقہ سے ہوتی ہے، تو اللہ تعالیٰ اسے اپنی جانب منسوب فرما دیتے ہیں، جیسے حضرت صالح علیہ السلام کی ادنٹی کو سورۃ شمس میں ناقۃ اللہ (اللہ کی ادنٹی) فرمایا، یعنی وہ ادنٹی جو اللہ نے خلاف عادت طریقہ پر پیدا فرمائی، اسی طرح ”روح اللہ“ کے معنی ہوں گے وہ روح جو اللہ نے عجیب طریقہ سے بغیر مادہ اور اصل کے پیدا فرمائی، اس سلسلہ میں مصنف نے اپنی بہترین کتاب ازالۃ الشکوک ص ۳۱ تا ۴۲ میں بڑی مبسوط اور قابل قدر بحث کی ہے، جس میں ”روح“ کے مختلف معنی قرآن کریم اور کتب مقدسہ ثابت کئے ہیں ۱۲ تنقی ۱۵ اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ قرآن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بغیر باپ کے پیدا ہونا، ان کا روح اللہ ہونا اور کلمۃ اللہ ہونا بیان کیا ہے، یہ تینوں اوصاف انبیاء میں سے کسی اور کے لئے بیان نہیں کئے، لہذا قرآن نے بھی مسیح علیہ السلام کو سب آدمیوں اور سارے پسمندوں پر فوقیت دی ہے، اور ان کی الوہیت کے مرتبہ کا اقرار کیا ہے، لیکن ظاہر ہے کہ یہ استدلال کتنا کمزور ہے، چنانچہ مصنف نے اس کے ایک ایک جزو کی دھجیاں (باقی صفحہ آئندہ)

ایک واقعہ

طیبی نے مشکوٰۃ کی شرح میں نقل کیا ہے کہ ایک مسلمان قرآن کی تلاوت کر رہا تھا کہ کسی پادری نے اس کی زبان سے یہ الفاظ سنے، ^۱وَكَلِمَتُهَا لَقَائَهَا

إِلَىٰ مَرْيَمَ دَرُوحٌ مِّنْهُ،

کہنے لگا کہ یہ الفاظ ہمارے دین کی تصدیق اور مذہب اسلام کی تردید کر رہے ہیں، اس لئے کہ اس میں یہ اعتراف پایا جاتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام ایسی روح ہیں جو خدا کا جزو و اتفاق سے اس موقع پر علی بن حسین و اقد^۲ مصنف کتاب النظیر موجود تھے، انھوں نے جواب دیا کہ خدا نے اس قسم کے الفاظ ساری مخلوق کے حق میں استعمال کئے ہیں مثلاً، ^۳وَسَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مِّنْهُ، اب اگر دَرُوحٌ مِّنْهُ کے معنی اس کے جزو کے لئے جائیں تو جَمِيعًا مِّنْهُ کے معنی بھی آپ کے قول کے مطابق یہی ہوں گے، تو لاء آئے گا کہ ساری مخلوق خدا ہے، اس موقع پر پادری نے انصاف پسندی سے کام لیا اور امان لے آیا۔

دوسرا واقعہ

عیسائی فسقہ کے کچھ لوگوں نے دہلی میں تشلیہ ش کے اثبات کے لئے اللہ کے اس ارشاد سے استدلال کیا تھا کہ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اس میں تین نام استعمال کئے گئے ہیں جو تثلیث پر دال ہیں، ایک ظریف نے فوراً جواب دیا کہ تم نے خود کو اس کا پابند بنادیا کہ فسران سے مات خداؤں کے دجوز پر

۱۔ بقیہ صفحہ ۲۹۸، بکھردی ہیں، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ان تینوں اوصاف میں سے کوئی الٰہیت پر کسی طرح دلالت نہیں کرتا، یہ بحث ازالۃ الشکوک کے صفحہ ۴۲ تا ۵۰ پر موجود ہے اور اس کی ایک ایک سطر میں قیمتی مواد ہے ۲۔ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام، اللہ کا کلمہ میں جسے اللہ نے مریم پر نازل کیا، اور اس کی روح میں ۳۔ کہ یعنی اور اللہ نے تمھارے لئے وہ سب مسخر کر دیا جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے، یہ سب اسی کی طرف ہوتا ہے

استدلال کرو، ان سات خداؤں کا وجود سورۃ مومن کے شروع میں اس طرح ثابت ہے۔

حَمْدًا تَنَزَّلُ الْكِتَابَ مِنَ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ

التَّوْبِ شَدِيدِ الْعِقَابِ ذِي الطَّوْلِ، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر تمھارے لئے ضروری

ہوگا کہ قرآن کریم کی سورۃ حشر کی آخری آیات سے جس میں خدا تعالیٰ کے سترہ اسماء

ذاتی وصفاتی مسلسل بیان کئے گئے ہیں، سترہ خداؤں کے وجود کو تسلیم کرو،

ہمارے اس بیان سے آپ کو پادری صاحب کے ۳۶ اقوال سے واقفیت ہوگئی،

ہم اس کتاب کے اکثر مقامات پر اس کے چیدہ چیدہ دوسرے اقوال نقل کریں گے،

اب ہم پادری صاحب سے سوال کرتے ہیں کہ ہم نے جو اقوال ان کے نقل کئے

ہیں کیا ان کے پیش نظر مجھ کو خود ان کی عادت کے مطابق یہ کہنا جائز ہے کہ یہ مواد جس کی

کوئی بنیاد نہیں واضح طور پر پادری صاحب کے قلت علم اور باریک بینی نہ ہونے پر

دلالت کر رہا ہے، اس لئے کہ اگر ان میں ذرا بھی باریک بینی اور علم کی شد بد ہوتی تو وہ ایسی

بات ہرگز نہیں کہہ سکتے تھے، یا پھر مجھ کو ایسا کہنا جائز نہیں ہے؟

دوسری صورت میں فرق بتانا ضروری ہوگا کہ پادری صاحب کے لئے تو یہ بات جائز ہو کہ اگر انھیں اپنے مخالف کلام میں پانچ چھ اقوال

ایسے مل جائیں انکے خیال میں مجروح اور کمزور ہیں مخالف کے حق میں تو وہ ایسا کہہ سکتے ہیں لیکن اگر مخالف انکے کلام میں قطعی ہلے اقوال

اس قدر گنا بھی زیادہ پائیں تو اس پادری صاحب کے حق میں ایسا کہنا جائز نہیں ہوگا، پہلی صورت میں

پادری صاحب کو اپنے حال پر نظر کر کے اعتراف کرنا پڑے گا کہ یہ جواب میزان الحق اور

مفتاح الاسرار اور حل الاشکال وغیرہ کے بارہ میں شافی اور کافی جواب ہے، کیونکہ ان کا

بقیہ کلام مذکورہ صورت میں ایسا ہی سمجھا جائے گا، کسی کہنے والے نے کیا خوب کہا ہے

کہ وہ دروازہ مت کھول جس کے بند کرنے سے تجھ کو عیب لاحق ہو، اور وہ تیر مت مار

جس کے واپس لوٹانے سے تو عاجز ہو^۱۔

اس ساتویں امر میں جو کچھ میں نے ذکر کیا ہے اس کا مقصد اہلی یہ ہے کہ جو بھی میری اس کتاب کا جواب دینے کا ارادہ کرے اس سے یہ توقع ہو جائے کہ پہلے میری عبارت کو نقل کرے گا پھر جواب دے گا، تاکہ ناظرین میرے اور اس کے دونوں کے کلام کا احاطہ کر سکیں، اور اگر تطویل کا اندیشہ ہو تو چھ ابواب میں سے کسی ایک کے جواب پر اکتفا کرے، اور جواب دینے میں اُن باتوں کو بھی ملحوظ رکھے جو میں نے اس مقصد میں ذکر کی ہیں، اور علماء پر وٹسٹنٹ فریب کاروں کی راہ نہ اختیار کرے، کیونکہ یہ طریقہ انصاف کی راہ سے دور اور حق سے بعید ہے،

اور اگر پادری فنڈر صاحب میری اس کتاب کے جواب کا ارادہ کریں تو ان سے مجھ کو مقدمہ میں بیان کردہ امور کے لحاظ رکھنے کی اس طرح امید کرنا چاہئے جیسی دوسروں سے توقع ہے،

اور ایک مزید بات کی بھی توقع رکھتا ہوں، وہ یہ کہ پہلے اپنے کلام میں اُن ۳۶ اقوال کی توجیہ کریں، تاکہ اُن کی توجیہات میری توجیہات کے لئے معیار بن سکیں جو میں جواب الجواب میں ذکر کروں گا، میرا خیال تو ایسا ہی ہے کہ انشاء اللہ وہ لوگ جواب نہیں لکھ سکیں گے، اور اگر جواب لکھا بھی تو بھی امور مذکورہ کی یقیناً رعایت نہیں کریں گے، اور کمزور اور بڑے بہانے بنائیں گے، ان کا جواب بھی کچھ اس قسم کا ہوگا کہ میرے اقوال میں سے بعض وہ اقوال لے لیں گے جن میں کچھ کہنے کی گنجائش نکلے، اور قوی اقوال

کی طرف کچھ بھی اشارہ نہیں کریں گے، نہ اقرار کے ساتھ نہ انکار کے طور پر، البتہ عوام کو دھوکہ میں ڈالنے کے لئے یہ باطل دعویٰ ضرور کریں گے کہ اس کا باقی کلام بھی اس کا نمونہ ہے، اور شاید اُن کے رد کا کُل حجم اس حد تک نہیں پہنچ سکے گا کہ اس کا دزن میری کتاب کے ہر جزو کا مقابل ہو سکے، اس لئے میں پیشگی کہہ دیتا ہوں کہ اگر انھوں نے ایسا کیا تو یہ اُن کی شکست کی دلیل ہوگی،

کچھ کتاب کے حوالوں کے بارے میں | میں نے جن علماء اور کتابوں کے نام نقل کئے ہیں وہ ان انگریزی کتابوں سے لئے ہیں جو مجھ تک پہنچ سکتی ہیں، یا پھر فرقہ پر دٹسٹ کے ترجموں سے، یا اُن کے فارسی، عربی یا اردو کے رسائل سے، اور ناموں کی گڑبڑ دیگر حالات سے بھی زیادہ بڑھی ہوئی ہے، جیسا کہ ان کی کتابوں کے ناظرین سے یہ بات مخفی نہیں ہے، لہذا اگر کوئی کسی نام کو دوسری زبان میں مشہور نام کے مخالف پائیں تو اس سلسلہ میں میری عیب جوئی نہ فرمائیں :



پہلا باب

بائبل کیا ہے؟

○ — بائبل کی کتابیں اور اُن کا درجہ استناد

○ — اُن کے باہمی ختلافات

○ — اُن کی فحش غلطیاں

ک
یہ حکم نہیں

مگر خدیناں ہیں جو تم نے اور تمہارے باپے دادوں نے
رکھ لیے ہیں۔

ا
اللہ نے

ان سے کوئی دلیل
نازل نہیں کی ہے

(النجم)

باب اول

عہدِ قدیم و جدید کی کتابیں

پہلی فصل

کتابوں کے نام اور ان کی تعداد

عیسائی حضرات ان کتابوں کی دو قسمیں کرتے ہیں، ایک وہ کتابیں جن کی نسبت ان کا دعویٰ ہے کہ یہ اُن پیغمبروں کے واسطے سے ہمارے پاس پہنچی ہیں، جو عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے گزر چکے ہیں،

دوسری وہ کتابیں جن کی نسبت وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کے بعد الہام کے ذریعہ لکھی گئی ہیں، پہلی قسم کی کتابوں کے مجموعہ کو عہدِ عتیق اور دوسری قسم کے مجموعہ کو عہدِ جدید کہتے ہیں، اور دونوں عہدوں کے مجموعہ کا نام بائبل رکھتے ہیں، یہ یونانی لفظ ہے جس کے معنی کتاب کے ہیں،

اور عہدِ جدید کو ”نیا عہد نامہ“

Old Testament

لے آجکل اُسے پُرانا عہد نامہ

کہتے ہیں ۱۲ اتق لے Bible

New Testament

پھر دونوں عہدوں کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ قسم ہے جس کی صحت پر تمام قدامتیین متفق ہیں، دوسری قسم وہ جس کی صحت میں اختلاف ہے،

اس مجموعہ میں ۸ کتابیں ہیں، (۱) سفر تکوین، اس کا عہد قدیم کی پہلی قسم | دوسرا نام سفر الخلیقہ بھی ہے، (۲) سفر خروج، (۳) سفر احبار، (۴) سفر عدد (۵) سفر استثنا،

ان پانچوں کتابوں کے مجموعہ کا نام توریت ہے، یہ عبرانی لفظ ہے، اور جس کے معنی شریعت اور تعلیم ہیں، کبھی کبھی مجازاً یہ لفظ عہد عتیق کے مجموعہ پر بھی بولا جاتا ہے،

۱۔ یہ لفظ سین کے کسرہ اور فار کے سکون کے ساتھ ”سفر“ ہے جس کے معنی عربی زبان میں صحیفہ اور کتاب کے آتے ہیں۔ ۲۔ اردو ترجمہ میں اس کا نام ”پیدائش“ ہے اور انگریزی میں Genesis ہے، اس میں زمین و آسمان کی تخلیق سے لے کر حضرت آدم، حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت ابراہیم، اور حضرت یوسف علیہم السلام کے زمانہ کی تاریخ ہے، اور یہ حضرت یوسف علیہ السلام کی وفات پر ختم ہو گئی ہے، اس کے ۵۰ باب ہیں ۱۲۔ ۳۔ اردو میں اس کا نام ”خروج“ ہی ہے اور انگریزی میں Exodus اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے لے کر ان کی دعوت اسلام، فرعون کے غرق اور کو سینا پر اللہ سے ہمکلامی کے واقعات اور تورات کے احکام مذکور ہیں، اور یہ بنی اسرائیل کے صحرائے سینا میں خیمہ زن ہونے کے واقعات پر ختم ہو گیا ہے، اسے ”خروج“ اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں بنی اسرائیل کے مہر بھٹنے کا واقعہ مذکور ہے، اس میں ۴۰ باب ہیں ۱۲۔

۴۔ اردو میں بھی اس کا نام ”احبار“ ہی ہے، اور انگریزی میں Leviticus اس میں وہ احکام مذکور ہیں جو بنی اسرائیل کے صحرائے سینا میں خیمہ زن ہونے کے دوران انھیں دیے گئے، اس کے ۲۷ باب ہیں ۱۲۔ ۵۔ اردو میں گنتی کہتے ہیں، اور انگریزی میں Numbers اس میں بنی اسرائیل کی مردم شماری سے لیکر ان کے کنعان جانے سے پہلے تک کے احوال اور وہ احکام مذکور ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو درپائے اردن کے کنارے دیے گئے، اس کے کل باب ۳۶ ہیں ۱۲۔

۶۔ اردو میں بھی ”استثنا“ اور انگریزی میں Deuteronomy کہا جاتا ہے اور اس میں وہ احکام اور واقعات مذکور ہیں جو ”گنتی“ کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات تک پیش آئے، اس کے کل ۳۴ باب ہیں ۱۲۔

(۶) کتاب یوشع بن نون (۷) کتاب القضاۃ (۸) کتاب راعوت (۹) سفر

سموئیل اول (۱۰) سفر سموئیل ثانی (۱۱) سفر ملوک الاول

۱۷ اس کا نام اردو ترجمہ میں "یوشع" اور انگریزی میں Joshua رکھا گیا ہے، یہ حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کی طرف منسوب ہے، جو حضرت موسیٰ کے خادم خاص تھے، ان کی وفات کے بعد بنی اسرائیل کے پیغمبر ہوئے اور بنی اسرائیل کو لیکر علاقہ سے جہاد کیا، جس میں شہید ہوئے، اس کتاب میں ان کے واقعات ان کی وفات تک مرقوم ہیں، اس میں ۲۴ باب ہیں ۱۲

۱۸ اسے اردو میں بھی "قضاۃ" اور انگریزی میں Judges کہا گیا ہے، اس میں حضرت یوشع علیہ السلام کی وفات کے بعد بنی اسرائیل کی حالت زار کی تفصیل بیان کی گئی ہے، جس میں ان کا کوئی بادشاہ نہ تھا، ان کی بت پرستی اور بدکاریوں کی بناء پر بار بار اللہ تعالیٰ ان پر کوئی اجنبی بادشاہ مقرر کر دیتا جو ان پر ظلم کرتا، پھر جب وہ خدا سے توبہ و فریاد کرتے تو ان کے لئے کوئی قائد بھیجا جاتا، جو انہیں اس مصیبت سے نجات دلاتا، مگر وہ پھر بدکاریاں کرتے اور کوئی اور بادشاہ ان پر مسلط ہو جاتا، اور چونکہ اُس زمانہ میں جو قائد ہوتا اسے وہ قاضی کہتے تھے، اور اس زمانہ کو قاضیوں کا زمانہ کہتے ہیں، اس لئے اس کتاب کا نام "قضاۃ" ہے، اور اس میں ۲۱ باب ہیں ۱۲

۱۹ اس کا نام اردو میں "روت" اور انگریزی میں Ruth ہے، اس میں حضرت داؤد علیہ السلام کے دادا عوبید کی والدہ جناب راعوت کے احوال مذکور ہیں، جو ایک موآبی خاتون تھیں، پھر بیت اللحم میں آگئیں اور وہاں بوعز سے شادی کی، جن سے عوبید، ان کے بیٹے اور ان سے حضرت داؤد پیدا ہوئے، اس میں ۴ باب ہیں ۱۲

۲۰ اس کا نام اردو میں "سموئیل" Sammel مذکور ہے، یہ حضرت سموئیل علیہ السلام کی طرف منسوب ہے جو حضرت کالب علیہ السلام کے بعد نبی ہوئے، اور بنی اسرائیل کے آخری قاضی تھے، انہی کے عہد میں طالوت بنی اسرائیل کا بادشاہ ہوا، کتاب سموئیل اول میں آپ کی نبوت، طالوت (جس کو بائبل میں ساؤل کہا گیا ہے) کی بادشاہی، حضرت داؤد کا حالوت کو قتل کرنا اور طالوت کی وفات تک کے واقعات مذکور ہیں، اور اس میں کل ۳۱ باب ہیں ۱۲

۲۱ اس کتاب میں طالوت کی وفات کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام کی حکومت اور طالوت کے بیٹوں سے ان کی لڑائی کے احوال مذکور ہیں اور اس میں ۲۴ باب ہیں ۱۲

۲۲ اسے اردو میں "سلاطین" اور انگریزی میں Kings کا نام دیا گیا ہے، اور اس میں حضرت داؤد علیہ السلام کے بڑھاپے، وفات، حضرت سلیمان علیہ السلام کی تخت نشینی، ان کے دور حکومت، ان کی وفات اور ان کے بعد ان کے بیٹوں کے احوال، شاہ اخفی اب کی وفات تک مذکور ہیں، حضرت الیاس علیہ السلام کا ذکر بھی اس میں آیا ہے، اس کے کل ۲۲ باب ہیں ۱۲

(۱۲) سفر الملوك الثاني (۱۳) السفر الاول من اخبار الايام (۱۴) السفر الثاني من اخبار الايام،
(۱۵) السفر الاول لعزرا، (۱۶) السفر الثاني لعزرا، اس کا دوسرا نام سفر نحمیا بھی ہے،

۱۷ اس میں انبیاء کی وفات سے صدقہاہ کی سلطنت تک کے احوال مرقوم ہیں، اس میں حضرت
ایکس علیہ السلام اور حضرت ایسح علیہ السلام کے احوال بھی آگئے ہیں، اس کے کُل ۲۵ باب ہیں ۱۲
۱۸ اس کو اردو میں "تواریخ" اور انگریزی میں Chronicles کہا جاتا ہے، اس میں
حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت سلیمان علیہ السلام تک کا شجرہ نسب، حضرت داؤدؑ
تک اجمالی حالات اور حضرت داؤد علیہ السلام کی حکومت کے قدرے تفصیلی حالات مذکور ہیں، اور
اس میں ۲۹ باب ہیں ۱۲ تفسیر

۱۹ اس میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے دور حکومت اور ان کے بعد مختلف بادشاہوں کے
احوال صدقہاہ تک مرقوم ہیں، اور بنوکد نصر کے یروشلم پر چڑھائی کرنے کا واقعہ آخر میں ذکر کیا گیا ہے
اس کے کُل ۳۶ باب ہیں ۱۲ تفسیر

۲۰ اس کا نام اردو میں عزرا اور انگریزی میں Ezra ہے، غالب یہ ہے کہ اس سے مراد
حضرت عزیر علیہ السلام ہیں، اس کتاب میں خسرو Cyrus شاہ فاس رجبے تورات میں خورش
کہا گیا ہے) کا بنوکد نصر کے حملے کے بعد یروشلم کو دوبارہ تعمیر کرنا اور پھر حضرت عزیر علیہ السلام کا جلاوطن
یہودیوں کو اپنے وطن اپس لانا اور ان کا اپنے گناہوں سے استغفار کرنا مذکور ہے، اسی ضمن میں حضرت زکریا اور حضرت
حجی علیہما السلام کا ذکر بھی آیا ہے، اس میں کُل ۱۰ باب ہیں ۱۲

۲۱ نحمیا Nehemiah شروع میں یہ ازخشتاً Artaxerxes

شاہ فارس کے خادم تھے، جب انھیں بنوکد نصر کے ہاتھوں بیت المقدس کے اُجڑنے کی خبر ملی تو یہ بادشاہ
سے اجازت لے کر یروشلم پہنچے، اور وہاں حضرت عزیر علیہ السلام کے ساتھ مل کر اس کی دوبارہ تعمیر
کی، اس کتاب میں یہ تمام واقعات مفصل ذکر کئے گئے ہیں، نیز اس میں جن لوگوں نے یروشلم کی تعمیر
میں حصہ لیا ان کے نام مذکور ہیں، یہ واقعات تقریباً ۴۴۵ ق م میں پیش آئے، اس کتاب کے کُل
۱۳ باب ہیں، محمد تقی

(۱۷) کتاب ایوب (۱۸) زبور (۱۹) امثال سلیمان (۲۰) کتاب الجامعہ (۲۱) کتاب
نشید الانشاد،

۱۷ یہ کتاب حضرت ایوب علیہ السلام Job کی جانب منسوب ہے، جن کے صبر و ضبط کی تعریف قرآن نے بھی کی ہے، بحریت سے مشرق میں ایک شہر عوض کے نام سے تھا، آپ وہاں پیدا ہوئے، اور وہیں آپ کے ساتھ آزمائشیں پیش آئیں، قرآن نے ان آزمائشوں کی تفصیل نہیں بتائی، توراۃ میں کہا گیا ہے کہ آپ کو جلدی امراض ہو گئے تھے، اس کتاب میں انہی آزمائشوں کی کہانی ہے، اور اس کا زیادہ حصہ حضرت ایوب کے تین دوستوں تیمانی، ایفزی، سوخی بلدد اور نعلانی صوفی کے ساتھ مکالموں پر مشتمل ہے، یہ تینوں دوست یہ ثابت کرنا چاہتے تھے کہ حضرت ایوب پر یہ بلا تین ان کی کسی خطا کے سبب آئی ہیں، اور آپ انکار کرتے تھے، آخر میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ مذکور ہے، اس کتاب میں ۲۲ باب ہیں، اور یہ اپنی شاعری اور ادبیت کے اعتبار سے بہت بلند سمجھی جاتی ہے ۱۲

۱۸ اسے عربی میں "سفر مزامیر" بھی کہا جاتا ہے، اور انگریزی میں اس کا نام Psalms ہے، یہ اسی کتاب کی محض شکل ہے جس کے بارے میں قرآن نے فرمایا ہے کہ "ہم نے داؤد کو زبور عطا کی" یہ زیادہ تر حمد و ثناء اور نصیحت کے نغمات پر مشتمل ہے، اس میں ۱۵۰ نغمے (مزامیر) ہیں ۱۲

۱۹ اسے اردو میں امثال اور انگریزی میں Broverbs کہتے ہیں، یہ امثال اور حکمتوں کا مجموعہ ہے، اور نصرانی حضرات کا دعویٰ ہے کہ اسے حضرت سلیمان علیہ السلام نے مرتب فرمایا تھا، چنانچہ سلاطین اول (۳-۳۲) میں ہے کہ "اس نے تین ہزار مثلیں کہی ہیں، اس میں ۳ باب ہیں" ۱۲
۲۰ اسے آجکل اردو میں "واعظ" اور انگریزی Ecclesiastes کہا جاتا ہے، کہتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے ایک بیٹے کا نام جامعہ یا داعظ تھا، اور اس کتاب میں اسی کی نصیحتیں مذکور ہیں، اس کے کل ۱۲ باب ہیں ۱۲

۲۱ اس کا نام اردو میں "غزل الغزلات" اور انگریزی میں Songs of Solomon ہے، اور یہ بقول نصرانی ان گیتوں کا مجموعہ ہے جو حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہے تھے، اور جن کا ذکر کتاب سلاطین اول میں ہے کہ "اور اس نے تین ہزار مثلیں کہیں اور اس کے ایک ہزار پانچ گیت تھے" (۳-۳۲) اس کے ۸ باب ہیں ۱۲

(۲۲) کتاب اشعیاہ (۲۳) کتاب ارمیاہ (۲۴) مراثی ارمیاہ.....

۱۷ اس کا نام اردو میں "یسعیاہ" اور انگریزی میں Isaiah ہے، یہ حضرت اشعیاہ بن آموص علیہ السلام کی طرف منسوب ہے، جو آٹھویں صدی قبل مسیح میں یہوداہ کے بادشاہ حزقیاہ کے خاص مشیر تھے، اور جب شاہ اسور سحر ب نے یروشلم پر حملہ کیا تو حضرت اشعیاہ علیہ السلام نے حزقیاہ کی بہت مدد فرمائی، جس کا ذکر کتاب سلاطین دوم (باب ۲۸) اور کتاب توایخ (باب ۳۲) میں موجود ہے۔ کتاب یسعیاہ میں ان الہامات کا ذکر ہے جو حضرت اشعیاہ کو آئندہ حالات کے بارے میں ہوئے، یہ پیشگوئیاں (بقول نصاریٰ) آپ نے شاہ عزیاہ، یوتام، آخر اور حزقیاہ کے زمانوں میں فرمائی ہیں، اس کے کل ۶۶ باب ہیں، اور یہ بھی اپنی ادبیت کے لحاظ سے بہت بلند سمجھی جاتی ہے ۱۲

۱۸ اردو میں اس کا نام "یرمیاہ" اور انگریزی میں Jerimiah ہے، اور یہ حضرت ارمیا علیہ السلام کی طرف منسوب ہے، جو حضرت اشعیاہ کے خلیفہ تھے، اور یوسیاہ اور صدقیاہ کے زمانہ میں بنی اسرائیل کی بد اعمالیوں کو رد کرنے کے لئے مبعوث ہوئے تھے، مگر جب وہ باز نہ آئے تو آپ کو بذریعہ وحی علم ہو گیا، کہ اس قوم پر بخت نصر کا عذاب آنے والا ہے، آپ نے اس بات کو ظاہر فرمادیا، اور توراۃ کے مطابق انھیں مشورہ دیا کہ وہ بابل کے بادشاہ کے آگے ہتھیار ڈال دیں، مگر قوم نے آپ کو اذیتیں دیں تو بالآخر بنو کہ نصر (جسے بخت نصر بھی کہا جاتا ہے) نے یروشلم پر حملہ کر دیا، اور یہ شہر نیست نابود ہو گیا، تو آپ مصر تشریف لگئے، قرآن کریم نے اذکالذی مر علی قریۃ النخیل جو واقعہ ذکر فرمایا ہے، وہ ایک قول کے مطابق آپ ہی کا ہے، کتاب ارمیاہ میں مندرجہ بالا واقعات ہی کا ذکر ہے، اور بنی اسرائیل کو بد اعمالیوں سے روکا گیا ہے، اس کے کل ۵۶ باب ہیں ۱۲

۱۹ اے اردو میں "نوحہ" اور انگریزی میں Lamentations

کہا گیا ہے، بخت نصر کے حملہ کے بعد جب یروشلم تباہ ہو گیا اور بنی اسرائیل پر سخت عذاب آیا، تو کسی نے یہ مرثیے اور نوحہ کہے ہیں، جن کو نصاریٰ نے حضرت ارمیا علیہ السلام کی طرف منسوب کیا ہے، اس میں کل ۵ باب ہیں ۱۲ تقی

(۲۵) کتاب حزقیال (۲۶) کتاب دانیال (۲۷) کتاب ہوشع (۲۸) کتاب یوایل (۲۹) کتاب عاموس

۱۵ اس کا نام اردو میں "حزقی ایل" اور انگریزی میں Ezekiel یہ حضرت حزقیل علیہ السلام کی طرف منسوب ہے، (جن کا تعارف پچھے گذر چکا ہے) اور اس میں اُن کی زبانی اللہ کا (مبینہ) کلام بیان کیا گیا ہے، جو پیشگوئیوں اور نصیحتوں پر مشتمل ہے ۱۲ ت

۱۶ اردو میں اس کا نام "دانی ایل" Daniel ہے، یہ حضرت دانیال علیہ السلام کی طرف منسوب ہے جن کے بارے میں توریت کی یہ روایت ہے کہ بنو کد نصر جن حکماء کو یہوداہ سے جلا وطن کر کے بابل لے گیا تھا اُن میں یہ بھی تھے، اور بادشاہ کے بعض خوابوں کی صحیح تعبیر بتانے پر انھیں صوبہ بابل کا حاکم بنادیا گیا تھا، اس کتاب کے شروع میں بابل کے بادشاہوں کے خواب جو اُن کے مستقبل سے متعلق ہیں، مذکور ہیں، پھر خود حضرت دانیال کے خواب ہیں، جو بنی اسرائیل کے مستقبل سے متعلق ہیں اور ان میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہے، اس کے ۱۲ باب ہیں ۱۲

۱۷ اس کا نام اردو میں "ہوسیع" اور انگریزی میں Hosea ہے، تورات کی

روایت کے مطابق یہ ہوسیع بن ہیری بنی ہیں (اسلامی کتب میں ان کا ذکر نہیں نہیں ملا) جو یہوداہ کے بادشاہ عزیاہ، یوتام، آخر، اور حزقیاہ کے زمانوں (نویں صدی قبل مسیح) میں رہے ہیں، اسی زمانہ میں یہ کلام اُن پر نازل ہوا جس میں زیادہ تر بنی اسرائیل کی بد اعمالیوں پر تنبیہ و توبیخ، توبہ کی ترغیب اور نیکی کے اجر کا ذکر ہے، اور یہ ذکر زیادہ تر تمثیلات اور رموز میں بیان کیا گیا ہے، اس کے ۱۴ باب ہیں ۱۴

۱۸ کتاب یوایل، اردو میں بھی اس کا نام یوایل اور انگریزی Joel ہے، یہ بقول تورات بنی ہیں، اور اس تین بابوں پر مشتمل کتاب میں ان پر نازل شدہ کلام مذکور ہے، جس میں بد اعمالیوں سے باز آنے اور روزہ رکھنے کا حکم اور اس کے اچھے نتائج بتائے گئے ہیں ۱۲ ت

۱۹ اس کا نام اردو میں بھی "عاموس" Amos ہے، یہ بھی بقول تورات بنی تھے، شروع

میں تقوٰیٰ شہر Teko'a میں چردا ہے تھے، پھر تقریباً سترہ ق م میں بنی ہوئے، اور عزیاہ کے زمانہ میں یہ ۹ بابوں کی کتاب اُن پر نازل ہوئی، جس میں بنی اسرائیل کو بد کاریوں پر دھمکایا گیا ہے اور ان کی سزائیں ان پر شام اسور Assyria کے اس حملہ کی پیشگوئی کی گئی، جس کا ذکر سلاطین دوم (۱۵: ۲۹) میں ہے ۱۲ تقی

(۳۰) کتاب عبدیہ (۳۱) کتاب یونان (۳۲) کتاب میخا (۳۳) کتاب ناحوم (۳۴) کتاب
حقوق (۳۵) صفونیا،
.....

۱۵ عبدیہ Obadiah یہ ۲۱ آیتوں پر مشتمل ایک چھوٹا سا صحیفہ ہے جس میں بقول
نصاری حضرت عبدیہ علیہ السلام کا ایک خواب ہے، اس خواب میں شہر آدم Adom کے متعلق
کچھ پیشگوئیاں کی گئی ہیں ۱۲

۱۶ اس کا اردو نام ”یوناہ“ اور انگریزی Jonah ہے، یہ حضرت یونس علیہ السلام
کی جانب منسوب ہے، جو مشہور پیغمبر ہیں، اس چار بابوں کے صحیفے میں ان کے یننوا کی جانب مبعوث ہونے کا
واقعہ ذکر کیا گیا ہے، جو مسلمانوں کے یہاں معروف قصہ قدسے مختلف ہے ۱۲

۱۷ اسے اردو میں ”میکاہ“ اور انگریزی میں Micah کہا گیا ہے، اور یہ حضرت میخا مورشتی
علیہ السلام کی طرف منسوب ہے جو تقریباً نویں صدی ق م میں شاہ حزقیاہ کے زمانہ میں مبعوث ہوئے،
اور بنی اسرائیل کو ان کی بد اعمالیوں سے ڈرایا اور عذاب کی دھمکی دی، شاہ حزقیاہ نے اسے تسلیم کر کے
نیکی اختیار کی اور عذاب ٹل گیا، جیسا کہ سلاطین ۳۲ میں اور یرمیاہ ۲۶ میں مذکور ہے، اس کتاب میں
۱۲ باب ہیں اور وہ اسی دعوت و تبلیغ پر مشتمل ہیں ۱۲

۱۸ ناحوم Nahum بقول تورات یہ بھی نبی ہیں، ان کے زمانہ اور سوانح کا یہیں
سُراغ نہیں لگا، اور ان کی کتاب میں جس کے تین باب ہیں ان کا ایک خواب مذکور ہے، جس میں
یننوا کی تباہی کی پیشگوئیاں کی گئی ہیں ۱۲

۱۹ حقوق Habakkuk یہ بھی بقول تورات نبی ہیں اور ان کا زمانہ بعثت مشکوک
ہے، تورات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ بنو کد نصر کے حملہ یردشلم سے قبل تھے، کتاب حقوق میں ان کا ایک
خواب مذکور ہے، جس میں بنی اسرائیل کو ان کی کج ادائیگوں پر توبیخ اور حملہ بنو کد نصر کی پیشگوئی ہے
اس کے ۳ باب ہیں ۱۲

۲۰ اردو میں صفیناہ اور انگریزی Zephaniah یہ بھی بقول تورات نبی ہیں، اور
یہوراہ کے بادشاہ یوسیاہ بن امون Josiah کے زمانہ میں مبعوث ہوئے اور اس صحیفہ کے ذریعہ
جو تین بابوں پر مشتمل ہے بنی اسرائیل کو عذاب بنو کد نصر سے ڈرایا ۱۲ تقی

(۳۶) کتاب حجی (۳۷) کتاب زکریا (۳۸) کتاب ملاخیا، یہ ملاخیا پیغمبر عیسیٰ علیہ السلام سے تقریباً ۴۲۰ سال قبل گزرے ہیں،

یہ تمام ۳۸ کتابیں جمہور قدما مسیحین کے نزدیک معتمد اور معتبر تسلیم شدہ تھیں، البتہ سامری فرقہ کے نزدیک صرف سات کتابیں مسلم ہیں، پانچ کتابیں وہ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام

۱۵ حجی، الف مقصورہ کے ساتھ Haggai یہ حضرت حجی علیہ السلام کی طرف منسوب ہے، جو نخت نصر کے ہاتھوں یروشلم کی تباہی کے بعد شاہ فارس دارا Darius کے زمانہ دقت سرینا (۵۲۲ ق م) میں مبعوث ہوئے تھے، اور انھوں نے یروشلم کی دوبارہ تعمیر کرنے پر قوم کو ابھارا، جیسا کہ کتاب عزرا (۴) میں مذکور ہے، اس دو بابوں کے صحیفہ میں یروشلم کو دوبارہ تعمیر کرنے کی ترغیب اور اس میں رکاوٹ ڈالنے والوں کو توہین ہے ۱۲ ات

۱۵ زکریا Zechariah یہ حضرت زکریا علیہ السلام کی طرف منسوب ہے، جو بقول تورات یروشلم کی تعمیر میں حضرت حجی علیہ السلام کے ساتھیوں میں سے تھے، اس کتاب میں زیادہ تر خواب مذکور ہیں، جن میں بنی اسرائیل کے مستقبل اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری کی (ب د ب) پیش گوئیاں ہیں، اس میں ۱۴ باب ہیں ۱۲ (واضح رہے کہ یہ زکریا علیہ السلام نہیں ہیں جن کا ذکر قرآن میں آیا ہے) ۱۵ اس کا نام اردو میں ملاکی Malachi ہے، یہ حضرت ملاخیا علیہ السلام کی کتاب منسوب ہے، جو عہد قدیم کے آخری پیغمبر ہیں، اس کتاب میں بنی اسرائیل کی ناشکری اور حضرت عیسیٰ کی پیش گوئی (ب د ب) مذکور ہے، اس کے ۴ باب ہیں ۱۲ ات

۱۵ "سامری" یہودیوں کا ایک فرقہ ہے، یہ فلسطین کے شہر سامره Somaria کی طرف منسوب ہے جو تباہ ہونے کے بعد دوبارہ نابلس کے نام سے مشہور ہوا، یہاں کے باشندے عام یہودیوں کی بنیادی طور پر دو امور میں اختلاف کرتے ہیں، ایک مسلمہ کتب کی تعداد، جیسا کہ مصنف نے بیان فرمایا ہے، دو سکر عبادت گاہ، یعنی وہ عام یہودیوں کے برخلاف یروشلم کے بجائے کوہ جریم پر عبادت کرتے ہیں جو نابلس کے جنوب میں ایک پہاڑ ہے، اور وہاں چوتھی صدی قبل مسیح میں منشی نے جس کا ذکر عزرا (۲۱ میں ہے) ایک ہیکل تعمیر کیا تھا ۱۲ تقی

کی طرف منسوب ہیں، اور کتاب یوشع بن نون اور کتاب القضاۃ، ان کی توریت کا نسخہ عام یہودیوں کی تورات کے نسخے کے خلاف ہے،

یعنی وہ کتابیں جن کی صحت میں اختلاف ہے،
عہد عتیق کی دوسری قسم | یہ مکمل ۹ کتابیں ہیں:-

(۱) کتاب آستر (۲) کتاب باروخ (۳) کتاب دانیال کا ایک جزو (۴) کتاب طوبیا (۵) کتاب یہودیت (۶) کتاب دانش

۱۵ اے اردو میں "آستر" Esther کہتے ہیں، یہ ایک یہودی عورت تھی، جو بخت نصر

کے حملہ کے بعد بابل جلاوطن کئے جانے والوں میں شامل تھی، ایران کے بادشاہ اخسیرس Ahasuerus نے اپنی پہلی بیوی سے ناراض ہو کر اس سے شادی کر لی، اس کے وزیر ماہان نے آستر کے باپ مرو کے سے ناراض ہو کر تمام جلاوطن یہودیوں پر ظلم ڈھانے کا ارادہ کیا، تو آستر نے بادشاہ کے ذریعہ اس کو روکا اور یہی واقعہ اس کتاب میں مذکور ہے جو ۱۰ بابوں پر مشتمل ہے ۱۲

۱۶ اس کا نام اردو میں "باروک" Baruch ہے، اور یہ حضرت باروخ علیہ السلام کی طرف

منسوب ہے، جو حضرت ارمیا علیہ السلام کے شاگرد اور ان کے کاتب وحی تھے، ہر دو کھ در دیں ان کے ساتھ ہے، جیسا کہ کتاب (یرمیاہ ۳۲: ۱۶ تا ۳۶: ۴ تا ۳۲ اور ۴۳: ۱۶ تا ۴۵: ۳۱) سے معلوم

ہوتا ہے، یہ کتاب فرقہ پروٹسٹنٹ کی بائبل میں (جو آجکل زیادہ رائج ہے) موجود نہیں، کیونکہ بئیل میں ۱۶

۱۷ طوبیا Tobit نضائی نسل کا ایک یہودی جو جلاوطنی کے ایام میں آشور چلا گیا تھا،

اس کا لقب "البار" (نیک) ہے، کتاب طوبیا میں اس کے اور اس کے بیٹے کے ایک طویل اور پرخطر سفر اور اس کی عشقیہ داستان کا تذکرہ ہے، اور توکل علی اللہ کی ترغیب دی گئی ہے، یہ کتاب ادبی اعتبار سے بہت بلند ہے، اور یہ بھی پروٹسٹنٹ بائبل میں موجود نہیں،

۱۸ "یہودیت" Judith یہ ایک یہودی عورت کی طرف منسوب ہے، جس نے اپنی

بہادری سے اپنی قوم کو شاہ اسور کے مظالم سے رہائی دلوائی، اس کا ایک عشقیہ واقعہ اس کتاب میں مذکور ہے

۱۹ اے دانش سلیمان Wisdom of Solomon بھی کہتے ہیں

یہ بالکل کتاب امثال کی طرح ہے ۱۲ تقی

(۷) کلیسائی پند و نصائح (۸) کتاب المقابین الاول (۹) کتاب المقابین الثانی

عہد جدید کی کتابیں یہ کل پیش ہیں

وہ کتابیں جن کی صحت پر اتفاق ہو | یہ کل ۲۰ کتابیں ہیں (۱) انجیل متی (۲) انجیل
مرقس (۳) انجیل لوقا

۱۔ کلیسائی پند و نصائح Ecclesiasticus یاد اعطا، یہ مستند قسم کے

ایک شخص مسیح ابن مردوش کے پوتے کی طرف منسوب، اور اس میں ابن مردوش کی کچھ حکمتیں درج ہیں،
اور ادنیٰ اعتبار سے اس کا پایہ بلند ہے ۱۲

۲۔ مکابہوں کی پہلی کتاب ہو، اور اس میں ان کی بغاوت کی سرگزشت ہے ۱۲

۳۔ مکابہوں کی دوسری کتاب میں چند سالوں کی تاریخ اور نہایت بیہودہ قسم کی روایات ہیں، ان
کتابوں کے علاوہ پہلا اور دوسرا ایٹڈریس تین بچوں کا گیت، بعل اور اژدہا اور منسی کی دعا پانچ کتابیں بھی
مختلف فیہ ہیں اور انہی چودہ کتابوں کے مجموعہ کو آپاکرپا Apocrypha کہا جاتا ہے، اور فرقہ
پروٹسٹانٹ انھیں اہامی تسلیم نہیں کرتا ۱۲

۴۔ یہ متی حواری کی طرف منسوب (تعارف کے لئے دیکھئے ص ۲۷۲ کا حاشیہ) اور اس میں حضرت
عیسیٰ کے نسب نامہ سے لیکر عروجِ سلامتک کے واقعات درج ہیں، منمنابہت احکام بھی آئے ہیں، اس کے کل
باب ۲۸ ہیں ۱۲

۵۔ یہ مرقس (دیم اور قات پر پیش ہو) یہ حضرت عیسیٰ کے حواری جناب پطرس (دیکھئے حاشیہ ص ۲۷۲)
کے شاگرد ہیں، عیسائی حضرت کہتے ہیں کہ اسکندر یہ کا کلیسا انھوں نے ہی قائم کیا تھا، انھیں مشہور میں
قتل کیا گیا، ان کی انجیل سابقہ انبیاء کی بشارتوں سے شروع ہوتی ہے جو حضرت مسیح کی تشریف آوری پر ہو گئیں
اور حضرت عیسیٰ کے عروجِ آسمانی پر ختم ہو جاتی ہو، اس میں ۱۶ باب ہیں، انگریزی میں سے Mark کہا جاتا ہے
۱۔ لوقا Luke اپنے زمانہ میں طبیعتاً پلوس کے سفروں میں اس کے ساتھ ہے جیسا کہ دیکھتے ہیں

کے نام ۴: ۱۳ اور اعمال ۱۶ سے معلوم ہوتا ہے، تقریباً مشہور میں انتقال ہوا، ان کی انجیل حضرت یحییٰ علیہ السلام
کی پیدائش کے واقعہ سے شروع ہوتی ہے، اور ۲۴ بابوں میں عروجِ آسمان تک کے واقعات و احکام درج ہیں ۱۲

(۴) انجیل یوحنا، ان چاروں کو اناجیل اربعہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، اور لفظ انجیل انہی چاروں کے ساتھ مخصوص ہے، اور کبھی کبھی مجازاً تمام عہد جدید کی کتابوں کے لئے بھی یہ لفظ استعمال کیا جاتا ہے، یہ لفظ معرب ہے، اصل یونانی لفظ انگلیون تھا، جس کے معنی بشارت اور تعلیم ہیں،

(۵) کتاب اعمال حواریین (۶) پولس کا خط رومیوں کی جانب (۷) پولس کا خط

۱۔ یوحنا دیکھئے حاشیہ ص ۵۶) ان کی انجیل میں حضرت یحییٰ علیہ السلام (جن کو بائبل میں یوحنا John کہا ہے) کی تشریف آوری کے بعد حالات سے حضرت عیسیٰ کے عروج آسمانی تک کے حالات درج ہیں، اور اس کے ۲۱ باب ہیں ۱۲۔

۲۔ اردو میں اس کا نام رسولوں کے اعمال " Acts of Apostles ہے اور کہتے ہیں کہ لوقا نے اپنے شاگرد تھیفلس کو یہ صحیفہ لکھا تھا، جس میں حضرت عیسیٰ کے بعد حواریین کی کارگزاریاں، بالخصوص پولس کے تبلیغی سفروں کا حال اس کے روم پہنچنے تک (تقریباً ۲۲ء) مذکور ہے، اس میں ۲۸ باب ہیں ۱۲۔

۳۔ The Epistle of Paul to Romans پولس کے حالات (ص ۲۶) پہا گزر چکے، اس خط میں اُس نے روم کے باشندوں کو خطاب کیا ہے جو آجکل اٹلی کا دارالسلطنت ہے اور دریائے ٹیبر Tiber کے مخزج سے پچاس میل کے فاصلہ پر واقع ہے، یہاں یہودی بڑی تعداد میں آباد تھے (اعمال ۱۸: ۲) اس خط میں اذلا تبشیر ہے، پھر کائنات کا مقصد تخلیق اور عیسائیوں کو ہدایات ہیں ۲۔

۴۔ Corinthians یہ کرنتھس (دیکھئے ص ۵۲ کا حاشیہ) باشندوں کے نام خط ہے، اس میں اول تو انہیں متحد ہونے کی تلقین ہے، کیونکہ اس زمانہ میں وہ آپس کے جھگڑوں میں مبتلا تھے، پھر بائبل میں کچھ عائلی احکام دیئے گئے ہیں، بائبل سے بت پرستی کی بُرائیاں، اور بت پرست ماحول میں عیسائیوں کا طرز عمل متعین کیا گیا ہے، پھر بائبل سے انہیں خدا کی روحانی نعمتوں پر متوجہ کیا گیا ہے، بائبل میں سے آخرت اور مسئلہ کفارہ پر گفتگو ہے، اور بائبل میں خیرات اور عیسائیت کے لئے چندہ دینے پر ابھارا گیا ہے ۱۲۔

کورنیتھس کی جانب (۸)، دوسرا خط انہی کی طرف (۹) پولس کا خط اگلاطیہ والوں کی طرف (۱۰) پولس کا خط افسس والوں کی طرف (۱۱) پولس کا خط فیلیپس والوں کی طرف (۱۲) پولس کا خط قولا سانس والوں کی طرف (۱۳) اس کا پہلا خط تسالونیقی والوں کی جانب،

۱۵ شروع کے ۶ ابواب میں مختلف مذہبی ہدایات ہیں، پھر کلیسا کی تنظیم سے متعلق کچھ باتیں ہیں، پھر باب سے آخر تک اپنے تبشیری سفر سے متعلق کچھ پیش بندیاں ہیں ۱۲ نفی

۱۷ Galatians "گالتیوں کے نام" یہ گلتیہ (Galatia)

کے باشندوں کے نام ایک خط ہے، جو شمالی ایشیائے کوچک میں ایک رومی صوبہ تھا، جس کا صدر مقام انقرہ تھا، یہاں کے کلیساؤں کے نام یہ خط تقریباً ششہ میں لکھا گیا ہے، جبکہ پولس کو یہ خبر ملی تھی کہ یہاں کے لوگ کسی اور مذہب سے متاثر ہو رہے ہیں، اس خط میں اس نے انہیں ارتداد سے روکنے اور اپنے مذہب پر ثابت قدم رکھنے کی کوشش کی ہے ۱۲ ت

۱۸ Ephesus "ایفیس" ایشیائے کوچک کا ایک اہم تجارتی شہر تھا، اور یہاں ڈیانا

Diana کے نام سے ایک عظیم عبادت گاہ تھی، پولس نے تین سال کی تبلیغ کے ذریعہ سے

اسے عیسائیت کا ایک اہم مرکز بنادیا تھا، (دیکھئے اعمال ۱۹، ۲۰) ان کے نام خط میں جو ۶ بابوں پر مشتمل ہے، انہیں کچھ اخلاقی ہدایات دی گئی ہیں ۱۳

۱۹ Philippi "فیلیپی" کے باشندوں کے نام خط ہے، جو صوبہ مقدونیہ کا

ایک شہر تھا، اور یہ یورپ کا پہلا شہر ہے۔ جہاں پولس نے انجیل کی تعلیم دی اور گرفتار ہوا (اعمال ۱۶، ۱۷، ۱۸) اس خط میں اتحاد اور دوسری اخلاقی ہدایات ہیں اور اس میں ۴ باب ہیں ۱۴

۲۰ Colosae "کولسائی" اس کا نام اردو میں "کولسائی" ہے، یہ بھی ایشیائے کوچک کا ایک شہر

تھا، اس خط میں سچیت پران کی ہمت افزائی اور براہِ اعمالیوں سے بچنے کی ترغیب ہے اور اس میں بھی ۴ باب ہیں ۱۵

۲۱ Thessalonica "تھسالونیکا" مقدونیہ کا ایک شہر جو آج کل ترکی میں ہے

اس کے باشندوں کے نام پہلے خط میں اس نے خدا کی پسندیدہ زندگی اور دوسرے موضوعات پر گفتگو کی ہے جو ۵ ابواب پر مشتمل ہے ۱۶ ت

(۱۴) پولس کا دوسرا رسالہ ان کی جانب (۱۵) پولس کا پہلا رسالہ تیموتاؤس کی طرف (۱۶) اس کا دوسرا رسالہ اُمی کی طرف (۱۷) پولس کا رسالہ تیطوس کی طرف (۱۸) پولس کا رسالہ فیلیمون کی جانب (۱۹) پطرس کا پہلا رسالہ (۲۰) یوحنا کا پہلا رسالہ، سوائے بعض جملوں کے،

یعنی جن کی صحت میں اختلاف ہے، یہ مکمل سات کتابیں عہدِ جدید کی دوسری قسم ہیں، اور بعض جملہ یوحنا کے رسالہ اَدل کے۔

(۱) پولس کا رسالہ جو عبرانیوں کی جانب ہے۔

۱۔ اس خط میں مجاہدین کی نیکیوں پر انکی بہت افزائی اور انکے طرزِ عمل سے متعلق مختلف ہدایتیں ہیں، اس کے کل ۳ باب ہیں ۱۲ تقی ۲۔ تیمتیس کے نام Timothy یہ پولس کا شاگرد اور بعض سفروں میں اس کا ساتھی تھا (اعمال ۱۶: ۱، ۲، ۳) د (۱۴: ۱۴) پولس اس پر اعتماد کرتا اور لوگوں سے اس کی عزت کراتا تھا (۱: ۱۱ کرنتھیوں ۱۱: ۱۱) د (فلپیوں ۲: ۱۹) اس میں عبادات و اخلاق سے متعلق ہدایات ہیں، ۵ باب ہیں ۱۲ ب ۳۔ اس میں بعض لوگوں کے مرتد ہونے کا ذکر ہے، اور تیمتیس کو تبلیغ سے متعلق ہدایات اور آخر زمانہ سے متعلق پیشگوئیاں ہیں جو ۲ بابوں پر مشتمل ہے ۱۲ ت

۴۔ ططس Titu یہ بھی پولس کے سفروں میں اس کے ساتھ رہا ہے، (گلٹیوں ۱: ۲) پولس اس سے محبت کرتا تھا، (۲ کرنتھیوں ۳: ۱۳) پولس نے اسے کرپتے شہر Crete میں چھوڑا تھا، تاکہ وہ تبلیغ کرے (ططس ۱: ۵) اس خط میں تبلیغ کے طریقے اور بپتسموں کی صفات مذکور ہیں، ۳ باب ہیں ۱۲ ۵۔ فلیمون Philemon پولس کا ہمسفر اور ساتھی تھا، انیسس کو پولس نے اس کے پاس بھیجے وقت یہ خط لکھا ہے ۱۲ ت

۶۔ پطرس Peter تعارف کرایا جا چکا ہے (حاشیہ ص ۳۱) یہ اُن کا عام خط ہے، اور اس کے مخالف پطرس، گلٹیہ، کیدکیہ، آسیہ، اور تھنیم کے لوگ ہیں اور اس میں مختلف مذہبی و اخلاقی ہدایتیں ہیں، اس کے ۵ باب ہیں ۱۲ ت

۷۔ اس میں مختلف مذہبی و اخلاقی ہدایات ہیں ۱۲ ت ۸۔ اس میں بھی مختلف اخلاقی و مذہبی ہدایتیں ہیں، عبرانیوں کا تعارف گزر چکا (دیکھئے صفحہ ۲۷۱ کا حاشیہ) ۱۲ تقی

(۲) پطرس کا دوسرا رسالہ (۳) یوحنا کا دوسرا رسالہ (۴) یوحنا کا تیسرا رسالہ (۵) یعقوب کا رسالہ (۶) یہودا کا رسالہ (۷) مشاہدات یوحنا،

کتابوں کی تحقیق کے لئے اس کے بعد ناظرین کے لئے یہ جانتا ضروری ہے کہ ۳۲۵ء میں پادشاہ قسطنطین کے حکم سے عیسائی علماء کا ایک عظیم الشان اجتماع شہر نائس میں ہوا، تاکہ مشکوک

۱۵ اس میں جھوٹے نبیوں اور استادوں سے متعلق ہدایات اور مستقبل کی کچھ پیشگوئیاں ہیں ۱۲ ت لکھ یہ خط ایک خاتون کے نام پر جن کا نام معلوم نہیں ہو سکا، اور اس میں ۱۲ آیتیں ہیں ۱۲ نفی لکھ یہ خط گیس Gaius کے نام ہے، جو یوحنا کا شاگرد تھا، اس میں ۱۴ آیتیں ہیں، اور زیادہ تر مخاطب کی تعریف اور بہت انحرافی ہے ۱۲ نفی

۱۶ یہ یعقوب James بن یوسف نجاریں، جو بارہ حواریوں میں سے نہیں اور اور کتاب اعمال میں آپ کا ذکر بکثرت آیا ہے، آپ کو شہید کیا گیا (یاد رہے کہ حواریں میں سے ایک یعقوب بن زبدي یوحنا کے بھائی ہیں وہ یہاں مراد نہیں، انھیں یعقوب الاکبر کہتے ہیں)، اس عام خط میں انھوں نے مختلف احسناتی ہدایات دی ہیں ۱۲

۱۷ یہودا اور تھاداس Jude Thaddaeus یعقوب کے بھائی اور بارہ حواریوں میں سے ایک ہیں، ان کا ذکر یوحنا (۲۲: ۱۱-۱۴) میں ہے، اس خط میں جھوٹے دعویداروں سے احتساب اور دوسری مذہبی ہدایتیں ہیں (یاد رہے کہ وہ یہودا جس نے بقول نصاریٰ حضرت عیسیٰ کو گرفتار کر لیا تھا یہ نہیں وہ یہودا اسکر بونی ہے) ۱۳

۱۸ یہ ایک مکاشفہ ہے جو بقول نصاریٰ یوحنا کو ہوا تھا، اور اس میں کچھ پیشگوئیاں ہیں، اس کا انگریزی نام Revelation ہے ۱۲ ت

۱۹ یہ قسطنطین اول Constantine I ہے، جس کے نام پر بیزلطیہ کو قسطنطینیہ کہا گیا، کیونکہ اس نے اسے اپنا پایہ تخت بنایا تھا، وفات ۳۳۷ء میں ہوئی ۱۲ ت ۲۰ شہر نائس، اس شہر کا مشہور نام نیکیا Nicaea ہے، اور وہاں جو عیسائیوں کی کونسل ہوئی تھی اسے نیکادیہ

کتابوں کے بارے میں مشورہ کے ذریعہ کوئی بات محقق ہو جائے، بڑی تحقیق اور مشورہ کے بعد ان علماء نے یہ فیصلہ کیا کہ کتاب یہودیت واجب التسلیم ہے، اس کے علاوہ باقی کتابوں کو بدستور مشکوک رکھا، یہ بات اس مقدمہ سے خوب واضح ہو جاتی ہے جو جیروم نے اس کتاب پر لکھا ہے،

اس کے بعد ایک دوسری مجلس ۳۶۲ء منعقد ہوئی جو لوڈیشیا کی مجلس کے نام سے مشہور ہے، اس مجلس کے علماء نے بھی پہلی مجلس کے علماء کا فیصلہ کتاب یہودیت کی نسبت برقرار رکھا، اور اس فیصلہ میں اس پرستار دیگر کتابوں کا اضافہ کر کے اُن کو واجب التسلیم قرار دیا۔

(۱) کتاب استیر (۲) یعقوب کا رسالہ (۳) پطرس کا دوسرا رسالہ (۴ و ۵) یوحنا کا دوسرا اور تیسرا رسالہ (۶) یہوداہ کا رسالہ (۷) پطرس کا رسالہ عبرانیوں کی جانب، اس مجلس نے اپنے فیصلہ کو عام پیغام کے ذریعہ مؤکد کر دیا، اور کتاب مشاہدات ان دونوں جلسوں میں بدستور فہرست مسئلہ سے خارج اور مشکوک ہی باقی رہی، اس کے بعد ۳۹۷ء میں ایک اور بڑی مجلس جو کارٹیج کی مجلس کے نام سے مشہور ہے، منعقد ہوئی، اس مجلس کے شرکار میں عیسائیوں کا مشہور فاضل اگسٹائن اور ایک سو پچیس دوسرے مشہور علماء تھے، اس مجلس کے اراکین نے پہلی دونوں مجالس کے فیصلہ کو

۱۷ St. Jerome عیسائیوں کا مشہور عالم اور فلاسفر ۳۹۷ء میں پیدا ہوا،

اسی نے بائبل کا لاطینی میں ترجمہ کیا، اور بائبل کے علوم میں معروف ہوا، اسی سلسلہ میں اس کی بہت سی تصانیف ہیں، ۳۹۷ء میں انتقال ہوا، لیکن بیچارہ مراد نہیں ہو سکتا، اس لئے بظاہر جائزہ کا شمار جیروم ۳۹۷ء مراد ہے،

۱۸ Collage

بدستور برقرار رکھتے ہوئے اس پر مزید حسب ذیل کتابوں کا اضافہ کیا ہے۔

(۱) کتاب دانش (۲) کتاب طوبیاء (۳) کتاب باروخ (۴) کتاب کلیسائی پند

نصائح (۵) مقابلین کی دونوں کتابیں (۶) کتاب مشاہدات یوحنا،

مگر اس جلسہ کے شرکاء نے کتاب باروخ کو کتاب ارمیاء کا تقبیلاً جزو قرار

دیا، اس لئے کہ باروخ علیہ السلام ارمیاء علیہ السلام کے نائب اور خلیفہ تھے، اسی لئے

ان لوگوں نے اسماء کتب کی فہرست میں کتاب باروخ کا نام علیحدہ نہیں لکھا،

اس کے بعد تین مجالس منعقد ہوئیں، مجلس ٹرلو اور مجلس فلورنس اور مجلس ٹرنٹ،

ان تینوں مجالس کے علماء نے بھی پہلی کارپتیج کی مجلس کے فیصلہ کو قائم اور باقی رکھا،

صرف آخر کی دو مجلسوں نے کتاب باروخ کا نام ان کتابوں کی فہرست میں علیحدہ لکھ دیا،

ان مجالس کے منعقد ہونے کے بعد وہ تمام کتابیں جو مشکوک چلی آتی تھیں تمام

مسیحیوں کے نزدیک تسلیم شدہ قرار پائیں،

ان اسلاف کے فیصلوں سے

فرقہ پروٹسٹنٹ کی بغاوت

ان کتابوں کی یہ پوزیشن سنہ ۱۵۴۷ء تک بدستور

قائم رہی، یہاں تک کہ فرقہ پروٹسٹنٹ نمودار

ہوا، جنہوں نے اپنے بزرگوں کے فیصلہ کے خلاف

کتاب باروخ، کتاب طوبیاء، کتاب یہودیت، کتاب دانش، کتاب کلیسا اور مقابلین کی دونوں

کتابوں کے بارے میں یہ دعویٰ کیا کہ یہ سب واجب الرد اور غیر مسلم ہیں،

اسی طرح اس فرقہ نے کتاب اسٹر کے بعض ابواب کی نسبت اسلاف کے

فیصلہ کو رد کیا، اور بعض ابواب کے سلسلہ میں ان کے فیصلہ کو تسلیم کیا، کیونکہ یہ کتاب

سورہ ابواب پر مشتمل ہے، جس کے شروع کے ۶ ابواب اور بات کی تین آیتوں کے متعلق

انھوں نے کہا کہ یہ واجب التسلیم ہیں اور باقی چھ ابواب واجب الرد ہیں، اس انکار اور رد کے سلسلہ میں انھوں نے چھ دلائل پیش کئے۔

۱۔ یہ کتابیں اپنی اصل زبانوں عبرانی اور چالڈی میں جھوٹی ہیں، اور اس زمانہ میں ان زبانوں میں یہ کتابیں موجود بھی نہیں ہیں،

۲۔ یہودی ان کتابوں کو الہامی تسلیم نہیں کرتے۔

۳۔ تمام عیسائیوں نے ان کتابوں کو تسلیم نہیں کیا،

۴۔ جیروم کہتا ہے کہ یہ کتابیں دینی مسائل کی تقریر و اثبات کے لئے کافی نہیں ہیں۔

۵۔ گلموس نے تصریح کی ہے کہ یہ کتابیں پڑھی جاتی ہیں لیکن ہر مقام پر نہیں۔

میں کہتا ہوں کہ اس میں اس جانب اشارہ ہے کہ تمام عیسائیوں نے ان کو تسلیم

نہیں کیا، یعنی اس کا اور دلیل نمبر ۳ کا مال ایک ہی ہوا،

۶۔ یوسبیس نے کتاب راجع کے باب میں تصریح کی ہے کہ یہ کتابیں محرف ہو چکی ہیں خصوصاً

مقابلین کی دوسری کتاب،

ملاحظہ کیجئے دلیل نمبر ۱ و ۲ کو کہ ان لوگوں نے کس طرح اپنے اسلاف اور

بزرگوں کی سب بددیانتی کا دعویٰ کیا کہ ہزاروں اشخاص کا ان کتابوں کے واجب التسلیم

ہونے پر اتفاق کرنا غلط تھا، جن کی اصل اور ماخذ ناپید ہو چکے ہوں، ان کے صرف تراجم

باقی ہیں، اور جو یہودیوں کے نزدیک محرف ہو چکی ہیں، بالخصوص مقابلین کی دوسری

کتاب، اب بتائیے کہ ایسی حالت میں اپنے کسی مخالف کے حق میں ان کے اجماع یا اتفاق

کا کیا اعتبار ہو سکتا ہے؟ اس کے برعکس فرقہ کیعتہ تک والے آج تک ان کتابوں کو اپنے

اسلاف کی اتباع میں تسلیم کرتے آئے ہیں۔

ان کتابوں میں سے کوئی مستند نہیں

کسی کتاب کے آسمانی اور واجب التسلیم ہونے کے لئے یہ بات نہایت ضروری ہے کہ پہلے تو ٹھوس اور پختہ دلیل سے یہ بات ثابت ہو جائے کہ یہ کتاب فلاں پیغمبر کے واسطے سے لکھی گئی، اس کے بعد ہائے پاس سند متصل کے ساتھ بغیر کمی بیشی اور تغیر و تبدل کے پہنچی ہے، اور کسی صاحب الہام کی جانب محض گمان و وہم کی بنیاد پر نسبت کر دینا اس بات کے لئے کافی نہیں کہ وہ منسوب الیہ کی تصنیف کردہ ہے۔

اسی طرح اس سلسلہ میں کسی ایک یا چند فرقوں کا محض دعویٰ کر دینا کافی نہیں ہو سکتا، دیکھئے کتاب المشاہدات اور تکوین کی سفر صغیر، کتاب المعراج، کتاب السمرات، کتاب ٹسٹنٹ اور کتاب الاقرار موسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب ہیں، اسی طرح سفر رابع عزرائل کا عزرائل کی جانب منسوب ہے، اور کتاب معراج اشعیاء اور کتاب مشاہدات اشعیاء ان کی جانب منسوب ہیں، اور ارمیاء علیہ السلام کی مشہور کتاب کے علاوہ ایک دوسری کتاب ہے جو ان کی جانب منسوب ہے، اور متعدد ملفوظات ہیں جو حقوق علیہ السلام کی طرف منسوب ہیں، اور بہت سی زبوریں ہیں جو سلیمان علیہ السلام کی طرف منسوب ہیں، اور عہد جدید کی کتابوں میں سے علاوہ کتب مذکورہ کے کچھ کتابیں ہیں جو شرعے متجاوز ہیں، اور عیسیٰ و مریم اور حواریوں کی اور ان کے تابعین کی جانب منسوب ہیں،

اس زمانہ کے عیسائی مدعی ہیں کہ یہ تمام کتابیں من گھڑت اور جھوٹ ہیں، آج اس دعویٰ پر گریک کنیسہ اور کیتھولک و پروٹسٹنٹ کے تمام کلیسا متفق ہیں، اسی طرح

عزراء کی تیسری کتاب جو اُن کی طرف منسوب ہے، گریک کے گرجے کے نزدیک حدیث مستیق کا جزو اور مقدس و واجب لتسلیم ہے، اور کیتھولک و پروٹسٹنٹ گرجوں کے نزدیک من گھڑت جھوٹ ہے، جس کی تفصیل آپ کو انشاء اللہ تم باب میں ملے گی، اور پہلی فصل میں آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ کتاب باروخ اور کتاب طوبیا و کتاب یہودیت اور کتاب دالش و کتاب پند کلیسا اور مقابین کی دونوں کتابیں اور ایک جزو کتاب استیر کا کیتھولک کے نزدیک واجب لتسلیم ہے اور پروٹسٹنٹ کے نزدیک واجب الرد ہے،

پھر جب ایسی صورت ہے تو ہم محض کسی کتاب کی نسبت کسی جواری یا نبی کی جانب کرنے سے یہ کیونکر مان لیں کہ یہ کتاب الہامی اور واجب لتسلیم ہو گئی؟ اسی طرح ہم محض ان کے دعویٰ بلا دلیل کو کسی صورت میں تسلیم نہیں کر سکتے، اسی لئے ہم نے بارہا اُن کے بڑے بڑے علماء سے سند متصل کا مطالبہ کیا، جس پر وہ قادر نہ ہو سکے، اور ایک پادری نے تو اس مناظرہ میں جو میری اور اُن کے درمیان ہوا تھا، یہ عذر پیش کیا کہ ہمارے پاس سند موجود نہ ہونے کا سبب وہ فتنے اور مصائب ہیں جن سے عیسائیوں کو تین سو تیرہ سال تک اطمینان کا سانس لینا نصیب نہیں ہوا، ہم نے اُن کی اسناد کی کتابوں میں بہت کچھ کھود کر دیکھی، مگر سوائے ظن و تخمینہ کے اور کچھ نہ مل سکا، جو کچھ بھی کہتے ہیں اس کی بنیاد محض ظن اور بعض قرائن پر ہوتی ہے، حالانکہ ہم بتا چکے ہیں کہ اس سلسلہ میں محض گمان کی کوئی بھی قیمت نہیں، اور نہ وہ کارآمد ہو سکتا ہے، لہذا جب تک وہ لوگ کوئی شافی دلیل اور سند متصل پیش نہ کریں، تو ہمارے لئے محض انکار کرنا کافی ہو گا، دلیل پیش کرنا اصولاً اُن کی ذمہ داری ہے نہ کہ ہماری، مگر ہم تبرع کے درجہ میں گفتگو کرتے ہیں، لیکن ہر کتاب کی سند پر گفتگو کرنا چونکہ موجب تطویل ہے۔ ہم صرف بعض کتابوں

کی سند پر کلام کریں گے، ملاحظہ ہو:-

جس تورات کو موسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اس کی نسبت کوئی ایسی سند موجود نہیں ہے کہ یہ اُن کی تصانیف میں سے ہے، جس کے چند دلائل ہمارے پاس موجود ہیں۔

موجودہ تورات حضرت موسیٰ کی کتاب نہیں

اس کے دلائل

باب ۲ مغالطہ نمبر ۴ کے جواب میں بسلسلہ بیان نمبر ۱ و ۲ و ۳ ہم نے پہلی دلیل | ان کتابوں میں تحریف کے مستبعد نہ ہونے کے دلائل بیان کرتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ یوشیا بن آمون سے پہلے تورات کا تواتر منقطع ہے، اور وہ نسخہ جو اس کے تخت نشین ہونے کے ۱۸ سال بعد ملا ہے، اس پر یقین کے ساتھ بھروسہ نہیں کیا جاسکتا پھر غیر معتبر ہونے کے علاوہ وہ نسخہ بھی غالباً

یہوداہ کا بادشاہ جو حضرت ارمیاہ علیہ السلام اور حضرت صفنیاہ
Josiah
علیہ السلام کے زمانہ میں ہوا ہے ۱۲ تقی
۲۵۲۔ سلاطین کے باب ۲۲ و ۲۳ میں پوری تفصیل سے اس نسخہ کے ملنے کا واقعہ مذکور ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یوشیاہ سے بہت پہلے سے تورات کا کوئی وجود نہ تھا، پھر ایک کاہن خلیقاہ کو ہیکل صاف کرتے وقت یہ کتاب مل گئی، اور بادشاہ نے اسے اپنا دستور العمل بنالیا، ۲۳ میں تصریح ہے کہ قاضیوں کے زمانہ کے بعد سے ”عید فصیح“ دیکھئے حاشیہ ص ۴۴ اس کتاب کے مطابق نہیں منائی گئی تھی، اس کتاب کے ملنے پر منائی گئی، غور فرمائیے کہ صرف ایک کاہن کے قول کو ایک خدائی صحیفہ کی بنیاد قرار دیا جا رہا ہے، جس کا ماننے والا ساہا سال تک کوئی نہیں رہا ۱۲ تقی

بخت نصر کے حادثہ سے پہلے ضائع ہو چکا، اس حادثہ میں نہ صرف تورات محدود ہو گئی، بلکہ ہدایت کی تمام کتابیں صفحہ ہستی سے مٹ گئیں، اور پھر جب عزرائل نے عیسائیوں کے نظریہ کے مطابق ان کتابوں کو لکھا تو وہ نسخہ بھی اور اس کی تمام نقول انیتوکس کے حادثہ میں ضائع ہو گئیں،

دوسری دلیل | تمام اہل کتاب کا مسلک یہ ہے کہ تواریخ کی پہلی اور دوسری کتاب عزرائل علیہ السلام نے بھی اور زکریا پیغمبروں کی اعانت لکھی ہے،

۱۔ بخت نصر جسے بزرگ نصر Nabuchodonosor بھی کہتے ہیں، (تورات میں یہی نام مذکور ہے) بابل کا بادشاہ تھا جس نے یروشلم پر حملہ کر کے اسے بڑی طرح تاخت و تاراج کیا، یہ ایک عذاب تھا جو بنی اسرائیل کی بد اعمالیوں کی بنا پر بھیجا گیا تھا، اور جس کی پیشینگوئیاں کئی انبیاء علیہم السلام نے کی تھیں ۱۲۔
 ۲۔ دیکھتے ۲۔ ایسڈریس ۱۹۔ ۱۰۔ ۱۱۔ ۱۲۔ ایسڈریس جس میں ان کتابوں کے مذاکرات ہونے کا واقعہ مذکور ہے، کیتھولک فرقہ اس کتاب کو اب بھی تسلیم کرتا ہے، اگرچہ پروٹسٹنٹ سرے سے اس واقعہ ہی کا منکر ہے (ہماری کتب مقدسہ، ص ۴۵) لیکن خمیہ کے باب میں جو واقعہ مذکور ہے وہ ایسڈریس کی تائید کرتا ہے، اس سے بوضاحت معلوم ہوتا ہے کہ کتاب تورات ضائع ہو گئی تھی، اور حضرت عزرائل نے لکھ کر پھر سب لوگوں کے سامنے اُسے پڑھا، عجیب بات ہے کہ کیتھولک بائبل Knox Version مطبوعہ ۱۹۶۲ء میں بھی ایسڈریس سے وہ بات ہی حذف کر دیا گیا ہے جس میں یہ واقعہ مذکور ہے، اس نسخہ میں ایسڈریس کی دوسری کتاب تیرھویں باب پر ختم ہو گئی ہے۔ ہمارے پاس اگرچہ ایسڈریس کا اس کے سوا کوئی نسخہ نہیں ہے جس سے وہ عبارت نقل کی جائے لیکن خود عیسائی حضرات کی کتابوں میں اس کا اعتراف کیا گیا ہے کہ ایسڈریس میں یہ واقعہ موجود ہے، چنانچہ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں ہے: "یقینی طور پر ہم ۲۔ ایسڈریس ۱۲: ۲۰ تا ۲۱ میں یہ روایت پڑھتے ہیں کہ تورات چونکہ جل چکی تھی، اس لئے عزرائل نے اُسے دوبارہ لکھا" (ص ۵۰۱، ج ۳، مقالہ بائبل بحث ہمد قدیم فہرست مسئلہ، پادری جی ٹی مینلی نے بھی بائبل مہیڈنگ میں ایسڈریس کے حوالہ یہ روایت نقل کی ہے (ص ۱۵۳)۔
 ۱۵۔ انیتوکس چارم اپی فینس Antiochus ایشائے قریب کا شہر بادشاہ جس نے مسیح ق م میں یروشلم پر قبضہ کر کے اس کو تباہ کر دیا تھا، اور ایک مرتبہ پھر بخت نصر کی یاد تازہ ہو گئی تھی، مکابیوں کی پہلی کتاب میں اسے حملہ کی داستان اور تورات کے جلا جانے کا واقعہ تفصیل سے موجود ہے (دیکھئے ۱۔ مکابیوں ۱: ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵

مگر تینوں پنمیروں کا کلام سفر اول کے باب ۸ میں بنیامین کی اولاد بیان کرتے ہوئے ایک دوسرے کے خلاف اور متناقض ہے، نیز انھوں نے اس بیان میں اس مشہور توریت کی بھی دواعتبار سے مخالفت کی ہے، اول تو ناموں کے سلسلہ میں، دوسرے شمار اور گنتی میں، کیونکہ باب سے تو معلوم ہوتا ہے کہ بنیامین کے تین بیٹے تھے، اور باب سے پتہ چلتا ہے کہ بیٹے پانچ ہیں، اور تورات سے ظاہر ہوتا ہے کہ تین ہیں، نیز علماء اہل کتاب کا متفقہ فیصلہ ہے کہ سفر اول کا بیان غلط ہے، اور غلطی میں پڑنے کا منشاء یہ بیان کیا ہو کہ عزرائل نے... بیٹوں اور پوتوں میں امتیاز نہیں کیا، اور نسب کے وہ اوراق جن کے انھوں نے نقل کیا ہے وہ ناقص تھے،

اور ظاہر یہ ہے کہ یہ تینوں پنمیر توریت کے متبع تھے، اب اگر موسیٰ والی تورات یہی مشہور توریت مانی جائے تو یہ تینوں پنمیر نہ تو اس کی مخالفت کرتے اور نہ غلطی میں مبتلا ہوتے، اور نہ عزرائل کے لئے یہ بات ممکن تھی کہ وہ توریت کو ترک کر کے ناقص اوراق پر بھروسہ کرتے،

اسی طرح اگر وہ توریت جس کو عزرائل نے دوبارہ الہام سے لکھا تھا عیسائیوں کے خیال کے مطابق یہی مشہور توریت ہوتی تو وہ اس کی مخالفت نہ کرتے، معلوم ہوا کہ مشہور

۱۷ بنیامین یہ ہیں: بالع اور بکر اور یدیعیل، یہ تینوں (۱- تواریخ ۶: ۱۷)

۱۸ اور بنیامین سے اس کا پہلو ٹھا بالع پیدا ہوا، دوسرا شبیل، تیسرا انرخ، چوتھا لوتہ اور پانچواں

رفا (۱: ۸)

۱۹ بنیامین یہ ہیں: بالع اور بکر اور شبیل اور جیرا اور نعمان، انخی، اور رودس، میثم اور حقیق،

اور ارد (پیدائش ۲۱: ۲۱) تقی

توریت وہ توریت ہرگز نہیں ہے جس کو موسیٰؑ نے تصنیف کیا تھا، اور نہ وہ تورات ہے جس کو عزرائیلؑ نے لکھا تھا، بلکہ یہی بات یہ ہے کہ وہ ان قصوں اور کہانیوں کا مجموعہ ہے جو یہودیوں میں مشہور تھیں، اور ان کے علماء نے ان کو اس مجموعہ میں روایات کی تنقید کے بغیر جمع کر دیا تھا، ان عینوں پیغمبروں کے غلطی میں مبتلا ہونے سے یہ بات بھی معلوم ہو گئی ہے کہ اہل کتاب کے نزدیک پیغمبر جس طرح کبار کے صدور سے معصوم نہیں ہیں، اسی طرح تحریر و تبلیغ میں غلطی کرنے سے بھی پاک نہیں ہیں، مزید تفصیل آپ کو باب نمبر ۲ کے مقصد اول کے شاہد نمبر ۱۶ میں معلوم ہوگی،

جو شخص بھی کتاب حزقیالؑ کے باب ۲۵ و ۲۶ کا مقابلہ کتاب گنتی تیسری دلیل کے باب ۲۸ و ۲۹ کے ساتھ کرے گا تو دونوں کو احکام میں ایک دوسرے کے مخالف پائے گا، اور یہ بات موٹی سی ہے کہ حزقیالؑ تورات کے تابع تھے اب اگر حزقیالؑ کے زمانہ میں یہی مشہور تورات تھی تو وہ اس کی احکام میں مخالفت کیونکر کر سکتے تھے؟

اسی طرح توریت کے اکثر مقامات پر یہ مضمون پایا جاتا ہے، کہ بیٹے اپنے بڑوں کے گناہوں میں عین پشتوں تک ماخوذ ہوں گے، اور کتاب حزقیالؑ کے باب ۱۸، آیہ ۲۰ میں یوں کہا گیا ہے کہ جو جان گناہ کرتی ہے وہی مرے گی، بیٹا باپ کے گناہوں کا بوجھ نہ اٹھائے گا، اور نہ باپ بیٹے کے گناہ کا بوجھ، صادق کی صداقت اپنے لئے ہوگی اور شریر کی شرارت شریر کے لئے ہوگی۔“

اس آیت سے معلوم ہوا کہ کوئی شخص کسی دوسرے کے جرم میں ماخوذ نہ ہوگا، اور

لہٰذا ان دونوں مقامات پر قربانی کے احکام کا تذکرہ ہو، اور اس کی تفصیلات میں اختلاف ہے ۱۲ تفسیر

یہی حقیقت ہے چنانچہ قرآن نے کہا ہے :-

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ

اور کوئی بوجھ اٹھانے والی جان دوسری

(نجم)

جان کا بوجھ نہ اٹھائے گی ۔

چوتھی دلیل

جو شخص کتاب زبور اور کتاب نحمیا و کتاب ارمیا و کتاب حزقیال کا

مطالعہ کرے گا اس کو اس امر کا یقین ہو جائے گا کہ گزشتہ دور میں

تصنیف کا طریقہ وہی تھا جو آج مسلمانوں کے یہاں رائج ہے، کہ اگر مصنف خود اپنے

ذاتی حالات اور اپنے چشم دید واقعات لکھتا تو دیکھنے والے کو پتہ چل جاتا تھا کہ وہ اپنی

حالات یاد رکھے ہوئے واقعات بیان کر رہا ہے، اور یہ بات توریت کے کسی بھی مقام

پر نظر نہیں آتی، بلکہ یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا لکھنے والا موسیٰؑ کے علاوہ کوئی دوسرا

شخص ہے، جس نے یہودیوں میں پھیلے ہوئے قصے کہانیوں کو اس کتاب میں جمع کر کے

ان اقوال میں یہ امتیاز قائم کر دیا کہ اس کے خیال میں جو خدا یا موسیٰؑ کا قول تھا،

اس کو قال اللہ اور قال موسیٰؑ کے تحت میں درج کر دیا، اور موسیٰؑ کو تمام مقامات

پر غائب کے صیغہ سے تعبیر کرتا ہے،

اور اگر توریت موسیٰؑ کی تصنیف ہوتی تو موسیٰؑ علیہ السلام اپنی ذات کے لئے

مشکل کا صیغہ استعمال کرتے، اور کچھ نہیں تو کم از کم کسی ایک ہی جگہ ایسا ہوتا، کیونکہ مشکل

کے صیغہ سے تعبیر کرنا اس کتاب کا پایہ اعتبار بڑھا دیتا، اور جس بات کی شہادت ظاہر

حال دیتا ہو اس کا اعتبار کرنے کے سوا چارہ نہیں، جب تک اس کے خلاف کوئی قوی

دلیل موجود نہ ہو، اور جو شخص ظاہر کے خلاف دعویٰ کرے گا اس کے ثبوت کی ذمہ داری

اسی پر ہوگی،

پانچویں دلیل

بعض جملوں اور بعض ابواب کی نسبت یہ دعویٰ کرنے کی مجال کسی شخص کو نہیں ہو سکتی کہ یہ موسیٰ کا کلام ہے، بلکہ بعض جملے تو بڑی وضاحت

سے اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اس کتاب کا مولف یقیناً داؤد علیہ السلام سے پہلے نہیں ہو سکتا، بلکہ یا ان کا معاصر ہو سکتا ہے، یا اُن کے بعد میں ہونے والا، عنقریب آپ کے سامنے وہ جملے اور ابواب باب کے مقصد ۲ میں انشاء اللہ تفصیل آئی والے ہیں، مسیحی علماء محض ظن و قیاس سے کہتے ہیں کہ یہ جملے بعد میں کسی پیغمبر نے بڑھادیئے ہیں مگر یہ بات قطعی باطل ہے، کیونکہ اُن کے پاس اس دعوے کی کوئی دلیل نہیں، کسی نبی نے بھی اپنی کتاب میں یہ نہیں لکھا کہ میں نے فلاں کتاب کے فلاں باب میں فلاں جملہ بڑھایا ہے، یا یہ کہ فلاں پیغمبر نے اضافہ کیا ہے، یہ بات کسی دوسری قطعی دلیل سے بھی ثابت نہیں ہے، اور صرف ظن و قیاس اس سلسلہ میں مفید اور کارآمد نہیں، اب جب تک ان جملوں اور ابواب کے الحاقی ہونے کی کوئی دلیل قطعی نہ ہو یہ اس بات کی دلیل ہیں کہ یہ کتاب موسیٰ کی تصنیف نہیں ہے،

خلاصہ سیف المسالین کے مصنف نے انسائیکلو پیڈیا بینی حبلہ

چھٹی دلیل

سے نقل کیا ہے:-

”ڈاکٹر سکندر کیدس نے جو معتبر عیسائی فاضل ہے، جدید بائبل کے دیباچہ میں کہتا ہے کہ:-“

تجھ کو مخفی دلائل کے ذریعہ تین باتیں قطعی طور پر معلوم ہوتی ہیں: (۱) موجودہ تورات موسیٰ علیہ السلام کی تصنیف نہیں ہے (۲) یہ کتاب کنعان یا اورشلیم میں لکھی گئی ہو، یعنی عہد موسیٰ میں، جب کہ بنی اسرائیل صحرائی زندگی گزار رہے تھے نہیں

لکھی گئی، اس کی تالیف راؤ علیہ السلام سے پہلے اور حزقیالؑ کے بعد ثابت نہیں ہوتی، بلکہ اس کی تالیف کا زیادہ موزوں زمانہ سلیمان علیہ السلام کا دورہ یعنی ولادت مسیح سے ایک ہزار سال قبل یا اس کا قریبی زمانہ، یعنی وہ دور جس میں ہومر شاعر بھی موجود تھا، غرض اس کی تالیف موسیٰ علیہ السلام کی وفات سے ۵۰۰ سال بعد ہی ثابت ہوتی ہے۔

فاضل ٹورٹن جو ایک عیسائی عالم ہے کہتا ہے کہ :-

ساتویں دلیل

”توریت کے محاورات میں اور عہد عتیق کی ان دوسری کتابوں کے محاورات میں جو اس زمانہ میں لکھی گئی ہیں جب کہ بنی اسرائیل بابل کی قید سے آزاد ہو چکے تھے، کوئی معتد بہ اور کافی فسرق اور تفاوت نظر نہیں آتا، حالانکہ دونوں کے زمانہ میں ۹۰۰ سال کا طویل فصل ہے، اور تجربہ شہادت دیتا ہے کہ زمانہ کے اختلاف سے زبان میں تفاوت ہو جاتا ہے، مثلاً انگریزی زبان کو لیجئے، موجودہ زمانہ کی انگریزی کا موازنہ اگر آپ اُس انگریزی سے کریں جو ۴۰۰ سال قبل رائج تھی تو بڑا زبردست فرق نظر آئے گا، ان کتابوں کے محاورات کے درمیان کوئی معتد بہ فرق نہ ہونے کی وجہ سے فاضل یوسلن نے جن کو عبرانی زبان میں مہارت تامہ ہے قیاس کیا ہے کہ یہ سب کتابیں ایک ہی دور میں لکھی گئی ہیں۔“

حقیقت بھی یہی ہے کہ زمانہ کے اختلاف سے زبان کا مختلف ہو جانا ایسا بدیہی اور

ظاہر ہے کہ ٹورٹن اور یوسلن کے فیصلہ کی تائید کرنے کے سوا چارہ نہیں،

کتاب استنار باب ۲، آیت ۵ میں ہے کہ :-

آٹھویں دلیل

”اور وہیں خداوند اپنے خدا کے لئے پتھروں کا ایک مذبح بنانا

اور لوسے کا کوئی آذرا ان پر نہ لگانا۔

پھر آیت ۸ میں ہے:-

اور ان پتھروں پر اس شریعت کی سب باتیں صاف صاف لکھنا۔

یہ آٹھویں آیت فارسی تراجم نسخہ مطبوعہ ۱۲۳۵ھ میں یوں ہے کہ:-

دبر آں سنگہا تمامی کلمات این توراۃ

بحسن وضاحت تحریر نما۔

کو حسن وضاحت سے لکھ۔

اور ۱۲۳۵ھ کے فارسی ترجمہ کے الفاظ یہ ہیں:-

دبر آں سنگہا تمامی کلمات این توراۃ

را بخط روشن بنویس،

کلمات کو روشن خط میں لکھ۔

اور کتاب یوشع کے آٹھویں باب میں مذکور ہے کہ:-

”اس نے حضرت موسیٰ کے حکم کے مطابق ایک مذبح بنایا، اور اس پر توراۃ لکھی“

چنانچہ اسی باب کی بتیسویں آیت فارسی ترجمہ مطبوعہ ۱۲۳۹ھ میں اس طرح ہے:-

در انجا تورات را بر آں سنگہا نقل

نمود کہ آں را پیش روی بنی اسرائیل

بہ تحریر آورد۔

تحریر میں لاتے۔

اور فارسی ترجمہ مطبوعہ ۱۲۳۵ھ میں یہ الفاظ ہیں:-

در انجا بر آں سنگہا نسخہ تورات موسیٰ

را کہ در حضور بنی اسرائیل نوشتہ بود

نوشت،

لکھا گیا تھا، لکھا۔

ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ توریت کا حجم ایسا تھا کہ اگر اس کو ستربان گاہ کے پتھر پر لکھا جاتا تو اُس کے ستربان گاہ کافی ہوتی، اب اگر توریت کا مصداق یہ پانچوں کتابیں ہیں تو ایسا ممکن نہیں ہو سکتا تھا، اس لئے بظاہر وہی بات جو ہم نمبر ۴ میں بیان کر چکے ہیں پادری ٹورٹن کہتا ہے کہ :-

نویں دلیل

”موسیٰ کے زمانہ میں کتابت اور لکھنے کا رواج نہیں تھا۔“

اس دلیل سے اس کا مقصود یہ ہے کہ جب اُس عہد میں لکھنے کا رواج نہیں تھا، تو موسیٰ ان پانچوں کتابوں کے کاتب نہ ہوئے، اگر تاریخ کی معتبر کتابیں اس کی موافقت کریں تو اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ دلیل بڑی وزن دار اور قوی ہے، اس کی تائید وہ مضمون کرتا ہے جو تاریخ انگریزی مطبوعہ ۱۸۵۰ء مطبع چارلس ڈالین لندن میں اس طرح ہے کہ :-

”گذشتہ زمانہ میں لوگ لوسے یا پتیل یا ہڈی کی سلائی سے تانبے یا لکڑی یا موم پر نقش کیا کرتے تھے، پھر مصریوں نے اُن تختیوں کے عوض درخت پیرس کے پتے استعمال کرنے شروع کئے، پھر شہر بکس میں وصلی ایجاد کی گئی، اور آٹھویں صدی میں رُوتی اور ریشم سے کاغذ تیار کیا گیا، پھر تیرھویں صدی عیسوی میں کپڑے سے کاغذ بنا، اور قلم کی ایجاد ساتویں صدی کی ہے۔“

اس مورخ کی تحقیق اگر عیسائیوں کے نزدیک صحیح ہو تو ٹورٹن کی کلام کی تائید میں کوئی بھی شک نہیں رہتا،

دسویں دلیل

اس میں بکثرت اغلاط موجود ہیں، اور موسیٰ علیہ السلام کا کلام اس عیب سے بلند بالا ہونا چاہئے، جیسا کہ پیدائش باب ۱، آیت ۱۵

میں ہے کہ :-

پس یہ لیتا کے وہ بیٹے ہیں جو اُس کے پیٹ سے نہرِ سورِ یہ کے درمیان پیدا ہوئے
اور دینا اس کی بیٹی بھی، لہذا اس کے مکمل بیٹا بیٹی ملا کر ۲۳ نفوس تھے۔
اس میں ۳۳ کا بیان غلط ہے، صحیح ۳۴ ہے، اس کے غلط ہونے کا اعتراض اُن کے مشہور
مفسر ہارسلے نے بھی کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ :-

”اگر تم ناموں کو شمار کرو اور دینا کو شامل کرو تو ۳۴ ہو جائیں گے، اور اس کا
شامل کرنا ضروری ہے، جیسا کہ زلفا کی اولاد کی تعداد سے معلوم ہوتا ہے، کیونکہ
سارا بنت آشیر منجملہ ۱۶ کے ایک ہے۔“

اسی طرح کتاب استنار کے باب ۲۳ آیت ۲ میں یوں کہا گیا ہے کہ :-

”کوئی حرام زادہ خداوند کی جماعت میں داخل نہ ہو، دسویں پشت تک اس
کی نسل میں سے کوئی خداوند کی جماعت میں آنے نہ پائے،

یہ بھی غلط ہے، در نہ لازم آئے گا کہ داؤد علیہ السلام اور ان کے تمام آباء و اجداد قارض تک^{۵۳}

۵۳ یہ اصل عربی نسخہ کا ترجمہ ہے، موجودہ اردو اور انگریزی نسخوں میں اس طرح ہے :- ”یہ سب یعقوب کے
اُن بیٹوں کی اولاد ہیں جو فدائِ آرام میں لیتا سے پیدا ہوئے، اسی کے بطن سے اس کی بیٹی دینہ تھی، یہاں تک تو اس
کے سب بیٹے بیٹیوں کا شمار ۲۳ ہوا (پیدائش ۴۶) ۱۲

۵۴ یعنی لیتا کی اولاد بیان کرنے کے بعد اُپلی آیت میں زلفہ (جو حضرت یعقوب کی باندی تھیں) کی اولاد کا
ذکر جو جن کی تعداد ۱۶ بیان کی گئی ہے۔ یہ سولہ کی تعداد اسی وقت پوری ہوتی ہے جب کہ لڑکوں کے ساتھ ایک
لڑکی سارا کو شمار کیا جائے، اور جب یہاں لڑکی کو شمار کیا گیا تو لیتا کی اولاد میں بھی شمار کیا جانا چاہئے۔ اس کے
علاوہ خود قدرت کے الفاظ یہ ہیں :- ”اس کے سب بیٹے بیٹیوں کا شمار ۲۳ ہوا“ اس میں تصریح ہے کہ بیٹوں کو
شامل کیا گیا ہے ۱۲

۵۵ قارض حضرت داؤد کے نوں باپ (۱) توابع ۲، ۳ تا ۱۶، ۱۲ نقل

خدا کی جماعت میں داخل نہ ہوں، اس لئے کہ فارض ولد الزنا ہے، جس کی تصریح پیدائش کے باب ۳۸ میں موجود ہے، اور داؤد علیہ السلام اس کی دسویں پشت میں ہیں، جیسا کہ انجیل متی و لوقا میں مسیح کے نسب نامہ میں مذکور ہے، حالانکہ داؤد علیہ السلام اپنی جماعت کے رئیس اور زبور کے مطابق خدا کے نوجوان بیٹے ہیں،

اسی طرح جو کچھ سفر خروج باب ۱۲ آیت ۴۰ میں مذکور ہے، باب ۲ مقصد ۳ شاہد نمبر ۱ میں آپ کو معلوم ہو گا کہ یہ بھی یقیناً غلط ہے،

بنی اسرائیل کی مردم شماری میں غلطی؛

گنتی کے باب میں ہے کہ :-

”سو بنی اسرائیل میں سے جتنے آدمی بیس برس یا اس سے اوپر کی عمر کے اور جنگ کرنے کے قابل تھے وہ سب گئے گئے، اور ان سپہوں کا شمار چھ لاکھ تین ہزار پچاس پچاس تھا، پر لادسی اپنے قبیلہ کے مطابق ان کے ساتھ نہیں گئے گئے،“ (۱: ۴۵ تا ۴۷)۔
ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ جنگ کے لائق لوگوں کی تعداد چھ لاکھ سے زیادہ تھی اور لادسی کی اولاد مطلق مرد ہوں یا عورت، اسی طرح باقی تمام خاندانوں کی عورتیں اور وہ مرد جن کی عمریں بیس سال سے کم تھیں وہ اس شمار سے خارج ہیں، اگر ہم شریک نہ کئے جائیوے مردوں عورتوں کو شریک ہونے والوں کے ساتھ ملا لیں تو مجموعی تعداد پچاس لاکھ سے

۱۵ آیات ۱۹ تا ۲۷ اور ۲۹ تا ۳۰ ت

۱۵ تلم نمونوں میں ایسا ہی ہے، مگر یہ بظاہر مصنف کا تسامح ہے، صحیح یہ ہے کہ آپ اس کی نویں پشت میں

ہیں، جیسا کہ متی (۱: ۱۶) اور لوقا (۳: ۳۱) اور انجیل (۱: ۱۶) سے معلوم ہوتا ہے ۱۲ تھی

کم نہ ہوگی، حالانکہ یہ چند وجود سے غلط ہے،

پہلی وجہ | بنی اسرائیل کے مردوں عورتوں کی مجموعی تعداد مصر میں آنے کے وقت
کُل ۱۰ تھی، جس کی تصریح کتاب پیدائش باب ۴۶ آیت ۲۷ میں

اور سفر خروج باب آیت ۵ میں، اور سفر استثنا باب ۱۰ (آیت ۲۲ میں موجود ہے)، اور
عنقریب آپ کو باب ۲ مقصد ۳ شاید میں یہ بات معلوم ہو جائے گی، کہ بنی اسرائیل کے
مصر کے قیام کی مدت کُل ۲۱۵ سال ہیں، اس سے زیادہ قطعی نہیں ہے، ادھر سفر خروج
باب میں یہ تصریح کی گئی ہے کہ اُن کے مصر سے نکلنے سے ۸۰ سال قبل اُن کے بیٹے قتل
کئے جاتے تھے، اور لڑکیاں چھوڑ دی جاتی تھیں،

ان تین باتوں کے جان لینے کے بعد، یعنی داخلہ مصر کے وقت کی تعداد، اُن کی مدت
قیام مصر، اور اُن کے بیٹوں کا قتل کیا جانا، اب سنئے کہ اگر قتل کے واقعہ سے قطع نظر بھی کر لی
جائے، اور یہ بات فرض کر لی جائے کہ وہ ہر پچیس برس میں دو گئے ہو جاتے تھے تب بھی

۱۷ چنانچہ بعض لوگوں نے اس کی غلطی کو تسلیم کیا ہے، ویئر Wiener کہتا ہے کہ شاید جب
کاتبوں اور فقیہوں نے ان اعداد کو نقل کیا تو کچھ غلطی واقع ہو گئی۔ جی ٹی مینلی نے اس قول کو زیادہ قابل قبول
قرار دیا ہے، مگر پھر مذہبی تعصب میں آکر یہ بھی لکھا ہے کہ یہاں بنی اسرائیل کے ساتھ کچھ فوق الفطرت عناصر
معجزانہ طور سے شامل ہو گئے تھے، اس لئے یہ تعداد کچھ بعید نہیں ہے (بائبل ہیمنڈ بکریل کتاب استثنا، لیکن
مصنف نے آگے جو دلائل دیئے ہیں اُن کے (بالخصوص پانچویں وجہ کے) پیش نظر اس تاویل کی کوئی گنجائش نہیں
پھر یہ تاہم سمجھ سے باہر ہے کہ اگر معجزانہ طور سے بنی اسرائیل کی تعداد بڑھنا تھی تو اس کی ضرورت قیام مصر کے
دوران زیادہ تھی، اُس وقت تو تعداد بڑھانی نہ گئی، اور مصر سے نکلنے کے بعد جب کوئی دشمن سامنے نہ تھا اس وقت
بڑھانی گئی، جبکہ کثرت تعداد ایک ناقابل برداشت بوجھ بننے کے سوا کچھ فائدہ مند نہ تھی ۱۲ تعنی

۱۷ کتاب ہذا، ص ۶۹۷ و ۶۹۸ ، ۱۳ آیت ۱۶ ،

اس غرصہ میں چھتیس ہزار تک نہیں پہنچ سکتے، چہ جائے کہ یکپیس لاکھ بن جائیں، اور اگر قتل کے واقعہ کا بھی لحاظ کیا جائے تب تو اس کا عقلاً متمنع ہونا نہایت واضح ہے،

یہ بات قطعی بعید تر ہے کہ اُن کی تعداد ۷ سے بڑھ کر اتنی زیادہ ہو جائے
دوسری وجہ اور ان کے مقابل قبطنی لوگ باوجود اپنے راحت و آرام و بے فکری کے ان کی طرح نہ بڑھیں، یہاں تک کہ مصر کا بادشاہ اُن پر بدترین ظلم کرتا رہے، حالانکہ وہ سب یکجا گروہ کی صورت میں موجود ہیں، نہ ان کی جانب سے بغاوت واقع ہوتی ہے، اور نہ وہ جلا وطنی اختیار کرتے ہیں، جب کہ چوپائے بھی اپنی اولاد کی حمایت کے لئے تیار اور مستعد ہو جاتے ہیں،

سفر خروج باب ۱۳ سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کے ہمراہ بے شمار جانور
تیسری وجہ گائے، بکری بھی تھے، اس کے باوجود اسی کتاب میں تصریح کی گئی ہے کہ انھوں نے ایک شب میں دریا کو پار کر لیا تھا، اور یہ لوگ روزانہ سفر کرتے تھے، اور کوچ کرنے کے لئے اُن کو موسیٰ علیہ السلام کا زبانی حکم کافی ہوتا تھا،

یہ بات ضروری ہے کہ ان کی قیامگاہ کافی بڑی اور کشادہ ہو جو ان کی اور
چوتھی وجہ اُن کے جانوروں کی کثرت کے لحاظ سے کافی ہو، حالانکہ طور سینا کے ارد گرد کا علاقہ، اسی طرح ایلیم میں بارہ چشموں کا مقام اس قدر وسیع نہیں ہے، پھر یہ دونوں تنگ مقامات اُن کی کثرت کے لئے کیونکر کافی ہو گئے؟

۱۵ آیت ۲۹ ۵۲ ۱۹ ۵۳ ۱۳ ۵۲ ۱۴

۵۵ ایلیم Elim بحرا حمر کے کنارے ایک مقام جہاں پانی کے ۱۲ چشمے اور کھجور کے ستر

درخت تھے اور بقول تورات حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے نجات پا کر پڑاؤ ڈالا تھا (خروج ۱۵) ت

پانچویں وجہ

کتاب استثناء باب ۲، آیت ۲۲ میں ہے کہ۔

”اور خداوند تیرا خدا ان قوموں کو تیرے آگے سے تھوڑا تھوڑا کر کے دفع

کرے گا، تو ایک ہی دم اُن کو ہلاک نہ کرنا، ایسا نہ ہو کہ جنگلی درندے بڑھ کر تجھ پر

حملہ کرنے لگیں۔“

ادھر یہ ثابت ہے کہ فلسطین کا طول تنہیاً دوسو میل اور چوڑائی تقریباً نوٹھ میل تھی،

جس کی تصریح مرشد الطاہرین کے مصنف نے اپنی کتاب کی فصل ۱۰ ص ۱۵ مطبوعہ سنہ ۱۲۸۷ھ

شہر فائز میں کی ہے، اب اگر واقعی بنی اسرائیل کی تعداد پچیس لاکھ تھی، اور یہ لوگ وہاں کے

باشندوں کی ہلاکت کے بعد ایک دم فلسطین پر مسلط اور قابض بھی ہو گئے تھے، تو سمجھیں

نہیں آتا کہ جانوروں کی تعداد پھر کیونکر بڑھ سکتی ہے، کیونکہ اگر پچیس لاکھ سے بھی کم آبادی ہو

تو وہ اتنے چھوٹے حصہ کو آباد کرنے کے لئے جس کی پیمائش مذکور ہو چکی، کافی ہو سکتی ہے،

چنانچہ ابن خلدون نے بھی اپنے مقدمہ تاریخ میں اس اتحاد کا انکار کیا ہے، اور یہ بھی

۱۵ عربی اور انگریزی ترجموں میں مذکورہ عبارت کے اندر جنگلی درندے بڑھ کر تجھ پر حملہ کرنے لگیں کے

جگہ جنگلی درندے تجھ پر زیادہ ہو جائیں (نلاکٹر علیک دواب البر اور انگریزی "Lest the beasts

of the field increase upon thee" کے الفاظ ہیں، جس سے عبارت مذکورہ کا مطلب یہ نکلتا ہے

کہ اگر تمام لوگوں کو یکدم ہلاک کر دیا گیا، تو فلسطین کی آبادی تھوڑی رہ جائے گی، اور درندوں کی کثرت سے ان کو

انسان پونچھے کا اندیشہ ہوگا، مصنف فرماتے ہیں کہ اگر یہ پچیس لاکھ انسان ایک دم فلسطین پر قابض ہو گئے تھے

تو درندوں سے اُن کو کیسے خطرہ پیش آ سکتا ہے؟ ۱۲

۱۵ صفحہ ۱۳ بیروت ذکر مغالط المورخین و علامہ ابن خلدون نے اس پر اور بھی دلائل دیئے ہیں جن

میں سے ایک، راہم یہ ہو کہ اس قدر زبردست لشکر (قدیم طریق جنگ کے مطابق) جنگ کرنے پر قادر نہیں ہو سکتا، کیونکہ

ایک صف کو دوسری صف کا علم نہ پہنچا، ایرانیوں کی سلطنت بنی اسرائیل سے زیادہ عظیم تھی، جیسے کہ اُن پر بنت نصر

کے حملہ کے واقعہ سے معلوم ہوتا ہے اُن کے علاقے بھی وسیع تھے، مگر کبھی ایرانیوں کا لشکر اس تعداد کو نہیں پہنچا

۱۲ اس سبب بڑی تعداد قادیسیہ کے موقع پر ایک لاکھ بیس ہزار تھی، پھر بنی اسرائیل کے لڑنے والوں کی تعداد چھ لاکھ سے زیادہ کیسے مان لیا جائے؟ ۱۳

کہا ہے کہ محققین کے قول کے مطابق موسیٰ اور اسرائیلؑ میں صرف تین پشت کا فیصلہ ہے، اور یہ بات بعید ہے کہ صرف چار پشتوں میں ان کی نسل اس قدر پھیل جائے کہ اُس تعداد کو پہنچ جائے،

لہذا سچی بات یہ ہے کہ بنی اسرائیل کی تعداد اُسی قدر تھی جس قدر ۲۱۵ سال کی مدت میں بڑھ سکتی ہے، بالخصوص اس حالت میں کہ شاہ مصر اُن پر بے پناہ مظالم کر رہا تھا اور موسیٰ علیہ السلام کا زبانی حکم روزانہ ان کی روانگی کے لئے کافی ہوتا تھا، اور طور سینا کے ارد گرد کا علاقہ اور ایلیم کا علاقہ اُن کے اور ان کے جانوروں کے قیام کے لئے کافی اور وسیع تھا، اور اگر ان کا تسلط اور قبضہ فلسطین پر یکدم تسلیم کر لیا جائے تو ان کی تعداد فلسطین کی آبادی کے لئے ناکافی ماننا پڑے گی۔

ان مذکورہ دلائل سے روزِ ردِ شن کی طرح یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اہل کتاب کے پاس اس بات کی کوئی سند نہیں ہے کہ پانچوں کتابیں موسیٰ علیہ السلام کی تصنیف کردہ ہیں، پھر جب تک اُن کی طرف سے کوئی سند پیش نہیں کی جاتی ہم پر اُن کتابوں کو تسلیم کرنا واجب واجب نہیں، بلکہ ہمارے لئے انکار اور رد کر دینے کی پوری گنجائش ہے،

کتاب یوشع کی حیثیت

توریت جو اسرائیلی مذہب کی اصل اور جڑ ہے، جب اُس کا یہ حال ہے تو کتاب یوشع جو توریت کے بعد دوسرے نمبر پر شمار ہوتی ہے، اب اس کا حال سنئے کہ آج تک

۱۔ سب نسخوں میں "ثلاثہ" کا لفظ ہے، مگر مقدمہ ابن خلدون میں چار پشتوں کا ذکر ہے، موسیٰ بن عمران

بن یعقوب بن قاہر بن لادی بن یعقوب، اور چار ہی صحیح ہے، ۲۔ نقلی

یقین کے ساتھ اس کے مصنف ہی کا پتہ نہیں چلتا، نہ تصنیف کا زمانہ معلوم ہوتا ہے، اس سلسلہ میں عیسائیوں کے پانچ قول ہیں، جر بارڈ اور ڈیوڈی بیوٹ و پیٹرک اور ٹاملاٹن اور ڈاکٹر کرمی کی رائے یہ ہر کہ یہ یوشع علیہ السلام کی تصنیف ہے،

ڈاکٹر لائٹ فٹ کہتا ہے کہ یہ فیخاس کی تصنیف ہے،
کالون کا یہ خیال ہے کہ یہ عازار کی تصنیف کردہ ہے،
وانٹل کہتا ہے کہ یہ ہیل علیہ السلام کی تصنیف ہے،
ہنری کا بیان ہے کہ یہ ارمیا علیہ السلام کی تصنیف ہے،

ملاحظہ کیجئے، کس قدر شدید اختلاف ہے، حالانکہ یوشع علیہ السلام اور ارمیا کے درمیان تخمیناً ۸۵۰ سال کا فاصلہ ہے، اس سنگین اختلاف کا پایا جانا اس امر کی بین دلیل ہے کہ یہ کتاب اُن کے نزدیک مستند نہیں ہے، اور ہر کہنے والا اس کے سلسلہ میں اسکل بچہ اور محض قیاسی باتیں کرتا ہے، جس کی بنیاد اس خیال پر ہوتی ہے کہ بعض قرآن اس کے پاس ایسے جمع ہو گئے جن سے پتہ چلا کہ اس کا مصنف فلاں شخص ہو سکتا ہے، بس اتنی چیز اُن کے نزدیک سند بن جاتی ہے،

اور اگر ہم اسی کتاب کے باب ۱۵، آیت ۶۳ کے ساتھ سفر صموئیل ثانی کے باب

۱۵ انسائیکلو پیڈیا میں ہے کہ اس کتاب کا مصنف کوئی ایسا شخص ہے جو اس کتاب میں بیان کردہ واقعات کا عینی شاہد ہے اور وہ شہر اڈیسہ Edessa کا باشندہ ہے اور اس زمانہ میں زندہ ہونا چاہئے، جبکہ اس شہر کو ایرانی جنگ سے سابقہ پڑا (برطانیہ کا، ص ۱۵۴، ج ۱۳)

۱۵ فیخاس Phinehas حضرت ہارون علیہ السلام کے پوتے ہیں، جن کا ذکر گنتی ۲۵ د ۳۹، زبور ۱۳۱، یثوع ۲۲، قضاۃ ۲۸ میں آیا ہے ۱۲ تقی

آیت ۶، ۷، ۸ پر غور کریں، تو یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ یہ کتاب داؤد علیہ السلام کی تخت نشینی کے ساتویں سال سے قبل لکھی گئی ہے، اسی لئے تفسیر مہزی واسکاٹ کے جامعین نے آیت ۶۳ مذکورہ کی شرح میں یہ کہلے ہے کہ ”اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ کتاب یوشع جلوس داؤد علیہ السلام کے ساتویں سال سے قبل لکھی گئی ہے“

اس کے علاوہ اسی کتاب کے باب کی آیت ۱۳ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب کا مصنف بعض واقعات ایسی کتاب سے نقل کرتا ہے جس کے نام کے بارہ میں ترجمہ میں اختلاف ہے، بعض ترجموں میں اس کا نام کتاب الیسیر اور بعض میں کتاب یاعسار اور کسی میں کتاب یاشر، اور عربی ترجموں مطبوعہ ۱۲۲۲ھ میں سفر الابرار اور عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۲۱۱ھ میں سفر المستقیم بتایا گیا ہے، پھر اس منقول عنہ کتاب کا بھی کوئی حال

۱۵ اس لئے کہ سموئیل ۱۵ میں مذکور ہے کہ ”یہودیوں کو جویر و شلیم کے باشندے تھے، بنی یہوداہ نکال دئے گئے، سو یہودی بنی یہوداہ کے ساتھ آج کے دن تک یر و شلیم میں بے ہوئے ہیں“ اور کتاب سموئیل ۱۵: ۱۶ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی تخت نشینی کے ساتویں سال تک یہودی یر و شلیم میں بے ہوئے تھے، کتاب یوشع کا مصنف اسے آج کے دن تک قرار دیتا ہے، تو معلوم ہوا کہ وہ اس زمانہ کا ہے۔ ۱۲

۱۵ اس کے علاوہ اسی کتاب کے ۱۶ میں مذکور ہے کہ کنعانی ”آج تک“ جزر میں بے ہوئے ہیں، اور اسلاطین ۹ میں ہے کہ فرعون نے حضرت سلیمان کے زمانہ میں کنعانیوں کو جزر سے نکال دیا تھا، تو معلوم ہوا کہ کتاب یوشع حضرت سلیمان سے پہلے لکھی گئی ہے، چنانچہ جی، بی، مینلی اس کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ ”۱۵ کا ۲ سموئیل ۵ اور ۱۶ کا ۱- اسلاطین ۹ سے مقابلہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب رجعام کے زمانہ سے پیشتر لکھی جا چکی تھی“ (ہماری کتب مقدسہ، ص ۱۷۶)

۱۵ ایک واقعہ ذکر کر کے لکھا ہے۔ ”کیا یہ آشر کی کتاب میں نہیں لکھا ہے؟“ اس کتاب کا نام یہاں تو آشر مذکور ہے، اور ۲ سموئیل ۸ میں یاشر ہے، اور انگریزی میں Jasher ۱۲ تقی

معلوم نہیں، نہ اس کے مصنف کا پتہ نشان ملتا ہے، نہ تصنیف کا زمانہ ہی کچھ معلوم ہوتا ہے۔
سوائے اس کے کہ سفر صموئیل ثانی، باب آیت ۸^۱ سے یہ ضرور پتہ چلتا ہے کہ اس کا مصنف
داؤد علیہ السلام کا ہمصر ہے، یا اُن کے بعد ہوا ہے، اس بنا پر غالب قیاس یہی ہے کہ
کتاب یوشع کا مؤلف داؤد علیہ السلام کے بعد ہوا ہے، اور چونکہ اکثریت کا قول معتبر
ہوتا ہے، اور وہ بلا دلیل یہ دعویٰ کرتی ہے کہ یہ یوشع علیہ السلام کی تصنیف ہے، اس
لئے ہم دوسرے لوگوں کو نظر انداز کرتے ہوئے اکثریت کی جانب متوجہ ہوتے ہیں، اور
کہتے ہیں کہ یہ دعویٰ چند وجوہ سے باطل ہے،

پہلی اور دوسری وجہ پہلی وجہ تو یہی ہے جو پہلی دلیل کے تحت توریت کے
حال میں بیان ہو چکی ہے، اور دوسری وجہ وہ جو چوتھی دلیل
کے تحت توریت کے حالات میں مذکور ہوئی،

تیسری وجہ اس میں بکثرت ایسی آیتیں موجود ہیں جو یقینی طور پر یوشع علیہ السلام کا
کلام نہیں ہو سکتا، بلکہ بعض جملے اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اس کا
مؤلف یا تو داؤد علیہ السلام کا ہمصر ہے یا پھر اُن کے بعد ہوا ہے، پہلے بھی معلوم ہو چکا
ہے اور آئندہ انشاء اللہ تعالیٰ ناظرین کو باب ۲ مقصد ۲ میں یہ آیات نظر آئیں گی، عیسائی
علماء محض تخمینہ اور اندازہ کی بنا پر کہتے ہیں کہ یہ کسی نبی کے لمحات میں سے ہے، یہ دعویٰ

^۱ اس میں بھی کتاب یا شجر کا حوالہ دے کر ایک مرثیہ ذکر کیا گیا ہے، جو حضرت داؤد

علیہ السلام کی طرف منسوب ہے۔ ۱۲ تفسیر

^۲ یعنی اکثریت کا دعویٰ کہ یہ حضرت یوشع علیہ السلام کی طرف منسوب ہے ۱۲ ت

^۳ یعنی اصل کتاب تو یوشع علیہ السلام کی تھی، بعد میں ایک دو آیتیں کسی نبی نے بڑھادیں ۱۲ ت

قطعی غلط ادب بلا دلیل ہے، اس کے لئے جب تک کوئی دلیل الحاق کی موجود نہ ہو قابلِ عمت نہیں ہو سکتا، بلکہ یہ جملے اس امر کی کافی اور پوری دلیل ہوں گے کہ یہ پوشع کی تصنیف نہیں ہے،

اس کتاب کے باب ۱۳ آیت ۲۴ و ۲۵ میں یوں کہا گیا ہے :-

چوتھی وجہ

”اور موسیٰ علیہ السلام نے جد کے قبیلہ یعنی بنی جاد کو اُن کے گھر

کے مطابق میراث دی، اور اُن کی سرحد یہ تھی، یعزیر اور جلعاد کے سب شہر اور بنی عمون کا آدھا ملک עדو غیر تک جو ربہ کے سامنے ہے“

اور استنار باب میں ہے کہ:

خداوند نے مجھے کہا... اور جب تو بنی عمون کے قریب جا پہنچے تو اُن کو مت ستانا، اور نہ اُن کو چھیڑنا، کیونکہ میں بنی عمون کی زمین کا کوئی حصہ تجھے میراث کے طور پر نہیں دوں گا اس لئے کہ میں نے اسے بنی لوط کو میراث میں دیا ہے“

پھر اسی باب میں ہے کہ:

خداوند ہمارے خدا نے سب کو ہمارے قبضہ میں کر دیا، لیکن بنی عمون کے ملک کے نزدیک غور کیجئے دونوں کتابوں کے بیان میں کس قدر تناقض اور اختلاف پایا جا رہا ہے؟

اگر یہ مشہور توریت موسیٰ علیہ السلام کی تصنیف ہے جیسا کہ ان کا دعویٰ ہے تو یہ امر کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ پوشع اس کی مخالفت کریں، اور ایسے معاملہ میں غلط بیانی کریں جو اُن کی موجودگی میں پیش آیا تھا، بلکہ یہ بات کسی دوسرے الہامی پیغمبر کی جانب سے بھی ممکن نہیں ہے،

لے کیونکہ پہلی کتاب میں تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی عمون کا آدھا ملک تقسیم کر دیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ملک حضرت موسیٰ کے پاس تھا، اور دوسری کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آپ کو حوالہ ہی نہ کیا گیا تھا ۱۲ تفرقی

کتاب القضاۃ کی حیثیت

اب کتاب القضاۃ جو تیسرے درجہ کی کتاب شمار ہوتی ہے اس کا حال سنئے، کہ اس میں بڑا زبردست

اختلاف موجود ہے، نہ تو اس کے مصنف کا کوئی پتہ نشان ملتا ہے، نہ اس کی تصنیف کا زمانہ ہی معلوم ہوتا ہے، کچھ عیسائیوں کا خیال تو یہ ہے کہ وہ فیخاس کی تصنیف ہے، بعض کی رائے یہ ہے کہ یہ حزقیاء کی تصنیف ہے، ان دونوں صورتوں میں یہ کتاب الہامی نہیں ہو سکتی، کچھ لوگوں کا دعویٰ ہے کہ یہ ارمیاء کی تصنیف ہے، کچھ کی رائے یہ ہے کہ عزرائیل کی تصنیف ہے، اور عزرا اور فیخاس کے درمیان ۹۰۰ سال سے بھی زیادہ فصل پایا جاتا ہے،

اس لئے اگر عیسائیوں کے پاس اس کی کوئی سند موجود ہوتی تو اس قدر شدید اختلاف پیدا نہ ہوتا، یہودیوں کے نزدیک یہ سب اقوال غلط ہیں، مگر وہ بھی اکل بچہ محض قیاس کی بنیاد پر اس کو سموئیل علیہ السلام کی جانب منسوب کرتے ہیں، اس طریقے سے اُس کے بارے میں چھ رائیں پیدا ہو گئیں،

اس کے بعد کتاب راعوت جو چوتھے درجہ کی کتاب کتاب راعوت کا حال ہے اس میں بھی سخت اختلاف پایا جاتا ہے، بعض کا

خیال ہے کہ وہ حزقیاء کی تصنیف ہے، اس صورت میں الہامی نہ ہوگی، بعض کے نزدیک عزرائیل کی تصنیف ہے، یہودی اور تمام مسیحی کہتے ہیں کہ یہ سموئیل کی تصنیف ہے،

۱۵ کیونکہ فیخاس اور حزقیاء میں سے کوئی بنی نہیں، مؤخر الذکر یہوداہ کا بادشاہ تھا، اسی کے زمانہ میں حضرت شعیاء علیہ السلام ہوئے ہیں (۲۔ سلاطین، باب ۱۸ و تواریخ، باب ۳۲) ۱۲

۱۶ ہماری کتب مقدسہ از میٹلی، ص ۱۷۹،

۱۷ ہماری کتب مقدسہ، ص ۱۸۴، ۱۲

کتاب کی تفویک ہیرلڈ مطبوعہ ۱۸۴۲ء جلد ۱ صفحہ ۲۰۵ میں ہے کہ :-

بائبل کے مقدمہ میں جو ۱۸۱۹ء میں اشار برگ میں طبع ہوا ہے لکھا ہے کہ کتاب

راعوت گھریلو قصے اور لغو کہانیاں ہیں، اور کتاب یونس قصوں کی کتاب ہے ۔

یعنی ایک غیر معتبر قصہ ہے اور غیر صحیح کہانی ہے،

اس کے بعد کتاب نحمیا کو لیجئے، کہ اس میں بھی اسی قسم کا
کتاب نحمیا کا حال

اختلاف پایا جاتا ہے، اکثر لوگوں کا پسندیدہ قول یہ ہے کہ نحمیا

کی تصنیف ہے، اتہانی شیش اور اپنی فائیس ہریرا سٹم وغیرہ کی رائے ہے کہ یہ عزرا کی

تصنیف ہے، پہلی صورت میں یہ کتاب الہامی نہیں ہو سکتی، اسی طرح باب ۱ کی

ابتدائی ۲۶ آیات نحمیا کی تصنیف کی طرح نہیں ہو سکتیں، اور نہ آیات کا کوئی بہترین

رابط اس مقام کے قصے پایا جاتا ہے،

نیز اس کتاب کی آیت ۲۴ میں دارا شاہ ایران کا بھی ذکر کیا گیا ہے، حالانکہ وہ

نحمیا کی وفات سے ایک سو سال بعد گذرا ہے، مقصد ۲ میں آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ

عیسائیوں کے مفسرین مجبور ہو کر اس کے الحاقی ہونے کا فیصلہ کرتے ہیں، عربی مترجم

نے تو اس کو ساقط ہی کر دیا ہے،

اس کے بعد کتاب ایوب کا حال سنئے کے لائق ہے، اس کی حالت
کتاب ایوب

تو دوسری تمام کتابوں کی بہ نسبت نہایت بدتر ہے، اس میں چھ

(پ ۳۱۵ء م ۶۴۲ء) مشہور بیٹپ ہر، اور لے

St. Epiphanius

۱۵

بائبل کا بڑا عالم مانا جاتا ہے، اس کی کچھ تصانیف تا حال ہائی جاتی ہیں ۱۲ تنہی

۱۹۰۰ء کیونکہ پہلے گیارہ بابوں میں تو مکمل کامیڈ تھا اس میں نحمیا کیلئے فائیس کا صیغہ ہر، اور نحمیا حاکم اور عزرا کا ہر کے دونوں

اعتبار سے اختلاف پایا جاتا ہے، اور رب ممانی ویر جو علماء یہودی میں زبردست شخصیت کا مالک ہے، اور میکالمس و لیکلرک اور سلمو داستناک وغیرہ عیسائی علماء کا تو یہ اصرار ہے کہ ایوب ایک فرضی نام ہے، اور اس کی کتاب باطل کہانی اور جھوٹے قصہ سے لبریز ہے، تھیوڈور نے بھی اس کی بڑی مذمت کی ہے، فرقہ پروٹسٹنٹ کا مقتدی لو تہر کہتا ہے کہ ”یہ کتاب خالص افسانہ اور کہانی ہے“

یہ اقوال تو موافقین کے تھے، مخالفین کا کہنا ہے کہ اس کا مصنف متعین نہیں ہے مختلف اشخاص کی جانب بر بنا قیاس منسوب کی جاتی ہے، اور اگر ہم یہ فرض بھی کر لیں کہ یہ الیہو کی یا کسی مجہول الاسم شخص کی تصنیف ہے، جو منسا کا معاصر تھا، تب بھی اس کا الہامی ہونا ثابت نہیں ہوتا، یہ کافی اور کامل دلیل ہے اس امر کی کہ اہل کتاب کے پاس کوئی سند متصل اپنی کسی کتاب کی موجود نہیں ہے، غرض کہ دعویٰ کی تمام تر بنیاد محض تخمینہ اور قیاس ہے،

اب زبور کا حال سنئے، تو اس کی کیفیت بھی کتاب ایوب کی سی کتاب زبور ہے، کسی مکمل سند سے یہ امر ثابت نہیں ہوتا کہ اس کا مصنف فلاں شخص ہے، اور نہ تمام زبوروں کے یکجا کئے جانے کا زمانہ معلوم ہوتا ہے اور نہ

۱۔ رب اور ربی Ribbi یہودی علماء کو کہتے ہیں ۱۲

۲۔ سب نسخوں میں یہ عبارت موجود ہے، مگر جی ٹی میسنر لکھتا ہے ”لو تہر کا خیال ہے کہ یہ حقیقی تاریخ پر مبنی ہے“ (ہماری کتب مقدسہ ص ۲۱۰) اور چونکہ فرقہ پروٹسٹنٹ اس کتاب کو بائبل میں شمار کرتا ہے اس لیے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس کے نزدیک کتاب درست ہے۔ ہمیں مصنف حمۃ اللہ علیہ کے اس ارشاد کی بنیاد معلوم نہیں ہو سکتی

۳۔ الیہو Elihu ابن براکیل بوزی ان لوگوں میں سے ہے جن کا مکالمہ حضرت ایوب

علیہ السلام کے ساتھ اس کتاب میں مذکور ہے (ملاحظہ ہو حاشیہ ص ۹۱) اس کا ذکر اسوئل ۱ میں بھی ہے ۱۲ اتقی

یہ تحقیق ہوتی ہے کہ اس کے نام الہامی ہیں یا غیر الہامی، قدما مسیحین نے اس کے مصنف کے بارہ میں اختلاف کیا ہے، آریجن، گریگوری، اسٹامن، انبروس اور یوتھی میس وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ یہ پوری کی پوری داؤد علیہ السلام کی تصنیف ہے، پلیمری، اہتانی شیس جبر و ۲۲ سی بیس وغیرہ نے اس کا سختی سے انکار کیا ہے، اور تردید کی ہے، ہورن کہتا ہے کہ پہلا قول قطعاً غلط ہے، بعض مفسرین کا کہنا ہے کہ بعض زبوریں مقابین کے زمانہ میں تصنیف کی گئی ہیں،

مگر یہ قول بھی کمزور ہے، دوسرے فریق کی رائے کی بناء پر ہمیں زبوروں سے زیادہ ایسی ہیں جن کے مصنف کا نام معلوم نہیں ہے، اور دس زبوریں ۹۰ لغاتیہ ۹۹ موسیٰ علیہ السلام کی تصنیف کردہ ہیں، اور ۱۱ زبوریں داؤد علیہ السلام کی تصنیف ہیں اور زبور نمبر ۸۸ ہیمان کی تصنیف ہے، اور زبور نمبر ۸۹ اہتان کی مصنفہ ہیں، اور زبور نمبر ۷۲ اور نمبر ۷۱ سلیمان کی تصنیف ہے، اور تین زبوریں جدو تھن کی تصنیف ہیں ۱۲۰ زبوریں اساف کی تصنیف کردہ ہیں، مگر بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ زبور نمبر ۷۲، ۷۱، ۷۰ اس کی تصنیف

۱ Ensebius فلسطین کا بشپ تھا ۲۶۱ء میں پیدا ہوا، اور اپنی تاریخ کلیسا

History of the Christian Church کی وجہ سے مشہور ہو، ۳۳۰ء میں انتقال ہوا ۱۲

۲ Heman the Ezrahite اپنے زمانہ میں مشہور حکیم تھا

جیسا کہ سلاطین ۴۴۰ سے معلوم ہوتا ہے ۱۲

۳ سلیمان ازراخی، یہ بھی سلیمان کی طرح حکیم تھا، ۱۱ سلاطین ۳۳۰ء

۴ اس کا نام اردو میں جدو تھن Jeduthun زکور، اور کہتے ہیں کہ یہ عزت داد کا

۵ اس کا ذکر ۱-تواریخ ۱۶ د ۲۵ میں آیا ہے، زبور نمبر ۳۵: ۶۵ د ۷، ان کی طرف منسوب ہے ۱۲

۶ اس کا نام اردو میں آصف Asaph، بت پر کیاہ را ۱-تواریخ ۱۶ د ۱۷ میں روایت ہے کہ اس

نہیں ہیں، اور ازبوریں قوج کے تین بیٹوں کی تصنیف ہیں، بعض کا خیال ہے کہ ان کا مصنف ایک دوسرا ہی شخص تھا، جس نے ان زبوروں کو ان کی جانب منسوب کر دیا، اور بعض زبوریں دوسرے شخص کی تصنیف کی ہوئی ہیں،

کامتہ کہتا ہے کہ وہ زبوریں جو داؤد علیہ السلام کی تصنیف ہیں وہ صرف ۴۵ ہیں، باقی زبوریں دوسروں کی تصانیف ہیں،

متقدمین علماء یہود کا بیان یہ ہے کہ یہ زبوریں مندرجہ ذیل اشخاص کی تصنیف ہیں۔ آدم، ابراہیم، موسیٰ، آصف، ہیمان، جدوتہن، قوج کے تینوں بیٹے، داؤد نے صرف ان کو ایک جگہ جمع کر دیا، گویا ان کے نزدیک داؤد کی حیثیت صرف جامع کی ہے، وہ کسی زبور کے مصنف نہیں ہیں،

ہورن کہتا ہے کہ متاخرین علماء یہود اور جہ عیسائی مفسرین کا فتویٰ یہ ہے کہ یہ کتب مندرجہ ذیل اشخاص کی تصنیف ہے، موسیٰ، داؤد، سلیمان، آصف، ہیمان، اتھان، جدوتہن، قوج کے تین بیٹے،

یہی اختلاف زبوروں کے یک جا جمع کئے جانے میں پایا جاتا ہے، بعض کا خیال ہے کہ داؤد کے عہد میں جمع کی گئیں، اور کچھ لوگوں کی رائے یہ ہے کہ حزقیہا کے زمانہ میں ان کے احباب نے جمع کیا تھا، بعض کی رائے یہ ہے کہ مختلف زمانوں میں جمع کی گئی ہیں۔ اسی طرح زبوروں کے ناموں میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے، بعض کے نزدیک ابہامی ہیں، بعض کا قول ہے کہ کسی شخص نے جو نبی نہیں تھا اس کو ان ناموں کے ساتھ موسوم کیا،

تتنبیہ | زبور نمبر ۲، آیت نمبر ۴۴ ترجمہ فارسی مطبوعہ ۱۲۵۵ھ میں یوں ہے کہ داؤد بن نبی کی دعائیں تمام ہوتیں۔ اور یہ زبور عربی تراجم میں زبور نمبر ۱ ہے، جس کی وجہ مقدمہ میں معلوم ہو چکی ہے، اور یہ آیت اس میں حذف کر دی گئی ہے، بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مترجمین نے اس کو قصداً ساقط کر دیا ہے، تاکہ معلوم ہو سکے کہ کتاب زبور پوری کی پوری داؤد علیہ السلام کی تصنیف ہے، جیسا کہ پہلے فرقہ کی رائے ہے، یہ بھی ممکن ہے کہ یہ آیت دوسرے فرقہ کی جانب الحاق کی گئی ہو، بہر صورت تحریف ضرور کی گئی ہے، خواہ کمی کر کے یا اضافہ کی صورت میں،

امثال سلیمان | کتاب امثال سلیمان کی حالت بھی بڑی سقیم ہے، کچھ لوگوں نے تو دعویٰ کیا ہے کہ تمام کتاب سلیمان علیہ السلام کی تصنیف ہے، مگر یہ دعویٰ اس لئے باطل ہے کہ مختلف محاورات کا موجود ہونا اور جملوں کا تکرار اس کی تردید کر رہا ہے، اسی طرح باب ۳۰ و ۳۱ کی آیت ۱ بھی اس کا انکار کرتی ہے، اور اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ اس کا کچھ حصہ سلیمان علیہ السلام کا تصنیف کردہ ہے، تو بظاہر صرف ۲۹ باب انکی تصنیف شمار کئے جاسکتے ہیں، اور یہ ابواب بھی اُن کے زمانہ میں جمع نہیں کئے گئے، اس لئے کہ اُن میں پانچ باب یعنی نمبر ۲۵ لغایہ ۲۹ حزقیاء کے دستوں نے جمع کئے تھے، جیسا کہ باب نمبر ۲۵ کی آیت نمبر ۱ اس پر دلالت کرتی ہے، اور یہ تدریس سلیمان علیہ السلام کی وفات سے ۲۷۰ سال بعد ہوئی ہے،

۱۵ صفحہ ۱۱ ج ۱ ۱۲ عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۲۵۵ھ میں یہ عبارت زبور نمبر ۲، ہی میں موجود ہے ۱۲
۱۳ باب کا عنوان ہو "یا قہ کے بیٹے آجور کے پیغام کی باتیں" اور باب ۱۳ کا عنوان ہے "لموآمل بادشاہ کے پیغام کی باتیں جو اس کی ادا کرنے سے سکھائیں" ۱۲

۱۴ عنوان یہ بھی سلیمان کی امثال ہیں جن کی شاہ یہوداہ حزقیاء کے لوگوں نے نقل کی تھی ۱۲

بعض کی رائے یہ ہے کہ اس کتاب کے ابتدائی ۹ باب سلیمان علیہ السلام کی تصنیف نہیں ہیں، جیسا کہ عنقریب آپ کو مغالطہ نمبر ۲ کے جواب میں مفتی آدم کلارک کے حوالہ سے معلوم ہو جائے گا، اور باب ۳۰ آجور کی تصنیف ہے، اور باب ۳۱ لموتیل کا تصنیف کردہ ہے، لیکن مفسرین کو آج تک یہ تحقیق نہ ہو سکا کہ یہ دونوں صنا کون تھے، کب تھے؟ نہ ان دونوں کی نبوت مستحق ہے، مگر یہ لوگ اپنی عادت کے مطابق محض قیاسنا کہتے ہیں کہ وہ نبی تھے، مگر محض ان کا قیاس مخالف کے لئے حجت نہیں ہو سکتا،

بعض کا خیال یہ ہے کہ لموتیل، سلیمان علیہ السلام ہی کا نام ہے، مگر یہ غلط ہے، اس لئے کہ ہنری داسکاٹ کی تفسیر کے جامعین نے یوں کہا ہے کہ:-

تھولڈن نے اس قیاس کی تردید کی ہے کہ لموتیل سلیمان علیہ السلام کا نام تھا اور ثابت کیا ہے کہ یہ کوئی دوسرا شخص ہے، شاید اُن کو کوئی ایسی کافی دلیل مل گئی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ کتاب لموتیل اور کتاب آجور ابہامی ہیں، ورنہ وہ قانونی کتابوں میں کیسے داخل ہو سکتی ہیں؟

اس میں یہ کہنا کہ شاید اُن کو کوئی کافی دلیل مل گئی ہو، مردود و باطل ہے، کیوں کہ اُن کے متقدمین نے بہت سی ایسی کتابوں کو قانونی کتابوں میں داخل کیا ہے جو اُن کے نزدیک مردود و باطل ہیں، اس لئے ان کا کوئی فعل حجت نہیں ہو سکتا، جیسا کہ اس فصل کے آخر میں آپ کو معلوم ہو گا۔

آدم کلارک اپنی تفسیر جلد ۳، صفحہ ۱۲ و ۲۵ میں کہتا ہے کہ:-

لے پادری مینلی لکھتے ہیں: ہمیں آجور اور لموتیل کے بارے میں جنہوں نے اُن کی تدوین کی کچھ بھی معلوم

نہیں (دہاری کتب مقدسہ، ص ۲۱۸) ۱۲

”اس دعویٰ پر کوئی دلیل قائم نہیں ہے کہ لموتیل سے مراد سلیمان علیہ السلام ہی ہیں اور یہ باب اُن کے زمانہ کے عرصہ دراز بعد لاحق کیا گیا، اور اکثر چالڈی زبان کے محاورات جو اس کے شروع میں پائے جاتے ہیں، وہ اس دعویٰ کی دلیل نہیں ہوتے۔“
 نیز باب ۳ کی نسبت یوں کہتا ہے،

”یہ باب یقینی طور پر سلیمان کی تصنیف نہیں ہو سکتا۔“

باب ۲۵ کی آیت یوں ہے کہ:-

”یہ بھی سلیمان علیہ السلام کی امثال ہیں جن کی شاہ یہوداہ حزقیاہ کے لوگوں نے نقل کی تھی۔“

باب ۳ آیت ۱۰ تراجم فارسی نسخہ مطبوعہ ۱۸۳۸ء میں یوں ہے کہ:-

”این سرت کلمات آجور بن یاقہ یعنی مقالات کہ او برائے ایشیل بلکہ برائے ایشیل وادقال بر زبان آورد۔“

نسخہ مطبوعہ ۱۸۴۵ء میں یہ الفاظ ہیں:-

”کلمات اکور پریاقہ یعنی دجی کہ آں مرد بہ ایشیل وادقال بیان کرد۔“

اور اکثر ترجمے مختلف زبانوں کے اُس کے موافق پائے جاتے ہیں، عربی ترجمے اس سلسلہ میں مختلف ہیں، ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۱۱ء کے مترجم نے اس کو حذف کر دیا اور اور ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۳۱ء و ۱۸۴۴ء کے دونوں مترجموں نے یوں ترجمہ کیا ہے:-

”هذه اقوال الجامع بن القای الرویا التي تکلم بها الرجل الذی الله معه واذاکان الله معه ایڈ۔“

۱۔ Chaldee کدستان کے باشندے جو زبان بولتے تھے، اردو بائبل میں اسے ”کسدی“ زبان کے نام سے یاد کیا گیا۔

۲۔ اور اردو میں کلدانی کے نام سے مشہور ہے،

ترجمہ یہ جامع کے احوال ہیں جو اتھائی کا بیٹا ہے، وہ خواب جو اس شخص نے بیان کیا جس کے ساتھ اللہ ہے اور جب اس کے ساتھ اللہ ہے تو اس نے اس کی مدد کی ہے۔
ملاحظہ کیجئے عربی تراجم کس قدر مختلف ہیں،

نیز باب ۳۱ آیت میں یوں ہے کہ۔

”مَوْتِیْل کے خواب کے وہ کلمات جن کے ذریعہ اس کی ماں نے اس کو تعلیم دی“

ہمارے بیان کو سمجھ لینے کے بعد یہ بات آپ کے ذہن نشین ہو گئی ہوگی کہ کتاب امثال سلیمان کی نسبت یہ دعویٰ کرنا کسی طرح بھی ممکن نہیں کہ یہ پوری کتاب سلیمان علیہ السلام کی تصنیف ہے، اور نہ یہ کہ وہ اس کے جامع تھے، اس لئے جمہور نے اس کا اعتراف کیا ہے کہ بہت سے اشخاص نے جیسے حزقیاء، اشعیا، اور شاید عزرائیل نے بھی اس کو جمع کیا ہے،

جہاں تک کتاب واعظ کا تعلق ہے اس میں بھی شدید ترین اختلاف
کتاب واعظ پایا جاتا ہے، کچھ لوگوں کی رائے یہ ہے کہ یہ سلیمان علیہ السلام کی تصنیف
ہے، اور رب قحی جو بڑا مشہور یہودی عالم ہے اس کا قول یہ ہے کہ یہ اشعیا علیہ السلام کی

۱۰۔ یہ عبارت اپنی نشست کے اعتبار سے عجیب ہے، اندازہ سے ترجمہ کیا گیا ہے جس

اختلاف بہر حال ظاہر ہو جاتا ہے ۱۲

۱۱۔ ہمارے عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۶۵ء کے الفاظ عام ترجموں کے کچھ مطابق ہیں کہ ”کلام اجور بن متقیہ مساء و“

ہذا الرجل الی اثیل الی اثیل واکال“ اس میں ”متقیہ“ کا لفظ عام ترجموں کے خلاف اور ”مساء“ کا لفظ ان سے

زائد ہے ۱۲

۱۲۔ یہ عربی عبارت ترجمہ ہی، مطبوعہ اردو ترجمہ کی عبارت ہم لکھ چکے ہیں ۱۲ تنقی

تصنیف کردہ ہے، تالمود کے علما کہتے ہیں کہ یہ حزقیاء کی تصنیف ہی کر دھیں کہتا ہے کہ ایک شخص زرو بابل نے یہ کتاب اپنے بیٹے کے لئے جس کا نام ابی ہودہ ہے تصنیف کی تھی۔ مسیحی عالم جہان اور بعض جرمنی علماء کہتے ہیں کہ یہ کتاب یہودیوں کی بابل کی قید سے آزاد ہونے کے بعد تصنیف کی گئی ہے،

زرقیل کا دعویٰ ہے کہ یہ انتیوکس اپی فینس کے عہد میں لکھی گئی ہے، اور یہودیوں نے بابل کی قید سے رہا ہونے کے بعد اس کو ابہامی کتابوں سے خارج کر دیا تھا، مگر بعد میں وہ پھر ان کتابوں میں شامل کر لی گئی،

اس کی حالت تو بہت ہی اتر ہے، بعض کا خیال اس کی نسبت **غزلِ خسرات** ہے کہ سیدنا آج اسلام کی تصنیف یا نکلے کسی معاشرہ کی ڈاکٹر کنی کاٹ اور بعض متاخرین کی

یہ کہ یہ دعویٰ کرنا کہ یہ لیماں علیہ السلام کی تصنیف ہے قطعی اور ملین کیونکہ انکی ذات عرصہ راجد لکھی گئی ہے پادری تھیڈورچہ پانچویں صدی میں گذرا ہے، وہ اس کتاب کی اور کتاب ابوب کی شدید مذمت کرتا ہے، سین اور لیکٹرک اس کی سچائی کو تسلیم نہیں کرتے تھے، وشتن کہتا ہے کہ یہ ناجائز گانا، بجانا ہے۔ کتب مقدسہ سے اس کا خارج کیا جانا ضروری ہے، بعض متاخرین نے بھی یہی فیصلہ کیا ہے، سملر کا قول ہے کہ یہ کتاب جعلی ہے، وارڈ کیتھولک کہتا ہے کہ کاسلی یونے فیصلہ کیا ہے کہ اس کتاب کو عہد عتیق کی کتابوں سے خارج کر دیا جائے، کیونکہ یہ ناپاک گانا ہے،

تھیوڈوشن کے یونانی ترجمہ، اسی طرح لاطینی ترجمہ اور ردمن کیتھولک **کتاب انی ایل** کے تمام ترجموں میں تیسرے باب کے اندر تین بچوں کا گانا ہے، اور

۱۔ تالمود Talmud یہودیوں کی شہور کتاب ہے جو تین عہد نامہ قدیم سے مستنبط احکام و قوانین میں ۱۲

۲۔ دیکھئے ناٹیف نمبر ۳۲۶، ۳۔ تھیوڈوشن Theodotion ایک مشہور عبرانی مسیحی

عالم جس نے دوسری صدی عیسوی میں ایک یونانی ترجمہ تیار کیا تھا، یہاں کتاب مقدسہ

باب ۱۳ و باب ۱۴ بھی موجود ہے، اور فرقہ کیتھولک اس گانے اور دونوں مذکورہ ابواب کو تسلیم کرتا ہے، مگر فرقہ پروٹسٹنٹ اس کی تردید و تکذیب کرتا ہے،

اس کے مصنف کا کوئی حال معلوم نہیں ہوتا، اور نہ تصنیف کے زمانہ کا پتہ چلتا ہے، بعض عیسائیوں کا خیال ہے کہ یہ اُن علماء کی تصنیف ہو جو

عزرائے کے عہد سے سین کے زمانہ تک ہوئے ہیں۔

فلو یہودی کا قول یہ ہے کہ یہ یہو یا کین کی تصنیف کردہ ہے، جو یسوع کا بیٹا تھا، اور بابل کی قید سے آزاد ہو کر آیا تھا۔

آگمائن کہتا ہے کہ یہ عزرائیل کی تصنیف ہے، بعض کی رائے یہ ہے کہ یہ رد کے اور استیر کی مصنفہ ہے، اس کے بقیہ حالات باب مقصد شاہد میں انشاء اللہ معلوم ہونگے،

اس کتاب کا باب ۵۲ یقینی طور پر ارمیا علیہ السلام کی تصنیف نہیں ہو سکتا، اسی طرح باب ۱۱ کی آیت ۱۱ اُن کی نہیں ہو سکتی، پہلی تو

اس لئے کہ باب ۵۱ کی آیت ۶۴ ترجمہ فارسی مطبوعہ ۱۸۲۵ء میں یوں کہا گیا ہے:-

”کلمات یرمیاہ تابدیں جا اتمام پذیرفت۔“

اور ترجمہ فارسی مطبوعہ ۱۸۲۵ء کے الفاظ یہ ہیں:- ”کلمات یرمیاہ تابدینجا بست :- ترجمہ عربی

مطبوعہ ۱۸۲۲ء میں ہے کہ:- ”یہاں تک ارمیا کا کلام تھا۔“

۱۵ چنانچہ پروٹسٹنٹ بابل میں یہ کتاب صرف ۱۲ ابواب پر مشتمل ہے ۱۲

۱۶ یہ یہودی علماء میں سے یورپ ۲۰ ق م، م ۱۸۰ء اور پورٹو کا معصر ہے (بائبل ہینڈ بک) ۱۲

۱۷ تمام نسخوں میں ایسا ہی ہے، لیکن یہ درست نہیں کیونکہ یہو یا کین، یہو یقیم کا بیٹا تھا، یسوع کا نہیں۔

یہ بابل کی جلا وطنی کے وقت بادشاہ ہوا تھا، اور تین مہینے سلطنت کر سکا، (دیکھئے ۲ سلطین ۲۴ و ۲۵)

۱۸ مطبوعہ اردو ترجمہ کا لفظ ”یرمیاہ“ کی باتیں یہاں تک ہیں:- چنانچہ باب ۱ کی پہلی آیت میں ہے ”اسکی ماں

کا نام موطل تھا، تو لسانی یرمیا کی بیٹی تھی۔“ ظاہر ہے کہ یہ الفاظ خود حضرت ارمیا کے نہیں ہو سکتے ۱۲ ت

دوسری یعنی باب ۱۰ کی آیت ۱۱ اس لئے کہ یہ آیت خصوصیت کے ساتھ کسدی زبان میں ہے اور باقی تمام کتاب عبرانی زبان میں ہے، یہ پتہ نہیں چلتا کہ کس شخص نے ان دونوں کو لاحق کیا ہے؟ یہی مفسرین محض ظن و قیاس کی بنیاد پر دعویٰ کرتے ہیں کہ شاید فلاں فلاں اشخاص نے لاحق کیا ہوگا، ہنری واسکاٹ کی تفسیر کے جامعین اس باب کی نسبت کہتے ہیں کہ:-
 معلوم ہوتا ہے کہ عزرائیل یا کسی دوسرے شخص نے اس باب کو ان پیش آنے والے واقعات کی پیشگوئیوں کی توضیح کے لئے جو گذشتہ باب میں بیان ہوئی ہیں اور ان کے مرتبہ کی وضاحت کے لئے لاحق کیا ہے۔

ہورن جلد ۴ صفحہ ۹۵ پر کہتا ہے کہ:-

”یہ باب ارمیہ کی دفات کے بعد اور بابل کی قید سے آزادی کے بعد لاحق کیا گیا، جس کا ذکر تھوڑا سا اس باب میں بھی موجود ہے“

پھر اسی جلد میں کہتا ہے کہ:-

”اس رسول کے تمام ملفوظات سوائے باب کی آیت کے عبرانی زبان میں ہیں، اور یہ آیت کسدیوں کی زبان میں ہے۔“

پادری دنا کہتا ہے کہ:- ”یہ آیت الحاقی ہے۔“

فرقہ کیتھولک کے پیشوا کارکرن اور علماء پروٹسٹنٹ میں سے وارن
کتاب اشعیاء کے درمیان مناظرہ ہوا، یہ مناظرہ ۱۸۵۲ء میں آگرہ میں طبع بھی ہو چکا

ہے، کارکرن اپنے تیسرے خط میں لکھتا ہے:-

”مشہور فاضل جرمنی اشاہن کہتا ہے کہ کتاب اشعیاء کے باب ۴۰ اور اس کے بعد

۱۷ کسدرستان کے رہنے والوں کو کسدی کہا جاتا ہے اور انہی کی طرف یہ زبان منسوب، بخت نصر اسی قوم کا تھا۔“

ابواب نمبر ۶۶ تک ان کی تصنیف نہیں ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ۲۷ ابواب ان کی تصنیف نہیں ہیں۔

اناجیل اربعہ کی اصلیت

انجیل متی اور قمارقس آپ کو عنقریب مقصد ۳، شاہد ۸ میں معلوم ہوگا کہ قسماً
مسیحین سب کے سب اور بے شمار متاخرین اتفاق رائے

کے ساتھ کہتے ہیں کہ انجیل متی عبرانی زبان میں تھی، مگر عیسائی فرقوں کی تحریف و جھوٹ سے وہ ناپید
ہو گئی، موجودہ انجیل صرف اس کا ترجمہ ہے، مگر اس ترجمہ کی اسناد بھی ان کے پاس
موجود نہیں، یہاں تک کہ یقینی طور پر اس کے مترجم کا نام بھی آج تک نہیں معلوم ہو سکا
صرف اندازہ اور قیاس سے کہتے ہیں، کہ شاید فلاں فلاں اشخاص نے اس کا ترجمہ کیا ہے،
جو مخالف کے لئے حجت نہیں ہو سکتا، اور اس قسم کے قیاس سے مصنف تک اس کی سند
ثابت نہیں کی جاسکتی، مقدمہ کے نمبر، میں آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ میزان الحق کا مصنف

لے یہاں اس بات کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا، کہ عہد قدیم کی کتابیں پر ڈسٹنٹ فرقہ کے نزدیک ۳
ہیں، اور مشہور مؤرخ یوسیفس تقریباً سنہ ۱۰۰ء میں لکھتا ہے ”ہمارے پاس صرف ۲۲ کتابیں ہیں جن میں تمام
ماضی کے تمام حالات مندرج ہیں اور الہامی تسلیم کی جاتی ہیں“ (بحوالہ ہماری کتب مہمہ از پادری مینلی
ص ۴۷) عیسائی حضرات تین کو ایک تو قرار دیتے ہی تھے، اب ۲۸ کو ۲۲ بھی قرار دینے لگے، اور ان اڑیس
کو بائیس ثابت کرنے کے لئے عجیب تاویلات کرتے ہیں کہ ”انبیاء صغیر کی بارہ کتب کو ایک، عزرا اور
نحمیاہ کو ملا کر ایک، دت اور قضاۃ کو ملا کر ایک، اور یرمیاہ اور زبور کو ملا کر ایک شمار کیا جائے تو ۲۲ ہو جاتے
ہیں، اس مضحکہ خیز حرکت کو دیکھ کر ہم اس کے سوا کیا کہہ سکتے ہیں کہ اللہ انہیں ہدایت فرمائے،

بھی باوجود اپنے پورے تعصب کے اس انجیل کی نسبت کسی سند کے بیان کرنے پر قادر نہ ہو سکا۔
بلکہ محض قیاس سے یہ کہا کہ غالب یہی ہے کہ متی نے اس کو یونانی زبان میں لکھا تھا، مگر بغیر دلیل
اس کا ظن و قیاس مردود ہے، اس لئے یہ ترجمہ واجب تسلیم نہیں ہے، بلکہ قابل رد ہے،
انسائیکلو پیڈیا میں انجیل متی کے بارہ میں یوں کہا گیا ہے کہ:-

یہ انجیل سلسلہ میں عبرانی زبان میں اور اس زبان میں جو تلمذانی اور سریانی کے
درمیان تھی لکھی گئی، لیکن موجودہ صرف یونانی ترجمہ اور عبرانی زبان میں جو آج نسخہ
موجود ہے، وہ اسی یونانی کا ترجمہ ہے؛

وارڈ کیٹھولک اپنی کتاب میں کہتا ہے کہ:-

پیر دیم نے اپنے خط میں صاف صاف لکھا ہے کہ بعض علماء متقدمین انجیل مرقس
کے آخری باب میں شک کرتے تھے، اور بعض متقدمین کو انجیل لوقا باب ۲۴ کی بعض آیات میں
شک تھا اور بعض متقدمین اس انجیل کے پہلے دو بابوں میں شک کرتے تھے، یہ دونوں ابواب فرقہ مارسیونی کے نسخہ
محقق نورٹن اپنی کتاب مطبوعہ بوسٹن ۱۸۳۷ء کے صفحہ پر انجیل مرقس کی نسبت کہتا ہے:-
”اس انجیل میں ایک عبارت قابل تحقیق ہے، جو آیت ۹ سے آخری باب کے ختم تک
پائی جاتی ہے، اور کریساخ سے بڑا تعجب ہوتا ہے کہ اس نے اس متن میں عبارت

۱۵ عیسائیوں کا ایک فرقہ ہے جو عہد نامہ قدیم کی کتابوں کو واجب تسلیم قرار نہیں دیتا اور دو خداؤں کا
قائل ہے، ایک خالق خیر اور ایک خالق شر، اور عہد قدیم کی کتابیں دوسرے خدا کی بھیجی ہوئی ہیں، عہد جدید کے جن ابواب
میں عہد قدیم کا تذکرہ ہے اُسے یا تو رد کر دیتا تھا، یا اس میں تحریف کرتا تھا، اس فرقہ کا بانی مارسیون تھا، اس
کی نسبت سے اسے مارسیونی کہتے ہیں، (ملخص از ادالۃ الشکوک صفحہ ۱۹۲ و ۱۹۳ بحوالہ لارڈز فرد وغیرہ)
وہابی میں اسے مرقیون بھی کہا جاتا ہے

پر شک و تردد کا کوئی علامتی نشان بھی نہیں لگایا، حالانکہ اس کی شرح میں اس کے

الحاقی ہونے کے بے شمار دلائل پیش کرتے ہیں۔

اس کے بعد دلائل نقل کرتے ہوئے لکھتا ہے:-

اس سے ثابت ہوا کہ یہ عبارت مشتبہ ہے، بالخصوص جب کہ ہم کاتبوں کی فطری

عادت کو بھی پیش نظر رکھیں کہ وہ عبارت کو خراج کرنے کے مقابلہ میں داخل کرنے

کو زیادہ پسند کرتے ہیں۔

ادھر کریباخ فرقہ پر ڈسٹنٹ کے معتبر علماء میں سے ہے، اگرچہ نورٹن ان کے نزدیک

اس پایہ کا شخص نہیں ہے، مگر کریباخ کا قول تو ان پر یقیناً جحت ہے،

اسی طرح پوری طرح سند سے یہ بھی ثابت نہیں ہوتا کہ جو

انجیل یوحنا کی جانب منسوب ہے، وہ اسی کی تصنیف

ہی، بلکہ بعض چیزیں ایسی موجود ہیں جو اس کی تردید کرتی ہیں

انجیل یوحنا مستند نہیں
اس کے دلائل

پہلی دلیل | گزشتہ دور میں یعنی مسیح علیہ السلام سے قبل اور ان کے بعد تصنیف کا

طریقہ وہی تھا جو آج مسلمانوں کے یہاں رائج ہے۔ جیسا کہ آپ کو توریت کے احوال میں

کے اندر معلوم ہو چکا ہے۔ اور مزید باب مقصد شاصد میں معلوم ہوگا۔ اسی انجیل سے

قطعی یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ یوحنا اپنا آنکھوں دیکھا حال بیان کر رہے ہیں، اور جس چیز کی شہادت

ظاہر دیتا ہو اس کے خلاف کوئی بات نہیں مانی جاسکتی، تاوقتیکہ اس پر کوئی مضبوط اور

قوی دلیل نہ ہو،

اس انجیل کے باب ۲۱ آیت ۲۴ میں اس طرح ہے کہ:-

دوسری دلیل | یہ وہی شاگرد ہے جو ان باتوں کی گواہی دیتا ہے اور جس نے

ان کو لکھا ہے، اور ہم جانتے ہیں کہ اس کی گواہی سچی ہے :

یہاں لکھنے والا یوحنا کے حق میں یہ الفاظ کہتا ہے : کہ یہ وہ شاگرد ہے جو یہ شہادت دے رہا ہے، اور اس کی شہادت (ضمیر غائب کے ساتھ) اور اس کے حق میں نعلم ہم جانتے ہیں، کے الفاظ صیغہ متکلم کے ساتھ استعمال بتاتا ہے کہ اس کا کاتب یوحنا نہیں ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس دوسرے شخص کو یوحنا کی لکھی ہوئی کچھ چیزیں مل گئی ہیں، جن کو اپنی طرف اس نے کچھ حذف و اضافہ کے ساتھ نقل کیا ہے، واللہ اعلم،

تیسری دلیل دوسری صدی عیسوی میں جب اس انجیل کا انکار کیا گیا، کہ یہ یوحنا کی تصنیف نہیں ہے، اس زمانہ میں آریئوس جو یوحنا کے شاگرد پولیکارپ کا شاگرد موجود تھا، اس نے منکرین کے جواب میں قطعی یہ نہیں کہا کہ میں نے پولیکارپ سے سنا ہے کہ یہ انجیل یوحنا حواری کی تصنیف ہے، اب اگر یہ انجیل یوحنا کی تصنیف ہوتی تو پولیکارپ کو اس کا علم ضرور ہوتا، اور یہ بات بہت ہی بعید ہے کہ آریئوس پولیکارپ سے مخفی باتیں اور راز کی چیزیں سنتا ہے اور نقل کرتا ہے، اور اس عظیم الشان اور اہم معاملہ میں ایک لفظ بھی اپنے استاد سے نہیں سنتا، اور یہ احتمال تو اور بھی زیادہ بعید تر ہے کہ اس نے سنا ہو مگر بھول گیا ہو، کیونکہ اس کی نسبت یہ معلوم ہے کہ اس کے یہاں

۱۱ آریئوس Irenaeus لیون کا مشہور بپ اور عیسائیت کا مسلم الثبوت عالم جو ۱۳۰ء میں پیدا ہوا اور تقریباً ۲۰۰ء میں وفات پائی، بدعتیوں کے خلاف اس کی کتابیں مشہور ہیں، جن کا لاطینی ترجمہ ۱۲۰۰ء میں پایا جاتا ہے، (برٹانیکا) ۱۲

۱۲ پولیکارپ Polycarp سمرنے کا مشہور بپ جس نے حواریوں کا زمانہ پایا ہے تقریباً ۶۹ء میں پیدا ہوا، اور ۱۵۵ء میں وفات پائی، بدعتیوں کے خلاف اس کے کارنامے بھی معروف ہیں ۱۲

زبانی روایت کا بڑا اعتبار تھا، اور وہ ایسی روایتوں کو بہت محفوظ اور یاد رکھتا تھا، مایوسی ہوں
اپنی تاریخ مطبوعہ ۱۸۴۷ء کی کتاب ۵ باب ۲۰ صفحہ ۲۱۹ میں آریئوس کا قول زبانی روایتوں کی
نسبت یوں نقل کرتا ہے :-

”میں نے یہ اقوال خدا کے فضل سے بڑے غور سے سنے، اور اپنے سینہ میں لکھے، نہ صرف
کاغذوں پر، اور عرصہ دراز سے میری پڑانی عادت ہے کہ میں ہمیشہ ان کو پڑھتا
رہتا ہوں۔“

اور یہ بات اور بھی زیادہ مستبعد ہوگی کہ اس کو یاد تو تھا لیکن مخالفین کے مقابلہ میں
بیان نہیں کیا، اس دلیل سے یہ امر بھی واضح ہو جاتا ہے کہ دوسری صدی عیسوی میں جب
مخالفین نے اس انجیل کو یوحنا کی تصنیف ماننے سے انکار کیا، اور ان کے مقابلہ میں متقدمین
اس کو ثابت نہیں کر سکے، تو یہ انکار ہمارے ساتھ مخصوص نہیں ہے،

نیز آپ کو عنقریب مغالطہ ملے کے جواب میں معلوم ہوگا کہ سب سے جوہت پرست
مشرک علماء میں سے تھا اس نے دوسری صدی میں ڈنکے کی چٹ یہ اعلان کیا تھا کہ
عیسائیوں نے اپنی انجیلوں میں تین یا چار مرتبہ تحریف کر ڈالی ہے، بلکہ اس سے بھی زیادہ
اور ایسی تحریف کی کہ مضامین قطعی بدل گئے،

اسی طرح فاسٹس جو فرقہ مانی کیسرکان کا عالم ہے چوتھی صدی میں پکار کر کہتا ہے :-

”اے عیسائیوں کا ایک فرقہ، جس کا عقیدہ یہ ہے کہ وہ خدا جس نے موسیٰ کو توریت اور عبرانی پیغمبروں سے
ہمکلام ہوا، بعد ازاں سچا خدا نہیں بلکہ شیاطین میں سے ایک شیطان ہے۔ یہ فرقہ عہد جدید کی کتابوں کو مانتا ہے، مگر انہیں
الحاق و تحریف کا قائل ہے، اور ان میں سے جو پسند آتا ہے اسے لے لیتا ہے، باقی کو چھوڑ دیتا ہے، مانی کیسر اس فرقہ کا
انی ہے (خلاصہ ماخوذ از ازالۃ الشکوک صفحہ ۱۹۴ بحوالہ کتاب الاسناد از لارڈز (۱۲) تقی

یہ بات محقق ہے کہ اس عہد جدید کو نہ تو مسیحؑ نے تصنیف کیا ہے اور نہ حواریوں نے
 بلکہ ایک گمنام شخص نے تصنیف کر کے حواریوں اور ان کے ساتھیوں کی جا منسوب کر دیا
 تاکہ لوگ اس کو معتبر سمجھ لیں، اور عیسیٰؑ کے ماننے والوں کو سخت ایذا میں پہنچائیں تاکہ ایسی
 کتابیں تصنیف کر ڈالیں جن میں بے شمار اغلاط اور تناقض پائے جاتے ہیں،
 کیتھولک ہیرلڈ مطبوعہ ۱۸۷۲ء جلد ۲ صفحہ ۲۰۵ میں یوں لکھا ہے :-
چوتھی دلیل ”اسٹاڈن نے اپنی کتاب میں کہا ہے کہ بلا شک، دشبہ پوری انجیل یوحنا

اسکندریہ کے مدرسہ کی ایک طالب علم کی تصنیف ہے،
 ملاحظہ کیجئے اسٹاڈن کس دلیری کے ساتھ اس انجیل کے یوحنا کے تصنیف
 نہ ہونے کا اعلان کر رہا ہے، اور کس طرح بر ملا کہہ رہا ہے کہ وہ اسکندریہ کے ایک طالب علم
 کا کارنامہ ہے،

پانچویں دلیل محقق برٹشیندر کہتا ہے کہ :-
 ”یہ ساری انجیل، اسی طرح یوحنا کے تمام رسالے اس کی تصنیف قطعی نہیں
 ہیں، بلکہ کسی شخص نے ان کو دوسری صدی عیسوی میں لکھا ہے“

چھٹی دلیل مشہور محقق کرڈیش کہتا ہے کہ :-
 ”اس انجیل میں ۲۰ ابواب تھے، افساسؑ کے گرجے نے اکیسواں باب،
 یوحنا کی وفات کے بعد شامل کیا ہے“

۱۱ فاسٹس کا یہ قول مصنف نے اذالۃ الشکوک میں کتاب الاسناد از لارڈز کے حوالہ

سے نقل فرمایا ہے ۱۲ تھی

مراد ہے ۱۲ تھی

Ephesus

۱۱ غالباً انس

ساتویں دلیل | دوسری صدی عیسوی کے فرقہ وچین اس انجیل کے منکر تھے، اسی طرح یوحنا کی تمام تصانیف کا بھی انکار کرتے تھے،

آٹھویں دلیل | باب مقصد میں آپ کو معلوم ہوگا کہ باب کی ابتدائی آیات کا انکا

جمہور علماء نے کیا ہے، اور عنقریب آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ آیات سریانی ترجمہ میں موجود نہیں ہیں، اب اگر اس انجیل کی کوئی سند موجود ہوتی تو ان کے محقق علماء اور بعض فرقے وہ بات نہ کہتے جو انھوں نے کہی ہے، لہذا یہی بات دہی ہے جو فاضل استاد لن اور برٹشندہ کہتے ہیں،

نویں دلیل | اناجیل اربعہ کی تالیف کے زمانہ میں کمزور اور واہیات بلا سند روایات کا رواج تھا، اس سے بھی اس امر کی تائید ہوتی ہے کہ ان کے پاس ان کتابوں کی کوئی سند نہیں ہے،

اور ان اپنی تفسیر مطبوعہ ۱۸۲۲ء جلد ۴ قسم ۲ کے باب میں کہتا ہے کہ ۱۔
ہم کو مورخین کنیسہ کی معرفت اناجیل کی تالیف کے زمانہ کے جو حالات پہنچے ہیں وہ ناقص اور غیر معین ہیں، جن سے کسی معین چیز تک رسائی نہیں ہو سکتی، اور مشائخ متقدمین واہیات روایتوں کی تصدیق کی، اور ان کو قلمبند کر ڈالا، بعد کے آئینوں نے لوگوں نے ان کی لکھی ہوئی چیزوں کو ان کی تعظیم کی وجہ سے قبول کر لیا، اور یہی جھوٹی روایتیں ایک کاتب سے دوسرے تک پہنچتی رہیں، مدت وید گزر جانے کی وجہ سے اب ان کی تنقید اور کھرا کھوٹا معلوم کرنا بھی دشوار ہو گیا ۵

پھر اسی جلد میں کہتا ہے کہ

پہلی انجیل ۳۷ء یا ۳۸ء یا ۳۹ء یا ۴۰ء یا ۴۱ء یا ۴۲ء یا ۴۳ء یا ۴۴ء

میں تالیف کی گئی: دوسری انجیل ۵۶ء اور اس کے بعد ۶۵ء تک کسی وقت میں اور غالب یہ ہے کہ ۶۲ء یا ۶۳ء میں تالیف ہوئی، تیسری انجیل ۵۲ء یا ۶۲ء یا ۶۴ء میں تالیف کی گئی چوتھی انجیل ۶۹ء یا ۷۹ء یا ۸۹ء یا ۹۸ء میں تالیف ہوئی۔

خطوط و مشاہدات

اور رسالہ عبرانیہ اور پطرس کا دوسرا رسالہ، اور یوحنا کا دوسرا تیسرا رسالہ، یعقوب کا رسالہ، یہودا کا رسالہ، مشاہدات یوحنا، اور یوحنا کا رسالہ نمبر ۲ کے بعض جملوں کی نسبت حارین کی جانب بلا دلیل ہے، اور یہ ۳۶۳ء تک مشکوک ہے، اور بعض مذکورہ جملے مردود، اور آج تک جمہور محققین کے نزدیک غلط ہیں، جیسا کہ آپ کو بار بار کہہ مقصود میں معلوم ہو جائے گا، یہ جملے سریانی ترجمہ میں قطعاً موجود نہیں ہیں، نیز عرب کے تمام گرجوں نے پطرس کے دوسرے رسالہ اور یوحنا کے دونوں رسالوں اور یہودا کے رسالہ اور مشاہدات یوحنا کو رد کیا ہے، اسی طرح ان کو سریانی گرجے ابتداء سے آج تک رد کرتے آئے ہیں جیسا کہ غریب آئندہ اقوال میں آپ کو معلوم ہو جائے گا۔

ہورن اپنی تفسیر مطبوعہ ۱۸۲۲ء جلد ۲ صفحہ ۲۱۶ و ۲۰۷ میں کہتا ہے:-

سریانی ترجمہ میں پطرس کا دوسرا رسالہ دیودا کا رسالہ، یوحنا کا دوسرا تیسرا رسالہ، اور مشاہدات یوحنا، انجیل یوحنا کے باب آیت ۲ لغایت ۱۱ اور یوحنا کے رسالہ نمبر باب آیت ۷ بھی، موجود نہیں ہیں۔

پھر سریانی ترجمہ کے مترجم نے ان چیسزدہ کو اس سے حذف کیا کہ وہ ان کے نزدیک

ثابت اور معتبر نہ تھیں، چنانچہ وارڈ کیٹھولک، اپنی کتاب مطبوعہ ۱۸۴۱ء کے صفحہ ۲ میں کہتا ہے:-

”فرقہ پرڈسٹنٹ کے بہت بڑے عالم راجس نے اپنے فرقہ کے ان بہت سے علماء کا ذکر کیا ہے جنہوں نے مندرجہ ذیل کتابوں کو تہوئی سمجھ کر کتب مقدسہ سے خارج کر دیا۔
رسالہ عبرانیہ، یعقوب کا رسالہ، یوحنا کا دوسرا تیسرا رسالہ، یہود کا رسالہ، مشاہدات یوحنا،
ڈاکٹر لیس فرقہ پرڈسٹنٹ کا زبردست عالم کہتا ہے کہ۔
”تمام کتابیں یوسی یوس کے عہد تک واجب تسلیم نہیں ہیں۔“

اور اس امر پر اصرار کرتا ہے کہ۔

”یعقوب کا رسالہ، پطرس کا دوسرا رسالہ، یوحنا کا رسالہ نمبر ۲ و ۳ حواریوں کی تصنیفات نہیں ہیں، نیز عبرانی رسالہ عرصہ دراز تک مردود رہا، اسی طرح سریانی گرجوں نے پطرس کے رسالہ نمبر ۲، یوحنا کے رسالہ نمبر ۲ و ۳ اور یہود کے رسالہ اور کتاب المشاہدات کو واجب تسلیم نہیں مانا، یہی کچھ حالت عرب کے گرجوں کی تھی، مگر ہم تسلیم کرتے ہیں۔
لارڈنر اپنی تفسیر کی جلد ۴ صفحہ ۱۷۵ میں کہتا ہے کہ۔

”نہر اور اسی طرح اور تسلیم کے گرجے اپنے زمانہ میں کتاب المشاہدات کو تسلیم نہیں کرتے تھے، اس کے علاوہ اس کتاب کا نام بھی اس قانونی فہرست میں نہیں پایا جاتا جو اُس نے لکھی تھی۔“

پھر صفحہ ۳۲۳ میں کہتا ہے۔

”مشاہدات یوحنا قدیم سریانی ترجمہ میں موجود نہیں تھی، نہ اُس پر باری بریوس نے یا یعقوب نے کوئی شرح لکھی، ایبڈ جس نے بھی اپنی فہرست میں پطرس کے رسالہ نمبر ۲ اور یوحنا کے رسالہ نمبر ۲ و ۳ اور رسالہ یہود اور مشاہدات یوحنا کو چھوڑ دیا ہے، یہی رائے دوسرے مُربانیوں کی بھی ہے۔“

کیفیتوں کے تہر لڈ مطبوعہ ۱۸۴۴ء جلد ۲، صفحہ ۲۰۶ میں ہے کہ :-

رود نے اپنی کتاب کے صفحہ ۱۶۱ میں لکھا ہے کہ بہت سے پرڈسٹنٹ محققین، کتاب المشاہدات کو واجب تسلیم نہیں مانتے، اور پروبرایڈلڈ نے مضبوط اور قوی شہادت سے ثابت کیا ہے کہ یوحنا کی انجیل اور اس کے رسالے اور کتاب المشاہدات ایک مصنف کی تصانیف ہرگز نہیں ہو سکتیں۔

یوسی ہیوس اپنی تاریخ کی کتاب نمبر، باب ۲۵ میں کہتا ہے :-

دیونیسس کہتا ہے کہ بعض متقدمین نے کتاب المشاہدات کو کتب مقدسہ سے خارج کر دیا ہے، اور اس کے رود میں مبالغہ کیا ہے، اور کہا ہے کہ یہ سب بے معنی اور جہالت کا بہت بڑا پردہ ہے، اور اس کی نسبت یوحنا حواری کی جانب غلط ہے، اس کا مصنف نہ تو کوئی حواری ہو سکتا ہے، نہ کوئی نیک شخص، اور نہ کوئی عیسائی اس کی نسبت یوحنا کی جانب رجحیت ایک بددین اور ملحد شخص سرن تھسن نے کی ہے۔ مگر میں اس کو کتب مقدسہ سے خارج کرنے کی طاقت نہیں رکھتا، کیونکہ بہت سے بھائی اس کی تعظیم کرتے ہیں، جہاں تک میری اپنی ذات کا تعلق ہے میں یہ تو تسلیم کرتا ہوں کہ یہ کسی الہامی شخص کی تصنیف ہے، مگر یہ بات آسانی سے نہیں مان سکتا کہ یہ شخص حواری تھا، اور زبدی کا بیٹا، یعقوب کا بھائی اور انجیل کا مصنف تھا، بلکہ اس کے برعکس محاورات دخیرو سے پتہ چلتا ہے کہ یہ حواری ہرگز نہیں ہو سکتا نہ اس کا مصنف، وہ یوحنا ہو سکتا ہے جس کا ذکر کتاب الاعمال میں کیا گیا ہے، کیونکہ اس کا ایشیا میں آنا ثابت نہیں ہے، بلکہ یہ یوحنا کوئی دوسری شخصیت ہے جو ایشیا کا باشندہ ہے۔ شہر افسوس میں داؤتربس موجود ہیں، جن پر یوحنا کا نام لکھا ہوا ہے

عبارت اور مضمون سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ انجیل والا یوحنا اس کتاب کا مصنف نہیں ہے، کیونکہ انجیل اور اس کے رسالہ کی عبارت یونانیوں کے اسلوب کے مطابق بڑی پاکیزہ ہے، اس میں کچھ مشکل الفاظ کی بھرمار نہیں ہے، اس کے برعکس مشاہدات کی عبارت یونانی محاورات کے قطعی خلاف ہے، اس میں نامانوس اسلوب استعمال کے گئے ہیں، نیز حواری اپنا نام کہیں بھی ظاہر نہیں کرتا، نہ انجیل میں اور نہ رسالہ عامہ میں، بلکہ اپنے کو متکلم یا غائب کے صیغہ سے تعبیر کرتا ہے، اور مقصود کو بغیر کسی تہمید کے شروع کرتا ہے، اس کے برعکس اس شخص نے باب میں یسوع مسیح کا وہ مکاشفہ لکھا ہے جو اللہ نے اس کو اس لئے عطا کیا تھا تاکہ اپنے بندوں کو وہ چیزیں جن کا عفرتیب ہونا ضروری ہے ظاہر کرے، اور اس نے اپنے فرشتہ کو بھیج کر اس کی معرفت اپنے بندے یوحنا پر ظاہر کی۔

اور جو تھی آیت میں ہے کہ ”یوحنا کی جانب سے ان سات کلیساؤں کے نام“ آیت نمبر ۹ میں ہے ”میں یوحنا جو تمہارا بھائی اور یسوع کی مصیبت اور بادشاہی اور صبر میں تمہارا شریک ہوں۔“

باب نمبر ۲۲ آیت نمبر ۸ میں لکھا ہے کہ ”میں وہی یوحنا ہوں جو ان باتوں کو سنتا اور دیکھتا تھا“ ان آیتوں میں لکھنے والے نے حواریوں کے طریقے کے خلاف اپنے نام کو ظاہر کیا ہے۔

۱۵ یہ کتاب مکاشفہ باب اول آیت کی عبارت ہے ۱۲ تعنی
 ۱۶ یعنی یوحنا حواری کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنے نام کو ظاہر نہیں کرتے جیسا کہ انجیل یوحنا اور عام خط میں ہے
 مگر یہ شخص ظاہر کر رہا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ یوحنا صاحب انجیل نہیں کوئی اور ہے ۱۲ تعنی

یہ جواب تو کسی طرح بھی قابل قبول نہیں کہ اس موقع پر حواری نے اپنے نام کا انہما
اپنی عادت کے خلاف اس لئے کیا ہوتا کہ اپنا تعارف کرائیں، کیونکہ اگر تعارف
مقصود ہوتا تو اپنے نام کے ہمراہ کوئی ایسی خصوصیت ذکر کرتا جو اس کو مشخص اور
متعین کرتی، مثلاً یہ کہتا کہ ”یوحنا بن زبدی“ یا ”یعقوب کا بھائی“ یا ”یوحنا اپنے رب کا
محبوب مرید وغیرہ وغیرہ، بجائے کسی خصوصی صفت ذکر کرنے کے ایک عام صفت
”تھھارا بھائی“ یا ”تھھارا شریک غم“ اور ”شریک صبر“ ذکر کرتا ہے، ہم یہ بات مذاق
کے طور پر نہیں کہہ رہے ہیں، بلکہ ہمارا مقصد یہ ہے کہ ہم دونوں شخصوں کی عبارت
اور طرز کلام میں جو زبردست تفاوت پایا جاتا ہے اس کو واضح کریں۔

نیز یوسی بیوس نے اپنی تاریخ کتاب باب میں تصریح کی ہے:-

”پطرس کا رسالہ ۱۷ سچا ہے، البتہ دوسرا رسالہ کسی زمانہ میں بھی کتب مقدسہ میں
داخل نہیں ہو سکا، مگر پولس کے ۱۴ رسالے ضرور پڑھے جاتے ہیں، اور کچھ لوگوں نے
رسالہ عبرانیہ کو غاچ کر دیا ہے۔“

پھر کتاب مذکور کے باب ۲۵ میں تصریح کرتا ہے کہ:-

”اس امر میں لوگوں کا اختلاف ہے کہ رسالہ یعقوب، رسالہ یہودا اور پطرس کا رسالہ
یوحنا کا رسالہ نمبر ۱۴ انجیل انوکے لکھے ہوئے ہیں، یا کسی دوسرے اشخاص کے جو انہی ناموں
سے موسوم تھے، اور یہ بات سمجھ لینا چاہئے کہ اعمال پولس اور بائبل اور مشاہدات
پطرس اور رسالہ برنیا اور وہ کتاب جس کا نام انسٹیٹوشن حواریں ہے یہ سب جعلی
اور نہ معنی کتابیں ہیں، اور اگر ثابت ہو جائے تو مشاہدات یوحنا کو بھی ایسا ہی شمار
کرنا چاہئے۔“

نیز اپنی تایخ کی کتاب باب ۲۵ میں آرجین کا قول رسالہ عبرانیہ کے حق میں یوں نقل

کیا ہے :-

وہ حال جو لوگوں کی زبانوں پر مشہور ہے یہ ہے کہ بعض کے نزدیک اس رسالہ کو روم کے بشپ کلیمنٹ نے لکھا ہے، اور کچھ لوگوں کا خیال یہ ہے کہ اس کو لوقا نے ترجمہ کیا ہے۔

ارنیس بشپ لیس جو ۱۰۰ء میں گذرا ہے، اور ہپ پولیتس جو ۱۵۰ء میں گذرا ہے، اور روم کا بڑا پادری تھیس جو ۱۵۰ء میں گذرا، انھوں نے اس کا اصل سے انکار کیا ہے، ٹرٹولین، کاریجج کا بڑا پادری متوفی ۲۰۰ء کہتا ہے کہ یہ برنیا کا رسالہ ہے۔ روم کے پادری کیس متوفی ۲۰۰ء نے پولس کے رسالوں کو ۱۳ شمار کیا ہے اور اس رسالہ کو شمار نہیں کیا، سائی پرین، کاریجج کا لاطن پادری متوفی ۲۰۰ء بھی اس رسالہ کا ذکر نہیں کرتا، اور سیرانی گرجا آن تک پطرس کے رسالہ نمبر ۲ اور یوحنا کے رسالہ نمبر ۲ و ۳ کو تسلیم کرنے سے منکر ہے، اسکا لچر کہتا ہے کہ جس شخص نے پطرس کا رسالہ نمبر ۲ لکھا، اس نے اپنا وقت ضائع کیا،

یوسی بوس اپنی تایخ کی کتاب ۲ باب ۲۳ میں یعقوب کے رسالہ کی نسبت یوں کہتا ہے
خیال یہ ہے کہ یہ رسالہ جعلی اور سرسری ہے، مگر بہت سے متقدمین نے اس کا ذکر کیا

۱۲ ۱۵۰ء تا ۲۰۰ء CLEMENT OF ROME

۱۳ Tertullian یہ پہلا شخص تھا جس نے مسیحی نوشتوں کو عہد جدید کے نام سے

موسوم کیا اور اسے عبدعسین کی کتابوں کی طرح ابہامی سطح پر رکھا (بائبل بینڈریک)

۱۴ تشریح کے لئے دیکھئے حاشیہ ص ۲۷۴،

ہے، اور یہی خیال ہمارا یہود کے رسالہ کی نسبت بھی ہے، مگر بہت سے گروں میں

اس پر بھی عمل درآمد ہوتا ہے ۛ

تاریخ بائبل مطبوعہ ۱۸۵۷ء میں کہا گیا ہے کہ ۛ

”مکرمین کہتا ہے کہ یہ رسالہ یعنی یہود کا رسالہ اس پادری کا ہے جو ایڈرین کے

دور سلطنت میں اور شلیم کا پندہ ہواں پادری تھا ۛ

اور پوسی پوس اپنی تاریخ کی کتاب نمبر ۶ باب ۲۵ میں کہتا ہے کہ ۛ

”آریجن نے انجیل یوحنا کی شرح کی جلد ۵ میں کہا ہے کہ پوس نے تمام گروں کو کچھ نہیں

لکھا، اور اگر کسی گرجے کو لکھا ہے تو صرف دو یا چار سطریں لکھی ہیں ۛ

آریجن کے قول کے مطابق وہ تمام رسالے جو پوس کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں وہ اس کی

تصنیف نہیں ہیں، بلکہ جعلی اور فاسد یعنی ہیں، جن کی نسبت اُس کی جانب کر دی گئی ہے،

اور شاید دو چار سطروں کی نسبت داران رسالوں میں بھی پوس کے کلام کی موجود ہوگی،

ان اقوال میں غور کرنے کے بعد آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ فاسٹس کا یہ قول کہ ۛ

”اس عہد جدید کو نہ مسیح علیہ السلام نے تصنیف کیا ہے اور نہ حواریوں نے بلکہ ایک

مجهول نام شخص نے تصنیف کر کے حواریوں اور اُن کے ساتھیوں کی جانب منسوب

کر دیا ہے ۛ

بائنس سچا اور درست ہے، جس میں ذرا بھی شبہ کی گنجائش نہیں ہے، اور اس سلسلہ

میں اس کی رائے قطعی صحیح ہے، ادھر آپ کو فصل اول میں یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ

یہ چھ رسالے اور کتاب مشاہدات ۳۶۳ء تک مشکوک اور مردود چلے آتے تھے، اور

اور جن کو نائس کی اس بڑی مجلس نے بھی جو ششہ ۳۲۵ء میں منعقد ہوئی تھی تسلیم نہیں کیا تھا، پھر یہ چھ رسالے لوڈیشیا کی مجلس منعقدہ ۳۶۴ء نے قبول کی سند دیدی، مگر کتاب مشاہدات اس مجلس میں بھی مردود و مشکوک ہی رہی، جو کارنہج کی مجلس منعقدہ ۳۹۷ء میں تسلیم کر لگتی ان دونوں مجلسوں کا ان کتابوں کو تسلیم کر لینا حجت نہیں ہو سکتا، اول تو اس لئے کہ ہر مجلس کے علماء نے کتاب یہودیت کو تسلیم کیا تھا، اور لوڈیشیا کی مجلس نے کتاب استیر کے باب ۱۰ کی آیات کو، اور باٹ کے بعد کے چھ بابوں کو تسلیم کیا تھا، اور کارنہج کی مجلس کے علماء نے کتاب دانش و کتاب طوبیا اور کتاب باروخ اور کتاب پند کلیسا اور کتاب المقابین کو تسلیم کیا تھا، اور بعد کی ہونے والی تینوں مجلسوں نے ان کتابوں کی نسبت ان کے فیصلہ کو تسلیم کیا تھا،

اب اگر ان کا فیصلہ دلیل و برہان کی بنیاد پر ہوتا تب تو ان سب کو تسلیم کرنا ضروری تھا، اور اگر بلا دلیل تھا جیسا کہ حقیقت ہے تو سب کا رد کرنا ضروری تھا، پھر تعجب ہے کہ فرقہ پرڈسٹنٹ ان کا فیصلہ ان ۶ رسائل اور کتاب المشاہدات کی نسبت تسلیم کرتا ہے، اور دوسری کتابوں کے متعلق ان کے فیصلہ کو رد کر دیتا ہے، خصوصاً کتاب یہودیت کی نسبت، جس کے تسلیم کرنے پر تمام مجلسوں کا کامل اتفاق رہا، کتاب استیر کے علاوہ دوسری مردود کتابوں کی نسبت ان کا یہ عذر لنگ کسی طرح

..... مفید نہیں ہو سکتا کہ ان کی اصل معدوم ہو گئی تھی، کیونکہ جیسروم

کہتا ہے کہ اس کو یہودیت کا اصل نسخہ، اور طوبیا کا اصل مسودہ ڈیک زبان میں اور مقابین کی پہلی کتاب کا اصل نسخہ، اور کتاب پند کلیسا کی اصل عبرانی زبان میں ملی ہیں، اور ان کتابوں کا ترجمہ ان اصلی کتب سے کیا گیا ہے، اس لئے ان کے لئے لازم ہے کہ ان کتابوں

کو تسلیم کر لیں جن کے اصل نسخے جیروم کو دستیاب ہوئے، اسی طرح اُن کے لئے ضروری ہے کہ وہ انجیل متی کو بھی تسلیم نہ کریں، کیونکہ اس کی اصل بھی گم ہو چکی تھی،

دوسرے اس لئے کہ ہورن کے افسر اسے ثابت ہو چکا ہے کہ اُن کے متقدمین کے یہاں روایات کی چھان بین اور تنقید نہیں کی جاتی تھی، اور وہ بے اصل اور روایات روایتوں کو بھی مانتے اور تسلیم کر لیتے تھے اور لکھ لیتے تھے، بعد میں آنے والے انکی پیروی کرتے جاتے، تو غالب یہی ہے کہ ان مجالس کے علماء تک بھی ان کتابوں کی بعض روایات ضرور پہونچی ہوں گی، اور انھوں نے صدیوں تک اُن کے مردود رہنے کے بعد اُن کو تسلیم کر لیا،

تیسرے اس لئے کہ کتب مقدسہ کی پوزیشن عیسائیوں کی نگاہ میں قوانین انتظامی ملکی کی طرح ہے، ملاحظہ فرمائیے،

۱۔ یونانی ترجمہ ان کے بزرگوں کے یہاں حواریوں کے زمانہ سے پندرہویں صدی تک معتبر چلا آ رہا تھا، اور عبرانی نسخوں کی نسبت اُن کا عقیدہ تھا کہ وہ تحریف شدہ ہیں

کتب مقدسہ کی حیثیت
قوانین انتظامات کی سی ہو

اور صحیح بھی یونانی ہے، اس کے بعد پوزیشن بالکل برعکس ہو جاتی ہے، اور جو محرف تھا وہ صحیح، اور جو صحیح تھا وہ محرف اور غلط قرار دیا جاتا ہے، جس سے اُن کے سارے بزرگوں کی جہالت پر روشنی پڑتی ہے،

۲۔ کتاب دانیال ان کے اسلاف کے نزدیک یونانی ترجمہ کے موافق معتبر تھی مگر جب آریجن نے اس کے غلط ہونے کا فیصلہ کر دیا تو سب نے اس کو چھوڑ کر تھیوڈوشن

لے تھیوڈوشن Theodotion ایک عبرانی عالم تھا، جس نے دوسری صدی عیسوی میں

کا ترجمہ قبول کر لیا،

۳۔ ارس میں کار سالہ سو اہویں صدی تک تسلیم شدہ چلا آ رہا تھا، جس پر سترھویں صدی میں اعتراضات کئے گئے، اور تمام علماء پروٹسٹنٹ کے نزدیک وہ جھوٹا قرار پا گیا۔
۴۔ لاطینی ترجمہ کیتھولک کے نزدیک معتبر اور پروٹسٹنٹ کے یہاں غیر معتبر اور محرف ہے،

۵۔ پیدائش کی کتاب صغیر سپرہویں صدی تک معتبر اور صحیح شادی کی جاتی تھی، پھر وہی سو اہویں صدی عیسوی میں غلط اور جعلی قرار دیدی گئی،
۶۔ عزرا کی کتاب کو گریک گرجا آج تک تسلیم کئے جا رہا ہے، اور فرقہ پروٹسٹنٹ اور کیتھولک دونوں نے اس کو مردود بنا رکھا ہے، سلیمان علیہ السلام کی زبور کو ان کے اسلاف تسلیم کرتے رہے، اور ان کی کتب مقدسہ میں وہ لکھی جاتی رہی، بلکہ آج تک کوڈکس اسکندریانوس^۱ میں موجود ہے، مگر اس زمانہ میں اس کو جعلی شمار کیا جاتا ہے۔ ہم کو امید ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ عیسائی لوگ اپنی تمام کتابوں کے جعلی اور فرضی ہونے کا آہستہ آہستہ اعتراف کر لیں گے،

اس پورے بیان سے آپ کو واضح ہو گیا ہو گا کہ عیسائیوں کے پاس نہ تو عہد عتیق کی کتابوں کی کوئی سند متصل موجود ہے، اور نہ عہد جدید کی کتابوں کی، اور جب کبھی اس سلسلہ میں اُن پر مضبوط گرفت کی جاتی ہے تو یہ بہانہ بناتے ہیں کہ مسیح علیہ السلام نے عہد عتیق کی کتابوں کے سچا ہونے کی شہادت دی تھی، اس شہادت کی صحیح پوزیشن اور پوری حقیقت انشاء اللہ تم تفصیل سے آپ کو باب ۲ ... کے مغالطہ کے جواب میں معلوم ہو جائیگی۔

۱۔ کوڈکس C A D E X انگریزی میں نسخہ کو کہتے ہیں، اسکندریانوس کی روایت سے یہ نسخہ کوڈکس اسکندریہ

دوسری فصل

بائبل اختلافات اور غلطیوں سے لبریز ہے

اختلافات

وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا

پہلا اختلاف | جو شخص کتاب حزقیال کے باب ۴۵ و ۴۶ کا مقابلہ کتاب گنتی کے باب ۲۸ و ۲۹ سے کرے گا وہ احکام میں صاف و صریح اختلاف پائے گا،

دوسرا اختلاف | کتاب یوشع کے باب ۱۳ اور کتاب استثناء کے باب ۲ میں جو بنی جانے کی میراث کے بیان میں ہے صریح اختلاف موجود ہے، ان میں سے

ایک بیان یقینی طور پر غلط ہے، جیسا کہ آپ کو کتاب یوشع کے احوال میں فصل ۲ کے اندر معلوم ہو چکا ہے،

۱۵ اس قسم میں مصنف نے ۱۲۴ واضح اختلافات بیان فرمائے ہیں جو یکے بعد دیگرے آپ کے سامنے آرہے ہیں،

۱۶ ان دونوں مقامات پر قربانی کے احکام کا تذکرہ ہوا اور اس کی تفصیلات میں اختلاف ہے،

۱۷ دیکھئے صفحہ ۳۲۲ ج ۱ مع حاشیہ،

تیسرا اختلاف

کتاب تواریخ اول کے باب ۷، ۸ میں بنیامین کی اولاد کی نسبت، اور سفر پیدائش کے باب ۴۶ کے درمیان اختلاف موجود ہے، یہود و نصاریٰ کے علماء نے اصرار کیا ہے کہ پہلی کتاب کا بیان اس سلسلہ میں غلط ہے، جیسا کہ باب ۲ کے مقصد میں معلوم ہوگا،

کتاب تواریخ اول کے باب کی آیات ۲۹ تا ۳۵ میں اور باب ۹ کی آیات ۳۵ تا ۴۴ کے درمیان

چوتھا اختلاف اور آدم کلارک کا اعتراف

ناموں کے بیاں میں اختلاف پایا جاتا ہے، آدم کلارک اپنی تفسیر کی جلد ۲ میں کہتا ہے:-
”علماء یہود کا دعویٰ ہے کہ عزرا، کو در کتابیں دستیاب ہوئی تھیں جن میں یہ جملے ناموں کے اختلاف کے ساتھ موجود تھے، مگر وہ یہ شناخت نہ کر سکا کہ ان دونوں میں کون بہتر ہے، اس لئے اس نے دونوں کو نقل کر دیا۔“

سفر سموئیل ثانی کے باب ۲۴ آیت ۹ میں یوں ہے:-
”یوآبؑ نے مردم شماری کی تعداد بادشاہ کو دی، سو اسرائیل میں

پانچواں اختلاف

آٹھ لاکھ بہادر مرد نکلے، جو شمشیر زن تھے، اور یہودا کے مرد پانچ لاکھ نکلے۔“

۱۔ اس کا کچھ حصہ صفحہ ۱۰۹ اور اس کے حاشیہ میں گزر چکا ہے،

۲۔ اختلاف کے لئے یہ بغیر ملاحظہ فرمائیے، متضاد الفاظ پر خط کھینچ دیا گیا ہے:- ب اور جد اور اور

اخو اور زکر (۳۱) اور مقلوت سے سماہ پیدا ہوا (۳۲) اور ساؤل سے یہونتن (۳۳) بنی میکاہ فیتون اور ملک اور

تاریخ (۳۶)۔۔۔ ب اور جد اور اور اخو اور زکر یاہ (۳۰) مقلوت سے سمعام پیدا ہوا (۳۸) اور ساؤل سے یونتن

(۳۹) میکام کے بیٹے فیتون اور ملک اور تاریخ (۴۲)۔

ب اور آخر سے یہوعدہ پیدا ہوا (۳۶) نبہ کا بیٹا رافہ (۳۷)

ب اور آخر سے یعیرہ پیدا ہوا (۴۲) نبہ کا بیٹا رافا یاہ (۴۳) یوآب حضرت داؤد علیہ السلام کا سپہ سالار تھا ۱۲

اس کے خلاف کتاب تواریخ اول کے باب ۲۱ آیت ۵ میں ہے کہ :-

یوآب نے لوگوں کے شمار کی میزان داؤد کو بتائی، اور سب اسرائیلی ۱۱ لاکھ شمشیر زن
مرد، اور یہودا کے چار لاکھ ستر ہزار شمشیر زن مرد تھے ۱۱

دونوں عبارتیں بنی اسرائیل اور یہودا کی تعداد میں بڑا اختلاف ظاہر
کرتی ہیں، بنی اسرائیل کی شمار میں تین لاکھ، اور یہودا کے لوگوں کی تعداد میں تیس ہزار کا تفاوت
پایا جاتا ہے،

سفر سموئیل ثانی باب ۲۴ آیت ۱۳ اس طرح ہے کہ :-
چھٹا اختلاف ۱۱ سو جاد نے داؤد کے پاس جا کر اس کو یہ بتایا، اور اس سے پوچھا کیا
تیرے ملک میں سات برس قحط رہے؟

اور کتاب تواریخ اول کے باب ۲۱ آیت ۱۲ میں یوں ہے کہ :-
”یا تو قحط کے تین برس“

دیکھئے پہلی عبارت میں سات سال اور دوسری میں تین سال کی مدت بتائی گئی ہے،
اور ان کے مفسرین نے پہلے قول کو غلط قرار دیا ہے،

کتاب سلاطین ثانی باب ۸ آیت ۲۶ میں کہا گیا ہے کہ :-
”۲۲ برس یا ۴۲ برس؟“
”خزیاہ بائیس برس کا تھا جب وہ سلطنت کرنے لگا“
ساتواں اختلاف کتاب تواریخ ثانی کے باب ۲۲ آیت ۲ میں یوں ہے کہ :-

”خزیاہ بیالیس برس کا تھا جب وہ سلطنت کرنے لگا“

۱۱ جاد علیہ السلام بقول توراۃ بنی تھے جنہیں غیب بین کے نام سے یاد کیا گیا ہے ۱۲
۱۲ یعنی تین بلاؤں میں سے کوئی ایک تو ہوگی، یا قحط، یا دشمنوں کا تسلط، یا دوبارہ، اس میں سے کسی ایک کو
اختیار کرو، تو کیا آپ کو یہ منظور ہے کہ ملک ستاسال قحط میں مبتلا ہے یا کچھ اور؟ ۱۳

دیکھئے دونوں میں کس قدر سخت اختلاف ہے، دوسرا قول یقینی طور پر غلط ہے، چنانچہ ان کے مفسرین نے اس کا اعتراف کیا ہے، اور غلط کیونکر نہ ہو، جب اُس کے باپ یہورام کی عمر بوقت وفات کل چالیس سال تھی، اور ازخیزاہ اپنی باپ کی وفات کے بعد فوراً تخت نشین ہو گیا تھا، جیسا کہ گذشتہ باب سے معلوم ہوتا ہے، ایسی صورت میں اگر دوسرے قول کو غلط نہ مانا جائے تو بیٹے کا اپنے باپ سے دو سال بڑا ہونا لازم آتا ہے،

آٹھ یا اٹھارہ؟ آٹھواں اختلاف

کتاب سلاطین ثانی باب ۲۴ آیت ۸ میں کہا گیا ہے:-

”یہو یا کین جب سلطنت کرنے لگا تو اٹھارہ برس کا تھا۔“

اور کتاب تواریخ ثانی کے باب ۳۶ آیت ۹ میں ہے کہ:-

”یہو یا کین آٹھ برس کا تھا جب وہ سلطنت کرنے لگا۔“

دونوں عبارتوں میں کس قدر شدید اختلاف ہے، اور دوسری یقیناً غلط ہے، چنانچہ اس کا اقرار ان کے مفسرین نے کیا ہے، اور عنقریب آپ کو باب ۲ مقصد میں معلوم ہو جائے گا،

نواں اختلاف اور عیسائی علماء کا اعتراف تحریف

کتاب سموئیل ثانی باب ۲۳ آیت اور کتاب ملوک من اخبار الایام کے باب ۱۱ آیت ۱۱ کے درمیان بہت بڑا اختلاف ہے، آدم کلارک سموئیل کی عبارت کی

۱۔ میں ۲۲ برس کا تھا جب سلطنت کرنے لگا، اور اس نے آٹھ برس یردشلم میں سلطنت کی۔
 ۲۔ سب نسخوں میں ایسا ہی ہے، مگر یہ غلط ہے، صحیح یہ ہے ”کتاب تواریخ اول باب آیت ۱۱“ کیونکہ یہ عبارت اسی جگہ ہے
 ۳۔ سموئیل ۲۳ میں یہ ہے ”اور داؤد کے بہادروں کے نام یہ ہیں، یعو: تحکوئی یوشیب بشیبت جو سپہ سالاروں کا سردار تھا، وہی ایزنی ادینو تھا جس سے آٹھ سو ایک ہی وقت میں مقتول ہوئے“ اور تواریخ ۱۱ اس طرح ہے:-

”اور داؤد کے سرداروں کا شمار یہ ہے یسوبعام بن یحکوئی جو تیسوں کا سردار تھا، اس نے تین سو پراپنا بھالا چلایا اور ان کو ایک ہی

شرح کے ذیل میں کہتا ہے کہ ۱۔

ڈاکٹر کنی کاٹ کا بیان ہے کہ اس آیت میں تین زبردست تخریضیں کی گئی ہیں :

پس اس ایک ہی آیت میں تین اعتلاط موجود ہیں،

دسواں اختلاف سفر سمویل ثانی باب ۵ و ۶ میں تصریح کی گئی ہے کہ داؤد علیہ السلام فلسٹیوں سے جہاد کرنے کے بعد خدا کا ثبوت

نے کر آئے : اور کتاب تواریخ اول کے باب ۳ اور ۱۴ میں یہ تصریح موجود ہے کہ داؤد علیہ السلام اُن سے جہاد کرنے کے قبل لاتے تھے، حالانکہ واقعہ ایک ہی ہی چنانچہ ابواب مذکورہ کے ناظرین پر یہ مخفی نہیں، لہذا ایک ضرور اُن میں غلط ہے،

گیارہواں اختلاف کتاب پیدائش باب ۶ کی آیت ۱۹ و ۲۰ اور باب ۸ کی آیت ۹ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے

نوح علیہ السلام کو حکم دیا تھا کہ ہر پرندے اور چوپائے اور حشرات الارض میں سے ایک ایک جوڑا یعنی ایک نر و سہرا مادہ لے کر کشتی میں رکھ لیں،

مگر باب ۲، آیت ۲ و ۳ سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ ہر حلال چوپائے اور پرندے سے سات سات جوڑے لیں، چاہے وہ حلال ہو یا حرام، اور غیر حلال چوپاؤں میں سے دو دو غور کیجئے کس قدر شدید اختلاف ہے،

۱۔ باب میں فلسٹیوں سے جہاد کا تذکرہ ہے، اور باب ۶ میں صندوق لانے کا واقعہ ذکر کیا گیا ہے، ۲۔ کتاب سمویل کے بالکل برعکس، اس میں صندوق لانے کا بیعینہ وہی واقعہ باب ۳ میں ذکر کیا گیا ہے، پھر باب ۱۴ میں جہاد کا ذکر ہے،

۳۔ دود و نر اور مادہ کشتی میں نوح کے پاس گئے جیسا خدا نے نوح کو حکم دیا تھا (۹: ۱) ۴۔ کل پاک جانوروں میں سات سات نر اور انکی مادہ لور انہیں سے جو پاک نہیں ہیں دود و نر اور انکی مادہ اپنے ساتھ

بارہوان اختلاف

کتاب گنتی کے باب اکتیس سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل نے

مدین والوں کو موسیٰ علیہ السلام ہی کی حیات میں ختم کر دیا تھا،

اور ان میں کا کوئی مرد بالغ یا نابالغ، یہاں تک کہ شیرخوار بچہ بھی باقی نہیں چھوڑا تھا، اور

نہ کسی بالغ عورت کو بقید حیات رکھا، البتہ کنواری لڑکیوں کو اپنی باندی بنالیا تھا، اس

کے برعکس کتاب قضاۃ کے باب سے پتہ چلتا ہے کہ مدین کے باشندے قاضیوں کے زمانہ

میں بڑی قوت اور طاقت کے مالک تھے، یہاں تک کہ بنی اسرائیل اُن کے سامنے

عاجز اور مغلوب تھے، حالانکہ دونوں زمانوں میں ایک سو سال سے زیادہ کا فصل نہیں

اب غور فرمائیے کہ جب باشندگان مدین عہد موسیٰ میں فنا کر دیئے گئے تھے، پھر

اس قدر قلیل عرصہ میں وہ اتنے زبردست طاقتور کیونکر ہو گئے، کہ بنی اسرائیل پر بھاری

اور غالب ہو گئے، اور سات سال تک اُن کو عاجز اور مغلوب رکھا،

کتاب خروج باب ۹ میں ہے۔

اور خداوند نے دوسرے دن ایسا ہی

کیا، اور مصریوں کے سب چرپائے مر گئے

کیا مصریوں کے سب چرپائے

مر گئے تھے؟ تیرہواں اختلاف

لیکن بنی اسرائیل کے چرپائیوں میں سے ایک بھی نہ مرا،

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصریوں کے تمام جانور مر گئے تھے، پھر اسی باب میں اس کے

۱۱ اور جیسا خداوند نے موسیٰ کو حکم دیا تھا اس کے مطابق انھوں نے مدینوں سے جنگ کی

اور سب مردوں کو قتل کیا۔ (۳۱)

۱۲ اُن بچوں میں جتنے لڑکے ہیں سب کو مار ڈالا اور جتنی عورتیں مرد کا منہ دیکھ چکی ہیں انکو قتل کر ڈالا۔ (۳۲)

۱۳ اور مدینوں کا ہاتھ اسرائیلیوں پر غالب ہوا۔ (۳۳)؛ سو اسرائیل رہائش کے سبب نہایت خستہ حال ہو گئے۔ (۳۴)

۱۴ آیت ۲۰ و ۲۱

۱۵ آیت ۶

خلاف یہ بھی کہا گیا ہے کہ:

”سو سرخون کے خادموں میں جو خداوند کے کلام سے ڈرتا تھا وہ اپنے نوکروں اور

جرچ پاؤں کو گھر میں بھگالے آیا اور جنھوں نے خداوند کے کلام کا لحاظ نہ کیا، انھوں

نے اپنے نوکروں اور جرچ پاؤں کو میدان میں رہنے دیا“

ملاحظہ کیجئے! کتنا زبردست اختلاف ہے۔

کتاب پیدائش باب ۸ آیت ۴ میں ہے کہ:-

ساتویں مہینہ کی ستائیسویں تاریخ کو کشتی

آرمینیا کے پہاڑوں پر ٹھہر گئی، اور پانی دسویں

حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی

کب ٹھہری؟ چودھواں اختلاف

مہینہ تک گھٹتا رہا، اور دسویں مہینہ کی پہلی تاریخ کو پہاڑوں کی چوٹیاں نظر آئیں“

ان دونوں آیتوں میں کیسا سنگین اختلاف پایا جاتا ہے، کیونکہ جب پہاڑوں کی چوٹیاں

دسویں مہینہ میں نظر آنا شروع ہوئیں تو پھر ساتویں مہینہ میں آرمینیا کے پہاڑوں پر

کشتی کا ٹھہر جانا کیونکر درست ہو سکتا ہے؟

سفر سموئیل ثانی کے باب ۱۸ اور کتاب تواریخ اقل

اختلاف نمبر ۱۵ تا ۲۶

کے باب ۱۸ کے درمیان اصل عبرانی میں بے شمار

اختلافات ہیں، اگرچہ مترجموں نے بعض مقامات پر اصلاح کی ہے، ہم ان کو آدم

کلاک کی تفسیر حسب ذیل عبارت سموئیل سے نقل کرتے ہیں:-

۱۔ سب نسخوں میں یہی الفاظ ہیں، مگر ہمارے پاس اردو اور انگریزی ترجموں میں الفاظ یہ ہیں:-

”اور ساتویں مہینہ کی سترھویں تاریخ کو کشتی اراراط کے پہاڑوں پر ٹپک گئی“ (۱۸)

آیت نمبر	الفاظ کتاب سموئیل ثانی باب ۸	آیت نمبر	الفاظ کتاب توایخ اول باب ۱۸
۱	داؤد نے جزیہ کی عنان فلسٹیوں کے ہاتھ سے پھین لی،	۱	جات کو اس کے قصبوں سمیت فلسٹیوں کے ہاتھ سے لے لیا،
۳	ہدد عزر	۳	ہدد عزر
۴	ایک ہزار سات سو سوار	۴	ایک ہزار ار تھ اور سات ہزار سوار
۸	لور داؤد بادشاہ بطاہ اور بیرونی سے جو ہدد عزر کے شہر تھے بہت سی پیتل لے آیا،	۸	اور ہدد عزر کے شہر دن بلخت لور کونج داؤد بہت سا پیتل لایا،
۱۰	یورام	۱۰	ہدد رام
۱۲	ارامیوں	۱۱	ادوم
۱۳	ارامیوں	۱۲	ادومیوں
۱۷	انی یاٹر کا بیٹا اخیملک کا بن تھے، اور شرا ^{۱۷} مشی تھا،	۱۷	اور ابیلک بن ابیا تر کا بن تھے اور شوشا ^{۱۷} مشی تھا،

غرض ان دونوں بابوں میں ۱۲ اختلافات موجود ہیں،

کتاب سموئیل ثانی کے باب ۱۰ میں اور کتاب توایخ اول
اختلاف ۲۷ تا ۳۲ کے درمیان جو اختلاف پایا جاتا ہے عیسائیوں کے مفسرین نے

اس کو بیان کیا ہے۔

۱۷ انہارالحق کے سب نسخوں میں جزیہ کا لفظ ہے، مگر یہاں اس سب ترجموں میں دار الحکومت کا لفظ مذکور ہے ۱۲
۱۷ انہارالحق میں منقول الفاظ یہ ہیں "اخیملک سرا یا الکتاب" جس کا مطلب ہے کہ اخیملک اور شرا یاہ دونوں مشی تھے، مگر یہاں
اس سب ترجموں میں وہ الفاظ ہیں جو ہم نے متن میں ذکر کئے ۱۲

آیت نمبر	الفاظ کتاب سموئیل ثانی باب ۱۰	آیت نمبر	الفاظ کتاب توایخ اول باب ۱۱
۱۶	اور ہدر عزز کی فوج کا سپہ سالار سو بک	۱۶	اور ہدر عزز کا سپہ سالار سو فک
۱۷	حسلام میں آیا	۱۷	ان کے قریب پہنچا
۱۸	سات سو رتھوں کے آدمی اور چالیس ہزار سوار (قتل کر ڈالے)	۱۸	سات ہزار رتھوں کے سواروں اور چالیس ہزار سپاہیوں کو مارا،
۱۸	اور ان کی فوج کے سردار سو بک کو ایسا مارا	۱۸	اور لشکر کے سردار سو فک کو قتل کیا

ان دونوں ابواب میں کچھ اختلافات موجود ہیں،

۴۰ ہزار یا ۴۲ ہزار؟
 اختلاف نمبر ۳۳
 اور بارہ ہزار سوار تھے۔
 کتاب سلاطین اول باب ۴ آیت ۲۶ میں اس طرح ہے کہ:-
 اور سلیمان کے ہاں اس کی رتھوں کے لئے چالیس ہزار تھان

اور کتاب توایخ ثانی کے باب ۹ آیت ۲۵ میں یوں ہے کہ:-

اور سلیمان کے پاس گھوڑوں اور رتھوں کے لئے چارہ ہزار تھان اور بارہ ہزار سوار تھے

فارسی اور اردو ترجموں میں بھی اسی طرح ہے، البتہ عربی ترجمہ کے مترجم نے کتاب توایخ کی عبارت کو بدل ڈالا، یعنی ۴ کے لفظ کو ۴۰ سے تبدیل کر لیا،

آدم کلارک مفسر نے کتاب سلاطین کی عبارت کے ذیل میں تراجم اور شرح کا

پہلے اختلاف نقل کیا ہے، پھر کہتا ہے:-

”بہتر یہی ہے کہ ہم ان اختلافات کے پیش نظر تعداد کے بیان میں تحریف واقع ہونے کا

لے ہمارے پاس عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۶۵ء میں ۴ ہزار ہی کا لفظ ہے، ”وکان سلیمان اربعة آلان مذود“ انگریزی ترجمہ میں بھی ایسا ہی ہے۔“

اعتراف کر لیں۔

لٹو، بیل یا کلڑیاں؟ کتاب سلاطینِ ادل کے باب ۲۴ آیت ۲۴ میں اور کتاب تواریخ
ثانی کے باب ۴ آیت ۳ کے درمیان اختلاف^۱ موجود ہے،
آدم کلارک اپنی تفسیر جلد ۲ کتاب تواریخ کی عبارت کی شرح

کے ذیل میں کہتا ہے:-

بڑے بڑے محققین کی رائے یہ ہے کہ اس موقع پر کتاب سلاطین کی عبارت کو
تسلیم کر لیا جائے، اور یہ ممکن ہے کہ لفظ بقریم بقریم کی جگہ استعمال ہو گیا ہو۔
حالانکہ بقریم کے معنی بیل کے ہیں، اور بقریم کے معنی لٹو ہیں، بہر حال اس مفسر نے
کتاب تواریخ میں تحریف واقع ہونے کا اعتراف کر لیا ہے، اس لئے اس کے نزدیک
کتاب تواریخ کی عبارت غلط ہوئی، ہنری واسکاٹ کی تفسیر کے جامعین کہتے ہیں،
”یہاں پر حرف بدل جانے کی وجہ سے فسق پیدا ہو گیا“

گیارہ سال کی عمر میں بیٹا کتاب سلاطین ثانی، باب ۱۶ آیت ۱۶ میں یوں ہے کہ:-
اور جب وہ (یعنی آخر) سلطنت کرنے لگا تو بیس
برس کا تھا، اور اس نے ۱۶ برس یروشلم میں بادشاہی کی۔
اختلاف نمبر ۳۵

۱۔ ان دونوں مقامات پر حضرت سلیمان علیہ السلام کے بنائے ہوئے ایک حوض کا تذکرہ ہے، اور اس کی کیفیت
بیان کرتے ہوئے کتاب سلاطین میں ہے ”اور اس کے کنارے کے نیچے گرداگرد سوں ہاتھ تک لٹو تھے جو اُسے یعنی بڑے
حوض کو گھیرے ہوئے تھے، یہ لٹو در قطاروں میں تھے، اور جب ڈھالا گیا تب ہی یہ بھی ڈھالے گئے“ (۱۶)
اور کتاب تواریخ میں ہے ”اور اس کے نیچے بیلوں کی صورتیں اس کے گرداگرد تھیں ہاتھ تک تھیں، اور اس بڑے حوض کے
چاروں طرف گھیرے ہوئے تھیں یہ بیل در قطاروں میں تھے اور اسی کے ساتھ ڈھالے گئے تھے“ (۱۶)
یہ الفاظ اردو اور انگریزی ترجمے کے ہیں، عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۶۵ء میں کتاب تواریخ کے اندر بیلوں کی بجائے

اور کتاب مذکور کے باب ۱۸ آیت ۲ میں اس کے بیٹے حزقیاہ کے حال میں یوں لکھا ہے:-

جب وہ سلطنت کرنے لگا تو پچیس برس کا تھا :-

جس سے لازم آتا ہے کہ اس کا بیٹا گیارہ سال کی عمر میں اس سے پیدا ہو گیا، جمادات کے خلاف ہے، اس لئے بظاہر ایک عبارت بالکل غلط ہے، مفسرین نے پہلی عبارت کے غلط ہونے کا اترار کیا ہے، ہنری داسکاٹ کی تفسیر کے جامعین نے باب ۱ کی شرح کے ذیل میں کہا ہے:-

غالب یہ ہے کہ بجائے تیس کے بیس لکھا گیا ہے، اس کتاب کے باب ۱ آیت ۲

ملاحظہ کیجئے :-

ایضاً، اختلاف نمبر ۳۶ | اسی طرح کتاب تواریخ ثانی کے باب ۲۸ کی آیت ۱ میں اس طرح ہے کہ:-

”آخر میں برس کا تھا جب وہ سلطنت کرنے لگا، اور اس نے سولہ برس یرد شلم

میں سلطنت کی :-

اور باب ۲۹ میں ہے:-

حزقیاہ پچیس کا تھا جب وہ سلطنت کرنے لگا :-

یہاں پر بھی ایک عبارت یقیناً غلط ہے، اور بظاہر پہلی عبارت ہی غلط معلوم ہوتی ہوگی

اختلاف نمبر ۳، تحریف کا مشورہ | سفر سموئیل ثانی باب ۱۲ آیت ۳۱ میں، اور کتاب تواریخ اول کے باب ۲۰ آیت ۳ کے

لہ کیونکہ پہلی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ آخر چھتیس سال کی عمر میں مرا، اور دوسری عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا بیٹا جو اپنے باپ کی وفات کے فوراً بعد بادشاہ بن گیا تھا، اُس وقت پچیس سال کا تھا، چھتیس میں سے پچیس کو تعزین کر دیجئے، تو گیارہ بچتے ہیں،

درمیان بہت سا اختلاف پایا جاتا ہے، مورن نے اپنی تفسیر کی جلد اول میں کہا ہے :-

”کتاب سموئیل کی عبارت صحیح ہے، اس لئے کتاب تواریخ کی عبارت کو بھی اس طرح

بنادیا جائے :

معلوم ہوا کہ اس کے نزدیک کتاب تواریخ کی عبارت غلط ہے، غور کیجئے کہ کس بیباکی سے

اصلاح اور تحریف کا ارشاد ہو رہا ہے، اور حیرت و تعجب اس پر ہے کہ عربی ترجمہ مطبوعہ

۱۸۴۴ء کے مترجم نے اس کے برعکس کتاب سموئیل کی عبارت کو کتاب تواریخ کی طرح

بنادالا، اور انصاف کی بات تو یہ ہے کہ اس میں کوئی بھی تعجب کی بات نہیں ہے، کیونکہ

یہ تو ان حضرات کی عادت ثانیہ ہے :

کتاب سلاطین اول باب ۱۵ آیت ۳۳ میں ہے :-

”شاہ یہوداہ آسا کے تیسرے سال سے اخیاہ کا بیٹا بعشا ترصہ میں

سائے اسرائیل پر بادشاہی کرنے لگا، اور اس نے چوبیس برس

بعشا کا یہوداہ پر حملہ

ارٹیسواں اختلاف

سلطنت کی

اور کتاب تواریخ ثانی باب ۱۶ آیت ۱ میں یوں ہے کہ :-

”آسا کی سلطنت کے چھتیسویں برس اسرائیل کا بادشاہ بعشا یہوداہ پر چڑھا آیا :

ان دونوں عبارتوں میں اختلاف ہے، ان میں سے ایک یقینی طور پر غلط ہے، کیونکہ پہلی

لے چنانچہ اس ارشاد پر بعد میں عمل بھی کر لیا گیا، اس وقت جتنے ترجمے ہمارے پاس موجود ہیں ان سب میں دونوں جگہوں

کا مفہوم بالکل ایک ہے، کتاب سموئیل کے الفاظ یہ ہیں :- ”اور اس نے اُن لوگوں کو جو اس میں تھے باہر نکال کر ان کو آروں اور

دوسرے ہینگوں اور لوہے کے کھارڈوں کے نیچے کر دیا، اور ان کو اینٹوں کے پرارہ میں سے چلایا الخ :-“ بالکل یہی مفہوم

کتاب تواریخ میں بھی ہے، صرف آخری جملہ نہ اکشیدہ، اس میں موجود نہیں ۔

عبارت کے بموجب بعثا، آسا کے چھبیسویں سال میں وفات پا چکا ہو، اور آسا کی سلطنت کے چھبیسویں سال میں اس کی وفات کو دس سال گزر چکے ہیں، تو پھر اس سال اس کا یہوداہ پر حملہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے؟ ہنری واسکاٹ کی تفسیر کے جامعین نے کتاب تواریخ کے عبارت کے ذیل میں کہا ہے :- ”ظاہر یہ ہے کہ یہ تاریخ غلط ہے“

آشر جو ایک بڑے پائے کا سچی عالم ہے، کہتا ہے کہ :-

یہ سال، یعنی چھبیسوا سال آسا کی سلطنت کا سال نہیں ہے، بلکہ بادشاہت کی تقسیم کا سال ہے، جو یوربعام کے عہد میں ہوئی تھی۔

بہر حال ان علماء نے یہ تسلیم کر لیا ہے کہ کتاب تواریخ کی عبارت غلط ہے یا تو ۲۶ کی جگہ ۳۶ کا لفظ لکھا گیا، یا لفظ تقسیم بادشاہت کے بجائے آسا کی بادشاہت لکھا گیا۔

کتاب تواریخ ثانی کے باب ۱۵ آیت ۱۹ میں ہے کہ :-

أَتَالَيْسُوا خِتْلَافٌ

”اور آسا کی سلطنت کے پینتیسویں سال تک کوئی جنگ ہوئی

یہ بھی سلاطین اول باب ۱۵ آیت ۳۳ کے مخالف ہو جیسا کہ گذشتہ اختلاف میں آپ کو معلوم ہو چکا ہے

سلاطین اول کے باب ۵ آیت ۱۶ میں نگرانوں

حَضْرَتُ سُلَيْمَانَ عَلَيْهِ السَّلَامُ کے کتنے

کی تعداد تین ہزار تین سو اور تواریخ ثانی

مَنْصِبُ دَارَتِهِ؟ چالیسوں اختلاف

کے باب ۲ آیت ۲ میں ۳۶۰۰ بیان

۱۷ کیونکہ اس نے ۲۴ برس سلطنت کی، اور آسا کے بادشاہ ہونے کے دو سال بعد ۷۰ بیٹھا تھا، اس طرح ۲۶

سال ہوئے، اور سلاطین اول ہی میں ہو کہ بعثا اپنے باپ دادا کے ساتھ سو گیا۔ (۱۶) اور شاہ یہوداہ آسا

کے چھبیسویں سال سے بعثا کا بیٹا ایلم، ترصہ میں بنی اسرائیل پر سلطنت کرنے لگا۔ (۱۶)

۱۷ تعارف کے لئے دیکھئے حاشیہ صفحہ ۱۵۲، ۱۵۳ سلیمان کے تین ہزار تین سو خاص منصب دار تھے، اور تواریخ

میں ۲۰ تین ہزار چھ سو آدمی اُن کی نگرانی کے لئے ٹھہرا دیئے۔ ۱۲

کی گئی ہے، یونانی ترجموں کے مترجموں نے کتاب سلاطین میں تحریف کی، اور تین ہزار چھ سو لکھ ڈالا،

دو ہزار بت یا تین ہزار مشکے
اختلاف نمبر ۴۱
سلاطین اول کے باب، آیت ۳۶ میں ہے:-
”دو ہزار مشکوں کی گنجائش رکھتا تھا“
اور تواریخ ثانی کے باب ۴ آیت میں ہے کہ:-

تین ہزار مشکوں کی گنجائش رکھتا تھا۔

اور فارسی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۳۸ء میں ہے کہ:-

دو ہزار بت دریاں گنجند۔

اور فارسی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۴۵ء میں ہے کہ:-

دو ہزار حشم آب می گرفت۔

اور دوسرا جملہ فارسی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۳۸ء میں ہے کہ:-

سہ ہزار بت دریاں گنجید۔

اور فارسی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۴۵ء میں اس طرح ہے کہ: ”سہ ہزار حشم آب گرفتہ گھا، میداشت“

ان دونوں عبارتوں میں ایک ہزار کا فرق ہے،

بابل کی قیسے دریا ہونیوالوں
کی تعداد؟ اختلاف ۴۲
جو شخص کتاب عزراء کے باب کا مقابلہ کتاب
نحمیا کے باب سے کرے گا اکثر مقامات پر دونوں
میں بڑا سخت اختلاف پائے گا، اور اگر ہم اختلاف

۱۔ یہ عربی سے ترجمہ ہے، مطبوعہ اردو ترجمہ کے الفاظ یہ ہیں اس میں دو ہزار بت کی سائی تھی، (۱۔ سلاطین ۴۶)

”اس میں تین ہزار بت کی سائی تھی“ (۲۔ تواریخ ۴۶)۔

سے قطع نظر بھی کر لیں، تب بھی ایک دوسری غلطی دونوں میں پائی جاتی ہے، وہ یہ کہ دونوں
 حاصل جمع میں متفق ہیں، اور کہتے ہیں کہ جو لوگ بابل کی قید سے رہائی پانے کے بعد وہاں
 سے یردشلیم آئے ہیں ان کی تعداد بیالیس ہزار تین سو ساٹھ انسداد تھی، لیکن اگر ہم
 جمع کریں تو یہ تعداد حاصل نہیں ہوتی، نہ تو عزرا کے کلام میں، اور نہ نحمیا کے کلام میں
 بلکہ پہلی میں حاصل جمع انتیس ہزار آٹھ سو اٹھارہ اور دوسری میں اکتیس ہزار نو اسی ہوتی ہے
 اور تعجب یہ ہے کہ یہ متفقہ میزان مورخین کی تصریح کے مطابق غلط ہے، یوسفس
 اپنی تاریخ کی کتاب نمبر ۱۱ باب میں کہتا ہے:-

”جو لوگ بابل سے یردشلیم آئے ان کا شمار بیالیس ہزار چار سو باٹھ انسداد تھا“
 ہنری واسکاٹ کی تفسیر کے جامعین عزرا کی عبارت کی شرح کے ذیل میں کہتے ہیں کہ:-

۱۔ اس مقام پر دونوں بابوں میں ناموں کے اختلافات کو چھوڑ کر صرف گنتی کے میں اختلافات موجود ہیں،
 جن میں سے بعض ہم نمونہ کے طور پر ذیل کے نقشہ میں پیش کرتے ہیں، اس میں بابل کی قید سے رہائی پانے والوں
 کی مردم شماری کی گئی ہے:-

آیت نمبر	الفاظ کتاب عزرا باب	آیت نمبر	الفاظ کتاب نحمیاہ باب
۶	بنی پخت دو ہزار آٹھ سو بارہ	۱۱	بنی پختوآب دو ہزار آٹھ سو اٹھارہ
۸	بنی زقو، نو سو پینتالیس	۱۳	بنی زقو آٹھ سو پینتالیس
۱۲	بنی عزجاد، ایک ہزار دو سو بائیس	۱۷	بنی عزجاد، دو ہزار تین سو بائیس
۱۵	بنی عدین، چار سو چوٹن	۲۰	بنی عدین چھ سو پچپن
۱۹	بنی حاشوم، دو سو تینیس	۲۲	بنی حاشوم، تین سو اٹھائیس
۲۸	بیت ایل اورعی کے لوگ، دو سو تینیس	۳۲	بیت ایل اورعی کے لوگ، ایک سو تینیس

۲۔ یہ ایک یہودی کاہن تھا اور اپنے عہد کے بادشاہوں کا منظور نظر، اس نے یونانی زبان میں اپنی قوم کی تاریخ

لکھی ہے ۱۲

اُس باب میں اور کتابِ نحمیا کے باب میں کاتبوں کی غلطی سے بہت بڑا فرق پیدا ہو گیا ہے، اور جب انگریزی ترجمہ کی تالیف کی تصحیح ہوئی، اس کے بہت سے حصوں کی دوسرے نسخوں سے مقابلہ کرنے کے بعد تصحیح کر دی گئی، اور باقی میں یونانی ترجمہ عبرانی متن کی شرح میں متعین ہو گیا۔

اب آپ حضرات غور فرمائیں اُن کی مقدس کتابوں کی یہ حالت ہے، یہ لوگ تصحیح کے پردہ میں ایسی زبردست تحریف کرتے ہیں کہ صدیوں سے تسلیم شدہ چیز آج دن میں خس و خاشاک کی طرح بہہ جاتی ہے، اس کے باوجود اغلاط موجود ہیں۔

انصاف کی بات تو یہ ہے کہ یہ کتابیں اصل ہی سے غلط ہیں، تصحیح کرنے والوں کا اس کے سوا کوئی تصور نہیں ہے کہ وہ بیچارے جب عاجز ہو گئے تو انھوں نے ان بے گنا کاتبوں کے سر ڈال دیا، جن کو اس سازش کی خبر بھی نہیں، اب بھی جو صاحبانِ دو بابوں میں غور کریں گے تو اغلاط اور اختلافات کی تعداد بیس سے بھی زیادہ ان کو دستیاب ہوگی، آئندہ کا حال خدا جانے کہ وہ کس طرح تحریف کریں گے؟

ابیاہ کی ماں کون تھی؟
اختلاف ۴۳

کتاب تواریخ ثانی باب ۱۳ آیت ۲ میں شاہ ابیاہ کی ماں کے بارے میں ہے کہ:-

”اس کی ماں کا نام میکایاہ تھا جو اوری ایل جیسی کی بیٹی تھی۔“

اور باب ۱۱ آیت ۲ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی ماں مغنی ابی سلوم کی لڑکی تھی، اس کے

۱۵ اس وقت بھی انگریزی ترجمہ میں تفسیراً بیس اختلافات موجود ہیں، غور فرمائیے کہ بہت سے حصہ کی تصحیح کے بعد یہ حال ہے تو نہ جانے پہلے کیا عالم ہوگا،

۱۶ نیز اسلاطین ۱۵ سے، اس میں ہے کہ ”اس کی ماں کا نام معکہ تھا جو ابی سلول کی بیٹی تھی ۱۲ ات

برعکس کتاب سموئیل ثانی باب ۱۴ آیت ۲۷ سے معلوم ہوتا ہے کہ ابی سلوم کے صرف ایک ہی بیٹی تھی جس کا نام مرق تھا،

اختلاف ۴۴ کتاب یوشع باب ۱۰ سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل جب یہ دشلیم کے بادشاہ کو قتل کر چکے تو اس کے ملک پر قابض ہو گئے

اور اسی کتاب کے باب ۱۵ آیت ۶۳ سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کا قبضہ اور تسلط یر دشلیم پر نہیں ہوا

اللہ یا شیطان؟ اختلاف ۴۵ کتاب سموئیل ثانی باب ۲۴ آیت میں یوں ہے کہ۔ اس کے بعد خداوند کا غصہ اسرائیل پر بھڑکا

اور اس نے داؤد کے دل کو اُن کے خلاف یہ کہہ کر ابھارا کہ جا کر اسرائیل اور یہوداہ کو گنہ اور تواریخ ادل کے باب ۲۱ آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خیال ڈالنے والا شیطان تھا، اور چونکہ عیسائیوں کے عقیدہ کے مطابق خدا خالق شر نہیں ہے، اس لئے بڑا سخت اختلاف لازم آگیا،

اختلاف ۴۶ تا ۵۱ جو شخص حضرت مسیح علیہ السلام کے اُس نسب نامہ کا مقابلہ جو انجیل مٹی میں ہے اس بیان سے کرے گا جو لوقا کی انجیل

میں ہے تو بہت اختلاف پائے گا۔

۱۔ اور ابی سلوم سے تین بیٹے پیدا ہوئے اور ایک بیٹی جس کا نام مرق تھا۔

۲۔ اور یہودیوں کو جو یر دشلیم کے باشندے تھے، بنی یہوداہ نکال دیئے، سو یہوسی بنی یہود کے ساتھ آج کے دن تک یر دشلیم میں بسے ہوئے ہیں۔

۳۔ اور شیطان نے اسرائیل کے خلاف اٹھ کر اور داؤد کو ابھارا کہ اسرائیل کا شمار کرے۔

مسیح علیہ السلام کے نسب میں شدید اختلاف

پہلا اختلاف | متی سے معلوم ہوتا ہے کہ یوسف بن یعقوب، اور لوقا سے معلوم ہوتا ہے یوسف بن ہالی،

دوسرا اختلاف | متی سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح علیہ السلام سلیمان بن داؤد کی اولاد میں سے ہیں، اور لوقا سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ناتن بن داؤد کی نسل سے ہیں،

تیسرا اختلاف | متی سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح علیہ السلام کے تمام آباء و احبہ داؤد علیہ السلام سے ... بابل کی جلا وطنی تک سب کے سب مشہور سلاطین اور بادشاہ تھے، اس کے برعکس لوقا سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سوائے داؤد اور ناتن کے نہ کوئی بادشاہ تھا اور نہ مشہور معروف شخص،

چوتھا اختلاف | متی سے معلوم ہوتا ہے کہ شائستہ یکنیاہ کا بیٹا ہے، اور لوقا سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نیری کا بیٹا ہے،

پانچواں اختلاف | متی سے معلوم ہوتا ہے کہ زربابل کے بیٹے کا نام ایہوزر ہے، اور لوقا سے

۱۔ یوسف سے مراد یہاں وہ شخص ہیں جنہیں انجیل میں حضرت مریم کا شوہر کہا گیا ہے اور یعقوب سے یوسف پیدا ہوا (متی ۱۶)، یوسف کا بیٹا تھا، اور وہ عیسیٰ کا (لوقا ۳) عربی ترجموں میں عیسیٰ کے بجائے حالی ہو۔
۲۔ متی ۱۶
۳۔ لوقا ۳

۴۔ چنانچہ متی میں سب مشہور بادشاہوں کے نام مذکور ہیں، اور لوقا میں ان کی جگہ بالکل غیر معسرت اشخاص ہیں،

۵۔ متی ۱۶، لوقا ۳،

معلوم ہوتا ہے کہ اس کا نام ریسّا تھا، اور مزید دلچسپ اور تعجب انگیز بات یہ ہے کہ زور بابل کے بیٹوں کے نام کتاب تواریخ اذل کے باب ۳ میں لکھے ہوئے ہیں، جن میں نہ ریسّا کا نام ہے نہ ابلی ہودکا، لہذا سچی بات تو یہ ہے کہ دونوں ہی غلط ہیں،

مسیح علیہ السلام سے داؤد علیہ السلام تک	متی کے بیان کے مطابق داؤد علیہ السلام سے
کتنی پشتیں تھیں؟ چھٹا اختلاف	مسیح علیہ السلام تک ۲۶ پشتیں ہوتی ہیں،

اس کے برعکس لوقا کا بیان یہ ہے کہ ۳۱ پشتیں ہیں، اور چونکہ داؤد اور مسیح علیہما السلام کے درمیان ایک ہزار سال کا فصل ہے، اس لئے پہلے قول کے مطابق ہر پشت اور نسل کے بالمقابل ۴۰ سال ہوتے ہیں، اور دوسرے قول کے مطابق ۲۵ سال اور چونکہ دونوں بیانات میں ایسا کھلا اور واضح اختلاف ہے کہ معمولی غور سے معلوم ہو سکتا ہو، اس لئے مسیحی علماء دونوں انجیلوں کی شہرت کے زمانہ سے آج تک انگشت بدنداں اور حیران ہیں، اور کمزور توجیہات کرتے رہتے ہیں، اس لئے محققین کی بڑی جماعت جیسے اکھارن، کیسروہینس اور ڈیوٹ اور دیز اور فرش وغیرہ نے اعتراف کیا ہے کہ ان دونوں میں واقعی معنوی اختلاف موجود ہے، اور یہ بات حق اور عین انصاف ہے، کیونکہ جس طرح دونوں انجیلوں سے دوسرے مقامات اور غلطیاں اور اختلافات صادر ہوئے اسی طرح یہاں پر یہ اختلاف صادر ہوا، ہاں بیشک اگر ان کا کلام اس مقام کے سوا اغلاط و اختلاف سے پاک ہوتا تو بیشک تاویل کرنا مناسب تھا، اگرچہ پھر بھی وہ تاویل بعید ہی ہوتی۔

دوم کلا رک نے انجیل لوقا کے باب ۳ کی شرح کے ذیل میں ان توجہیات کو ناپسندیدگی کے ساتھ نقل تو کیا ہے مگر حیرت کا اظہار بھی کیا ہے، پھر ایک ناقابل سماعت غدر مسٹر ہارمرسی کا جلد ۵ صفحہ ۴۰۸ پر یوں نقل کرتا ہے کہ :-

نسب کے اوراق یہودیوں کے پاس بہترین طریقہ پر محفوظ تھے، اور ہر سمجھدار شخص جانتا ہے کہ متی اور لوقا نے خدا کے نسب بیان کرنے میں ایسا شدید اختلاف کیا ہے جس میں متقدمین اور متاخرین سب ہی حیران ہیں اور غلطان و بچاؤ ہیں۔ لیکن جس طرح مؤلف کے حق میں دوسرے مقامات پر بہت سے اعتراضات ہوئے مگر کچھ عرصہ بعد ہی اعتراضات اس کی حمایت پر کمر بستہ ہو گئے، اسی طرح یہ اعتراض بھی جب بادل چھٹ جائے گا تو مصنف کے حق میں حامی اور ناصر بنے گا، اور زمانہ ایسا ضرور کرے گا۔

بہر حال انھوں نے یہ تو اعتراف کر لیا کہ یہ اختلاف اتنا شدید اختلاف ہے کہ جس میں اگلے پچھلے بڑے بڑے محقق حضرات حیران ہیں، مگر ان کی یہ بات کہ نسب کے اوراق یہودیوں کے یہاں بڑی حفاظت کے ساتھ رکھے جاتے تھے قطعی باطل اور مردود ہے، کیونکہ یہ اوراق حوادث کی آندھیوں نے پراگندہ اور منتشر کر دیئے تھے، یہی وجہ تھی جس کی بناء پر عزرا علیہ السلام اور دونوں رسولوں سے نسب کے بیان میں غلطیاں سرزد ہوئیں، جس کا اعتراف مفسر مذکور بھی کرنے پر مجبور ہو گیا، جیسا کہ آپ کو باب ۲ کے مقصد ۱۶ شاہد^{۱۶} میں معلوم ہو جائے گا، پھر جب عزرا کے زمانہ میں یہ کیفیت تھی تو اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ حواریوں کے عہد میں کیا کچھ نہ ہوگا، اور جب کاہنوں

اور دوسا کے نسب ناموں کے اوراق محفوظ نہیں رہ سکے، تو غریب یوسف بنجار کے نسب کے اوراق کا کیا اعتبار اور وزن ہو سکتا ہے؟

اور جب تین حجت پر پیغمبر کے نسب کے بیان میں ایسی فاش غلطی کر سکتے ہیں، اور ان کچھ غلط صحیح میں کوئی امتیاز نہیں ہوتا تو انجیل متی کے مترجم کی نسبت کیا خیال کیا جائے جس کا آج تک نام بھی معلوم نہ ہو سکا، چہ جائے کہ اس کے معتبر و معتمد ہونے کا یا صاحب الہام ہونے کا علم ہو سکے؟ اسی طرح لوقا کی نسبت کیا رائے قائم کی جائے جو یقیناً حواریوں میں داخل نہیں ہے، نہ اس کا صاحب الہام ہونا معلوم ہے۔

اس لئے غالب گمان یہی ہے کہ ان دونوں کو دو مختلف اوراق یوسف بنجار کے نسب کے سلسلہ میں میل گئے ہوں گے، اور چونکہ صحیح اور غلط کے درمیان وہ امتیاز نہیں کر سکے لہذا ایک نے اپنی صواب دید کے مطابق ایک برق پر اعتماد کر لیا، اور دوسرے نے دوسرے برق کو پسند کر لیا،

مفسر مذکور کی یہ توقع کہ زمانہ ضرور ایسا کرے گا ایسا خواب ہے کہ انشاء اللہ شرمندہ تعبیر نہ ہوگا، اس لئے کہ جب اٹھارہ سو سال کے طویل عرصہ میں یہ الزام صاف نہ ہو سکا بالخصوص آخری تین صدیوں میں جب کہ یورپی ممالک میں علوم عقلیہ و نقلیہ کی ترقی اپنی انتہا کو پہنچ گئی ہے، اور تحقیقات کا دائرہ اس وسیع ہو چکا ہے کہ جس نے مذہبی تحقیقات کو بھی اپنے دامن میں سمیٹ لیا ہے، چنانچہ ان تحقیقات کے نتیجہ میں پہلے انھوں نے مذہب میں کچھ اصلاح کی، اور مذہب عمومی کو پہلے ہی وار میں باطل و شرار دیدیا،

۱۔ یوسف بنجار انجیل کے بیان کے مطابق حضرت مریم علیہا السلام کے منگیتر تھے، اور شہر ناصری میں بڑھتی کا کام کرتے تھے، دنیوی اعتبار سے آپ کی کوئی شہرت نہ تھی، ۱۲

اسی طرح پاپا کے متعلق جو ملت عیسوی کا مقتدا ہے عظیم شمار کیا جاتا ہے فیصلہ کر دیا کہ وہ مکار و غدار ہے، پھر اصلاح کے باب میں ان کے اندر اختلاف رونما ہو گیا، اور چند فرقے بن گئے، اور دن بہ دن مذہبی بدعنوانیوں کی اصلاح کرتے رہے، یہاں تک کہ ان کے بے شمار محققین و علماء کی تحقیقات کے نتیجہ میں اصلاح کے باوجود پرہیز گئے اور مذہب عیسوی کو بالآخر انھوں نے باطل اور بے بنیاد قصہ کہانیوں، اور دہشیات توہم پرستیوں کا مجموعہ قرار دیدیا، اب کسی دوسرے دور میں اس الزام و اعتراض کی صفائی کی توقع محض عبث ہے۔

عیسائیوں کی طرف سے اس اختلاف [آجکل جو مشہور توجیہ چل رہی ہے وہ یہ ہے کہ مکن ہی کی توجیہ، اور اس کا جواب] متی نے یوسف کا نسب اور لوقا نے مریم کا نسب لکھا ہو، اور یوسف ہالی کا داماد ہو، اور ہالی کے کوئی بیٹا نہ ہو، اس لئے یوسف کی نسبت اس کی جانب کر دی گئی ہو، اس طرح وہ نسب کے سلسلہ میں شمار کر لیا گیا ہو، لیکن یہ توجیہ چند وجوہ سے مردود و باطل ہے۔

اول تو اس لئے کہ مسیح علیہ السلام اس صورت میں ناتن کی اولاد میں سے قرار پائیں گے، نہ کہ سلیمان علیہ السلام کی اولاد میں سے، اس لئے کہ اُن کا حقیقی نسب ماں کی جانب سے ہوگا، یوسف بنجار کے نسب کا اس میں کوئی لحاظ نہیں ہوتا جس کا نتیجہ یہ نکلتے گا کہ مسیح مسیح نہیں ہو سکے، اس لئے فرقہ پروٹسٹنٹ کے پیشوا کالوین نے اس توجیہ کو رد کرتے ہوئے کہا ہے کہ:-

۱۔ کیونکہ جس مسیح علیہ السلام کی بشارتیں دی جا رہی تھیں اُن کے بارے میں یہ تصریح تھی کہ وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی اولاد میں سے ہوں گے ۱۳

جو شخص مسیح کے نسب سلیمان کو خارج کرتا ہے وہ مسیح کو مسیح ہونے سے خارج کرتا ہے۔
 دوسرے یہ کہ یہ توجیہ اس وقت تک صحیح نہیں ہو سکتی جب تک معتبر تاریخ
 سے یہ ثابت نہ ہو جائے کہ مریمؑ ہالی کی بیٹی تھیں، اور ناتن کی اولاد میں سے تھیں،
 اور محض احتمال کافی نہیں ہے، خصوصاً ایسی حالت میں جب کہ آدم کلارک وغیرہ
 جیسے محققین اس کی تردید کرتے ہوں، اور ان کا مقتدا کالوین بھی اس کا رد کر رہا ہو،
 یہ دونوں باتیں کسی کمزور دلیل سے بھی ثابت نہیں ہو سکیں، چہ جائے کہ کسی مطبوعہ
 دلیل سے انھیں ثابت کیا جائے۔

بلکہ دونوں باتوں کے برعکس ثبوت موجود ہے، کیونکہ یعقوب کی انجیل میں تصریح
 ہے کہ مریمؑ کے والدین کا نام یہو یاقم اور عانا ہے، اور یہ انجیل اگرچہ ہمارے معاصر
 عیسائیوں کے نزدیک الہامی اور یعقوب حواری کی انجیل نہ بھی ہو، مگر اس میں تو
 کوئی بھی شبہ نہیں کہ ان کے اسلاف ہی کی گھڑی ہوئی اور بہت ہی قدیم ہے،
 اور اس کا مؤلف متردن ادنیٰ کے لوگوں میں سے ہے، اس لئے اس کا مرتبہ کم از کم
 معتبر تاریخ کے درجہ سے کسی طرح گھٹا ہوا نہیں ہو سکتا، اور ایک غیر مستند احتمال اس کا
 مقابلہ نہیں کر سکتا۔

آگسٹائن کہتا ہے کہ کسی کتاب میں جو اس کے عہد میں موجود تھی یہ تصریح
 پائی جاتی ہے کہ:-

”مریم علیہا السلام لادسی کی قوم سے تھیں۔“

یہ چیز ان کے ناتن کی اولاد ہونے کے منافی ہے، اس کے علاوہ تورات کی کتاب گنتی
 میں ہے:-

”اور اگر بنی اسرائیل کے کسی قبیلہ میں کوئی لڑکی ہو جو میراث کی مالک ہو تو وہ اپنے باپ کے قبیلہ کے کسی خاندان میں بیاہ کرے، تاکہ ہر اسرائیلی اپنے باپ دادا کی میراث پر قائم رہے، یوں کسی کی میراث ایک قبیلہ سے دوسرے قبیلہ میں نہیں جانے پائے گی“ (گنتی ۳۶/۱)

اور انجیل لوقا میں ہے:-

”ذکر یا نام کا ایک کاہن تھا، اور اس کی بیوی ہارون کی اولاد میں سے تھی“
 اور یہ بھی اناجیل سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مریم حضرت زکریا کی بیوی کی قریبی رشتہ دار تھیں، تو معلوم ہوا کہ حضرت مریم بھی ہارون کی اولاد میں سے تھیں، اور چونکہ تورات کا حکم یہ ہے کہ بنی اسرائیل کی عورت اپنے ہی خاندان میں شادی کرے، اس لئے حضرت مریم کے مرنے پر شوہر (یعنی یوسف نجار) بھی ہارون کی اولاد میں ہی ہوں گے، اور دونوں انجیلوں میں ان کے جو نسب نامے مذکور ہیں وہ غلط قرار پائیں گے اور غالباً یہ اہل تثلیث نے اس لئے گھڑے ہوں گے، تاکہ حضرت مسیح علیہ السلام کو حضرت داؤد علیہ السلام کی اولاد میں سے ثابت کیا جاسکے، اور یہودی لوگ ان کے مسیح موعود ہونے پر محض اس لئے طعن نہ کر سکیں کہ یہ تو ہارون کی اولاد میں سے ہیں، اور مسیح موعود کو داؤد علیہ السلام کی اولاد میں سے ہونا چاہئے،

اس خطرہ سے بچنے کے لئے دو مختلف لوگوں نے الگ الگ نسب نامہ گھڑ لئے، اور چونکہ یہ انجیلیں دوسری صدی کے آخر تک مشہور نہ ہو سکیں، اس لئے ایک گھڑنیوالا دوسرے کی جعل سازی سے واقف نہ ہو سکا، جس کے نتیجہ میں اختلاف پیدا ہو گیا۔
 تیسری وجہ یہ ہے کہ مریم ہالی کی بیٹی ہوئیں تو یہ امر متقدمین سے کہے مخفی رہ سکتا تھا،

اور اگر ان کو اس کا ذرا بھی علم ہوتا تو وہ ایسی رکبت تو جہیات نہ کرتے، جن کو متاخرین نے رد کیا، اور ان پر لعنت ملاست کی ہے۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ متی کے الفاظ یہ ہیں کہ:-

”یعقوبؑ اکنیسی تون یوسف“

اور لوقا کے الفاظ یہ ہیں:- ”دیوس یوسف تو ہابی“

ان دونوں عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ متی اور لوقا دونوں یوسف کا نسب لکھتے ہیں، پانچویں وجہ یہ ہے کہ اگر ہم یہ تسلیم کر لیں کہ مریم ہابی کی بیٹی تھیں تو لوقا کی عبارت اُس وقت تک صحیح نہیں ہوگی جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے کہ واقعی یہودیوں کے یہاں رواج تھا کہ جب داماد کی بیوی کا کوئی بھائی موجود نہ ہو تو اسے نسبی سلسلہ میں داخل کر لیا جاتا تھا اور ایسے ہی جگہ لکھا جاتا مگر یہ بات آج تک کسی معتبر ذریعہ سے ثابت نہیں ہو سکی ہے، اور پرنسٹنٹ فرقہ کے بعض علماء کی بے دلیل خواہشات اور کمزور و باطل استنباط ہمارے خلافت نہیں ہو سکتا،

ہم بھی کسی شخص کے دوسری جانب منسوب ہونے کے قطعی طور پر منکر نہیں ہیں، بلکہ ہمارے نزدیک یہ ممکن ہے کہ جب ایک شخص دوسرے نسبی یا سببی رشتہ داروں میں سے ہو یا اس کا استاد یا مرشد ہو اور دینی یا دنیوی اعتبار سے مشہور ہو تو اس شخص کی نسبت اس کی جانب ہو سکتی ہے، اور یوں کہا جاسکتا ہے کہ وہ فلاں انیر یا بادشاہ کا بھتیجا یا بھانجا یا داماد ہے، یا فلاں کا شاگرد یا فلاں صاحب کامر ہے

۱۔ یہ غالباً عبرانی الفاظ ہیں اردو ترجمہ کے الفاظ ”یعقوب سے یوسف پیدا ہوا (متی ۱۶)“ ”یوسف

کا بیٹا تھا اور وہ عیسیٰ کا“ لوقا ۳

مگر یہ نسبت دوسری چیز ہے۔ اور سلسلہ نسب میں کسی کو داخل کر لینا بالکل دوسری بات ہے، مثلاً یہ کہنا کہ وہ اپنے خسر کا بیٹا ہے، اور یہ کہنا کہ یہ یہودیوں کا رواج تھا، ایک دوسری بات ہے، جس کا ہم انکار نہیں کرتے، لیکن اس کو ثابت کیا جائے کہ اُن کے یہاں ایسا رواج تھا۔

انجیل متی لوقا کے زمانہ میں | انجیل متی لوقا کے زمانہ میں نہ مشہور تھی نہ معتبر، ورنہ یہ کیسے ہو سکتا مشہور یا معتبر نہ تھی | ہو کہ لوقا مسیحؑ کے بیان میں متی کے بیان کی مخالفت کرنے کی جرأت کرتا، اور مخالفت بھی اتنی شدید کہ جس نے تمام اگلے پچھلوں کو حیران بنا رکھا ہو، اور ایک دو حرف بھی توضیح کے لئے اس میں اس قسم کے نہیں بڑھاتا جس سے اختلاف دُور ہو سکے۔

جو شخص انجیل متی کے باب کا مقابلہ لوقا کی انجیل سے کرے گا | اختلاف ۵۲ و ۵۳ | تو زبردست اختلاف پائے گا، جس سے یقین ہوتا ہے کہ دونوں میں سے ایک بھی الہامی کتاب نہیں ہو سکتی، تاہم اس موقع پر صرف دو اختلافات کے بیان پر اکتفا کرتے ہیں:-

ولادت مسیحؑ کے بعد | متی کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیحؑ کے والدین مسیحؑ کی حضرت مریمؑ کہاں رہیں | پیدائش کے بعد بیت اللحم ہی میں رہتے رہتے تھے، اور اس کے ایک کلام سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ بیت اللحم کے قیام کی مدت تقریباً دو سال تھی، اور چونکہ وہاں آتش پرستوں کا تسلط ہو گیا تھا تو ان کے والدین مصر چلے گئے، اور ہیرودیس

لے پڑا وہ اٹھا اور بچہ اور اس کی ماں کو لیکر اسرائیل کے ملک میں آگیا (متی ۲۱)

لے ہیرودیس | Herod the great | یہوداہ کا گورنر، جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی

کی زندگی تک مصر ہی میں رہتے تھے، اس کے مرنے کے بعد واپس لوٹے تو ناصرہ میں قیام کیا، اس کے برعکس لوقا کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح علیہ السلام کے والدین ان کی پیدائش کے بعد زچگی کے دن پورے کرتے ہی یرושلم چلے گئے تھے، اور شربانی کی رسم ادا کر کے ناصرہ چلے آئے تھے، اور وہاں پر دونوں کا مستقل قیام رہا، السبتہ سال بھر میں صرف عید کے موقع پر یرושلم چلے جاتے تھے، ہاں مسیح علیہ السلام نے ضرور ماں باپ کی اجازت و اطلاع کے بغیر عمر کے بارہویں سال میں یرושلم میں تین روز قیام کیا، اس کے بیان کے مطابق آتش پرستوں کے بیت اللحم میں آنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، بلکہ اگر ان کے آمد کو تسلیم ہی کیا جائے تو وہ ناصرہ میں ہو سکتی ہے، کیونکہ راستہ میں ان کی آمد بہت ہی بعید ہے، یہ بھی ممکن نہیں کہ ان کے والدین مصر آگئے ہوں اور وہیں ان کا قیام رہا ہو، کیونکہ اس کلام میں تصریح موجود ہے کہ یوسف نے یہوداہ کے علاقے سے کبھی باہر قدم ہی نہیں نکالا، نہ مصر کی جانب کسی دوسری طرف،

کیا ہیرودیس حضرت مسیح کا دشمن تھا؟ متی کے کلام سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ یرושلم والوں اور ہیرودیس کو آتش پرستوں کے بتلنے سے قبل مسیح علیہ السلام کی ولادت کا علم نہیں ہوا تھا، اور یہ مسیح علیہ السلام کے سخت دشمن تھے،

۱۵؎ تمہیں جب موسیٰ کی شریعت کے موافق ان کے پاک ہونے کے دن پورے ہو گئے تو وہ اس کو یرושلم میں لائے تاکہ خداوند کے آگے حاضر کریں (لوقا ۲۴)۔

اور جب وہ خداوند کی شریعت کے مطابق سب کچھ کر چکے تو گلیل میں اپنے شہر ناصرہ کو پہنچ گئے (۲۴)۔ اس کے ماں باپ ہر برس عید فیح پر یرושلم جایا کرتے تھے (۲۴)۔ ۵؎ لوقا ۲: ۴۲ تا ۵۱،

۵؎ باب ۲، آیت ۱۲،

۵؎ ہیرودیس اس بچہ کو تلاش کرنے کو پرتا کہ اُسے ہلاک کرے (۲۴)۔

اس کے برعکس لوقا کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح علیہ السلام کے والدین زچگی سے فراغت کے بعد جب قربانی کی رسم ادا کرنے پر دشلم گئے تھے، تو شمعون نے جو ایک نیک صالح شخص اور روح القدس سے لبریز تھا، اور جس کو وحی کے ذریعہ یہ بتایا گیا تھا کہ تیری موت مسیح کی زیارت سے پہلے نہ ہوگی، مسیح کے دونوں بازو پکڑ کر ہیکل میں نمایاں کر کے اُن کے اوصاف لوگوں کے سامنے بیان کئے،

اسی طرح حناہ نبیہ اس وقت رب کی پاکی بیان کرتے ہوئے کھڑی ہوئی، اور ان لوگوں کو جو یروشلم میں مسیح کے اشتیاق انتظار میں تھے اس نے اطلاع دی، اب اگر یروشلم کے باشندوں اور ہیرودیس کو مسیح کا دشمن مانا جاتے تو ایسی حالت میں یہ کیونکر ممکن ہے کہ وہ نیک بخت جو روح القدس سے لبریز تھا، ہیکل جیسے مقام پر مسیح کی خبر دیتا، جہاں دشمنوں کا ہر وقت مجمع تھا، اور نہ حناہ پیغمبر یروشلم جیسے مقام پر لوگوں کو اس واقعہ کی اطلاع دیتی، قاضی ٹورٹن اگرچہ انجیل کی حمایت کرتا ہے مگر اس موقع پر اُس نے دونوں بیانوں میں حقیقی اختلاف پائے جانے کا اقرار کیا، اور یہ فیصلہ کیا کہ متی کا بیان غلط اور لوقا کا بیان درست ہے۔

انجیل مرقس باب ۲ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مسیح نے جماعت اختلاف ۵۶ کو دُعظ تمثیلات کے بعد چلے جانے کا حکم دیا تھا، جب کہ دریا

۵۲ ۳۸ تا ۳۶

۵۳ ۳۲ تا ۲۵

۵۳ دُعظ تمثیلات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اُس دُعظ کا نام ہے جو بقول انجیل آپ نے ایک مہیل کے کنارے دیا تھا، اور اس میں حقائق کو تمثیلات کے پیرایہ میں بیان فرمایا تھا، اور پہاڑی دُعظ سے مراد وہ دُعظ ہے جو آپ نے ایک پہاڑ پر چڑھ کر دیا تھا، یہ دُعظ متی ۵۱ و ۵۲ میں موجود ہے، نقی

میں طغیانی تھی، اور انجیل متی باب سے پتہ چلتا ہے کہ یہ دونوں واقعے پہاڑی وعظ کے بعد پیش آئے ہیں، چنانچہ متی نے تمثیلات والا وعظ باب ۱۳ میں لکھا ہے، لہذا یہ وعظ دونوں واقعات کے کافی عرصہ بعد ثابت ہوا، کیونکہ دونوں مواعظ کے درمیان کافی مدت کا فاصلہ ہے، اس لئے ایک بیان یقینی طور پر غلط ہے، کیونکہ جو لوگ اپنے کلام کو الہامی قرار دیتے ہوں یا لوگوں کا ان کے بارے میں خیال ہو اگر وہ واقعات کو آگے پیچھے بیان کریں تو اسے ظاہر ہے کہ تناقض ہی تکرار دیا جائے گا۔

اختلاف ۵۵ مرقس باب ۱۱ میں لکھتا ہے کہ مسیح اور یہودیوں کے درمیان مشہور مباحثہ اور مناظرہ یروشلم پہنچنے کے تین دن بعد پیش آیا تھا، اس کے برعکس متی نے باب ۲۱ میں لکھا ہے کہ یہ مناظرہ دوسرے دن ہوا،

اس لئے یقیناً ایک بیان غلط ہے، ہورن ان دونوں اختلافات کی نسبت جن کا ذکر اس اختلاف میں اور گزشتہ اختلافات میں ہوا ہے اپنی تفسیر کی جگہ مطبوعہ ۱۸۲۲ء کے صفحہ ۲۴۵ و ۲۴۶ پر لکھتا ہے:-

”ان واقعات میں تطبیق کی کوئی صورت نظر نہیں آتی“

اختلاف ۵۶ متی باب ۲۱ میں پہاڑی وعظ کے بعد پہلے کوڑھی کو صحتیاب کرنے کا واقعہ لکھتا ہے، پھر حضرت عیسیٰ کے کفرنا حرم پہنچنے کے بعد صوبیدار کے غلام کو شفاء دینا، پھر پطرس کے حامیوں کو شفاء دینا بیان کرتا ہے،

۱۵ باب ۸، آیت ۲۳ تا ۲۴،

۱۶ یروشلم پہنچنے کے بعد ہر دن کے واقعات کا ذکر کرتے ہوئے آیت ۲۴ میں یہ مناظرہ تیسرے دن کے واقعات میں مذکور ہے اور متی نے دوسرے دن کے واقعات میں ذکر کیا ہے ۱۵ آیت ۳، ۱۵ آیت ۱۳، ۱۵ آیت ۱۶

اس کے برعکس یوحنا سے پہلے پطرس کے حامیوں کو شفاء دینا بیان کرتا ہے،
پھر باب میں کوڑھ کو شفاء دینا، پھر باب میں صوبیدار کے غلام کو شفاء دینا بیان
کر رہا ہے، اور یقیناً دونوں بیانیوں میں سے ایک غلط ہے،

ایلیا کون تھا؟ یہودیوں نے کاہنوں اور لادسی کی اولاد کو یحییٰ کے پاس یہ دریافت
کرنے کے لئے بھیجا کہ ”تو کون ہے؟ چنانچہ انھوں نے پوچھا اور کہا کہ
اختلاف ۵۷ ”کیا تو ایلیا ہے؟“ یحییٰ نے جواب دیا کہ ”میں ایلیا نہیں ہوں“

جس کی تصریح انجیل یوحنا باب میں موجود ہے،

اور اس کے برعکس انجیل متی باب ۱۱ آیت ۱۴ میں حضرت عیسیٰ کا قول حضرت
یحییٰ کے حق میں یوں بیان کیا گیا ہے:-

”اور چاہو تو مانو، ایلیا جو آنے والا تھا یہ ہی ہے“

اور انجیل متی باب ۱۷ آیت ۱۰ میں ہے کہ:-

”شاگردوں نے اس سے پوچھا کہ پھر فقہ کیوں کہتے ہیں کہ ایلیا کا پہلے آنا ضرور ہے
اس نے جواب میں کہا کہ ایلیا البتہ آئے گا، اور سب کچھ بحال کرے گا، لیکن میں
تم سے کہتا ہوں کہ ایلیا تو آچکا، اور انھوں نے اُسے نہیں پہچانا، بلکہ جو چاہا اس کے
ساتھ کیا، اسی طرح ابن آدم بھی اُن کے ہاتھ سے دکھ اٹھائے گا، تب شاگرد
سمجھ گئے کہ اس نے ان سے یوحنا بپتسمہ دینے والے کی بابت کہا ہے“ (آیات ۱۰ تا ۱۳)

۱۷ (۳۸) یاد رہے کہ یہاں پطرس کا نام شمعون مذکور ہے ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ یہ دونوں ایک ہی شخص کے دو نام ہیں ۱۲
۱۷ آیت ۱۳ ، ۱۷ آیت ۱۰ ، ۱۷ آیت ۱۹ تا ۲۱ ،
۱۷ ”فقہ“ اور ”کاتب“ سے مراد انجیل میں یہودی علماء ہوتے ہیں ۱۲
۱۷ انجیل میں حضرت یحییٰ کا نام ”یوحنا المعمد“ مذکور ہے ۱۲

ان دونوں عبارتوں سے یہ بات معلوم ہوتی کہ یحییٰ ہی موعود اینیاری ہیں، نتیجہ یہ ہوا کہ یحییٰ اور عیسیٰ کے اقوال میں تناقض پیدا ہو گیا۔

نصاری کی کتابوں کی رُو سے حضرت عیسیٰ اگر کوئی شخص عیسائیوں کی کتابوں میں غور کرے تو مسیح موعود ثابت نہیں ہوتے اس کے لئے یہ یقین کرنا ممکن نہیں ہے کہ عیسیٰ مسیح

موعود ہیں، اس بات کو ثابت کرنے کے لئے ہم چار باتیں تمہید کے طور پر عرض کرتے ہیں:

پہلی بات یہ کہ جس وقت یہو یقیم بن یوسیاہ نے وہ صحیفہ جس کو باروخ علیہ السلام

نے ارمیا علیہ السلام کی زبانی لکھا تھا جلاڈالا، تو ارمیا علیہ السلام کی جانب یہ حی آئی

اُس نے شاہ یہوذاہ یہو یقیم کی بادشاہت کو فرماتا ہے کہ اس کی نسل میں کوئی نہ رہے گا جو داؤد کے تخت پر بیٹھے۔

جس کی تصریح کتاب یرمیاہ باب ۳ میں کی گئی ہو، حالانکہ مسیح کیلئے داؤد کے تخت پر بیٹھنا ضروری ہو، جیسا کہ اوقانے حضرت

جبریلؑ کی گفتگو نقل کرتے ہوئے اُن کا قول نقل کیا کہ: ”اور خداوند خدا اس کے باپ داؤد کا تخت اُسے دے گا“

دوسری بات یہ کہ مسیح علیہ السلام کی آمد اُن سے پہلے ایلیاہ کے آنے پر

مشرط تھی، چنانچہ یہودیوں کے عیسیٰ کو نہ ماننے کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ ایلیاہ نہیں

آیا، حالانکہ پہلے اس کا آنا ضروری ہے، خود حضرت مسیحؑ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ پہلے

ایلیاہ کی آمد ضروری ہے، مگر وہ کہتے ہیں کہ ایلیاہ آچکا ہے، لیکن لوگوں نے اس کو نہیں

پہچانا، اور ایلیاہ خود اپنے ایلیاہ ہونے کا انکار کرتا ہے۔

تیسری بات یہ کہ عیسائیوں کے نزدیک معجزات اور خوارق عادات امور کا طاق

۱۔ حضرت ارمیا علیہ السلام نے اپنی وحی کو ایک صحیفہ میں لکھ کر اپنے نائب حضرت باروخ علیہ السلام کو

ہم دیا تھا کہ اُسے جا بجا سنائیں، اس صحیفہ میں بنی اسرائیل کی بد اعمالیوں کی بناء پر بخت نصر کے عذاب

کی پیشگوئی تھی، بادشاہ وقت یہو یقیم نے جب اسے سنا تو اُسے جلاڈالا، یہی واقعہ باب ۳۶ میں مذکور ہے ۱۲

ہونا ایمان کی دلیل بھی نہیں، چہ جائے کہ نبوت کی دلیل ہو، اور اس سے بھی بڑھ کر معبود ہونے کی دلیل ہو سکے، جیسا کہ انجیل متی باب ۲۴ آیت ۲۴ میں حضرت عیسیٰ کا قول یوں نقل کیا ہے:-

”کیونکہ جھوٹے مسیح اور جھوٹے نبی اٹھ کھڑے ہوں گے، اور ایسے بڑے نشان

اور عجیب کام دکھائیں گے کہ اگر ممکن ہو تو ہرگز یہ دلوں کو بھی گمراہ کر لیں۔“

اور تفسیل کے دالوں کے نام دوسرے خط کے باب آیت ۹ میں پوس کا قول و قال کے حق میں مذکور ہے کہ:-

”جس کی آمد شیطان کی تاثیر کے موافق ہر طرح کی جھوٹی قدرت اور نشانوں اور

عجیب کاموں کے ساتھ۔“

چوتھی بات یہ ہے کہ جو شخص غیر اللہ کی پرستش کا داعی ہو تو ریت کے حکم کے

بموجب وہ واجب القتل ہے، خواہ کتنے ہی بڑے معجزات والا ہو، اور خدائی کا دعویدار

تو اس سے بھی زیادہ قبیح ہے، اس لئے کہ وہ بھی غیر اللہ کی دعوت دینے والا ہے، کیونکہ

یقینی طور پر وہ خود غیر اللہ ہے، (جیسا کہ باب ۴ میں مدلل و مفصل معلوم ہونے والا ہے)

اور اپنی عبادت کی بھی دعوت دے رہا ہے۔

ان چاروں مقدمات کے معلوم ہونے کے بعد اب ہم کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام

انجیل متی کے بیان کردہ نسب کے مطابق یہ یوسف کے بیٹے ہیں، اس لئے وہ پہلے مقدمہ

کے بموجب داؤد علیہ السلام کی کرسی پر بیٹھنے کے لائق نہیں ہیں، اور ان کے پہلے

ایلیا بھی نہیں آئے، جیسا کہ یحییٰ کا اعتراف ہے کہ میں ایلیا نہیں ہوں، اس کے

خلاف جو بھی بات کہی جائے گی وہ مانتے کے قابل ہرگز نہیں ہو سکتی، اور یہ بات عقلاً

محال ہے کہ ایلیا خدا کا پیغمبر اور صاحب الہام ہو، اور خود اپنے کو نہ پہچانتا ہو، اس کو دوسری
مستردہ کی بنا پر عیسیٰ علیہ السلام مسیح موعود نہیں ہو سکتے اور عیسائیوں کے عقیدہ
کے مطابق عیسیٰ نے خود خدائی کا دعویٰ کیا تھا اس لئے چوتھے مقدمہ کے مطابق وہ
واجب القتل ہوئے۔

اور جو معجزات انجیلوں میں نقل کئے گئے ہیں اول تو مخالفین کے نزدیک صحیح
نہیں ہیں، اور بالفرض اگر ان کو صحیح مان بھی لیا جائے تو وہ بھی ایمان کی دلیل نہیں
ہو سکتے، چہ جائے کہ ان کو دلیل نبوت مانا جائے، لہذا یہودی نعوذ باللہ ان کو قتل
کرنے میں ذرا بھی قصور وار نہیں قرار دیتے جاسکتے۔

پھر اس مسیح میں جس کے عیسائی معتقد ہیں اور اس مسیح میں جو یہودیوں کے خیال میں
مسیح تھا کیا فرق ہوگا، اور یہ کیسے پتہ چلے کہ پہلا مسیح تو سچا اور دوسرا جھوٹا ہی، جبکہ
دونوں میں سے ایک اپنی سچائی کا مدعی ہے، اور دونوں مسلہ طور پر صاحب معجزات
بھی ہیں، اس لئے ایسی کوئی امتیازی علامت ضروری ہے جو مخالف پر حجت
ہو سکے۔

اللہ کا ہزاراں ہزار شکر ہے کہ اس نے اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے
ذریعہ اس ہلاکت اور خطر سے نجات بخشی، چنانچہ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ عیسیٰ بن مریم خدا
کے پچے نبی اور مسیح موعود تھے، جو خدائی کے دعوے سے قطعاً پاک اور بری تھے،
اس سلسلہ میں عیسائیوں نے ان پر کھلا بہتان رکھا اور تہمت لگائی ہے۔

انجیل متی باب ۱۱ اور انجیل مرقس باب ۱ اور انجیل لوقا باب ۱ میں
اختلاف ۵۸ تا ۶۳ اس طرح کہا گیا ہے۔

”دیکھ میں اپنا پیغمبر تیرے آگے بھیجتا ہوں جو تیری راہ تیرے آگے تیار کرے گا۔“
تینوں انجیل والوں نے عیسائی مفسرین کے دعویٰ کے بموجب اس قول کو کتاب ملاکی باب ۳ آیت ۱ سے نقل کیا ہے اور وہ حسب ذیل ہے:-

”دیکھ میں اپنے رسول کو بھیجوں گا اور وہ میرے آگے راہ درست کرے گا۔“
دیکھئے اصل اور نقل میں دو لحاظ سے شدید اختلاف ہے، اول تو لفظ ”تیرے آگے“ تینوں انجیلیوں میں زائد ہے، جو ملاخیا علیہ السلام کے کلام میں موجود نہیں ہے، دوسرے ملاخیا کا کلام دوسرے جملہ میں ضمیر متکلم کے ساتھ ہے، اور تینوں انجیل والوں نے ضمیر خطاب سے نقل کیا ہے،

ہو رن اپنی تفسیر حبلہ میں ڈاکٹر ریڈلف کا قول نقل کرتے ہوئے کہتا ہے کہ:-

”مخالفت کا سبب آسانی سے بیان کرنا ممکن نہیں ہے، سوائے اس کے کہ قدیم نسخوں میں کچھ تحریف کی گئی ہے۔“

یہ چھ اختلاف ہیں جو تینوں انجیلیوں کے درمیان پائے جاتے ہیں،

انجیل متی باب ۱ کی آیت ۱، کتاب میکاہ کے باب ۳ آیت ۱ کی مخالفت
اختلاف ۶۴ تا ۶۷
اور کتاب اعمال الحوارین کے باب ۴ کی آیات نمبر ۲۵ تا

۲۸، عربی ترجمہ بائبل کے بموجب زبور نمبر ۱ کی ۴ آیات، اور دوسرے تراجم کے اعتبار سے
زبور نمبر ۱ کی آیت ۸ تا ۱۱ کے مخالف ہیں..... اور عبرانیوں کے نام خط

۱۵ مگر مرقس نے تصریح کی ہے کہ یہ قول یسعیاہ نبی کی کتاب سے ماخوذ ہے (۱۲) باقی دو میں کوئی حوالہ نہیں ۱۲

۱۵ اس اختلاف کو دیکھنے کے لئے ملاحظہ فرمائیے کتاب ہذا صفحہ ۲۵۹ اور اس کا حاشیہ،

۱۵ کتاب اعمال میں ہر آدمی خداوند کو ہمیشہ اپنے سامنے دیکھتا رہا، کیونکہ وہ میری داہنی طرف ہوتا کہ مجھے جنبش نہ ہو اسی سبب میرا دل خوش ہوا، اور میری زبان شاد، بلکہ میرا جسم بھی امید میں بسا رہیگا..... تو نے مجھے زندگی کی

راہیں بتائیں (۲: ۲۵، ۲۸) اور زبور میں ہر آدمی نے خداوند کو ہمیشہ اپنے سامنے رکھا ہے، (باقی صفحہ آئندہ)

باب کی تین آیات نمبر ۵ تا ۷ (عربی تراجم کی زد سے) زبور نمبر ۳۹ یا دوسرے تراجم کے اعتبار سے) زبور نمبر ۴۰ کی تین آیتوں کے خلاف ہیں؛

اور کتاب اعمال الحواریین کے باب ۵ کی آیات نمبر ۱۶، ۱۷، کتاب عاموس کے باب ۹ کی آیات نمبر ۱۱ و ۱۲ کے مخالف ہیں، عیسائیوں کے مفسرین نے ان مقامات کے اختلاف کو تسلیم کیا ہے، اور یہ اعتراف کیا ہے کہ عبرانی نسخہ میں تحریف ہوئی ہے اور اختلافات اگرچہ بہت ہیں مگر میرے مختصر کرنے پر وہ ۴ رہتے ہیں۔

اختلاف ۶۸ | کرنتھیوں کے نام پہلے خط کے باب کی آیت ۹ میں ہے کہ:-

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰۷) چونکہ وہ میرا دانا ہوتا تھا اس لئے مجھے جنبش نہ ہوگی، اسی سبب میرا دل خوش اور میری نوح شاہاں ہو، میرا جسم بھی امن و امان میں رہیگا..... تو مجھے زندگی کی راہ دکھائے گا۔ (۱۱ تا ۱۲) خط کشیدہ الفاظ میں اختلاف ظاہر ہے ۱۲

اے عبرانیوں کے نام: ”تو نے قربانی اور نذر کو پسند نہ کیا، بلکہ میرے لئے ایک بدن تیار کیا، پوری سوختنی قربانیوں اور گناہ کی قربانیوں سے تو خوش نہ ہوا، تاکہ اے خدا تیری مرضی پوری کروں“ (۱۰: ۵ تا ۷) اور زبور میں ہوا: ”قربانی اور نذر کو تو پسند نہیں کرتا، تو نے میرے کان بھول دیے ہیں، سوختنی قربانی اور خطا کی قربانی تو نے طلب نہیں کی..... اے میرے خدا میری خوشی تیری مرضی پوری کرنے میں ہو، بلکہ تیری شریعت میرے دل میں ہے“ (۴۰: ۶ تا ۸)

۱۲ کتاب اعمال: ”میں پھر آکر دژد کے گرے ہوئے خیمہ کو اٹھاؤں گا، اور اس کے پچھے ٹوٹے کی مرمت کر کے اُسے کھڑا کروں گا، تاکہ باقی آدمی یعنی سب قومیں جو میرے نام کی کہلاتی ہیں خداوند کو تلاش کریں؛ اور عاموس: ”میں اس روز دژد کے گرے ہوئے مسکن کو کھڑا کر کے اس کے رخنوں کو بند کروں گا، اور اس کے کھنڈر کی مرمت کر کے اس کو پہلے کی طرح تعمیر کروں گا، تاکہ وہ آدم کے بقیہ اور ان سب قوموں پر جو میرے نام سے کہلاتی ہیں قابض ہوں“ (۱۱: ۹ تا ۱۲)؛ اختلاف ظاہر ہے،

”بلکہ جیسا کہ لکھا ہے ویسا ہی ہو کہ جو چیزیں نہ آنکھوں نے دیکھیں نہ کانوں نے سنیں
 نہ آدمی کے دل میں آئیں، وہ سب خدا نے اپنی محبت رکھنے والوں کیلئے تیار کر دیں“
 عیسائی مفسرین کی تحقیق کے مطابق یہ کتاب یسعیاہ کے باب ۶۴ آیت ۴ سے منقول ہے
 اور اس کے الفاظ یہ ہیں:-

”کیونکہ ابتداء ہی سے نہ کسی نے سنا نہ کسی کے کان تک پہنچا، اور نہ آنکھوں نے
 تیرے سوالیے خدا کو دیکھا جو اپنے انتظار کرنے والے کے لئے کچھ کر دکھائے“

ان دونوں عبارتوں میں فرق ہے، عیسائی مفسرین اس اختلاف کو تسلیم کرتے ہیں اور
 تحریف کی نسبت کتاب یسعیاہ کی جانب کرتے ہیں،

متی نے اپنی انجیل کے باب ۲ میں لکھا ہے کہ:-

اختلاف ۶۹

”عیسیٰ علیہ السلام جب یریحو سے نکلے تو راہ میں دو اندھوں کو بیٹھا

ہوا دیکھا اور ان کو اندھے پن سے شفا دے“

اس کے برعکس مرقس نے اپنی انجیل کے باب ۸ میں یوں لکھا ہے:-

”تو تائی کا بیٹا برتائی اندھا فقیر راہ کے کنارے بیٹھا ہوا تھا“

پھر اُسے شفا دینے کا واقعہ مذکور ہے،

متی نے باب ۹ میں لکھا ہے کہ:-

اختلاف ۷۰

”عیسیٰ علیہ السلام جب گدرینیوں کی بستی کی طرف آئے تو انکی

ملاقات دو دیوانوں سے ہوئی جو قبروں سے نکل رہے تھے، پھر مسیح نے ان دونوں

کو شفا دی“

۱۵ آیت ۲۸

۱۵ یہ آیات ۲۹ تا ۳۴ کا مفہوم ہے ۱۲

اس کے خلاف مرقس نے باب ۵ میں اور لوقا نے باب ۸ میں لکھا ہے کہ :-
 اُن سے ایک دیوانہ ملا جو قبروں سے نکل رہا تھا، پھر انھوں نے اس کو شفا دی »
 متی نے باب ۲۱ میں لکھا ہے کہ :-

اختلاف ۱ء

”مسیحی علیہ السلام نے دُش گروں کو گدھی اور اس کا بچہ

لانے کے لئے گاؤں کی طرف بھیجا اور ان دونوں پر سوار ہوئے“

اور باقی ان تینوں انجیل والوں نے لکھا ہے کہ :-

”مرف گدھی کا بچہ لانے کے لئے کہا، اور جب وہ لے آئے تو آپ اس پر سوار ہوئے“

مرقس نے باب اول میں لکھا ہے کہ :-

اختلاف ۲ء

”یعنی مٹڈیاں اور خشکی کا شہد کھایا کرتے تھے“

اور متی باب میں لکھا ہے کہ :-

”وہ نہ کھاتے تھے اور نہ پیتے تھے“

جو شخص انجیل مرقس کے باب اور انجیل متی کے باب اور

اختلاف ۳ء تا ۵ء

انجیل یوحنا کے باب کا مقابلہ کرے گا اس کو حواریوں کے

اسلام لانے کی کیفیت میں حسب ذیل اختلافات نظر آئیں گے :-

متی اور مرقس کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ :-

۱۔ مرقس ۲: ۵، ۸، ۱۸، ۲۴، یاد رکھو کہ اردو ترجموں میں دیوانہ کی بجائے جس میں بدردھیں تھیں کے

الفاظ ہیں ۱۲، ۵ آیت ۲، ۳ مرقس ۱۰: ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴

”عیسیٰ علیہ السلام کی ملاقات پطرس اور اندراوس و یعقوب اور یوحنا سے گلیل کی جھیل کے کنارے ہوئی، مسیحؑ نے ان کو اسلام کی دعوت دی اور انھوں نے مسیحؑ کی اتباع کی“

اور یوحناؑ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ۔

”یعقوب کے سوا دوسروں سے دریائے اردن کے پار ملاقات ہوئی“

(۲) متی اور مرقس کہتے ہیں کہ۔

”پہلے پطرس اور اندراوس سے گلیل کی جھیل پر ملاقات ہوئی، پھر کچھ دیر کے بعد یعقوب اور یوحنا اسی جھیل پر ملے“

اور یوحنا لکھتا ہے کہ۔

”پہلے یوحنا اور اندراوس سے اردن کے پار ملاقات ہوئی، پھر پطرس اپنے بھائی...

اندراوس کی ہدایت پر حاضر ہوا، پھر اگلے روز جب مسیحؑ نے گلیل کی جانب جانے کا ارادہ کیا تو فیلیپس آکر ملا، پھر اس کی ہدایت پر نتنی ایل حاضر ہوا“

یوحنا کے اس بیان میں یعقوب کا ذکر نہیں،

(۳) متی اور مرقس دونوں کہتے ہیں کہ۔

”مسیحؑ جب اُن سے ملے ہیں تو ہم لوگ جال ڈالنے اور اس کی درستی میں مشغول تھے“

اور یوحنا جال کا قطعی ذکر نہیں کرتا، بلکہ یہ بیان کرتا ہے کہ۔

”یوحنا اور اندراوس نے یحییٰؑ سے عیسیٰؑ کی تعریف سنی اور دونوں خود مسیحؑ کی خدمت

لے آیت ۴۰ تا ۴۲، کیونکہ یوحنا نے ان حضرات سے ملاقات کا واقعہ گلیل جانے سے پہلے اردن کے پار موجود

لے آیت ۴۲ تا ۴۱،

رہنے کے وقت بیان کیا ہے،

میں حاضر ہوئے، پھر پطرس اپنے بھائی کی ہدایت پر حاضر ہوا۔

لڑکی کو زندہ کیا یا شفا دی
جو شخص انجیل متی کے باب ۹ کا مقابلہ انجیل مرقس کے
باب ۷ سے کرے گا جس میں رئیس کی بیٹی کا واقعہ مذکور ہے
تو بڑا اختلاف پائے گا، پہلی انجیل کا بیان یہ ہے کہ:-

اختلاف ۷۶

”رئیس، شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ میری بیٹی مر گئی۔“

دوسری انجیل کہتی ہے:-

”وہ آیا اور کہا کہ میری بیٹی مرنے کے قریب ہے، پھر عیسیٰ اس کے ہمراہ گئے۔ پھر
جب یہ لوگ راستہ میں تھے تو رئیس کے لوگ پہنچے اور انھوں نے اس کے مرنے
کی خبر دی۔“

پچھلے محققین اس موقع پر معنوی اختلاف تسلیم کرتے ہیں، کچھ لوگوں نے پہلی انجیل
کے بیان کو ترجیح دی، اور بعض نے دوسری کے بیان کو، اور بعض لوگوں نے اس سے اس
بات پر استدلال کیا ہے کہ متی انجیل کا کاتب نہیں ہو سکتا، ورنہ وہ مجمل حال نہ لکھتا،
لوقا کا بیان قصہ کے سلسلہ میں مرقس کے موافق ہے، مگر وہ کہتا ہے کہ رئیس کے گھر سے
آکر موت کی اطلاع دینے والا ایک شخص تھا۔

مسیحی علماء میں اس لڑکی کی موت کج تک معمرہ بنی ہوئی ہے، اور ان کا اس بات
میں بھی اختلاف ہے کہ وہ لڑکی حقیقت میں مر گئی تھی یا نہیں؟ فاضل نیندر اس کی موت
کا قائل نہیں ہے، بلکہ اس کا غالب گمان یہ ہے کہ وہ صرف دیکھنے میں مردہ نظر آتی تھی۔

۵۱: ۱۸، ۵۲ مرقس ۵: ۲۳، ۵۳ آیت ۳۵،

۵۴ لوقا ۸: ۴۹، حالانکہ مرقس کا بیان یہ ہے کہ اطلاع دینے والے کئی آدمی تھے ۱۲ تعی

واقع میں مری نہیں تھی،

بالش اور شیلی میٹر اور شاشن کہتے ہیں کہ وہ مری نہیں تھی، بلکہ بیہوشی کی حالت میں تھی، ان کے قول کی تائید مسیح کا یہ ظاہری قول کرتا ہے کہ بچی مری نہیں ہے بلکہ سو رہی ہو۔ ان لوگوں کی رائے کے بموجب پھر اس واقعہ سے مردے کو زندہ کرنے کا معجزہ ثابت نہیں ہوتا۔

لاٹھی ساتھ لینے کی ممانعت
انجیل متی کے باب ۱۰ آیت ۱۰ اور انجیل لوقا کے باب ۹ آیت ۳ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مسیح نے جب حواریوں کو روانہ کیا تو ان کو اپنے ساتھ لاٹھی رکھنے سے منع کیا، انجیل مرقس باب ۱۶ آیت ۷ سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح نے ان کو لاٹھی لینے کی اجازت دی تھی۔

حضرت یحییٰ نے حضرت عیسیٰ کو
انجیل متی کے باب ۳ میں کہا گیا ہے کہ :-
جب عیسیٰ یحییٰ کے پاس اصطباغ کے لئے آئے
تو یحییٰ نے ان کو یہ کہہ کر منع کیا کہ میں خود اپنے پیٹھ

کب پچانا؟ اختلاف ۷۸،
لینے کا محتاج ہوں اور آپ میرے پاس آتے ہیں؟ پھر عیسیٰ نے ان سے اصطباغ لیا، اور

لوقا ۸: ۵۳ مرقس ۵: ۳۹،

۱۰ راستہ کے لئے نہ جھولی لینا، نہ دُود گرتے، نہ جوتیاں، نہ لاٹھی، (۱۰: ۱۰)

۱۱ راستہ کے لئے لاٹھی کے سوا کچھ نہ لو (مرقس ۸: ۱۶)

۱۲ اصطباغ Baptism عیسائیوں کی ایک رسم ہو کہ وقت کا بزرگترین شخص لوگوں کو پانی میں

یا کسی رنگ میں نہلاتا ہو، عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ اس طرح گناہ دُھلتے ہیں، کوئی شخص نہا نہا عیسائی ہو تو اس

کو سب سے پہلے اصطباغ کیا جاتا ہے، اردو بائبل میں اس کو بہتیمہ کے نام سے یاد کیا گیا ہے، اس رسم کی

پوری تفصیل راقم الحروف نے مقدمہ میں بیان کر دی ہے ۱۲ تھی

پانی میں چلے، پھر آپ پر کبوتر کی شکل میں خدا کی رُوح نازل ہوئی ۱۱

اور انجیل یوحنا کے باب میں یوں لکھا ہے کہ ۱۲

یوحنا نے یہ گواہی دی کہ میں نے رُوح کو کبوتر کی طرح آسمان سے اُترتے دیکھا ہے،

اور وہ اُس پر ٹھہر گیا، اور میں تو اُسے پہچانتا نہ تھا، مگر جس نے مجھے پانی سے بپتسمہ دینے

کو بھیجا اسی نے مجھ سے کہا کہ جس پر تو رُوح کو اُترتے ٹھہرتے دیکھے وہی رُوح القدس

سے بپتسمہ دینے والا ہے ۱۳

اور انجیل متی کے باب الی میں یوں ہے ۱۴

”اور یوحنا نے قید خانہ میں مسیح کے کاموں کا حال سُنا اپنے شاگردوں کی معرفت

پُچھا بھیجا کہ آنے والا تو یہی ہے، یا ہم دوسرے کی راہ دیکھیں؟“

پہلی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یحییٰ عیسیٰ کو نزولِ رُوح کے پہلے سے جانتے

تھے ۱۵ اس کے برعکس دوسری عبارت یہ کہتی ہے کہ نزولِ رُوح سے پہلے بالکل واقف نہ

تھے، بعد میں پہچانا، تیسری عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ نزولِ رُوح کے بعد بھی اُن کو

نہیں پہچانا، ۱۶

مصنف میزان الحق نے اپنی کتاب حل الاشکال کے صفحہ ۱۳۳ پر پہلی دونوں عبارتوں

کی ایسی توجیہ کی ہے جس کی تردید استبشار کے مصنف نے کامل طور پر کر دی ہے۔

۱۱ آیت ۳۲ و ۳۳،

۱۲ یعنی حضرت یحییٰ علیہ السلام ۱۲

۱۳ کیونکہ آپ نے بپتسمہ دینے سے اسی بنا پر انکار کیا ۱۳

۱۴ اسی لئے شاگردوں کو بھیجا ۱۴

اور یہ تردید مجھ تک پہنچی، اسی طرح میں نے بھی اس کی تردید اپنی کتاب ازانہ شکوک میں کی ہے، چونکہ توجیہ مذکور کمزور تھی، اور اس سے متی کی دونوں عبارات کا اختلاف در نہیں ہوتا تھا، اس لئے میں نے تطویل کے اندیشہ سے اسے یہاں ترک کر دیا۔

اختلاف ۷۹ | انجیل یوحنا باب ۵ آیت ۳۱ میں مسیح کا قول اس طرح مذکور ہے:-
”میں خود اپنی گواہی دوں تو میری گواہی سچی نہیں۔“

اور اسی انجیل باب ۸ آیت ۱۴ میں یوں ہے کہ:-

”اگرچہ میں اپنی گواہی آپ دیتا ہوں تو بھی میری گواہی سچی ہے۔“

اختلاف ۸۰ | انجیل متی باب ۵ اسے معلوم ہوتا ہے کہ اپنی بیٹی کی شفا کے لئے فریاد کرنے والی عورت کنعان کی رہنے والی تھی،

اس کے برعکس انجیل مرقس کے باب سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ذہیت کے لحاظ سے یونانی اور خاندانی اعتبار سے سورینیائی تھی،

حضرت عیسیٰ نے کیتوں کو شفا دی؟ اختلاف ۸۱ | مرقس باب ۷ میں لکھا ہے:-
”عیسیٰ علیہ السلام نے صرف ایک شخص کو اچھا کیا
تھا جو بہرا اور گونگا تھا۔“

اس کے برخلاف متی نے باب ۵ میں اس ایک کو بڑی جماعت کے ساتھ تعبیر کیا ہے، اور کہتا ہے کہ:-

صفحہ ۳۸۳ ج اول، اس موقع پر مصنف نے بڑی قیمتی بحث فرمائی ہے، شائقین ضرور مطالعہ کریں،

۱۵ اور دیکھو ایک کنعانی عورت ان سرحدوں سے نکلی الخ (۱۵: ۲۲) ۱۶ آیت ۲۶،

۱۷ آیات ۳۲ تا ۳۵، ۱۸ آیت ۳۰، حالانکہ واقعہ ایک ہی ہے ۱۲

”ایک بڑی بھیڑ لنگڑوں، اندھوں، گونگوں، ٹنڈوں اور بہت سے اور بیماروں کو اپنے ساتھ لے کر اس کے پاس آئی اور اُن کو اس کے پاؤں میں ڈال دیا، اور اس نے انہیں اچھا کر دیا۔“

انجیل کی غیر معمولی مبالغہ آرائی | یہ مبالغہ ایسا ہی ہے جس قسم کا مبالغہ چوتھی انجیل داے نے اپنی انجیل کے آخر میں کیا ہے کہ ۱۔

”اور بھی بہت سے کام ہیں جو مسیح نے کئے اگر وہ جدا جدا لکھے جاتے تو میں سمجھتا ہوں کہ جو کتابیں بھی جاتیں اُن کے لئے دنیا میں گنجائش نہ ہوتی۔“

ملاحظہ کیجئے ان صاحب کی خیال آرائی اور بلند پروازی کو، ہمارا خیال تو اس کے برعکس یہ ہے کہ یہ ساری کتابیں ایک چھوٹی ٹیسی کو ٹھہری کے ایک گوشہ میں سما سکتی ہیں، مگر چونکہ بڑے عیسائیوں کے نزدیک صاحب الہام ہیں، اور ان کی ہر بات الہامی ہوتی ہے، اس لئے اس کے سامنے کوئی کیا بول سکتا ہے؟

انجیل متی باب ۲۶ میں ہے کہ مسیحؑ نے حواریوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا، ۸۲ اختلاف نمبر

”تم میں سے ایک مجھے پکڑ دے گا، وہ بہت دل گیر ہوئے، اور ہر ایک اس کے کہنے لگا اے خداوند کیا میں ہوں؟ اس نے جواب میں کہا، جس نے میرے ساتھ طہاق میں ہاتھ ڈالا ہے، وہی مجھے پکڑ دے گا..... یہوداہ نے جواب میں کہا اے ربی، کیا میں ہوں؟ اس نے اس سے کہا تو نے خود کہہ دیا۔“

اس کے برعکس انجیل یوحنا باب ۱۳ میں یہ واقعہ اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ:

”میں تم سے سچ سچ کہتا ہوں کہ تم میں سے ایک شخص مجھے پکڑ دے گا، شاگرد شبہ کر کے کہ وہ کس کی نسبت کہتا ہے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے، اس کے شاگردوں میں سے ایک شخص جس سے یسوع محبت رکھتا تھا یسوع کے سینے کی طرف بھٹکا ہوا کھانا کھانے بیٹھا تھا، پس شمعون پطرس نے اس سے اشارہ کر کے کہا کہ بتا تو وہ کس کی نسبت کہتا ہے؟ اس نے اسی طرح یسوع کی چھاتی کا سہارا لے کر کہا کہ اے خداوند! وہ کون ہے؟ یسوع نے جواب دیا کہ جسے میں نوالہ ڈبو کر دیدوں گا وہی ہے، پھر اس نے نوالہ ڈبویا، اور لے کر شمعون اسکر پوتی کے بیٹے یہوداہ کو دیدیا۔“

اختلاف نمبر ۸۳ متی نے یہوداہ کے عیسیٰ علیہ السلام کو گرفتار کرنے کا حال لکھتے ہوئے باب ۲۶ میں ذکر کیا ہے کہ ۱۔

”یہوداہ نے یہودیوں کو یہ علامت بتائی تھی کہ جس کو میں بوسہ دوں، اس کو تم گرفتار کر لینا، پھر ان کے ہمراہ آیا، اور عیسیٰ علیہ السلام کے آگے آکر کہا کہ اے میرے آقا، اور ان کو بوسہ دیا، پھر یہودیوں نے مسیح کو گرفتار کر لیا۔“

اس کے خلاف انجیل یوحنا باب ۸ میں اس طرح ہے کہ ۱۔

”پس یہوداہ سپاہیوں کی پلیٹن اور سردار کاہنوں اور فریسیوں سے پیادے لے کر مشعلوں اور چپر اغوں اور ہتھیاروں کے ساتھ وہاں آیا، یسوع ان سب باتوں کو جو اُس کے ساتھ ہونے والی تھیں جان کر باہر نکلا اور اُن سے کہنے لگا کہ کسے ڈھونڈتے ہو؟ انھوں نے اُسے جواب دیا، یسوع ناصری کو، یسوع نے اُن سے کہا میں ہی ہوں اور اس کا پکڑوانے والا یہوداہ بھی، اُن کے ساتھ کھڑا تھا، اُس کے یہ کہتے ہی کہ میں ہی

ہی ہوں، وہ چھپے بہت کر زمین پر گر پڑے، پس اس نے اُن سے پھر پوچھا کہ تم
کسے ڈھونڈتے ہو؟ انھوں نے کہا یسوع ناصری کو، یسوع نے جواب دیا کہ میں
تم سے کہہ تو چکا... کہ میں ہی ہوں، پس اگر مجھے ڈھونڈتے ہو تو انھیں جاؤ
..... تب سپاہیوں اور ان کے صوبیدار اور یہودیوں کے پیادوں نے یسوع
کو پکڑ کر ہاندھ لیا۔

پطرس کا انکار | چاروں اناجیل والے پطرس کے انکار کے سلسلہ میں آٹھ لحاظ
سے اختلاف کر رہے ہیں۔

اختلاف نمبر ۸۲

① متی اور مرقس کی روایت کے مطابق پطرس کو حضرت عیسیٰ
کا شاگرد قرار دینے والی دو لڑکیاں تھیں اور کچھ پاس کھڑے ہوئے مرد، اور لوقا کی
روایت کے مطابق ایک باندی اور دو مرد تھے،

۱۔ حضرت عیسیٰ السلام نے در روایت انجیل، گرفتار ہونے سے ایک روز پہلے پطرس سے کہا تھا
کہ تم مرغ کی اذان دینے سے پہلے تین مرتبہ مجھے پہچاننے سے انکار کر دو گے، چنانچہ جب یہودیوں نے حضرت
عیسیٰ کو گرفتار کر لیا تو پطرس ان کے پیچھے پیچھے گئے، اور تین یہودیوں نے انھیں باری باری آگ کی روشنی
میں دیکھ کر کہا کہ یہ بھی ان کا ساتھی ہی، مگر پطرس نے ہر بار حضرت عیسیٰ کا ساتھ ہی ہونے اور آپ کو پہچانے
سے انکار کیا، اتنے میں مرغ بول پڑا تو انھیں حضرت عیسیٰ کی کہی ہوئی بات یاد آئی، مصنف یہاں اس واقعہ
کی طعن اشارہ فرما رہے ہیں ۱۲ تعق

متی ۲۶: ۵۵، ۵۶، ۵۷

۲۔ مرقس ۱۴: ۲۶، ۲۷، ۲۸ میں مذکور ہے کہ ایک لونڈی نے دو مرتبہ یہ بات کہی، پھر آخر میں پاس کھڑے
ہونے والوں نے بھی اس کی تصدیق کی ۱۲

لوقا ۲۲: ۵۶، ۵۷، ۵۸

② پہلی باندی کے سوال کرتے وقت متی کی روایت کے مطابق پطرس کے مکان کے عجن میں تھے، اور لوقا کی روایت کے بموجب مکان کے درمیان تھے، اور مرقس کے بیان کے موافق مکان کے نیچے کے حصہ میں، اور یوحنا کے قول کے مطابق اندر،

③ پطرس سے کیا سوال کیا گیا؟ اس میں چاروں انجیلوں کا اختلاف پایا جاتا ہے۔

④ مرغ کا بولنا متی اور لوقا اور یوحنا کے روایت کے مطابق صرف ایک مرتبہ ہوا

یعنی جبکہ پطرس تین مرتبہ انکار کر چکا، اور مرقس کے بیان کے مطابق تین مرتبہ، ایک دفعہ پہلے انکار کے بعد اور دو مرتبہ دوبارہ انکار کے بعد،

⑤ متی اور لوقا کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پطرس سے کہا تھا کہ تو

مرغ کے مانگ دینے سے پہلے تین بار میرا انکار کرے گا، اور مرقس کہتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے کہا تھا کہ تو مرغ کے دو مرتبہ بولنے سے پہلے تین مرتبہ میرا انکار کرے گا،

⑥ پطرس کا جواب اس باندی کو جس نے پہلے سوال کیا تھا متی کی روایت

کے مطابق یہ ہے کہ ”میں نہیں جانتا کہ تو کیا کہتی ہے“ اور یوحنا کی روایت کے مطابق

صرف ”میں نہیں ہوں“ تھا، اور مرقس کی روایت کے بموجب ”میں تو نہ جانتا اور نہ سمجھتا

ہوں کہ تو کیا کہتی ہے“ اور لوقا کے بیان کے موافق ”اے عورت میں اس کو نہیں مانتا“

۱۷ آیت ۶۹، ۱۷ آیت ۵۵، ۱۷ آیت ۶۶، ۱۷ یوحنا ۱۸: ۱۶، ۱۷

۱۷ یوحنا میں ہے کہ ”کیا تو بھی اس شخص کے شاگردوں میں سے ہے؟“ ۱۷: ۱۸، لوقا میں ہے کہ لونڈی نے

سوال نہیں کیا، اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ ”یہ بھی اس کے ساتھ تھا“ مرقس اور متی کا بیان ہے

کہ خود پطرس سے خطاب کر کے کہا ”تو بھی یسوع گیلی کے ساتھ تھا“ ۱۷

۱۷ متی ۲۶: ۳۵، لوقا ۲۲: ۳۴،

۱۷ مرقس ۱۴: ۳۰،

④ متی کی روایت کے مطابق پطرس نے دوسرے سوال کا جواب قسم کھا کر اس طرح دیا ”میں اس آدمی کو نہیں جانتا“ اور یوحنا کی روایت کے مطابق اس کا قول یہ تھا کہ ”میں نہیں ہوں“ اور مرقس کی روایت کے مطابق فقط انکار اور لوقا کی روایت کے مطابق ”میاں میں نہیں ہوں“

⑤ کھڑے ہوئے لوگ مرقس کے بیان کے مطابق سوال کے وقت گھر سے باہر تھے، اور لوقا کے کہنے کے موافق وہ صحن کے درمیان میں تھے۔

انجیل لوقا باب ۲۲ میں ہے کہ:-

اختلاف نمبر ۸۵

”اور جب اس کو (یعنی حضرت مسیح کو) لئے جاتے تھے تو انہوں نے شمعون نام ایک کرستی کو جو دیہات سے آتا تھا پکڑ کر صلیب اس پر رکھ دی کہ یسوع کے پیچھے پیچھے چلے“

اور انجیل یوحنا باب ۱۹ میں اس کے برعکس یوں ہے کہ:-

”پس وہ یسوع کو لے گئے، اور وہ اپنی صلیب آپ اٹھائے ہوئے اس جگہ تک باہر گیا جو کوٹھری کی جگہ کہلاتی ہے“

پہلی تینوں انجیلوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح علیہ السلام بجے کے قریب صلیب پر تھے،

اختلاف نمبر ۸۶

۱۵ آیت ۲۶ نیز متی ۲۲: ۱۴ مرقس ۱۵: ۲۱ میں یہ تصریح بھی ہے کہ شمعون صلیب اٹھائے کوٹھری کی جگہ تک گیا ۱۲، ۱۵ قیردان شہر کی جانب منسوب ہے،

۱۵ متی ۲۵: ۲۴ مرقس ۱۵: ۲۳ لوقا ۲۳: ۲۴ کے عربی اور انگریزی ترجموں میں مذکور ہے کہ حضرت

مسیح کو صلیب پر چڑھانے کے بعد چھ بجے سے اندھیرا چھایا رہا، اور اردو ترجموں میں ان سب مقامات پر

”بچے“ کے بجائے ”دوپہر کے قریب“ کے الفاظ مذکور ہیں ۱۲ تقی

اور انجیل یوحناؑ کے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ٹھیک اُس وقت پیلاطسؑ نبطی کے دربار میں تھے،

اختلاف نمبر ۸ متی اور مرقس ان دو چوروں کے بارے میں جن کو حضرت مسیحؑ کے ہمراہ سولی دی گئی، کہتے ہیں کہ ۱۔

”وہ ڈاکو بھی جو اس کے ساتھ مصلوب ہوئے تھے اس پر لعن طعن کرتے تھے“
لیکن لوقا کا بیان یہ ہے کہ ایک نے مسیحؑ کو بے شرم کہا اور دوسرے نے ان سے چلا کر کہا
اے یسوع! جب تو اپنی بادشاہی میں آئے تو مجھے یاد کرنا ۲
پھر مسیحؑ نے اس کو جواب دیا کہ ۱۔

”آج ہی تو میرے ساتھ نسر دوس میں ہوگا“

اردو تراجم مطبوعہ ۱۸۳۹ء و ۱۸۴۰ء و ۱۸۴۱ء و ۱۸۴۲ء کے مترجموں نے
متی اور مرقس کی عبارت میں تحریف کر ڈالی، اور اختلاف رفع کرنے کے لئے تشبیہ کو
مفرد سے بدل دیا، یہ بات اُن کی طبیعت ثانیہ بن چکی ہے، جس کے چھوٹنے کی امید نہیں ہے۔

۱۹ یوحنا ۱۹: ۱۳ کے اردو ترجمہ میں بھی چھٹے لکھنے کے الفاظ ہیں ۱۲

۲۰ پیلاطس Pilate یہوداہ کا گورنر جو حضرت عیسیٰؑ کے آخری دور میں حکمران تھا ۱۲

۲۱ متی ۲۴: ۲۴، مرقس ۱۵: ۳۲،

۲۲ ۲۳، ۲۴، ۲۵

۲۵ صرف یہی نہیں، اس سے پہلے یہ بھی ہو کہ جب پہلے نے آپ کو لعن طعن کیا تو دوسرے نے اُسے

جھڑک کر جواب دیا کہ ”کیا تو خدا سے بھی نہیں ڈرتا؟ حالانکہ اسی سزا میں گرفتار ہے الخ“ (۲۳: ۲۰)

۲۶ مگر موجودہ اردو ترجموں میں تشبیہ ہی کا صیغہ ہے،

اختلاف نمبر ۸۸

انجیل متی کے باب ۲۰ و ۲۱ سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام
اریکا سے روانہ ہو کر یردشلیم پہنچے، اور انجیل یوحنا باب ۱۲

سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ افرائیم سے چل کر بیت عین پہنچے جہاں پر رات گزاری، پھر
یردشلیم آئے،

حضرت عیسیٰ کا مُردوں کو
زندہ کرنا، اختلاف نمبر ۸۹

ان اناجیل سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام
نے آسمان پر چڑھنے سے قبل تین مُردوں کو زندہ کیا،
اذل رئیس کی بیٹی کو، جیسا کہ پہلی تینوں انجیلوں

والے نقل کرتے ہیں، دوسرے وہ مُردہ جس کو فقط لوقا اپنی انجیل کے باب ۷ میں نقل کرتا ہے
تیسرا اعز جس کو صرف یوحنا اپنی انجیل کے باب ۱۱ میں نقل کرتا ہے،
مگر کتاب الاعمال باب ۲۶ میں کہا گیا ہے کہ۔

”مسیح کو دیکھا اٹھانا ضرور ہے، اور سب پہلے وہی مُردوں میں سے زندہ ہو کر اسی
امت کو اور غیر قوموں کو بھی نور کا اشتہار دے گا۔“

اور کرنتھیوں کے نام پہلے خط کے باب ۱، آیت ۲۰ میں یوں ہے کہ۔

”مسیح مُردوں میں سے جی اٹھا ہے اور جو سو گئے ہیں ان میں پہلا پہل ہوا۔“

اور آیت ۲۲ میں ہے کہ۔

”مسیح میں سب زندہ کئے جائیں گے، لیکن ہر ایک اپنی اپنی باری سے، پہلے پہل

مسیح، پھر مسیح کے آنے پر اس کے لوگ۔“

۱۵ آیات ۱ تا ۱۵،

۱۵ آیت ۵۴،

۱۵ آیت ۲۳،

۱۵ آیات ۴۱ تا ۴۴،

اور کلتیوں کے نام پولس کے خطا کے باب میں حضرت مسیح کے اوصاف بیان کرے ہوئے لکھا ہے :

”مردوں میں سے جی اٹھنے والوں میں پہلوٹھا، تاکہ سب مردوں میں اس کا اول درجہ“

یہ تمام اقوال مسیح سے پہلے کسی مرنے والے کے اٹھنے کی نفی کر رہے ہیں، ورنہ مسیح سب پہلے اٹھنے والے نہیں ہو سکتے اور اس معاملہ میں سب مقدم نہیں ہو سکتے، ورنہ پولس کے یہ اقوال کیونکر صادق ہو سکتے ہیں؟ :- (۱) وہ مردوں میں سب پہلے کھڑا ہوگا، (۲) سونے والوں میں پہلوٹھا ہوگا، (۳) مسیح پہلوٹھا ہے اور مردوں میں پہلا ہے،

اور وہ قول کیسے صادق ہوگا جو مشاہدات کے باب آیت ۵ میں اس طرح ہے :

”اور یسوع مسیح کی طرف سے سچا گواہ اور مردوں میں سے جی اٹھنے والوں میں پہلوٹھا“

اس کے علاوہ وہ قول جو کتاب ایوب کے باب آیت ۹ میں اس طرح واقع ہے،

”جیسے بادل پھٹ کر غائب ہو جاتا ہے، ویسے ہی وہ جو قبر میں اترتا ہے پھر کبھی اوپر

نہیں آتا، وہ اپنے گھر کو پھر نہ لوٹے گا، نہ اس کی جگہ اس کو پہچانے گی“ (آیات ۹ تا ۱۰)

اور فارسی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۸۵ء کے الفاظ یہ ہیں :

”اوپر اگندہ شدہ نابود می شود بہ ہمیں طور کسیکہ بقبری رود بر نمی آید، بخاندان

دیگر بر نخواہد گردید دمکانش دیگر دیرا نخواہد شناخت“

ترجمہ ”بادل پہ اگندہ ہو کر نابود ہو جاتا ہے، اسی طرح جو شخص قبر میں جاتا ہے، پھر باہر نہیں

آتا، اس کے گھر میں کوئی دوسرا نہیں آئے گا، اور اس کی جگہ اس کے سوا کسی اور کو

نہ پہچانے گی“

اور اسی کتاب کے باب آیت ۱۳ میں ہے کہ :-

و یسے آدمی لیٹ جاتا ہے اور اٹھتا نہیں، جب تک آسمان ٹل نہ جائے وہ بیدار نہ ہوں گے، اور نہ اپنی نیند سے جگائے جائیں گے۔

پھر آیت ۱۳ میں ہے:

اگر آدمی مر جائے تو کیا وہ پھر جئے گا؟

اور فارسی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۳۸ء میں ہے:

انسان میخوابد و نخواهد برخاست تا دمیکہ آسمان محو نشود بیدار نخواهد شد و او از خواب برخوابد برخاست۔

ترجمہ۔ انسان سو جاتا ہے، اور نہیں اٹھے گا تا وقتیکہ آسمان نہ مٹ جائے بیدار نہ ہوگا، اور نیند سے نہیں اٹھے گا۔

اور چودھویں آیت میں ہے:

آدمی ہر گاہ بگردد آیا زندہ می شود؟ جب آدمی مر جاتا ہو تو کیا وہ زندہ ہوتا ہو؟

ان اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیحؑ سے کبھی بھی مردوں کو زندہ کرنے والا معجزہ صادر نہیں ہوا، اور رئیس کی بیٹی کو زندہ کرنے کے سلسلہ میں عیسائی علماء کا اختلاف آپ کو نمبر ۷ میں معلوم ہی ہو چکا ہے،

نیز ایوبؑ کے اقوال سے یہ بھی معلوم ہو گیا ہے کہ مسیحؑ کا مردوں کے درمیان اٹھ کھڑا ہونا محض باطل ہے، اور ان کے مرنے اور سولی دیئے جانے کا واقعہ ان

۱۔ کتاب ہذا، ص ۱۹۳ جلد ہذا

۲۔ یہ بات قدسے کمزور معلوم ہوتی ہے، اس لئے کہ کتاب ایوب میں ایک عمومی دستور بیان کیا گیا ہو، معجزے کی کوئی خاص صورت اس سے مستثنیٰ ہو سکتی ہو، اور اس سے تعارض لازم نہیں آتا، تعقی

مصنوعی انجیلوں میں عیسائیوں کی من گھڑت کہانی ہے،

لیکن یہ یاد رہے کہ ہم نے مسیح کے احیاء موتی کے معجزہ کے انکار کے سلسلہ میں جو کچھ

بھی کہا ہے وہ محض الزامی طریقہ پر کہا ہے، جیسا کہ کتاب کے شروع میں آپ کو بتایا جا چکا ہے

حضرت عیسیٰ کا دوبارہ

موتی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ مریم مگدینی اور دوسری

مریم جب قبر کے پاس پہنچیں تو خدا کا فرشتہ نازل ہوا،

اور پتھر قبر سے لڑھک گیا، اور وہ اُس پر بیٹھ گیا، اور کہنے

لگا کہ تم ڈرو مت اور جلدی چلی جاؤ۔

اور مرقس کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دونوں اور سلومی جب قبر کے پاس

پہنچیں تو دیکھا کہ پتھر لڑھکا ہوا ہے، اور جب قبر میں داخل ہوئیں تو ایک سفید پوش

جوان کو قبر میں داہنی جانب بیٹھا ہوا دیکھا،

اور لوقا کا بیان ہے کہ یہ جب پہنچیں تو پتھر کو لڑھکا ہوا پایا، پھر وہ قبر میں داخل

ہو گئیں، مگر مسیح کا جسم نہ پایا تو حیران ہو گئیں، اچانک اپنے پاس دو شخصوں کو دیکھا کہ

سفید کپڑے پہنے ہوئے کھڑے ہیں،

۱۵ یہ دونوں انجیلوں کی روایت کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیر دتھیں، (اور بزرگم نصار)

آپ کی قبر پر زیارت کے لئے آئی تھیں،

۱۶ انہیں متی ۲۸: ۵ میں یوحنا کی ماں کہا گیا ہے، اور لوقا ۱۱: ۱۱ میں یعقوب کی ماں ۱۲

۱۷ پورے الفاظ بتم نہ ڈر کیونکہ میں جانتا ہوں کہ تم یسوع کو ڈھونڈ رہی ہو جو مصلوب ہوا تھا، وہ یہاں نہیں

ہے، کیونکہ اپنے کہنے کے مطابق جی اٹھا ہے، آؤ یہ جگہ دیکھو جہاں خداوند پڑا تھا، اور جلد جا کر اس کے شاگردوں

سے کہو کہ وہ مردوں میں سے جی اٹھا ہے۔ (۲۸، ۵ تا ۷)

۱۸ ۵: ۱۶، پھر اُس نے وہی بات کہی جو متی ۲۸: ۵ سے ہم نے نقل کی ۱۲ ۵: ۱۶ لوقا ۲۴: ۴۲،

تیسٹیس کے نام پہلے خط کے باب آیت ۳ و ۴ میں ہے کہ :-

یہ ہمارے مہنجی خدا کے نزدیک عمدہ اور پسندیدہ ہے، وہ چاہتا

اختلاف نمبر ۹۳

ہے کہ سب آدمی نجات پائیں، اور سچائی کی پہچان تک پہنچیں۔“

اور تھسلنکیوں کے نام دوسرے خط کے باب آیت ۱۱ و ۱۲ میں ہے کہ :-

”اسی سبب خدا ان کے پاس ہمراہ کرنے والی تاثیر بھیجے گا تاکہ وہ جھوٹ کو سچ جانیں

اور جتنے لوگ حق کا یقین نہیں کرتے بلکہ ناراستی کو پسند کرتے ہیں، وہ سب ناپائیدار ہیں۔

ملاحظہ کیجئے پہلی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کا مقصد یہ ہے کہ تمام

انسان نجات پائیں اور حق کی پہچان تک رسائی حاصل کریں، اور دوسری عبارت بتاتی

ہے کہ خدا ان پر گمراہی کی تاثیر بھیجتا ہے، پھر وہ جھوٹ کو سچ ماننے لگتے ہیں، پھر وہ اس پر

اُن کو سزا دی گئی، حالانکہ پروفیسر ٹنٹ کے علماء بعینہ یہی عیب دوسرے مذاہب میں

نکالتے ہیں، اب ان معترضین کو اس کے سوا کیا کہا جائے کہ کیا خدا کا لوگوں کو پہلے

گمراہ کرنا، پھر اُن کو سزا دینا تمہارے نزدیک نجات اور معرفتِ حق حاصل کرنے کی

کوئی قسم ہے؟

کتاب الاعمال کے باب ۹ و باب ۲۲ و باب ۲۶ میں

پوس کے ایمان لانے کا حال لکھا ہے، اور تینوں

ابواب میں کئی لحاظ سے اختلاف ہے۔ ہم اس

پولس کے عیسائی ہونیکا واقعہ

اختلاف نمبر ۹۴ تا ۹۶

۱۰ یعنی انسانوں کو سنجیدگی اور دینداری کے ساتھ زندگی گزارنا (آیت ۲)

لے یہاں مصنف خاص طور سے علما پر ٹسٹنٹ کو اس لئے الزام دے رہے ہیں کہ وہ خدا کو خالق مقرر نہیں کرتے اور

رومن کیتھولک فرقہ پر، نیز مسلمانوں پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ تمہارے مذہب پر یہ لازم آتا ہے کہ خدا ہدایت دینے

۳۵ کے بجائے گمراہ کیا کرتا ہے، اس اختلاف کو بخوبی سمجھنے کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ بائبل کے مطابق پولس

۴ جب یہودی تھا تو عیسائیوں کو تکلیف پہنچانے کے لئے دمشق جا رہا تھا، راستہ میں ایک نوراس پر چمکا، اور اُسے حضرت مسیحؑ کی

کتاب میں صرف تین وجوہ نقل کرتے ہیں، البتہ اپنی کتاب ازالۃ الشکوک میں ہم نے دس وجوہ لکھی ہیں:-

۱۔ باب ۹ میں ہے کہ:-

”جو آدمی اس کے ہمراہ تھے وہ خاموش کھڑے رہ گئے، کیونکہ آواز تو سنتے تھے مگر کسی کو دیکھتے نہ تھے۔“

اور باب ۲۲ میں یوں ہے کہ:-

”اور میرے ساتھیوں نے فوراً تو دیکھا، لیکن جو مجھ سے بولتا تھا اس کی آواز نہ سنی۔“

دیکھتے پہلی عبارت میں ”آواز تو سنتے تھے“ اور دوسری میں ”آواز نہ سنی۔“ دونوں کس قدر مختلف ہیں؟

۲۔ دوسرے باب ۹ میں اس طرح کہا گیا ہے کہ اس سے خدا نے کہا کہ:-

”اٹھ اور شہر میں جا اور جو تجھے کرنا چاہئے وہ تجھ سے کہا جائے گا۔“

اور باب ۲۲ میں بھی ہے کہ:-

”خداوند نے مجھ سے کہا اٹھ کر دمشق میں جا، جو کچھ تیرے کرنے کے لئے معترض ہو اور

وہاں تجھ سے سب کہا جائے گا۔“

لیکن باب ۲۶ میں اس طرح ہے کہ:-

”اٹھ، اپنے پاؤں پر کھڑا ہو، کیونکہ میں اس لئے تجھ پر ظاہر ہوا ہوں کہ تجھے ان چیزوں

کا بھی خادم اور گواہ معترضہ کروں جن کی گواہی کے لئے میں تجھے اس اُمت اور غیر

قوموں سے بچاتا رہوں گا جن کے پاس تجھے اس لئے بھیجا ہوں کہ تو ان کی آنکھیں

کھول دے تاکہ اندھیرے سے روشنی کی طرف اور شیطان کج اختیائے خدا کی طرف رجوع
لائیں، اور مجھ پر ایمان لائے کے باعث گناہوں کی معافی اور معتمد رسوں میں شریک
ہو کر میراث پائیں،

دیکھتے! پہلے دونوں بابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ پولس کے ذمہ جو کام تھا اس کی
تفصیل و توضیح کو شہر میں پہنچنے پر موقوف رکھا گیا تھا، اور تیسری عبارت سے معلوم
ہوتا ہے کہ آواز سننے کے مقام پر ہی اس کو بیان کر دیا گیا،

۳۔ پہلی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ اس کے ساتھ تھے وہ خاموش کھڑے رہ گئے،
اور تیسری سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ زمین پر گر پڑے، اور دوسری عبارت کھڑے رہنے
اور گرنے کے معاملہ میں خاموش ہے،

تیس ہزار یا چوبیس ہزار؟
اختلاف نمبر ۹،
اگر تھپیوں کے نام پہلے خط کے باب آیت ۸ میں
اس طرح کہا گیا ہے کہ:-
”اور ہم حرام کاری نہ کریں جس طرح ان میں سے

بعض نے کی، اور ایک ہی دن میں تیس ہزار مارے گئے،

اور کتاب گنتی کے باب ۲۵ آیت ۹ میں اس طرح ہے کہ:-

”جتنے اس دبا سے مرے اُن کا شمار چوبیس ہزار تھا“

۱۔ جب ہم سب گر پڑے تو میں نے عبرانی زبان میں یہ آواز سنی الخ (اعمال ۲۶: ۱۴)

۲۔ بائبل کے مفسرین متفقہ طور پر کہتے ہیں کہ اس سے اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے، جو گنتی ۲۵: ۹ میں مذکور
ہے اور جس میں کہا گیا ہے کہ بنی اسرائیل شہیم میں رہنے کے دوران موآبی عورتوں سے زنا کرنے لگے، جس سے
ان میں سے چوبیس ہزار افراد کو ہلاک کر دیا گیا ۱۲ تقی

دونوں میں ایک، زار کا تفاوت ہے، اس لئے ان میں سے ایک لفظ غلط ہے،

کتاب الاعمال کے باب آیت ۱۴ میں ہے کہ:-

”پھر یوسفؑ نے اپنے باپ یعقوبؑ اور سارے

کنبہ کو جو پچتر جانیں تھیں بُلا بھیجا“

حضرت یوسفؑ کے خاندان
کی تعداد، اختلاف نمبر ۹۸

یہ عبارت اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ یوسفؑ اور ان کے بیٹے جو اُس بُلا بھیجنے سے
قبل مصر میں موجود تھے وہ اس تعداد میں شریک نہیں ہیں، بلکہ یہ تعداد علاوہ یوسفؑ اور
ان کی اولاد کے باقی خاندان یعقوبؑ کی ہے،

مگر کتاب پیدائش کے باب ۴۶ کی آیت ۲ میں ہے کہ:-

”سو یعقوبؑ کے گھرانے کے جو لوگ مصر میں آئے وہ سب مل کر ستر ہوئے“

اور یوسفؑ اور ان کے بیٹے ڈیڑھ آٹھ اور رچرڈ منسٹ کی تفسیر کے مطابق اس ستر کے عدد
میں داخل ہیں، لہذا کی اولاد ۳۲ اشخاص اور زلفا کی ۱۶، اور راحیل کی ۱۱، بلہا کی ۷ اولاد
یہ کُل ۶۶ افراد تھے، پھر جب ان کے ساتھ یعقوبؑ اور یوسفؑ اور ان کے دونوں بیٹوں
کو شامل کر لیا جائے تو ستر ہو جاتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ انجیل کی عبارت غلط ہے۔

انجیل متی کے باب ۵ آیت ۹ میں یوں ہے کہ:-

”مبارک ہیں وہ جو صلح کراتے ہیں، کیونکہ وہ خدا

کے بیٹے کہلائیں گے“

امن و سلامتی یا جنگ و پیکار؟
اختلاف نمبر ۹۹

اس کے برعکس انجیل متی کے باب ۱۰ میں حضرت مسیحؑ کا ارشاد اس طرح مذکور ہے کہ:-

”اے عربی ترجمہ میں ”طوبیٰ لہم“ کے الفاظ ہیں، جس کے معنی مبارک ہیں“ کے علاوہ یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ
”انھیں جنت ملے گی“ ۱۲

یہ نہ سمجھو کہ میں زمین پر صلح کرانے آیا ہوں، صلح کرانے نہیں، تلوار چلانے آیا ہوں۔“

ملاحظہ کیجئے، دونوں کلاموں میں کس قدر تضاد موجود ہے؟ اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ عیسیٰ ان لوگوں میں شامل نہ ہوں جن کے حق میں جنت کی بشارت دی گئی ہے، معاذ اللہ اور نہ ان کو ابن اللہ کہا جائے،

یہود اسکریوتی کی موت
متی نے یہود اسکریوتی کی موت کا واقعہ اپنی انجیل کے باب ۲۷ میں نقل کیا ہے، اور یوحنا نے اس واقعہ کو کتاب اعمال باب میں پطرس کے حوالہ سے نقل کیا ہے

اختلاف نمبر ۱۰۰

دونوں بیانوں میں دو لحاظ سے سخت اختلاف ہے،

اول تو یہ کہ پہلے میں تہ ریح کی گئی ہے کہ ”اس نے جا کر اپنے آپ کو پھانسی دی“ دوسرے میں یہ بات صاف طور پر کہی گئی ہے کہ ”وہ سر کے بل گرا اور اس کا پیٹ پھٹ گیا اور اس کی سب انتریاں نکل پڑیں“

دوسرے اس لئے کہ پہلے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہوداہ نے کاہنوں اور سرداروں کو جو تیس درہم واپس کئے تھے اس کے عوض کاہنوں نے کھیت خریدا تھا،

۱۷ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ حواریوں میں سے ایک، جس نے (بقول انجیل) آخر میں غداری کر کے تیس روپے کے لالچ میں حضرت عیسیٰ کو پکڑا یا تھا، اور بعد میں اپنے اس فعل پر نارم ہو کر دہ تیس روپے سرداروں کو واپس کر دیئے تھے، (تفصیل کے لئے دیکھئے ص ۴۱۶ و ۴۱۷ جلد ہذا، ۱۷ متی ۲۷: ۱۸) ۱۸

۱۹ سردار کاہنوں نے۔ دس روپے لیکر کہا ان کو میکیل کے نزانہ میں ڈالنا دانا نہیں، کیونکہ یہ خون کی قیمت ہے، پس انجیل نے مشورہ کر کے ان روپیوں سے کہا کہ کھیت پر دیسیوں کے دفن کر نیکی کو خریدا (متی ۲۷: ۶۰) ۶۰

اور دوسرے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود اہ نے خود اپنے لئے اُن دراہم کے عوض کھیت خرید لیا تھا۔ مگر پطرس کے کلام میں یہ بھی موجود ہے کہ:

”اور یہ ہر دشلم کے سب رہنے والوں کو معلوم ہوا“

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ متی کا بیان غلط اور لوقا کا درست ہے، اور اس کے غلط ہونے کے پانچ قرائن اور بھی موجود ہیں:-

① اس میں تصریح کی گئی ہے کہ یہود اہ موت سے پہلے اس بات پر نادم ہوا کہ اس نے

کیوں حضرت مسیح کو مجرم ٹھہرایا، اور ان کو سزا دی گئی، حالانکہ یہ غلط ہے، کیونکہ جس وقت کا یہ واقعہ ہے اس وقت تک حضرت عیسیٰ کو سزا نہیں دی گئی تھی، اور وہ پیلاطس کے دربار میں تھے۔

② اس میں تصریح کی گئی ہے کہ یہود اہ نے تیس دراہم کا ہنڈ کے سرداروں اور

بوڑھوں کو واپس کر دیے تھے، حالانکہ یہ بھی غلط ہے، اس لئے کہ کاہن اور بوڑھے اس وقت سب کے سب پیلاطس کے پاس تھے، یہ لوگ پیلاطس کے عبادت خانہ

لے آئے تھے بدکاری کی کمائی سے ایک کھیت حاصل کیا۔ (اعمال ۱۸:۱)

۱۸:۱ عیدائیوں کے ممتاز عالم لے۔ لیوکن ویلیامز A. Lukyn Williains نے یہود اہ

اسکریوٹی کے سلسلہ میں ان دونوں اختلافات کا تذکرہ کیا ہے، جہاں تک اُن تیس روپیوں کے بارہ میں متی اور اعمال کے اختلاف کا تعلق ہے اس میں تو اس نے اعمال کے بیان کو رائج قرار دیا۔ دوسرے اختلاف

کے بارہ میں اس نے صاف لکھا ہے کہ ”متی ۵: ۵ اور اعمال ۱۸: ۲ کے بیانات میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ ایک میں یہود اہ کا پھانسی کے ذریعہ مرنا بیان کیا گیا ہے، اور دوسرے میں سر کے بل گر کر، ان دونوں بیانات میں ہم آہنگی پیدا کرنا مشکل ہی نہیں بہت مشکل ہے“

میں عیسیٰ کے سلسلہ میں شکایتیں کیا کرتے تھے، مگر وہ عبادت خانہ میں موجود نہ تھے،

③ عبارت کا سیاق اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ یہ دوسری اور گیارہویں

آیت کے درمیان بالکل بے جوڑ اور بے تعلق ہے،

④ یہود اہ کی موت اس رات کی صبح کو واقع ہوئی جس میں عیسیٰ کو قید کیا گیا، اور

یہ بات نہایت بعید معلوم ہوتی ہے کہ وہ اتنی قلیل مدت میں اپنے فعل پر نادم بھی ہو جائے

اور اپنا کٹا گسٹوٹ لے، کیونکہ اس کو گرفتار کرانے سے پہلے معلوم تھا کہ یہودی مسیح کو

قتل کر دیں گے۔

⑤ اس میں آیت ۹ کے اندر صریح غلطی موجود ہے، جیسا کہ آپ کو تفصیل سے

باب ۲ میں معلوم ہوگا،

کفارہ کون؟ اختلاف نمبر ۱۰ | یوحنا کے پہلے عام خط باب آیت ۱۸ سے معلوم ہوتا ہے کہ:

”یسوع مسیح راست بازار اور وہی ہماری گناہوں کا کفارہ ہے، اور نہ صرف ہمارے

گناہوں کا بلکہ تمام دنیا کے گناہوں کا بھی“

اس کے برعکس سفر امثال باب ۲۱ آیت ۱۸ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ نیکیوں

کے گناہوں کا کفارہ ہوتے ہیں،

عبرانیوں کے نام خط کے باب ۱۸ آیت ۱۸ سے اور باب آیت

اختلاف نمبر ۱۰ |

، سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت موسوی نہایت کمزور عیب دار

۱۰ دیکھئے کتاب ہذا، ص ۶۷۶، مقصد ۲، شاہد نمبر ۲۸،

۱۱ شریعت صادق کا فدیہ ہوگا اور دغا بازار استبازوں کے بدلہ میں دیا جائے گا“ (۱۸:۲۱)

اور غیر مفید ہے، اور زبور نمبر ۸ کی آیت ۷ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بے عیب اور سچا ہی،
اختلاف نمبر ۱۰۴ انجیل مرقس کے باب ۱۶ سے معلوم ہوتا ہے کہ کئی عورتیں جب
 سورج نکلا ہی تھا قبر پر آئیں اور یوحنا کی انجیل کے باب ۱ سے
 معلوم ہوا کہ اُس وقت تاریکی موجود تھی اور آنے والی عورت صرف ایک تھی۔

صلیب پر لٹکائے ہوئے اعلان
 وہ عنوان جو پیلاطس نے لکھ کر صلیب کے
 اوپر رکھا تھا، چاروں انجیلوں میں مختلف ہر
 پہلی انجیل میں اس کے الفاظ نقل کئے گئے
 ہیں: یہ یہودیوں کا بادشاہ یسوع ہے، دوسری انجیل میں صرف یہودیوں کا بادشاہ
 تیسری میں یہ یہودیوں کا بادشاہ ہے، اور چوتھی میں ہے کہ: یسوع ناصری یہودیوں کا بادشاہ
 بڑے ہی تعجب کی بات ہے کہ اتنی چھوٹی اور معمولی بات بھی ان انجیل والوں کو
 محفوظ اور یاد نہ رہ سکی، پھر ایسی شکل میں لمبی اور طویل خبروں کی نسبت ان کی یادداشت

۱۔ خط کی عبارت یہ ہے کہ "غرض پہلا حکم مژدہ اور بیفائدہ ہونیکے سبب منسوخ ہو گیا"
 ۲۔ سب نسخوں میں ایسا ہی ہے، مگر ہمیں یہ عبارت زبور نمبر ۱۱ میں ملی ہے، زبور کی ترتیب میں چونکہ کافی گڑبڑ
 واقع ہوئی ہے، اس لئے شاید مصنف کے نسخہ میں یہ زبور نمبر ۱۸ ہو گا واللہ اعلم ۱۲
 ۳۔ خداوند کی شریعت کامل ہر وہ جان کو بحال کرتی ہے، خداوند کی شہادت برحق ہے، نادان کو دانش بخشی
 ہے، خداوند کے قوانین راست ہیں۔ (۸، ۷: ۱۹) یہ عبارت عبرانیوں ۷: ۱۹ کے اس لئے بھی مخالف ہے کہ
 اس میں ہے: "شریعت نے کسی چیز کو کامل نہیں کیا" ۱۲

۴۔ یعنی مریم مگدالینی وغیرہ، یہ وہی واقعہ ہے جس کا ذکر اختلاف نمبر ۹۰ میں گذرا ۱۲ ۵ (۲: ۱۶)
 ۶۔ مریم مگدالینی ایسے تڑکے کہ ابھی ادھیرا ہی تھا قبر پر آئی (۱: ۲۰)
 ۷۔ ۳۷: ۲، ۵۷ مرقس ۱۵: ۲۶، ۵۹ لوقا ۲۳: ۲۸، ۵۷ یوحنا ۱۹: ۱۹،

پر کیا اطمینان کیا جاسکتا ہے؛ اگر کسی مدرسہ کا ایک طالب علم بھی ایک بار اس کو دیکھ لیتا تو وہ بھی نہیں بھول سکتا تھا۔

حضرت یحییٰ کی گرفتاری کا سبب
اختلاف نمبر ۱۰۵

انجیل مرقس باب ۳ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہیرودیس یحییٰ علیہ السلام کی نیکی کا معتقد اور ان سے بہت خوش تھا، ان کا وعظ بھی سنتا تھا، اس نے

ان پر جو کچھ بھی ظلم کیا وہ محض ہیرودیس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے۔

لیکن اس کے برعکس لوقا کی انجیل باب ۴ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے صرف ہیرودیس کی رضا جوئی کی خاطر یحییٰ پر ظلم نہیں کیا، بلکہ اپنی خوشنودی بھی اس میں شامل تھی، کیونکہ وہ یحییٰ سے اپنی بدکاریوں کی بنا پر نالاں اور ناراض تھا،

بارہ حواریوں کے نام
اختلاف نمبر ۱۰۶

متی دمرقس اور لوقا، تینوں ان گیارہ حواریوں کے ناموں میں اتفاق رائے رکھتے ہیں۔ یعنی پطرس، اندریاس، یعقوب بن زبدی، یوحنا، فیلس، برتلمائی، توما، متی، یعقوب بن حلفی

شمعون قنانی، یہودا اسکریوتی، لیکن بارہویں حواری کے نام میں سب کا اختلاف ہے،

۱۰ ہیرودیس یوحنا کو راست باز اور مقدس آدمی جان کر اس سے ڈرتا، اور اسے بچائے رکھتا تھا، اور اس کی باتیں سن کر بہت حیران ہو جاتا تھا، مگر سنتا خوشی سے تھا“ (۶: ۲۰)

۱۱ ہیرودیس کی بیوی جو پہلے اس کی بھابی تھی اور اس سے شادی کرنے پر حضرت یحییٰ علیہ السلام نے ہیرودیس کو منع کیا تھا جس پر ہیرودیس نے آپ کو گرفتار کرادیا (دیکھئے مرقس ۱۶: ۱۷)

۱۲ اپنے بھائی فلپس کی بیوی ہیرودیاں کے سبب سے اور ان سب برائیوں کے باعث جو ہیرودیس نے کی تھیں الخ“ (۳: ۱۹)

متی کا بیان ہے کہ اس کا نام لبادس ہے، اور لقب تداوس تھا، مرقس، تداوس
بیان کرتا ہے، لوقا کہتا ہے کہ وہ یہودا ہے، یعقوب کا بھائی،

پہلے تینوں انجیل والوں نے اس شخص کا حال ذکر کیا ہے جو محصول
اختلاف نمبر ۱۰۷ کی چوکی پر بیٹھا ہوا تھا، اور حضرت عیسیٰ نے اس سے کہا:-

”میرے پیچھے ہو لے، وہ اٹھ کر اس کے پیچھے ہو لیا۔“

لیکن اس شخص کے نام کے بارے میں ناقصین کا سخت اختلاف ہے، چنانچہ پہلی انجیل
باب ۹ میں کہتی ہے کہ اس کا نام متی ہے، دوسری انجیل باب ۲ میں کہتی ہے کہ اس کا نام
لادی بن حلفی ہے، تیسری انجیل باب ۵ میں صرف لادی بغیر ولایت کے مذکور ہے،
اور ان سے لگے ابواب میں جہاں انھوں نے بارہ حواریوں کے نام ذکر کئے ہیں وہاں سب
متی کا نام ذکر کیا ہے، اور ابن حلفی کا نام یعقوب ذکر کیا ہے،

عظم الحواریین یا شیطان؟ متی نے اپنی انجیل کے باب ۱۶ میں نقل کیا ہے کہ حضرت
عیسیٰ نے پطرس کو عظم الحواریین قرار دیا۔ اس طرح
اختلاف نمبر ۱۰۸ کہ اس سے فرمایا:

۱۔ عربی اور انگریزی ترجموں میں ایسا ہی ہے، مگر اردو ترجمہ میں صرف متیؑ مذکور ہے (متی ۱۱: ۴)
۲۔ اردو ترجمہ میں متیؑ مذکور ہے (مرقس ۱۳: ۱۸) ۳۔ عربی اور انگریزی ترجموں میں ایسا ہی مذکور ہے، مگر
اردو ترجمہ میں یعقوب کا بیٹا لکھا ہوا ہے، (لوقا ۱۶: ۱) اعمال ۱: ۱۳ میں بھی یہ نام بیان کئے گئے ہیں اور اس
میں بارہویں حواری کا نام لوقا کے مطابق ہے، ۴۔ متی ۹: ۹، ۵۔ مرقس ۲: ۱۳، ۶۔ لوقا ۵: ۲۷،
۷۔ یاد رہے کہ یہ شخص جو محصول کی چوکی پر بیٹھا تھا، بعد میں حواریین میں شامل ہوا، چنانچہ متی ۱۰: ۳ میں ہے:-
اور متی محصول لینے والا اور اس کا نام سب انجیلوں میں متی ہی مذکور ہے ۱۲: ۱۷ آیت ۱۹ اور ۱۸
۹۔ چنانچہ، دمن کی تھوٹک فرقہ پطرس کو تمام حواریوں میں افضل قرار دیتا ہے، اور پروٹسٹنٹ اُسے
تسلیم نہیں کرتا ۱۲ تقی

”میں بھی تجھ سے کہتا ہوں کہ تو پطرس ہے اور میں اس پتھر پر اپنا کلیسا بناؤں گا، اور علم
واح کے دروازے اس پر غالب نہ آئیں گے، میں آسمان کی بادشاہی کی کنجیاں
تجھے دوں گا۔ جو کچھ تو زمین پر باندھے گا وہ آسمان پر بندھے گا اور جو کچھ تو زمین پر
کھولے گا وہ آسمان پر کھلے گا۔“

پھر آگے اسی باب میں یطرس ہی کے حق میں حضرت عیسیٰ کا قول اس طرح نقل کیا ہے:-
”لے شیطان! میرے ساتھ سے دور ہو، تو میرے لئے ٹھوکر کا باعث ہے، کیونکہ تو
خدا کی ... کا نہیں بلکہ آدمیوں کی باتوں کا خیال رکھتا ہے۔“

ظاہر دستنٹ نے اپنے رسالوں میں قدیم عیسائیوں کے جو اقوال یطرس کی مذمت
میں نقل لئے ہیں منجملہ ان کے یوحنا نے اپنی تفسیر متی میں تصریح کی ہے کہ یطرس میں تکبر کی
بیاری تھی، اور اس کی شدید مخالفت کرتے ہوئے کہا ہے کہ وہ بہت کم عقل انسان تھا،
آگستان کہتا ہے کہ:-

”یہ شخص ثابت قدم اور سچہ نہیں تھا، کبھی تصدیق کرتا تھا اور کبھی شک کرنے لگتا۔“

غور کیجئے جو شخص ان صفات کے ساتھ موصوف ہو کیا وہ آسمانوں کی کنجیوں کا مالک ہو سکتا ہے
اور کیا کوئی شیطان ایسا بھی ممکن، جس پر جہنم کے دروازے قابو نہ پاسکیں؟

لوقا نے اپنی انجیل کے باب ۹ میں نقل کیا ہے کہ یعقوب اور
یوحنا نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھا کہ:-

”اے خداوند! تو کیا تو چاہتا ہے کہ ہم حکم دیں کہ آسمان سے آگ نازل ہو کر انھیں ٹھیک کر دو؟“

اس پر حضرت عیسیٰ نے جواب دیا کہ:-

۱۷ آیت ۲۳۔ ۱۸ آیت ۵۴ تا ۵۶، ۱۹ آیت ۲۷ یعنی سامرہ کے مارشندوں کو ۲

”تم نہیں جانتے کہ تم کیسی رُوح کے ہو؟ کیونکہ ابنِ آدم لوگوں کی جان برباد کرتے تھیں بلکہ بچانے آیا۔“

لیکن پھر باب ۱۲ میں آپ کا ارشاد یوں نقل کرتا ہے۔

”میں زمین پر آگ لگانے آیا ہوں اور اگر لگ چکی ہوتی تو میں کیا ہی خوش ہوتا۔“

اختلاف نمبر ۱۱ | متی ۵: ۲۰ اور لوقا نے اس آسمانی آواز کو نقل کیا ہے جو عیسیٰؑ پر روح القدس کے نازل ہونے کے وقت سُنی گئی تھی، مگر اس کے الفاظ

بیان کرنے میں تینوں کا اختلاف ہے،

پہلا کہتا ہے کہ ۱۔ ”یہ میرا پیارا بیٹا ہے جس سے میں خوش ہوں“

دوسرا کہتا ہے کہ ۲۔ ”تو میرا پیارا بیٹا ہے جس سے میں خوش ہوں“

تیسرا کہتا ہے کہ ۳۔ ”تو میرا پیارا بیٹا ہے، تجھ سے میں خوش ہوں“

متی ۵: ۲۰ میں نقل کیا ہے کہ زہری کے بیٹوں کی ماں نے درجہ اول اختلاف نمبر ۱۱ | کی تھی کہ ۱۔

میرے ان دونوں بیٹوں میں سے ایک کو اپنی داہنی جانب اور دوسرے کو بائیں جانب اپنی بادشاہت میں جگہ دیں۔

نکات ۳۹ ، ۵۲ اس واقعہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے صفحہ ۴۴۷، جلد ہذا، اختلاف ۱۱۹

متی ۱۰: ۱۳ ، ۵۴ مرقس ۱۱: ۱۱ ،

۵۵ یہ عربی ترجمہ کے الفاظ ہیں، موجودہ اردو ترجمہ کی عبارت لوقا کی عبارت کے اکل ر متی ہے ۱۲

۵۶ لوقا ۲۲: ۳

۵۷ زہری کے بیٹوں کی ماں نے اپنے بیٹوں کے ساتھ متی ۲۰: ۱۰

اور مرقس نے باب میں نقل کیا ہے کہ یہ درخت جو زبردستی لٹنے کی تھی
 مرقس نے باب ۱۱ میں حضرت عیسیٰ کے معنی لکھا ہے کہ
 ”اور راہ کے کنارے انجیر کا ایک درخت دیکھ کر اس کے پار
 گھا، درختوں کے سوا اس میں کچھ نہ پا کر اس نے کہا کہ آئندہ
 اختلاف نمبر ۱۱۲،

تجھ میں کبھی پھل نہ لگے، اور انجیر کا درخت کیونکہ اب دم میں سوکھ گیا“
 کیا اور کہا یہ انجیر کا درخت کیونکہ اب دم میں سوکھ گیا“

پھر حضرت مسیح نے اس کا جواب دیا، اس کے برخلاف انجیل مرقس باب ۱۱ میں یہ واقعہ اس طرح مذکور ہے
 ”اور وہ دور سے انجیر کا ایک درخت جس میں پتے تھے دیکھ کر گیا، کہ شاید اس میں کچھ پائے
 مگر جب اُس کے پاس پہنچا تو پتوں کے سوا کچھ نہ پایا، کیونکہ انجیر کا موسم نہ تھا، اس نے اس
 سے کہا آئندہ کوئی تجھ سے کبھی پھل نہ کھائے اور اس کے شاگردوں نے مسنا
 اس کے بعد مذکور ہے کہ آپ یرושلم تشریف لے گئے، اور جب تمام ہوئی تو شہر سے
 باہر تشریف لے گئے، پھر صبح کے وقت جب آپ کا گزر دوبارہ اس درخت پر سے ہوا تو
 ”اس انجیر کے درخت کو جڑ تک سوکھا ہوا دیکھا، پطرس کو وہ بات یاد آئی، اور اس سے
 کہنے لگا اے ربی! دیکھ یہ انجیر کا درخت جس پر تو نے نعمت کی تھی سوکھ گیا ہے“

اس پر حضرت مسیح نے جواب دیا، غور فرمائی دونوں عبارتوں میں کتنا شدید اختلاف ہے، پھر اختلاف کے علاوہ
 ایک چیز اور بھی ہے وہ یہ کہ شرعی حیثیت سے عیسیٰ کو یہ حق کب حاصل تھا کہ اس درخت
 کا پھل بنیر اس کے مالک کی اجازت کے کھا سکیں؟ اور درخت کو بددعا دینا، جس سے سراسر

لے زبردستی کے دو بیٹوں یعقوب اور یوحنا نے اس کے پاس آکر کہا ”الھ (مرقس ۱۰: ۴۵)

آیات ۲۰ تا ۲۱، ۳ آیات ۱۳ اور ۱۴، ۵ آیات ۲۰، ۲۱، ۲۲

مالک کو نقصان دینا مقصد رہا، یقیناً عقل کے خلاف ہے، اور یہ بات سمجھ، بعید از عقل ہے کہ غیر موسم میں درخت سے اس کے پھل کی توقع کی جائے، اور نہ ہولے پر اس غریب پر غصہ کیا جائے، بلکہ شان اعجاز کا مقتضی تو اس موقع پر یہ تھا کہ درخت کے حق میں ایسی دعا کی جاتی کہ یہ فوراً پھل دار ہو جاتا، اور پھر مالک کی اجازت سے آپ بھی اس کو کھا کر منتفع ہوتے اور مالک کا بھی فائدہ ہوتا

اس سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ مسیح خدا نہ تھے، اس لئے کہ اگر خدا ہوتے تو ان کو معلوم ہوتا کہ ۱۰ سخت پر پھل نہیں ہے، اور نہ یہ اس پھل کا موسم ہے، اور نہ آپ اس پر غضبناک ہوتے،

انجیل والے کی مثال
انجیل سی باب ۲۱ میں انگور لگانے والے کی مثال بیان کرنے کے بعد یوں کہا گیا ہے کہ:-
اختلاف نمبر ۱۱۳

”پس جب تان کا مالک آجائے گا تو اُن باغبانوں کے ساتھ

کیا کرے گا؟ انھوں نے اس سے کہا ان بدکاروں کو بُری طرح ہلاک کرے گا، اور

تان کا ٹھیکہ دوسرے باغبانوں کو دے گا جو موسم پر اس کو پھل دیں۔“

اس کے برعکس انجیل لوقا کے باب ۲۰ میں مثال بیان کرنے کے بعد اس طرح کہا گیا ہے کہ:-

”یہ مثال حضرت عیسیٰ نے اپنے حواریوں کو دی تھی، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک شخص نے ایک انگور کا باغ تان کا لگایا اور اسے باغبانوں کو ٹھیکہ پر دے کر جلا گیا، پھل کا موسم آنے پر اس نے دو مرتبہ اپنے نوکر پھل لینے کے لئے باغبانوں کے پاس بھیجے، مگر باغبانوں نے ہر مرتبہ انھیں مار پیٹ کر بھگا دیا، تیسری بار اس نے اپنے بیٹے کو بھیجا، باغبانوں نے اُسے قتل کر دیا (متی ۲۱: ۳۳-۳۹)“

آیت ۳۰ د ۳۱، ۳۲ (۲۰: ۱۶)

آبِ تَاسْتَانِ کَا مالک اُن کے ساتھ کیا کرے گا؟ وہ آکر ان باغبانوں کو ہلاک کرے گا

اور تَاسْتَانِ اور دُن کو دیدے گا، انھوں نے یہ بات سنکر کہہ، صراہ کرے

ان دونوں عبارتوں میں واضح طور پر اختلاف نظر آ رہا ہے، اس لئے کہ پہلی عبارت صاف بتاتی ہے کہ انھوں نے کہا کہ مالک ان کو بدترین طریقہ پر ہلاک کرے گا، اور دوسری عبارت میں صاف آ گیا ہے کہ انھوں نے انکار کیا،

جس شخص نے بھی اس عورت کا واقعہ جس نے مسیح پر
خوشبو کی شیشی اُلٹ دی تھی انجیل متی کے باب ۲۶ میں
اور انجیل مرقس کے باب ۱۴ میں اور انجیل یوحنا کے

حضرت مسیح کے سر پر عطر

ڈالنے کا واقعہ، اختلاف ۱۱۲

باب ۱۲ میں پڑھا ہوگا اس کو چھ قسم کے اختلافات نظر آئیں گے:-

① مرقس نے تصریح کی ہے کہ یہ واقعہ عید فصح سے.....

۱۔ عربی ترجمہ کے الفاظ یہ ہیں: "قالوا احاشاء"

۲۔ واقعہ انجیل متی کی رد سے مختصر آیه ہے کہ عید سے دو روز قبل حضرت عیسیٰ بیت عنیاہ میں کھانا کھا رہے تھے کہ ایک عورت نے ایک نہایت قیمتی عطر لاکر آپ کے سر پر ڈال دیا، جس پر حواری حفاہوتے کہ خواہ مخواہ ایک قیمتی عطر ضائع کیا گیا، ورنہ غریبوں کے کام آ سکتا تھا، حضرت مسیحؑ نے سنکر انھیں تنبیہ کی کہ غریب تو ہمیشہ تمھارے پاس ہیں۔ میں ہمیشہ تمھارے پاس نہ رہوں گا" (متی ۲۶: ۱۳ تا ۱۳)

۳۔ نیز متی (آیت ۲)

۴۔ عید فصح Passover یہودیوں کا ایک مذہبی تہوار ہے، جو ماہ نساں (اپریل) کی چھ سوئیاں

تاریخ کو منایا جاتا تھا، اور درحقیقت یہ بنی اسرائیل کے مصریوں سے نجات پانے کی یادگار تھی، کیونکہ اسی تاریخ میں حضرت موسیٰؑ مصر سے نکلے تھے، "فصح" دُنبے کو کہتے ہیں، اور چونکہ اس دن میں ایک دُنبہ ذبح کیا جاتا تھا اس لئے اُسے "عید فصح" کہتے ہیں، اس عید کو منانے کے تفصیلی احکام خروج ۲۳: ۱۵، احبار ۲۳: ۵، ۸ اور گنتی

۲۵: ۶ میں دیکھے جاسکتے ہیں ۱۲ تقی

دور در قبل کا ہے، یوحنا کا بیان ہے کہ چھ روز قبل کا ہے، متی عید سے قبل کی مدت بیان کرنے سے خاموش ہے،

② مرقس اور متی دونوں اس واقعہ کا محل وقوع شمعون ابرہس کا گھر بیان کرتے ہیں، اور یوحنا اس کی جگہ مریم کا مکان ذکر کرتا ہے،

③ متی اور مرقس خوشبو کا مسیح کے سر پر ڈالنا ذکر کرتے ہیں، اور یوحنا پاؤں کا ذکر کرتا ہے،

④ مرقس کا بیان ہے کہ معترضین حاضرین میں سے کچھ لوگ تھے، اور متی کہتا ہے کہ اعتراض کرنے والے خود مسیح کے شاگرد تھے، اور یوحنا کے نزدیک معترض یہود اچھا تھے،

⑤ یوحنا خوشبو کی قیمت ۳۰۰ دینار بتاتا ہے، اور مرقس نے مبالغہ کرتے ہوئے تین سو سے زیادہ مقدار بیان کی ہے، متی قیمت کو گول مول کرتا ہے اور کہتا ہے بیش قیمت تھا،

⑥ تینوں راوی عیسیٰ کا قول مختلف نقل کرتے ہیں،

۱۔ مرقس ۱: ۱۲،

۲۔ پھر یسوع فح سے چھ روز پہلے بیت عنیا میں آیا (یوحنا ۱: ۱۲)،

۳۔ لیکن ہمارے پاس سب ترجموں میں اس نے دو دن پہلے کی مدت بیان کی ہے (۲: ۱۶) شاید مصنف کے نسخہ میں یہ عبارت نہ ہو ۱۲

۴۔ بائبل میں اگرچہ لغز کا مکان مذکور ہے، مگر چونکہ وہ مریم کا بھائی تھا، اس لئے اس کے گھر کو مریم کا گھر بھی کہہ سکتے ہیں ۱۲

۵۔ متی ۸: ۲۶، مرقس ۱۳: ۳،

۶۔ یسوع کے پاؤں پر ڈالا (یوحنا ۱۲: ۳)،

۷۔ "بعض اپنے دل میں خفا ہو کر کہنے لگے" (۱۳: ۱۴)

۸۔ یعنی اس کے یونی (۱۲: ۱۳)،

متعدد قصوں پر اس کو محمول کرنا نہایت بعید ہے، کیونکہ یہ بات بہت ہی عجیب ہے کہ ہر مرتبہ خوشبو لگانے والی عورت ہی ہو، اور ہر واقعہ میں کھانے کے وقت ہی یہ صورت پیش آئے، اور ہر قصہ میں دعوتِ طعام ہی کی شکل ہو، اور ہر موقع پر معززین نے بالخصوص شاگردوں نے دوبارہ اعتراض کیا ہو، حالانکہ یہ لوگ پہلی مرتبہ تھوڑے دن قبل عیسیٰ سے اس عورت کے فعل کی درستی اور اچھائی سن چکے تھے، اور یہ کہ ہر واقعہ میں اس خوشبو کی قیمت تین سو دینار یا اس سے کچھ زیادہ ہی ہو،

اس کے علاوہ عیسیٰ کا دو مرتبہ عورت کے فعل اسراف کی تصویب کرنا گویا چھ سو دینار سے زیادہ کی فضول خرچی کو صحیح کہنا، خود اسراف ہے، سچی بات یہ ہے کہ واقعہ ایک ہی ہے، اور یہ اختلاف انجیل کے ناقلوں کی عادت کے مطابق ہے،

جو شخص لوقا کی انجیل کے باب ۲۲ کا مقابلہ متی کی انجیل کے باب ۲۶ سے اور مرقس کی انجیل کے باب ۱۴ سے عشاءِ ربانی کے حال کے بیان میں کرے گا تو اس کو دو اختلاف

عشاءِ ربانی کا واقعہ
اختلاف نمبر ۱۱،

۱۱ یعنی اس اختلاف کو دور کرنے کے لئے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ عطر ڈالنے کا واقعہ کئی مرتبہ پیش آیا ہے، اور ہر انجیل میں مختلف واقعہ مذکور ہے ۱۲

۱۱ عشاءِ ربانی (Lord's supper) یا (Eucharist) عیسائیوں کی مشہور رسم ہے جس کی اصل بقول اناجیل یہ ہے کہ مرقاری سے ایک رات پہلے حضرت عیسیٰ اپنے حواریوں کے ساتھ، ان کا کھانا کھا رہے تھے کہ اپنے پیالہ لیکر برکت کی دعا کی، یا شکر ادا کیا اور فرمایا کہ اسے لیکر آپس میں بانٹ لو، پھر روٹی لیکر اس پر بھی برکت کی دعا فرمائی اور یہ کہہ کر انھیں دی کہ یہ میرا بدن ہے جو تمھارے واسطے دیا جاتا ہے، میری یادگار رکھو۔ اس کے بعد عیسائیوں میں یہ رسم چل پڑی کہ وہ ایک پیالہ میں انگور کا رس لیکر پیتے ہیں اور شکر کرتے ہیں، اور روٹی توڑ کر شکر کرتے ہیں، (باقی بر صفحہ آئندہ)

نظر آئیں گے:-

① لوقا دو پیالے ذکر کرتا ہے، ایک کھانے کے وقت، دوسرا اس کے بعد اور مسمیٰ و

مرقس صرف ایک کا ذکر کرتے ہیں،

غالباً مسمیٰ اور مرقس کا بیان درست اور یوحنا کا قول غلط ہے، ورنہ کیسے فولک والوں پر خصوصیت

کے ساتھ بڑا اشکال پڑے گا، اس لئے لکھان کو اس بات کا اقرار ہے کہ روٹی اور شراب پورے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) پھر پر دلٹنٹ تو بات اسی حد تک رکھتا ہے اور کہتا ہے کہ اس عمل سے یہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ لینے والا مسیح کے کفارہ میں شریک ہو اور اس پر پورا ایمان رکھتا ہے کہ مسیح سے نجات مل سکتی ہے، اس عمل سے اُن کے نزدیک عقیدہ کفارہ پر ایمان رکھنے کا تعلق یہ کہ ایک مرتبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے بارے میں یہ کہا ہے کہ میں ہوں وہ زندگی کی روٹی جو آسمان سے اُترتی، اگر کوئی اس روٹی میں سے کھائے تو ابد تک زندہ رہیگا (یوحنا ۶: ۵۱) اس کا مطلب یہی سمجھا گیا کہ جس طرح ایک انسان روٹی کو قربان کر کے کھا جاتا ہے اور اس سے زندگی حاصل کرتا ہے اسی طرح حضرت عیسیٰ (معاذ اللہ) پوری قوم کے لئے قربان ہو جائیں گے، اور اس سے پوری قوم کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا، اب یہ روٹی کھانے کی رسم اسی عقیدہ کو تازہ کرتی ہے،

اور کیسے فولک فرقہ اس پر یہ اضافہ کرتا ہے کہ اس عمل سے اس کھانے پینے کی ماہیت تبدیل ہو جاتی ہے جب کوئی پادری "عشاءے ربانی" دیتے وقت لاطینی زبان میں کہے کہ "ما کیست کارپس میم" یعنی یہ میرا بدن ہے تو فوراً روٹی مسیح کا گوشت بن جاتی ہے، اور انگور کا رس مسیح کا خون بن جاتا ہے، اگرچہ وہ کھانے والے کو محسوس نہیں ہوتا۔۔۔۔۔ اس عمل کو "عشاءے ربانی" کا نام پاپس نے دیا ہے، جیسا کہ اگر تھیوں ۱۱ سے معلوم

ہوتا ہے، یہ تفصیل انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا مقالہ ر Eucharist در پادری ایچ، ایس

نزیب کی کتاب "حقائق بائبل و بدعات روم" صفحہ ۷۸۷ سے لی گئی ہے، آگے اس کتاب کے صفحہ ۸۸۲

سے صفحہ ۸۸۹ تک آپ اس عقیدہ کا باطل ہونا تفصیل سے پڑھیں گے ۱۲

لے کھانے کے بعد پیالہ یہ کہہ کر دیا کہ یہ پیالہ میرے اس خون میں نیا عہد ہے (۲۰: ۲۲)

مسیح کی ذات میں منتقل ہو جاتی ہیں، اب اگر لوقا کا بیان درست مان لیا جائے تو لازم آتا ہے کہ ہر پہلہ کامل مسیح کی جانب منتقل ہو جاتا ہے تو تثلیث کے عدد کے مطابق روٹی اور شراب سے تین کامل مسیحوں کا موجود ہو جانا لازم آئے گا، لہذا پہلے مسیح کے ساتھ مل کر کل چار مسیح ہو جائیں گے،

اس کے علاوہ عیسائیوں کے خلاف یہ جرم عائد ہوتا ہے کہ انھوں نے اس رسم کو کیوں ترک کر دیا؟ اور ایک ہی پر کیوں اکتفا کر لیا؟

(۲) لوقا کی عبارت بتاتی ہے کہ عیسیٰ کا جسم شاگردوں کی جانب سے قربان ہو گیا۔ مرقس کی روایت واضح کرتی ہے کہ عیسیٰ کا خون بہت سوں کی جانب سے بہایا گیا، اور متی کی روایت کا مقتضی یہ ہے کہ عیسیٰ کا جسد نہ کسی کی طرف سے قربان ہوا ہے، اور نہ ان کا خون کسی کی طرف سے بہایا جاتا ہے، بلکہ جو چیز بہائی جاتی ہے وہ عہد جدید ہے، حالانکہ عہد نہ بہانے کی چیز ہے نہ بہتے جانے کی۔

اور بڑا تعجب اس بات پر ہے کہ یوحنا جو خوشبو لگانے اور گدھے پر سوار ہونے اور دوسرے معمولی واقعات ذکر کرتا ہے، لیکن جو چیز دین مسیحی کے اہم ارکان میں سے ہے اسے قطعی ذکر نہیں کرتا،

انجیل متی باب ۷، آیت ۱۴ میں اس طرح کہا گیا ہے کہ ۱۔

اختلاف نمبر ۱۱۶

”وہ دروازہ تنگ ہے اور وہ راستہ سکر ہوا ہے جو زندگی کو پہنچاتا ہے۔“

۱۔ یعنی صرف ایک پیالہ سے ”عشائے ربانی“ کیوں مناتے ہیں، دوسرے کیوں نہیں مناتے؟

۲۔ ”یہ میرا بدن ہے جو تمھارے واسطے دیا جاتا ہے“ (لوقا ۲۲: ۱۹)

۳۔ ”یہ میرا وہ عہد کا خون ہے جو بہتیروں کے لئے بہایا جاتا ہے“ (مرقس ۱۴: ۲۴)

۴۔ لیکن ہمارے پاس سب ترجموں میں ”عہد کا خون ہے“ کے الفاظ ہیں، مصنف کے نسخہ میں صرف ”عہد“

اسی انجیل کے باب میں یوں ہے کہ

میرا خدا اپنے اوپر اٹھالو، اور مجھ سے سیکھو، کیونکہ میرا خدا ملا ہے، اور میرا بوجھ ہلکا

ان دونوں اقوال کے ملانے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ عیسیٰ کی پیروی کرنا ایسی راہ نہیں ہے جو زندگی تک پہنچانے والی ہو،

انجیل متی باب ۱ میں لکھا ہے کہ انیس حضرت عیسیٰ علیہ السلام اختلاف نمبر ۱۱ کو پہلے مقدس شہر میں لے گیا، اور انھیں یہاں کے کنگرے پر

کھڑا کیا، پھر ایک اونچے پہاڑ پر لایا، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام گلیل تشریف لے گئے اور ناصرہ کو چھوڑ کر کرناحوم میں رہنے لگے، جو جھیل کے پاس تھا،

اور اس کے برخلاف لوقا کے باب میں بیان کیا گیا ہے کہ پہلے شیطان آپ کو پہاڑ پر لے گیا، پھر یروشلیم لایا، یہاں کے کنگرے پر کھڑا کیا، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام گلیل لوٹ آئے، اور وہاں کی مجلسوں میں تعلیم دینے لگے، پھر عترہ گئے جہاں آپ نے پرورش پائی تھی،

۱۱ آیت ۲۹ و ۳۰، یہ حضرت عیسیٰ کا قول ہے ۱۲

۱۱ کیونکہ یہ راہ تو بہت تنگ ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے بوجھ کو آسان فرمایا ہے، لیکن یہ بات اعتراض سے خالی نہیں، اس لئے کہ دونوں اقوال میں تطبیق کے طور پر کہا جاسکتا ہے کہ پہلے قول میں جس دروازہ کو تنگ کہا گیا ہے اس سے مراد دیوہی تنگی ہے، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام خودی طور پر آسانی کو سنرا رہے ہیں ۱۲ نفی

۱۱ آیت ۵، ۱۲ آیت ۸، ۱۳ آیت ۱۲، ۱۴ آیت ۱۵، ۱۵ آیت ۹،

۱۶ آیت ۱۴، ۱۷ آیت ۱۵

انجیل مرقی کے باب سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ
صوبہ دار کے غلام کو شفا دینے
کا واقعہ، اختلاف نمبر ۱۱۸
اپنے غلام کی شفا کے لئے درخواست کی۔

”اے خداوند! میں اس لائق نہیں ہوں کہ تو میری چھت کے نیچے آئے، بلکہ صرف زبان
سے کہہ دے تو میرا خادم شفا پا جائے گا۔“

پھر عیسیٰ علیہ السلام نے اس کی تعریف کی اور اس سے کہا کہ۔

”جیسا تو نے اعتقاد کیا تیرے لئے دیا ہی ہوا، اور اسی گھڑی خادم نے شفا پائی“
اور لوقا کی انجیل باب سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود کبھی نہیں آیا، بلکہ اس نے یہودیوں کے
بزرگوں کو آپ کے پاس بھیجا، پھر ”ان“ کے ساتھ تشریف لے گئے، اور جب گھر
کے نزدیک پہنچے تو۔

”صوبہ دار نے بعض درستوں کی معرفت یہ کہلا بھیجا کہ اے خداوند! تکلیف نہ کر،
کیونکہ میں اس لائق نہیں کہ تو میری چھت کے نیچے آئے، اسی سبب سے میں نے
اپنے آپ کو بھی تیرے پاس آنے کے لائق نہ سمجھا، بلکہ زبان سے کہہ دے تو میرا خادم
شفا پا جائے گا۔“

پھر یسوع نے اس کی تعریف کی، اور جن لوگوں کو بھیجا گیا تھا وہ گھر واپس ہوئے تو
انہوں نے بیمار غلام کو تندرست پایا،

مرقی نے باب ۸ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام
تجلی کا واقعہ، اختلاف ۱۱۹
سے ایک فقیر کی یہ درخواست نقل کی ہے کہ

میں آپ کے ہمراہ جانا چاہتا ہوں، پھر ایک دوسرے شخص کا یہ کہنا کہ میں پہلے اپنے باپ کو دفن کر آؤں، پھر آپ کے ساتھ چلوں گا،

اور بہت سے حالات اور واقعات ذکر کرنے کے بعد تجلی کا واقعہ اپنی انجیل

کے باب میں بیان کیا ہے، اور لوقا نے درخواست اور اجازت طلبی اپنی انجیل کے

باب میں تجلی کے واقعہ کے بعد ذکر کی ہے، اس لئے یقیناً ایک بیان غلط ہے،

متی نے باب میں ایک پاگل گونگے کا واقعہ ذکر کیا ہے۔ پھر باب

میں مسیح کا اپنے حواریوں کو شیاطین کے نکالنے اور بیماروں

کو شفا دینے کی قدرت عطا کرنا، اور ان کو اپنا رسول بنانا، پھر

پاگل گونگے کا واقعہ
اختلاف نمبر ۱۲۰

دوسرے ابواب میں متعدد واقعات ذکر کرنے کے بعد تجلی کا واقعہ باب میں بیان

کیا ہے، اور لوقا پہلے باب میں حواریوں کو قدرت دینے کا واقعہ پھر تجلی کا قصہ، پھر

اس باب میں اور باب میں اور باب کے شروع میں دوسرے واقعات کو ذکر کرنے کے

بعد پاگل گونگے کا قصہ بیان کرتا ہے،

۱۵ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب حضرت مسیح گدرینیوں کے ملک میں تشریف لے جا رہے تھے ۱۲

۱۵ تجلی کا واقعہ ازروئے انجیل مختصراً یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ، بطرس، یعقوب، اور یوحنا کو ساتھ لے کر ایک اونچے

پہاڑ پر تشریف لیگے وہاں حواریوں کے سامنے آپ کی صورت بدل گئی، اور چہرہ چمکنے لگا، حضرت موسیٰؑ

ایسا ہی آپ سے باتیں کرتے ہوئے نظر آئے، پھر چانک ایک نورانی بادل نے ان پر سایہ کیا، اور اس میں سے

آواز سنائی دی، یہ میرا پیارا بیٹا ہے، اور میں اس سے خوش ہوں، اسی جیسے حضورؐ نزولِ روح القدس سے تعبیر کرتے ہیں

۱۵ آیت، ۶۰ تا ۶۵، ۱۹، ۲۸، ۱۵ آیت ۳۲، ۱۵ کہ حضرت مسیح نے اُسے اچھا کر دیا،

۱۵ آیت ۱، ۱۵ آیت ۲۸، ۱۵ آیت ۱۲، ۱۱

اختلاف نمبر ۱۲۱

مرقس نے باب ۵ کی آیت ۲۵ میں لکھا ہے کہ یہودیوں نے مسیح کو تین بجے سولی دی تھی، اور یوحنا اس کے عکس

اپنی انجیل کے باب ۴ آیت ۴ میں صاف کہتا ہے کہ :-
”حضرت مسیح ۶ بجے تک پہلاٹس کے پاس گئے،

مصلوب ہوتے وقت حضرت عیسیٰ کی پکار،
اختلاف نمبر ۱۲۲
متی نے باب ۲۷ میں لکھا ہے :-
”پہرے پہرے کے
قریب یسوع نے بڑی

آواز سے چلا کر کہا ”ایلی، ایلی لما شبعثنی؟“ یعنی اے میرے خدا! اے میرے خدا!
تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟“

اور انجیلِ مرقس باب ۵ میں ہے کہ :-

”الوہی الوہی لما شبعثنی، جس کا ترجمہ ہے اے میرے خدا! اے میرے خدا!
تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟“

اس کے برخلاف انجیلِ لوقا باب ۲۲ میں یہ الفاظ ہیں :-
”اے باپ میں اپنی روح تیرے ہاتھوں میں سونپتا ہوں“

۱۷ عربی اور انگریزی ترجموں میں ایسا ہی ہے، اردو میں ”پہر دن چڑھا تھا“ کا لفظ ہے ۱۸

۱۹ اس اختلاف کی مزید تفصیل ۴۱۹-۴۲۰ اور اس کے حاشیہ پر گزرجکی ہے ۲۰

۲۱ آیت ۴۶، ۲۲ آیت ۳۳، ۲۳ آیت ۴۶

۲۴ یہ اختلاف اعتراض سے خالی نہیں، اس لئے کہ متی اور مرقس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح نے ۲۵

دوسرے آواز لگائی، پھر متی اور مرقس نے صرف پہلی آواز کا ذکر کیا ہے، اور دوسری آواز کو محفلِ مہم

کہا ہو کہ اس کے بعد ”دوم دیدیا“ اور لوقا نے پہلی آواز کا ذکر نہیں کیا، صرف دوسری آواز راقی عربی اختلاف

اختلاف نمبر ۱۲۳

مستی اور مرقس کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ جن لوگوں نے مسیح کا

مذاق اڑایا تھا، اور ان کو چونہ پہنایا تھا، وہ پیلاطس کے سپاہی

تھے، نہ کہ ہیرودیس کے، اور لوقا کے کلام سے اس کے برعکس معلوم ہوتا ہے،

اختلاف نمبر ۱۲۴

مرقس کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے عیسیٰ کو ایسی

شراب دیدی جس میں پت ملا ہوا تھا، مگر آپ نے اُسے نہیں

چکھا، اس کے برخلاف تینوں انجیلوں کا بیان یہ ہے کہ انھوں نے عیسیٰ کو سرکہ دیا تھا،

اور متی د یوحنا کہتے ہیں کہ عیسیٰ نے وہ سرکہ نوش فرمایا،

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کے الفاظ بیان کر کے کہتا ہے کہ اس کے بعد ”دم دیدیا“ اس لئے انصاف کی بات

یہ ہے کہ اس معاملہ میں کوئی تضاد نہیں ہے، غالباً مصنف کی نظر متی اور مرقس میں دوسری آواز کے بیان

چوک گئی ہے، واللہ اعلم ۱۲ تقی

۱۵ متی ۲۷: ۲۷، مرقس ۱۵: ۱۶،

۱۷ مگر ہمارے پاس سب ترجموں میں مطلق ”سپاہیوں“ کا لفظ ہے، ہیرودیس یا پیلاطس کا ذکر نہیں (لوقا ۲۳: ۱۱)

۱۸ ۱۵: ۲۲، اردو ترجمہ میں ”مرمل ہوئی شراب“ کا لفظ ہے،

۱۹ متی ۲۷: ۳۴، لوقا ۲۳: ۳۶، یوحنا ۱۹: ۳۰،

۲۰ یہ عربی ترجمہ کی رو سے، اب متی ۲۷: ۳۴ کے اردو ترجمہ میں سرکہ کی بجائے پت ی ہوئی شراب کا

ذکر ہے، البتہ یوحنا میں اس واقعہ کا ذکر ہی نہیں کیا گیا، اس میں جو سرکہ پلانے کا ذکر ہے وہ دوسرا واقعہ

ہے جس میں ازاجیل اربعہ متفق ہیں ۱۲ تقی

تیسری فصل

دوسری قسم

غلطیاں

وَلْتَعْرِضْ لَهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ ط

اس قسم میں ہم صرف اُن غلطیوں کا ذکر کریں گے جو اختلافات کے ضمن میں آتی ہوئی غلطیوں کے علاوہ ہیں۔

پہلی غلطی | کتاب فروج باب ۱۲ آیت ۴۰ میں کہا گیا ہے کہ مصر میں بنی اسرائیل کے قیام کا زمانہ ۴۳۰ سال ہے، جو قطعی غلط ہے، کیونکہ صحیح مدت ۲۱۵

سال ہے، چنانچہ عیسائیوں کے مفسرین اور مورخین نے بھی اس کا غلط ہونا تسلیم کیا ہے جیسا کہ عنقریب آپ کو باب کے مقصد کے شاہد نمبر میں معلوم ہوگا،

دوسری غلطی | کتاب گنتی کے باب میں کہا گیا ہے کہ بنی اسرائیل کے بیس سالہ عمر تک کے افراد کی تعداد بنی لاوی کے علاوہ ۶ لاکھ تھی، اور بنی لاوی

۱۵ چار سو بیس برسوں کے گزر جانے پر ٹھیک اسی روز خداوند کا شکر ملک مصر سے نکل گیا ۲۰۱۳

کے جملہ مرد و عورت اسی طرح دوسرے تمام باقی قبائل کی عورتیں اور مرد جن کی عمریں ۱۰ سال سے کم تھیں، وہ اس تعداد میں شامل نہیں ہیں، جو قطعی غلط ہے، جیسا کہ آپ کو فصل ۱ میں توریت کے حالات کے دوران نمبر ۱۰ میں معلوم ہو چکا ہے،

تیسری غلطی | کتاب الاستثنا کے باب ۲۳ کی آیت ۲ غلط ہے،

چوتھی غلطی | کتاب پیدائش کے باب ۴ کی آیت ۱۵ میں لفظ ۳۳ الفاظ بالکل غلط ہے، صحیح ۱۳۴ اشخاص ہے،

پانچویں غلطی | کتاب سموئیل اول باب آیت ۱۹ میں لفظ پچاس ہزار مرد واقع ہوا ہے جو غلط ہے، عنقریب باب کے مقصد ۲ میں آپ کو معلوم ہو جائے گا۔

چھٹی ساتویں غلطی | کتاب سموئیل ثانی باب ۱۵ آیت ۷ میں لفظ چالیس واقع ہوا ہے، اور آیت ۸ میں لفظ آرام آیا ہے، جو دونوں غلط ہیں صحیح بجائے ۴۰ کے ۴ اور بجائے لفظ آرام کے اودم ہے، جیسا کہ باب کے مقصد ۱۰ میں معلوم ہوگا، عربی مترجمین نے اس کو بدل کر چار بنایا ہے،

خدا کے گھر کے سامنے کوٹھری کی اونچائی، آٹھویں غلطی، | کتاب تواریخ ثانی باب آیت ۴ میں یوں کہا گیا ہے کہ اور گھر کے سامنے کے اس کے کی لمبائی گھر کی چوڑائی کے مطابق ہیں ہاتھ اور اونچائی ایک ہے۔

۱۵ دیکھئے صفحہ ۳۳۵ تا ۳۳۹ جلد ۱۵ اس کی تفصیل ۳۳۵، ۳۳۶ پر گزر چکی ہے ۱۲
۱۵ اس کی تفصیل بھی ۳۳۴، ۳۳۵ پر ملاحظہ کی جاسکتی ہے
۱۵ دیکھئے صفحہ ۶۳۲ (جلد دوم) شاید نمبر ۱۳ اور ۱۴،

۱۵ اس سے مراد وہ ہیکل جس کی تعمیر حضرت سلیمان علیہ السلام نے شروع کی تھی ۱۲

مہ کے بیان میں یوں آیا ہے کہ:

’مشرق میں یہوداہ کے حصہ کے یردن تک۔‘

یہ بھی غلط ہے، اس لئے کہ یہودہ کی حد جنوب کی جانب بہت دُور تھی، آدم کلارک نے اس کا غلط ہونا تسلیم کیا ہے، جیسا کہ باب میں آپ کو معلوم ہوگا،

گیارہویں غلطی | ۸۰ درجوں غلط ہیں،

کتاب القضاۃ کے اہل آیت ، میں ہے کہ :-

”اور بیت لحم یہوداہ میں یہرمہ کے گھرانے کا ایک جوان تھا، جو

لاوی تھا، یہ دیں لٹکا ہوا تھا۔

اس میں غلط ”جولادی تھا“ بالکل غلط ہے۔ کیونکہ جو شخص یہوداہ کے خاندان سے ہے، وہ عادی کیسے ہو سکتا ہے؟ چنانچہ مفسر ہر سلسلے نے اس کے غلط ہونے کا اعتراف کیا ہے۔ اور ہیوبی کینٹ نے تو اس کو متن سے خارج کر دیا ہے،

کتاب تواریخ ثانی باب ۱۳ آیت ۳ میں یوں ہے کہ :-

”اور ابیہ جنگی سو رمادوں کا لشکر یعنی چار لاکھ چنے ہوئے مرد لے کر

لڑائی میں گیا، اور یربجام نے اس کے مقابلہ میں آٹھ لاکھ چھپتے ہوئے مردے کر جو

زبردست سورماتھے صف آرائی کی۔

پھر آیت، ا میں ہے کہ:

”اور ابیہ اور اس کے لوگوں نے اُن کو بڑی خوں ریزی کے ساتھ قتل کیا، سو

۱۵ اس کے غلط ہونے کی وجہ ہمیں معلوم نہیں ہو سکی ۱۲

اسرائیل کے پانچ لاکھ بچے ہوئے مرد کھیت آئے۔

ان دونوں آیتوں میں جو اعداد و شمار دیئے گئے ہیں وہ غلط ہیں، عیسائی مفسرین نے اس کو تسلیم کیا ہے، اور لاطینی مترجمین نے اصلاح کرتے ہوئے ۴ لاکھ کو ۴۰ ہزار سے اور لفظ ۸ لاکھ کو ۸۰ ہزار سے اور ۵ لاکھ کو ۵۰ ہزار سے بدل ڈالا، جیسا کہ عنقریب اس میں قارئین کو معلوم ہوگا،

چودھویں غلطی اور کھلی تحریف | کتاب تواریخ ثانی کے باب ۲۸ آیت ۱۹ میں یوں کہا گیا ہے کہ :-

خداوند نے شاہ اسرائیل آخر کے سبب سے یہوداہ کو پست کیا۔
اس میں لفظ "اسرائیل" یقینی طور پر غلط ہے، کیونکہ وہ یہوداہ کا بادشاہ تھا نہ کہ اسرائیل کا، اس لئے یونانی اور لاطینی مترجموں نے لفظ "اسرائیل" میں تحریف کر کے یہوداہ بنا دیا، غور فرمائیے یہ اصلاح ہے یا تحریف؟

پندرہویں غلطی | کتاب تواریخ ثانی باب ۳۶ آیت ۱۰ میں ہے کہ :-
اور اس کے بھائی صدقیہ کو یہوداہ اور یردشلم کا بادشاہ بنا دیا۔

اس میں اس کے "بھائی" غلط ہے، البتہ "چچا" صحیح ہے، اس لئے یونانی اور عربی مترجموں نے

۱۰ دیکھئے ص ۶۴۰ ، مقصد (۱) شاہد (۱۸) ۱۱ دیکھئے ۲ تواریخ ۲۸ : ۲۱ ،

۱۲ یعنی بنو کد: نصر شاہ بابل نے یہویا کین کی جگہ اس کے بھائی کو بادشاہ بنا دیا ،

۱۳ چنانچہ ۲ سلاطین ۲۴ : ۱۰ میں "اس کے باپ کے بھائی کے الفاظ ہیں، اور یہی صحیح ہے، کیونکہ یہویا کین

یہو یقیم بن یوسیاہ کا بیٹا تھا، اگر صدقیہ یہویا کین کا بھائی ہوتا تو اسے ابن یہو یقیم کہنا چاہئے تھا، حالانکہ اُسے

صدقیہ ابن یوسیاہ کہا جاتا ہے (دیکھئے یرمیاہ ۲۹ : ۱۰ و ۲۴ : ۱) ،

لفظ ”بھائی“ کو ”چچا“ سے بدل ڈالا، مگر یہ تحریف و اصلاح ہے، وارڈ کی تھولک اپنی کتاب میں کہہ رہے ہیں۔

چونکہ یہ غلط تھا اس لئے یونانی ترجمہ اور دوسرے ترجموں میں اس کو ”چچا“ کے لفظ سے

بدل دیا گیا۔

سوطھویں غلطی | سونیئل ثانی باب آیت ۱۹ اور ۱۸ میں تین مقامات پر، اسی طرح کتاب تواریخ اول کے باب کی آیت ۳ و ۵ تا ۱۰ میں سات جگہ پر لفظ ”بدر عزہ“

آیا ہے، حالانکہ صحیح لفظ ”عزہ“ دال کے ساتھ ہے،

سترھویں غلطی | کتاب یوشع کے باب آیت ۸ میں لفظ ”عن“ تون کے ساتھ آیا ہے، حالانکہ صحیح لفظ ”عک“ راء کے ساتھ ہے،

آٹھارھویں غلطی | کتاب تواریخ اول کے باب آیت ۵ میں اس طرح کہا گیا ہے کہ، ”عمی ایل کی بیٹی بت سوع“ حالانکہ صحیح لفظ ”عمی ایل کی بیٹی بت سع“ ہے،

انیسویں غلطی | کتاب سلاطین ثانی باب آیت ۱۲ میں لفظ ”عزریاہ“ استعمال ہوا ہے، جو غلط ہے، صحیح لفظ ”عزریا“ بغیر راء کے ہے،

۱۔ یہ ایک شخص کا نام ہے، جیسا کہ ص ۳۸۰ پر گذرا،

۲۔ (قبیلہ یہوداہ کا ایک شخص) چنانچہ ۱۔ تواریخ ۲: ۲ میں ”عک“ ہی مذکور ہے،

۳۔ ”بت سع“ ادریا کی بیوی جس کے بارے میں توریت کی تہمت یہ ہے کہ حضرت داؤدؑ نے اُن سے (معاذ اللہ) زنا

کیا، اور پھر ادریا کو مردا کر اس سے شادی کر لی، اور حضرت سلیمانؑ اُن سے پیدا ہوئے ۱۲

۴۔ جیسے کہ ۲۔ سونیئل ۱۱: ۳ سے معلوم ہوتا ہے،

۵۔ یروشلم کے ایک بادشاہ کا نام ہے،

۶۔ جیسا کہ ۲۔ تواریخ ۲۶: ۱، ۲۔ سلاطین ۱۵، ۱۳، ۱۲، ۱۱، ۱۰، ۹، ۸، ۷، ۶، ۵، ۴، ۳، ۲، ۱ سے معلوم ہوتا ہے ۱۲ نفی

بیسویں غلطی

کتاب تواریخ ثانی باب آیت، میں لفظ ”یہو آخز“ دفع ہے، جو قطعی غلط ہے، صحیح لفظ ”احزریا“ ہے، مورن نے اپنی تفسیر کی جلد میں پہلے تو

اس بات کا اقرار کیا ہے کہ جو نام غلط نمبر ۱۶ تا ۲۰ میں مذکور ہیں وہ غلط ہیں، پھر کہتا ہے:

”اسی طرح اور دوسرے مقامات پر بھی ناموں میں غلطی ہوئی ہے، اس سے زیادہ

تفصیل سے جو صاحب جاننا چاہیں وہ ڈاکٹر کن کاٹ کی کتاب کا صفحہ ۲۳ تا ۶۲

ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔“

اور سچی بات تو یہ ہے کہ ان کتابوں میں اکثر نام غلط درج کئے گئے ہیں، اور صحیح ناموں کی تعداد

قدرے قلیل ہی ہے۔

کتاب تواریخ ثانی کے باب ۳۶ میں کہا گیا ہے کہ بخت نصر شاہ

یہو یقیم قید ہوا یا مقتول

بابل یہو یقیم کو زنجیروں میں قید کر کے بابل لے گیا، جو بالکل

اکیسویں غلطی

غلط ہے، صحیح واقعہ یہ ہے کہ بخت نصر نے اس کو یرشلیم

میں قتل کر ڈالا، اور حکم دیا کہ اس کی لاش شہر سپاہ سے باہر پھینک دی جائے، دفن کئے جانے

کی قطعی ممانعت کر دی گئی۔

یوسیفس مورخ نے اپنی تاریخ کی کتاب باب میں لکھا ہے کہ ۱۔

”بادشاہ بابل زبردست لشکر لے کر آیا، اور بغیر جنگ کئے ہوئے شہر پر قابض

ہو گیا، اور شہر میں آنے کے بعد تمام جوانوں کو قتل کر ڈالا، ان میں یہو یقیم بھی تھا، اور

۱۔ جیسا کہ خود اسی کتاب ۲۲: ۲۱۔ سلاطین ۲۵: ۸ وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے، (یہ شخص یہوداہ کا بادشاہ تھا) ۱۲

۲۔ یہ واضح رہے کہ یہ واقعہ بخت نصر کے مشہور حملہ سے کچھ پہلے کا ہے، بنی اسرائیل کی جلا وطنی اس کے

کچھ بعد عمل میں آئی ہے ۱۳

اور اس کی نعل شہر سپاد سے باہر پھینکوا دی، اس کا بیٹا۔۔۔ اکین تخت نشین ہوا تو
 عین ہزار مردوں کو قید کیا جنہیں حزقیال پیغمبر بھی تھے۔

افرائیم پر شاہ اسور کا حملہ
 بانیسویں غلطی
 کتاب یسعیاہ باب آیت ۸ کے ترجمہ عربی مطبوعہ
 ۱۶۷۱ء و ۱۸۳۱ء میں یوں ہے کہ۔
 ”۶۵ سال بعد آرام مت جائے گا۔“

ترجمہ فارسی مطبوعہ ۱۸۳۸ء میں ہے کہ۔

”۶۵ سال بعد افرائیم شکستہ ہو جائے گا۔“

حالانکہ یہ بالکل غلط ہے، کیونکہ افرائیم پر شاہ اسور کا تسلط حزقیاہ کی تخت نشینی کے چھٹے
 سال میں ہوا ہے، جس کی تصریح کتاب سلاطین ثانی کے باب ۱۸ میں موجود ہے، اس
 طرح آرام اس کے بعد ۲۱ سال کی مدت میں ہو گیا۔
 دت زنگا عیسائیوں کا ایک مستند عالم کہتا ہے کہ:-

۱۷ یعنی سوریا (Syria) ہمارے پاس کسی ترجمہ میں آرام کا لفظ نہیں بلکہ ”افرائیم“ ہے، اور سیبٹ
 برس کے اندر افرائیم ایسا کٹ جائے گا کہ قوم نہ رہے گا۔ اس سے مقصد شاہ اسور (سلطنت) کا حملہ ہے، جیسا کہ ان
 باب کی آیت، اسے معلوم ہوتا ہے،

”حزقیاہ کے چھٹے سال جو ہر صبح کانواں برس تھا، سامریہ بلیا گیا، اور شاہ اسور اسرائیل کو اسیر کر کے
 اسور لے گیا“ (۱۸: ۱۰، ۱۱)

۱۷ اس لئے کہ یہ پیشگوئی حضرت اشعیا کی زبانی آخر کے زمانہ میں ہوئی تھی ریسعیاہ ۱۷، اور آخر
 کی تخت نشینی سے شاہ اسرائیل ہوسیع کی تخت نشینی تک بارہ سال کا فاصلہ ہے (۲۔ سلاطین، ۱۷، ۱۸) اور انکی
 تخت نشینی کے نویں سال یہ تسلط مکمل ہوا (جیسا کہ ۱۸: ۱۰ کی مذکورہ عبارت بالاسے معلوم ہوتا ہے)، لہذا
 پورے اکیس سال بنے، ۱۲ تھی

یہاں پر نقل میں غلطی واقع ہو گئی ہے، اصل میں ۱۶ اور ۵ تھا، اس نے اس مدت کو اس طرح تقسیم کیا ہے کہ آخر کی حکومت ۱۶ سال اور حزقیاہ کا در سلطنت ۵ سال۔

یہ رائے اگرچہ خالص ہٹ دھرمی ہے، لیکن کم از کم اس کو اس کا اعتراف ہے کہ کتاب لیبیاہ کی موجودہ عبارت غلط ہے، اور اردو ترجمہ مطبوعہ ۱۸۳۳ء کے مترجم نے آیت مذکور نمبر ۸ میں تحریف کی ہے، خدا ان کو ہدایت دے کہ وہ اپنی جلی عادت سے باز نہیں آتے۔

کتاب پیدائش باب ۲ آیت ۷ میں ہے کہ
تیکن نیک بد کی پہچان کا درخت کبھی کھانا
کیونکہ جس روز تو نے اس میں سے کھایا تو مرا۔

حضرت آدمؑ کو درخت کی ممانعت
تین سو بیس غلطی

یہ بھی غلط ہے۔ اس لئے کہ آدم علیہ السلام نے اس درخت کو کھایا، حالانکہ وہ کھانے کے دن آئیں۔ بلکہ اس کے بعد ۹۰۰ سال سے زیادہ عرصہ تک زندہ رہے،

کتاب پیدائش باب ۳ آیت ۳ میں اس طرح ہے کہ:-
توب خداوند نے کہا کہ میری روح انسان کے ساتھ ہمیشہ مراحت

نہ کرتی رہے گی، کیونکہ وہ بھی تو بشر ہی، اور اس کی عمر ایک سو بیس برس کی ہوئی۔
اس میں یہ کہنا کہ اس کی عمر ۱۲۰ سال ہے قطعی غلط ہے۔ کیونکہ گزشتہ زمانہ کے لوگوں کی عمریں بڑی طویل ہوتی تھیں، نوح علیہ السلام کی عمر ۹۵۰ سال، ان کے بیٹے سام کی عمر ۶۰۰ سال، اور نوحؑ کی عمر ۳۳۸ سال ہوئی ہے، حالانکہ اس زمانہ میں ۸۰۰، ۷۰۰، ۶۰۰ تک پہنچنا بھی شاذ و نادر ہے،

۱۔ بقول تورات یہ خدا کا آدم کو خطاب ہے، اور درخت سے مراد مشہور شجر ممنوعہ ہے، جیسا کہ ۳، ۳ سے معلوم ہوتا ہے۔
۲۔ پیدائش ۶، ۳

پچیسویں غلطی

کتاب پیدائش باب ۸، آیت ۸ میں یوں ہے کہ :-

”اور میں تجھ کو اور تیرے بعد تیری نسل کو کنعان کا تمام ملک جس میں

تو پر دیسی ہے، ایسا دوں گا کہ وہ دائمی ملکیت ہو جائے اور میں ان کو ساکنہ بنا دوں گا۔“

یہ بھی صریح غلط ہے، اس لئے کہ تمام سرزمین کنعان ابراہیم کو کبھی بھی نہیں ملی اور نہ ان کی نسل کو بادشاہت اور دوامی حکومت نصیب ہوئی، بلکہ اس سرزمین میں جس قدر بے شمار انقلابات ہوتے رہے وہ شاید ہی کسی ملک میں پیش آئے ہوں گے، اور مدت مدید گزری کہ اسرائیلی حکومت اس سرزمین سے قطعی ختم ہو چکی ہے۔

کتاب ارمیاہ باب ۲۵ میں کہا گیا ہے :-

یہودیوں کی جلا وطنی

”وہ کلام جو شاہ یہوداہ یہوئقیم بن یوسیاہ کے چوتھے

غلطی نمبر ۲۶، ۲۷، ۲۸

برس میں جو شاہ بابل بنو کہ نفع کا پہلا برس تھا، یہوداہ

کے سب لوگوں کی بابت یرمیاہ پر نازل ہوا :-

پھر آیت ۱۱ میں ہے کہ :-

”یہ ساری زمین دیرانہ اور حیرانی کا باعث ہو جائے گی، اور یہ قومیں ستر برس تک

شاہ بابل کی غلامی کریں گی، خداوند فرماتا ہے جب ستر برس پورے ہوں گے تو میں

شاہ بابل کو اور اس کی قوم کو اور کسدیوں کے ملک کو ان کی بدکرداری کے سبب

سے سزا دوں گا، اور میں اُسے ایسا اُجاڑ دوں گا کہ ہمیشہ دیران رہے“ (آیات ۱۱ و ۱۲)

اور اسی کتاب کے باب ۲۹ میں ہے کہ :-

”اب یہ اس خط کی باتیں ہیں جو یرمیاہ نبی نے یروشلم سے باقی بزرگوں کو جو اسیر

ہو گئے تھے اور کابھوں اور بنیوں اور ان سب لوگوں کو جن کو بنو کہ نصر یروشلم سے

۱۔ یہ خدا کا حضرت ابراہیم کو خطاب ہے،

اسیر کر کے بابل لے گیا تھا، اس کے بعد کہ یکنیا بادشاہ اور اس کی والدہ اور خواجہ
اور یہوداہ اور یروشلم کے امراء اور کارگیر اور لوہار یروشلم سے چلے گئے تھے، (آیات ۱۰-۱۱)
پھر اسی باب کی آیت ۱۰ میں ہے:-

”خداوند یوں فرماتا ہے کہ جب بابل میں ستر برس گزر چکیں گے تو میں تم کو یاد فرماؤں گا
اور تم کو اس مکان میں واپس لانے سے اپنے نیک قول کو پورا کروں گا۔“
یہ آیت ۱۰ فارسی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۳۸ء میں اس طرح ہے کہ:-
”بعد انقضائے ہفتاد سال در بابل من بر شمار جوع خواہم کرد۔“
ترجمہ ۱: ”بابل میں ستر سال گزر جانے کے بعد میں تمہاری طرف رجوع کروں گا۔“
اور فارسی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۳۵ء میں اس طرح ہے کہ:-

”بعد از تمام شدن هفتاد سال در بابل شمارا باز دید خواهم نمود۔“	”بابل میں ستر سال پورے ہو جانے کے بعد میں دوبارہ تمہاری طرف رخ کروں گا۔“
------------------------------------------------------------------	-----------------------------------------------------------------------------

اور اسی کتاب کے باب ۵۲ میں مذکور ہے کہ:-
”یہ وہ لوگ ہیں جنہیں بنو کدر اسیر کر کے لے گیا، ساتویں برس میں تین ہزار تینیس
یہودی بنو کدر کے اٹھارہویں برس میں وہ یروشلم کے باشندوں میں سے آٹھ سو
بئیس آدمی اسیر کر کے لے گیا، بنو کدر کے تیسویں برس میں جلوداروں کا سردار
نبوزرادان سات سو پینتالیس آدمی یہودیوں میں سے پکڑ کر لے گیا، یہ سب آدمی
چار ہزار چھ سو تھے۔“ (آیات ۲۸-۳۰)

۱۵ یہ یکنیاہ بن یہو یقیم جو بخت نصر کے حملے کے وقت یہوداہ کا حکمران تھا (دیکھئے یرمیاہ ۲۲: ۱۰)

ان مختلف عبارتوں سے تین باتیں ظاہر ہوتی ہیں:-

① بخت نصر یہو یا قیم کی تخت نشینی کے چوتھے سال میں تخت شاہی پر بیٹھا، اور یہی صحیح بھی ہے، یوسیفس یہودی مشہور مؤرخ نے بھی اپنی تاریخ کی کتاب میں اس کی تصریح کرتے ہوئے کہا ہے کہ:-

بخت نصر یہو یا قیم کے بیٹھنے کے چوتھے سال میں بابل کا بادشاہ ہوا۔

اگر کوئی شخص ہمارے بیان کے خلاف دعویٰ کرے تو وہ یقیناً غلط اور ارمیاہ علیہ السلام کے کلام کے خلاف ہوگا، بلکہ ضروری ہوگا کہ بخت نصر کے جلوس کا پہلا سال یہو یا قیم کے جلوس کے چوتھے سال کے مطابق ہو۔

② ارمیاہ علیہ السلام نے یہودیوں کے پاس یحونیا بادشاہ اور رؤساء یہوداہ اور دوسرے کاریگروں کے چلے جانے کے بعد کتاب بھیجی تھی۔

③ تینوں مرتبہ کی جلا وطنی میں قیدیوں کی کل تعداد چار ہزار چھ سو تھی، نیز تیسری جلا وطنی تیسویں سال پیش آئی، اب ہم کہتے ہیں کہ اس مقام پر تین زبردست غلطیاں موجود ہیں:-

۱۔ یحونیا بادشاہ اور رؤساء یہوداہ اور کاریگروں کی جلا وطنی مؤرخین کی تصریح

کے مطابق ولادت مسیح سے پانچ سو ننانوے سال پہلے کا واقعہ ہے،

اسی طرح صاحب میزان الحق نے نسخہ مطبوعہ ۱۸۴۹ء کے صفحہ ۶ پر تصریح کی ہو کہ یہ جلا وطنی مسیح کی پیدائش سے چھ سو سال قبل پیش آئی، اور ارمیاہ علیہ السلام کا اُن کے پاس کتاب بھیجنا اُن کے چلے جانے کے بعد کا واقعہ ہے، اور بابل کی رُوسے یہودیوں کا بابل میں قیام ۷۰ سال ہونا چاہئے جو قطعی غلط ہے، کیونکہ یہودیوں کو شاہ ایران

خویش کے حکم سے ولادت مسیح سے ۵۳۶ سال قبل آزاد کیا گیا تھا، اس حساب سے اُن کی مدت قیام بابل میں ۶۳ سال ہوتی ہے نہ کہ ۷۰ سال،

ہم نے یہ تاریخیں کتاب مرشد الطالبین الی کتاب المقدس اثنین مطبوعہ ۱۸۵۲ء سے بیروت سے نقل کی ہیں، لیکن چونکہ یہ نسخہ عیسائیوں کی عام عادت کے مطابق اس نسخہ سے بیشتر مقامات پر مختلف ہے جو ۱۸۴۲ء میں طبع ہوا تھا، جو صاحب نقل کی تصحیح کے طالب ہوں ان کے لئے ضروری ہوگا کہ نقل کا مقابلہ نسخہ مطبوعہ ۱۸۶۲ء کی عبارت سے کریں، یہ نسخہ آستانہ کی جامع بایزید کے کتب خانہ میں موجود ہے، کتاب مقدس کی تاریخی جدول کے جزو ۲ فصل ۲۰ میں اس نسخہ مطبوعہ ۱۸۵۲ء میں اس طرح مذکور ہے :-

سنہ قبل میلاد مسیح	واقعات	دنیا کا سال
۵۹۹	ارمیاہ علیہ السلام کی تحریر اُن یہودیوں کے نام جو بابل میں قید تھے	۳۴۰۵
۵۳۶	دادریوس کی وفات جو قوش کا ماموں تھا، اور قوش کا اس کی جگہ مادی اور فارس د بابل کا بادشاہ ہونا اور اس کا یہودیوں کو آزاد کر کے یہوداہ واپس ملے جانے کی اجازت دینا،	۳۴۶۸

۲۔ دوسری غلطی یہ ہے کہ تینوں مرتبہ کی جلاوطنی میں قیدیوں کی تعداد چار ہزار چھ سو بیان کی گئی ہے، حالانکہ سلاطین ثانی باب ۲۴ آیت ۱۴ میں کہا گیا ہے کہ دس ہزار

۱۵ یا اگر صاحب میزان الحق کے قول کا اعتبار کیا جائے تو ۶۴ سال، کیونکہ ۵۹۹ میں سے ۵۳۶ نکال دیتے جائیں تو ۶۳ بچے ہیں، اور ۶۰۰ سے تفریق کی جائے تو چونسٹھ، ۱۳
۱۶ تمام نسخوں میں ایسا ہی ہے، مگر یہ ہر اہم غلطی ہے، صبح ۱۸۵۲ء ہے ۱۲

اشراف اور بہادر لوگ تو صرف ایک ہی جلاوطنی میں شامل تھے، اور صنّاع کار گیران کے علاوہ تھے،

۳۔ تیسری غلطی یہ ہے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تیسری جلاوطنی بخت نصر کی تخت نشینی کے تیسویں سال پیش آئی تھی، حالانکہ سلاطین کے باب ۲۵ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کے جلوس کے اسیویں سال واقع ہوئی۔

بخت نصر کے ہاتھوں صور کی تباہی کی غلط پیش گوئی، اسیویں غلطی کتاب حزقیال کے باب ۲۶ میں ہے کہ: اور گیارہویں برس میں ہینہ کے پہلے دن خدا کا کلام مجھ پر نازل ہوا۔

پھر آیت نمبر ۱۰ میں ہے:-

”خداوندِ خدا یوں فرماتا ہے کہ دیکھ! میں شاہ بابل بنو کدہسز کو جو شہنشاہ ہے گھوڑوں اور رتھوں اور سواروں اور فوجوں اور بہت سے لوگوں کے انہود کے ساتھ شمال سے صور پر چڑھا لاؤں گا، وہ تیری بیٹیوں کو میدان میں تلوار سے قتل کرے گا، اور تیرے ارد گرد مورچہ بندی کرے گا، اور تیرے مقابل ددمہ باندھے گا، اور تیری مخالفت میں ڈھال اٹھائے گا، وہ اپنی منجلیق کو تیری شہر سپاہ پر چلائے گا، اور اپنے تبروں سے تیرے

۱۱۔ اور وہ سارے یروشلم کو اور سب سرداروں کو اور سب سورماؤں کو جو دس ہزار آدمی تھے، اور سب دستکاروں اور تہاروں کو اسیر کر کے لے گیا۔“ (۲۔ سلاطین ۲۳: ۱۴)

۱۲۔ یعنی بنو زرادان دانی ۱۲

۱۳۔ اور شاہ بابل بنو کدہ نصر کے عہد کے اسیویں برس کے پانچویں ہینہ کے ساتویں دن آٹھ (۸: ۲۵)

۱۴۔ صور Type ازمنہ قدیم کا ایک ساحل شہر جو سوریہ کی حدود میں واقع تھا، اور سمندر کے کنارے ہونے کے سبب دفاعی اعتبار سے انتہائی مضبوط تھا، آجکل یہ علاقہ لبستان کے حدود میں واقع ہے ۱۲ نفی

برجوں کو ڈھانے گا، اس کے گھوڑوں کی کثرت کے سبب اتنی گرد اڑے گی کہ تجھے چھپائے گی، جب وہ تیرے پھانکوں میں گھس آئے گا جس طرح رخنے کر کے شہر میں گھس جاتے ہیں، تو سواروں اور گاڑیوں اور رتھوں کی گرد گڑاہٹ کی آواز سے تیری شہر سپاہ بل جائے گی، وہ اپنے گھوڑوں کے سموں سے تیری سب سڑکوں کو روند ڈالے گا، اور تیرے لوگوں کو تلوار سے قتل کرے گا، اور تیری توانائی کے ستون زمین پر گر جائیں گے اور وہ تیری دولت ٹوٹیں گے، اور تیرے مال کو غارت کریں گے، اور تیری شہر سپاہ توڑ ڈالیں گے، اور تیرے رنگ محلوں کو ڈھادیں گے، اور تیرے پتھر اور لکڑی اور تیری مٹی سمندر میں ڈال دیں گے“

حالانکہ یہ قطعی غلط ہے، اس لئے کہ بخت نصر نے صور کا تیرہ سال تک سخت محاصرہ جاری رکھا اور اس کے فتح کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا مگر وہ کامیاب نہ ہو سکا، اور ناکام واپس ہوا، اور چونکہ یہ واقعہ غلط تھا، اس لئے نعوذ باللہ حضرت حزقیلؑ کو عذر کی ضرورت پیش آئی اور اپنی کتاب کے باب ۲۹ میں یوں فرمایا کہ :

”ستائیسویں برس کے پہلے ہینہ کی پہلی تیاج کو خداوند کا کلام مجھ پر نازل ہوا، کہ اے آدم زاد! شاہ بابل بنو کد رضر نے اپنی فوج سے صور کی مخالفت میں بڑی خدمت کروائی ہے، ہر ایک سر بے بال ہو گیا، اور ہر ایک کا کندھا چھل گیا، پر نہ اُس نے اور نہ اُس کے لشکر نے صور سے اس خدمت کے واسطے جو اُس نے اس کی مخالفت میں

۱۔ تو سین کے درمیان کی عبارت اصل کتاب میں چھوڑ دی گئی تھی ۱۲

۲۔ چھٹی صدی قبل مسیح میں دیکھئے، برٹانیکا، ص ۶۵۳ ج ۲۲ مقالہ (Tyre) ،

۳۔ آیات ۲۰ تا ۲۱ ،

کی تھی کچھ اجرت پائی، اس لئے خداوندِ خدا یوں فرماتا ہے کہ دیکھو! میں ملکِ مصر
شاہِ بابل بنو کدور کے ہاتھ میں کر دیں گا، وہ اس کے لوگوں کو پکڑ کر لے جائے گا، اور
اس کو لوٹ لے گا، اور اس کی غنیمت کو لے لیگا، اور یہ اُس کے لشکر کی اجرت ہوگی
میں نے ملکِ مصر اس محنت کے صلہ میں جو اُس نے کی تھی دیا۔“

اس میں اس بات کی تصریح موجود ہے کہ چونکہ جنت نصر اور اس کے لشکر کو صور کے
محاصرہ کا کوئی عوض نہیں مل سکا، اس لئے خدا نے اس سے مصر کا وعدہ فرمایا۔ ہم کو معلوم
نہیں کہ یہ وعدہ بھی سابقہ وعدوں کی طرح تھا یا شرمندہ ایفاء ہوا؟ یہ بات بہت ہی
افسوسناک ہے، کیا خدائی وعدے ایسے ہی ہوا کرتے ہیں؟ اور خدا بھی اپنے وعدے کے
پورا کرنے سے عاجز و قاصر ہوا کرتا ہے؟

ایک اور غلط پیش گوئی
غلطی نمبر ۳۰

”پس شنیدم کہ معترے تکلم نمود، و مقدسے ازاں مقدس

پرسید کہ این رویا در باب قربانی دائمی دگنہ گاری ہلک بہ پاستال کردن مقدس و

فوج تاکے با شد، مرا گفت تا دو ہزار و سہ صدر روز بعدہ مقدس پاک خواہ شد۔“

ترجمہ: ”تب میں نے ایک قدسی کو کلام کرتے سنا اور دوسرے قدسی نے اسی قدسی سے

کہ غالب یہی ہو کہ شرمندہ ایفاء نہیں ہوا، کیونکہ بنو کدور کے حالات زندگی میں شرمندہ قیام کے حملہ مصر کا ذکر
تو ملتا ہے، مگر صور کے محاصرہ کے بعد تاریخیں اس کے حملہ یر و شلم کا ذکر کر کے خاموش ہو جاتی ہیں، مصر پر
کسی حملہ کا ذکر نہیں کرتیں ۱۲

۱۳ یہ اردو ترجمہ مطبوعہ ۱۹۵۵ء کی عبارت ہے، فارسی کے مطابق ہونے کی وجہ سے ہم نے اسے ہی نقل

کر دیا ہے، البتہ عربی عبارت کا جو ترجمہ آ رہا ہے وہ ہمارا اپنا کیا ہوا ہے ۱۲ نقی

جو کلام کرتا تھا پوچھا کہ دائمی ستربانی اور ویران کرنے والی خطا کاری کی رو یا جس میں
مقدس اور اجرام پائمال ہوتے ہیں کب تک رہے گی؟ اور اس نے مجھ سے کہا کہ دھ
ہزار تین سو صبح و شام تک، اس کے بعد مقدس پاک کیا جائے گا۔

اور عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۲۲۴ھ میں یہ الفاظ ہیں:-

وَسَمِعْتُ قَدْ يَسْتَأْمَنُ الْقَدَّ يَسْتَيْنِ مَتَكَلَّمًا وَقَالَ قَدْ لَيْسَ وَاحِدٌ لِلْآخِرِ
الْمَتَكَلَّمُ لِمَا عَرَفَهُ حَتَّى مَتَى الرُّؤْيَا وَالذَّبِيحَةُ الدَّائِمَةُ وَخَطِيئَةُ
الْخَرَابِ الَّذِي قَدْ صَارَ وَيُنْذِرُ اسَ الْقُدُّوسِ وَالْقُوَّةُ فَقَالَ لَهُ حَتَّى
الْمَسَاءِ وَالصَّبَاحِ اِى الْفَيْنِ وَثَلَاثُمِائَةِ يَوْمٍ وَيُظْهِرُ الْقُدُّوسُ ط

ترجمہ:- اور میں نے ایک قدیس کو یہ کہتے ہوئے سنا جب کہ وہ ایک دوسرے قدیس سے بات
کر رہا تھا جسے میں نہیں جانتا تھا، کہ خواب اور دائمی ستربانی اور تباہ کن گناہ جس
میں قدس اور فوج پامال ہوتے ہیں، کب تک رہے گا؟ اس نے جواب دیا کہ دو ہزار
تین سو صبح و شام تک، اور پھر قدس ظاہر ہو جائے گا۔

علماء یہود و نصاریٰ سب کے سب اس پیشنگوی کے مصداق کے بارے میں سخت
حیران ہیں، دونوں سرین کی بائبل کے تمام مفسرین نے اس خیال کو ترجیح دی ہے کہ اس کا
مصداق انٹیوکس شاہ روم کا واقعہ ہے، جو یرشلیم پر تسلط قائم میں مسلط ہو گیا تھا،
اور ایام سے مراد یہی متعارف ایام ہیں، مفسر یوسفس نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے
مگر اس پر ایک بڑا اعتراض واقع ہوتا ہے وہ یہ کہ وہ حادثہ جس میں قدس اور فوج
پامال ہو گئی وہ ساٹھ تین سال رہا، جس کی تصریح یوسفس نے اپنی تاریخ کی کتاب ۵
باب میں کی ہے، حالانکہ شمسی حساب کے موافق ۲۳۰۰ ایام کے تخمیناً ۶ سال ۳ ماہ ۹ دن

ہوتے ہیں، اسی بنا پر اسحق نیوٹن نے اس کا مصداق حادثہ انیتوکس کو ماننے سے انکار کیا ہے
تھامس نیوٹن نے ایک تفسیر بائبل کی پیشینگوئیوں کے بارہ میں لکھی ہے، اس کے
نسخہ مطبوعہ لندن ۱۸۰۲ء کی جلد اول میں پہلے جمہور مفسرین کا قول نقل کیا ہے، پھر اسحاق
نیوٹن کی طرح اس کی تردید کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اس حادثہ کا مصداق انیتوکس کا حادثہ
کسی طرح نہیں ہو سکتا، پھر اس نے دعویٰ کیا ہے کہ اس کا مصداق رومی سلاطین اور پاپائی
سنل جانسی نے بھی ایک تفسیر پیش آنے والے واقعات کی پیشینگوئیوں پر لکھی ہے،
اور ساتھ ہی دعویٰ کیا ہے کہ میں نے اس میں سچا سی تفاسیر کا نچوڑ اور خلاصہ پیش کیا ہے، یہ
تفسیر ۱۸۳۸ء میں چھپی ہے، اس پیشینگوئی کی شرح کرتے ہوئے وہ لکھتا ہے ۱۔

اس پیشینگوئی کے ابتدائی زمانہ کی تعیین قدیم زمانہ سے علماء کے نزدیک بڑے
اشکال کا سبب بنی ہوئی ہے، اکثر علماء نے اس خیال کو ترجیح دی ہے کہ اس کے زمانہ
کا آغاز ان چار زمانوں میں سے یقیناً کوئی ایک زمانہ ہے، جس میں شاہان ایران کے
چار فرامین صادر ہوئے:-

- ۱۔ ۶۳۶ء قبل مسیح کا زمانہ جس میں خورش کا نسرمان صادر ہوا تھا،
- ۲۔ ۵۱۸ء ق م کا زمانہ، جس میں دارا کا نسرمان جاری ہوا،

۱۔ سنل جانسی کی آنے والی عبارت کا حاصل جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں یہ ہے کہ اس کے نزدیک کتاب فی اہل
کی مذکورہ بالا پیشینگوئی میں حضرت مسیح کے نزول ثانی کا وقت بتایا گیا ہے، اور اس نے اس کی تشریح اس طرح کی ہے
کہ دو ہزار تین سو ایام سے مراد دو ہزار تین سو سال ہیں، اور ان کا شمار کسی ایسے زمانہ سے کیا جاتا چاہئے جس میں یرشلیم
اہل کتاب کے قبضہ سے نکل گیا ہو جس کے لئے اس نے پانچ احتمال بیان کئے ہیں، اور ان کے حساب سے حضرت
عیسیٰ کے دو بارہ زمین پر تشریف لانے کے سن نکالے ہیں ۱۲ تقی

۳۔ شہ ق م کا عہد جس میں ارد شیر نے اپنی تخت نشینی کے ساتویں سال عزرا کے نام ایک فرمان جاری کیا،

۴۔ شہ ق م کا زمانہ جس میں ارد شیر بادشاہ نے اپنی تخت نشینی کے بیسویں سال نحمیاہ کے نام ایک فرمان جاری کیا،

نیز ایام سے مراد سال ہیں، اس طرح اس پیشینگوئی کا منہتی مندرجہ ذیل تفصیل کے مطابق ہوتا ہے۔

نمبر ۱ کے لحاظ سے، سال ۴۶۲ء، ، نمبر ۲ کے لحاظ سے، سال ۴۸۲ء،

نمبر ۳ کے لحاظ سے، سال ۴۸۳ء، ، نمبر ۴ کے لحاظ سے، سال ۴۸۵ء

اس لحاظ سے پہلی اور دوسری مدت ختم ہو چکی ہے، تیسری چوتھی باقی ہے جس میں

تیسری مدت زیادہ قوی معلوم ہوتی ہے، اور میرے نزدیک تو یقینی ہے، البتہ بعض علماء

کے نزدیک اس کا آغاز سکندر رومی کے ایشیا پر حملہ آور ہونے سے شمار ہوتا ہے

اس صورت میں اس کا منہتی ۴۹۶ء نکلتا ہے۔

یہ قول چند وجوہ سے باطل ہے۔

① یہ کہنا کہ اس پیشینگوئی کے آغاز کی تعیین دشوار اور مشکل ہو بالکل غلط ہے،

اشکال اور دشواری اس کے سوا کچھ نہیں کہ یہ یقینی طور پر غلط ہے، اس لئے کہ اس کی ابتداء

یقینی طور پر خواب دیکھے جانے کے وقت سے ہونا چاہئے، نہ کہ بعد کے اوقات سے۔

② یہ کہنا کہ ایام سے مراد سال ہیں، محض ہٹ دھرمی ہے، کیونکہ ”یوم“ کے حقیقی

معنی وہی ہو سکتے ہیں جو متعارف اور مشہور ہیں، عہدِ عتیق و جدید میں جہاں کہیں بھی لفظ ”یوم“

استعمال ہوا ہے وہ ہمیشہ معنی حقیقی ہی میں استعمال ہوا ہے، اور جس مقام پر کوئی کسی چیز

کی مدت بیان کرنے کے لئے استعمال کیا گیا ہے وہاں اس کو سال کے معنی میں کبھی استعمال نہیں کیا گیا، اور اگر ان مقامات کے علاوہ کسی جگہ نادر طریقہ پر سال کے معنی میں استعمال کیا جانا تسلیم بھی کر لیا جائے تو بھی یقینی طور پر یہ استعمال مجازی ہوگا جس کے لئے کوئی قرینہ ضروری ہونا چاہئے، اس جگہ مدت کا بیان ہی مقصود ہے، اور مجازی معنی کا کوئی قرینہ بھی موجود نہیں ہے، اس لئے مجازی معنی پر کیسے محمول کیا جاسکتا ہے، اس لئے جمہور نے اس کو حقیقی معنی پر محمول کیا ہے، اور اس کو صحیح بنانے کے لئے ایسی فاسد توجیہ کی ہے جس کی تردید کرنے کی ضرورت اسحق نیوٹن، ٹامس نیوٹن اور اکثر متاخرین کو (جن میں یہ مفسر بھی شامل ہے) پیش آئی۔

۳) اگر ہم دونوں مذکورہ اعتراضات سے قطع نظر بھی کر لیں تب بھی کہا جاسکتا ہے کہ پہلی اور دوسری ابتداء کا غلط اور جھوٹا ہونا خود اس کے عہد میں ظاہر ہو چکا تھا، جیسا کہ خود اس کا استرار بھی ہے، اور تیسری ابتداء کا غلط اور خلاف واقع ہونا اب ظاہر ہو چکا ہے جس پر اس کو کامل دثوق اور یقین تھا، اسی طرح چوتھی توجیہ کا حال بھی معلوم ہو چکا کہ وہ غلط اور باطل ہوئے میں جمہور متقدمین کی توجیہ سے بڑھ کر ہے، اب صرف پانچواں احتمال باقی رہ جاتا ہے، لیکن چونکہ وہ اکثر علماء کے نزدیک خود ضعیف قول ہے، اور اس پر بھی پہلے دونوں اعتراضات واقع ہوتے ہیں، اس لئے وہ بھی ساقط الاعتبار ہو جاتا ہے اور خدا نے اگر چاہا تو جو اس وقت موجود ہوں گے وہ اس کا بھی جھوٹا اور غلط ہونا دیکھ لینگے،

۱۹۶۶ء، اتفاق سے اظہار الحق کا یہ اردو ترجمہ ۱۹۶۶ء ہی میں طباعت کے مراحل طے کر رہا ہے، اور ابھی تک حضرت مسیح علیہ السلام کا نزول نہیں ہوا، اس لئے یہ پانچویں توجیہ بھی مصنف کی پیشینگوئی کے مطابق محض لغو اور بیہودہ ثابت ہو چکی ہے ۱۲ تقی

اب پادری یوسف صاحب تشریف لاتے ہیں جنہوں نے ۱۸۳۳ء مطابق
 ۱۲۴۸ھ میں شہر کھنؤ میں اس پیشینگوئی اور اپنے جھوٹے الہام سے استدلال شروع کیا،
 اور کہنے لگے کہ اس پیشینگوئی کا آغاز دانیال کی وفات سے ہوتا ہے، اور ایام سے مراد
 سال ہیں، اور دانیال علیہ السلام کی وفات ۵۳۳ ق م میں ہوئی ہے، پھر جب ہم
 ۲۳۰۰ میں سے اس مدت کو گھٹا دیں تو ۱۸۴۷ء رہ جاتے ہیں، اس بنا پر نزول عیسیٰ علیہ السلام
 کا زمانہ ۱۸۴۷ء ہوتا ہے، اس پادری اور بعض علمائے اسلام کے درمیان مناظرہ
 بھی ہوا، بہر حال اس کا دعویٰ چند وجوہ سے باطل اور غلط ہے، مگر چونکہ اس دعوے کا
 جھوٹا ہونا بھی ثابت ہو چکا ہے، کیونکہ، اس سال کی مدت گزر چکی ہے، اور حضرت عیسیٰ
 تشریف نہیں لاتے، اس لئے ہم کو اس کی تردید میں بلا وجہ بات کو طول دینے کی ضرورت
 نہیں ہے، ممکن ہے پادری صاحب موصوف کو "دختر رز" کے نشہ میں یہ سماں نظر آیا ہو،
 جس کو انہوں نے الہام قرار دیدیا۔

ڈی آئی اور رچسٹر مینٹ کی تفسیر میں لکھا ہے :-
 اس پیشینگوئی کی آغاز و اختتام کی تعیین اس کی تکمیل سے پہلے بہت ہی دشوار
 اور مشکل ہے، پوری ہو جانے پر واقعات اس کو ظاہر کر دیں گے۔

یہ توجہ بہ بہت ہی کمزور اور مضحکہ خیز ہے، در نہ یہ مانتا پڑے گا کہ ہر بدکار اور فاسق
 کو بھی یہ حق ہو سکتا ہے کہ وہ اس قسم کی بے شمار پیشینگوئیاں کر سکے، جن میں ان کے آغاز
 و اختتام کی کوئی تعیین نہ ہو، اور یہ کہہ سکتا ہے کہ جب یہ پوری ہوگی تو واقعات خود
 اس کی تصدیق کریں گے،

انصاف کی بات تو یہ ہے کہ یہ لوگ بچائے قطعی معذور ہیں، اس لئے کہ بات

جڑ سے ہی غلط ہے، جس کی نسبت کہنے والا بہت ہی خوب کہہ گیا ہے کہ جس چیز کو زمانہ خراب کر چکا ہو غریب عطار اس کی درستی کیونکر کر سکتا ہے،

غلطی نمبر ۳۱ کتاب دانیال باب ۱۲ آیت ۱۱ میں یوں ہے کہ:-

”اور جس وقت سے دائمی تسربانی موقوف کی جائے گی اور وہ اُجاڑنے والی مکروہ چیز نصب کی جائے گی، ایک ہزار دو سو نوے دن ہوں گے، مبارک ہے وہ جو ایک ہزار تین سو پینتیس روز تک انتظار کرتا ہے“

یہ بھی گزشتہ پیشینگوئی کی طرح غلط اور باطل ہے، اس معاد پر نہ تو عیسائیوں کا صحیح نمودار ہوا اور نہ یہودیوں کا۔

کتاب دانیال باب ۹ میں یوں کہا گیا ہے کہ: ”اور تیرے مقدس شہر کے لئے ستر ہفتے معسر کئے گئے کہ خطا کاری اور گناہ کا خاتمہ ہو جائے، اور

بدکرداری کا کفارہ دیا جائے، ابدی راست بازی قائم ہو، ردِ پا و نبوت پر مہر ہو اور پاک ترین مقام مسوح کیا جائے۔“

اور ترجمہ فارسی مطبوعہ ۱۸۳۹ء میں اس طرح ہے کہ:-

”ہفتاد ہفتہ بر قوم تو در شہر مقدس تو مقرر شد، برائے اتمام خطا و برائے نقصان گناہان و برائے تکفیر شرارت و برائے رسانیدن راست بازی ابدانی و برائے اختتام رویا و نبوت و برائے مسح قدس المقدس“

۱۷ مفسرین کے نزدیک یہ آید ”مسیح“ کی خوش خبری ہے ۱۲

۱۸ اس سے بھی مفسرین کے نزدیک ظہور مسیح کی طرف اشارہ ہے،

ترجمہ: تیری قوم اور مقدس شہر کے لئے شریفیے مستر ہوئے ہیں، خطاؤں کے ختم ہونے اور گناہوں کے درگزر کے لئے اور شرارت کے کفارہ کے واسطے نیز ابدی سچائی پہنچانے اور خواب و نہوت کے اختتام کے لئے اور مقدس کے مسح کے لئے۔ یہ بھی غلط ہے، اس لئے کہ اس مدت مستر رہ میں بھی دونوں میوں میں سے ایک بھی نمودار نہیں ہوا، بلکہ یہودیوں کا مسیح تو آج تک ظاہر نہ ہو سکا، حالانکہ اس مدت پر دو ہزار سال سے زیادہ زمانہ گزر چکا ہے، اس جگہ علماء نصاریٰ کی طرف سے جو مکلفات اختیار کئے گئے ہیں، وہ چند وجوہ سے ناقابل التفات ہیں:-

① لفظ ”یوم“ کو مدت کی تعداد بیان کرتے ہوئے مجازی معنی پر محمول کرنا بغیر کسی تشریح کے ناقابل تسلیم ہے،

② اگر ہم یہ مان بھی لیں تب بھی دونوں میوں میں سے کسی ایک پر یہ پیشینگوئی صادق نہیں آتی، کیونکہ خورش کی تخت نشینی کے پہلے سال (جس میں یہودی آزاد کئے گئے تھے جیسا کہ کتاب عزرا باب میں تصریح ہے) اور عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری کے درمیان مدت جہاں تک یوسیفس کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے تختہ سن ۶۰۰ سال ہے، اور سنل جانی کی تحقیق کی مطابق ۵۳۶ سال ہے، جیسا کہ غلطی نمبر ۳ کے ضمن میں معلوم ہو چکا ہے، اور اسی طرح مرشد الطالبین نسخہ مطبوعہ ۱۸۵۲ء کے مؤلف کی تحقیق کے موافق بھی (جیسا کہ غلطی نمبر ۲۶ میں معلوم ہو چکا ہے) مرشد الطالبین کے مصنف نے جز ثانی کی فصل ۲۰ میں تصریح کی ہے کہ یہودیوں کا قید سے رہا ہو کر لوٹنا اور ہیکل میں ستر بانیوں کی تجدید بھی اسی آزادی کے سال یعنی ۱۳۵۶ ق م میں پیش آئی ہے، حالانکہ ستر ہفتوں کی مقدار صرف

چار سو نوے سال ہوتی ہے، اسی طرح یہودیوں کے مسیح پر اس کا صادق نہ آنا بالکل ظاہر ہے،

(۳) تیسری وجہ یہ ہے کہ اگر اس کو صحیح مان لیا جائے تو مسیح پر نبوت کا اختتام لازم آتا ہے، لہذا حواری کسی صورت میں نبی اور پیغمبر نہیں ہو سکیں گے، حالانکہ یہ بات عیسائی مذہب کے قطعی مخالف ہے، کیونکہ ان کے نزدیک حواری موسیٰ علیہ السلام اور دوسرے تمام اسرائیلی پیغمبروں سے افضل ہیں، اور انکی فضیلت کی شہادت کے لئے یہود اسکریوتی کے حال کا دیکھ لینا کافی ہے، (جو روح القدس سے لبریز انسانوں میں سے ایک تھا)

(۴) چوتھی بات یہ کہ اگر یہ درست ہو جائے تو خواب کے سلسلہ کو ختم ماننا پڑیگا حالانکہ روایاتے صالحہ اور اچھی قسم کے خواب آج تک جاری ہیں۔

(۵) وائسن نے اپنی کتاب کی جلد ۳ میں ڈاکٹر کریب کا خط نقل کیا ہے اور اس میں تصریح کی ہے کہ:

یہودیوں نے اس پیشینگوئی میں ایسی تحریف کر ڈالی ہے جس کے بعد اب عیسیٰ علیہ السلام کسی طرح صادق نہیں آ سکتی۔

غور فرمائیے جادو دہ جو سرچڑھ کے بولے: عیسائیوں کے مشہور عالم کے اقرار سے یہ بات واضح ہو گئی کہ یہ پیشینگوئی اصل کتب دانیال کے مطابق (جو آج تک یہودیوں کے پاس موجود ہے، اور جس کی نسبت یہودیوں کے خلاف کبھی تحریف کا دعویٰ نہیں کیا گیا ہے) عیسیٰ علیہ السلام پر صادق نہیں آتی، علماء پروٹسٹنٹ کا یہودیوں کے خلاف

لے یہود اسکریوتی دہ شخص ہوں جس نے حواری ہونے کے باوجود (بقول انجیل) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کپڑا دیا تھا،

دعویٰ تحریف باطل ہے، جب اسل کتاب کی پوزیشن برقرار ہے تو مسیحی علماء کے کئے ہوئے تراجم سے استدلال کرنا بالکل غلط ہے،

(۶) مسیح سے مراد ان ہی دوسکھوں میں سے کوئی ایک ہونا ضروری نہیں ہے، کیونکہ اس لفظ کا استعمال یہودیوں کے ہر بادشاہ کے لئے ہوتا رہا ہے، خواہ وہ صالح ہو یا بدکردار۔ ملاحظہ کیجئے زبور نمبر ۱۱، آیت نمبر ۵ میں یوں ہے کہ:-

”وہ اپنے بادشاہ کو بڑی نجات عنایت کرتا ہے، اور اپنے ممسوح داؤد اور اس کی نسل پر ہمیشہ شفقت کرتا ہے۔“

اسی طرح زبور نمبر ۱۳۱ میں لفظ ”مسیح“ کا اطلاق داؤد علیہ السلام پر کیا ہے، جو ایک نبی اور نیک بادشاہ تھے، نیز کتاب سموئیل اول باب ۲۴ میں داؤد علیہ السلام کا قول ساؤلؑ کے حق میں جو یہودیوں کا بدترین بادشاہ گذرا ہے، اس طرح مذکور ہے:

”اور جو لوگ اس کے ہمراہ تھے ان سے اس نے کہا کہ مجھ کو خدا کی پناہ کہ میں ایسا فعل اپنے آقا کے ساتھ کروں جو خدا کا مسیح ہے، یا اُسے قتل کرنے کے لئے دست درازی کروں، کیونکہ وہ پردردگار کا مسیح ہے، میں اپنے ہاتھ اپنے آقا پر نہیں اٹھاؤں گا، کیونکہ وہ پردردگار کا مسیح ہے۔“ (آیت اول)

علاوہ ازیں اسی کتاب کے باب ۲۶ اور سموئیل ثانی کے باب میں بھی اس قسم کا اطلاق کیا گیا ہے، پھر یہ لفظ یہودیوں کے بادشاہوں کے ساتھ ہی مخصوص نہیں، بلکہ

۱۔ اس بادشاہ کا نام قرآن کریم میں طلوتؑ مذکور ہے، اس بات پر تورات اور قرآن کریم کا اتفاق ہے کہ اُسے بنی اسرائیل کا بادشاہ خود اللہ تعالیٰ نے نامزد کیا تھا، پھر نامزدگی کے بعد کے حالات قرآن کریم خاموش ہیں، اور تورات نے اس کی نافرمانیاں ذکر کی ہیں۔ اللہ یہ بتلایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے بادشاہ بنا کر (معاذ اللہ) بچھڑایا اور سموئیل ۱۵: ۱۱

دوسروں کے حق میں بھی استعمال ہوتا رہا ہے، چنانچہ کتاب یسعیاہ باب ۴۵ آیت ۱ میں کہا گیا ہے:-

خداوند اپنے مسوح خورس کے حق میں یوں فرماتا ہے کہ میں نے اس کا داہنا ہاتھ پکڑا :-

اس عبارت میں مسیح کا لفظ شاہ ایران کے لئے استعمال کیا گیا ہے، جس نے یہود کو قید سے آزادی بخشی تھی، اور یہیں بنانے کی اجازت دیدی تھی،

بنو اسرائیل کو محفوظ رکھنے کا وعدہ، غلطی نمبر ۳۳۳
کتاب سموئیل ثانی باب ۷، آیت ۱۰ میں حضرت نون علیہ السلام کی زبانی حسب ذیل خدائی وعدہ بیان کیا گیا ہے:-

اور میں اپنی قوم اسرائیل کے لئے ایک جگہ معتبر کروں گا، اور وہاں ان کو جاؤں گا، تاکہ وہ اپنی ہی جگہ بسیں، اور پھر بیٹائے نہ جائیں، اور شرارت کے فرزند اُن کو پھر دکھ نہیں دینے پائیں گے، جیسے پہلے ہوتا تھا، اور جیسا اس دن سے ہوتا آیا ہے جب سے میں نے حکم دیا تھا کہ میری قوم اسرائیل پر قاضی ہوں“ (آیت ۱۰-۱۱) ترجمہ فارسی مطبوعہ ۱۸۳۸ء کے الفاظ یہ ہیں:-

و مکانے نیز برائے قوم خود اسرائیل معتبر خواہم کرد ایشان را خواہم نشانید تا خود جائے دار باشند من بعد حرکت نہ کنند، و اہل شرارت من بعد ایشان را نیاز از من چوں در ایام سابق :-

اور ترجمہ فارسی مطبوعہ ۱۸۴۵ء کے الفاظ یہ ہیں:-

”بجست قوم اسرائیل مکان را قیسی خواہم نمود ایشان را غرض خواہم نمود تا آنکہ در

مقامِ خویش ساکن شدہ بار دیگر متحرک نشوند، و سر زندانِ شرارت پیشہ ایشان

را مثل ایامِ سابق نرجانند؛

غرض خدا نے وعدہ کیا تھا کہ بنی اسرائیل امن و اطمینان کے ساتھ اس جگہ رہیں گے اور شہریروں کے ہاتھوں ان کو کوئی اذیت نہ پہنچے گی، یہ جگہ یروشلم تھی جہاں بنی اسرائیل آباد ہوتے، مگر یہ وعدہ اُن کے لئے پورا نہ ہوا، چنانچہ اس جگہ پر اُن کو بے انتہاستا یا گیا، شاہ بابل نے تین مرتبہ اُن کو شدید اذیت دی، قتل کیا، قید کیا اور جلا وطن بھی کیا، اسی طرح دوسرے بادشاہوں نے بھی اُن کو اذیت پہنچائی، طیطوس شاہِ روم نے تو اُن کو اذیت دینے میں انتہا کر دی، یہاں تک کہ اس کے حادثہ میں دس لاکھ یہودی مارے گئے، اور ایک لاکھ قتل کئے گئے، اور پچاسی دیئے گئے، ننانوے ہزار قید کئے گئے، اور ان کی اولاد اور نسلیں آج تک اطرافِ عالم میں ذلیل و خوار پھرتی ہیں،

مذکورہ کتاب کے اسی باب کی آیت
نمبر ۱۲ میں حضرت ناسن علیہ السلام
کی زبانی حضرت داؤد علیہ السلام

حضرت داؤد علیہ السلام کی نسل میں
سلطنت باقی رکھنے کا وعدہ، غلطی ۳۴،

کے لئے مندرجہ ذیل وعدہ کیا گیا ہے۔

اور جب تیرے دن پورے ہو جائیں گے اور تو اپنے باپ دادا کے ساتھ سو جائیگا
تو میں تیرے بعد تیری نسل کو جو تیرے سلب ہوگی کھڑا کر کے اس کی سلطنت کو

۱۵ Titus شاہِ روم (۷۰ء تا ۸۰ء) اس نے ستمبر ۷۰ء میں ایک طویل محاصرہ

کے بعد یروشلم فتح کیا تھا، اور تب اسی مجادی ۱۲

قائم کر دیں گا، وہی میرے نام کا ایک گھر بنائے گا، اور میں اس کی سلطنت کا تخت ہمیشہ قائم کر دیں گا، اور میں اس کا باپ ہوں گا، اور وہ میرا بیٹا ہوگا، اگر وہ خطا کرے تو میں اسے آدمیوں کی لامٹھی اور بنی آدم کے تازیانوں سے تنبیہ کر دیں گا، پھر میری رحمت اس سے جدا نہ ہوگی، جیسے میں نے اُسے ساؤلؑ سے جدا کیا، جسے میں نے تیرے آگے سے دفع کیا، اور تیرا گھر اور تیری سلطنت سدا بنی رہے گی، تیرا تخت ہمیشہ کے لئے قائم کیا جائے گا“ (آیات ۱۲ تا ۱۶)

اس کے علاوہ کتاب تواریخ اول باب ۲۲ آیت ۹ میں ہے کہ۔

”دیکھ تجھ سے ایک بننا پیدا ہوگا، وہ مرد صالح ہوگا، اور میں اُسے چاروں طرف کے سب دشمنوں سے امن بخشوں گا، کیونکہ سلیمان اس کا نام ہوگا، اور میں اس کے ایاں میں اسرائیل کو امن دامن بخشوں گا، وہی میرے نام کے لئے ایک گھر بنائے گا، وہ میرا بیٹا ہوگا، اور میں اس کا باپ ہوگا، اور میں اسرائیل پر اس کی سلطنت کا تخت، ابد تک قائم رکھوں گا“ (آیات ۹ و ۱۰)

گویا خدا کا وعدہ یہ تھا کہ داؤدؑ کے گھرانے سے بادشاہت اور سلطنت قیامت تک نہیں نکلے گی، مگر افسوس کہ یہ وعدہ پورا نہ ہو سکا، اور اولاد داؤدؑ کی بادشاہت عرصہ دراز ہوا کہ مٹ چکی ہے،

غلطی نمبر ۳۵ | عیسائیوں کے مقدس پوس نے فرشتوں پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی فضیلت کے بارے میں عبرانیوں کے نام باب آیت ۶ میں خدا کا قول یوں نقل کیا ہے کہ۔

”میں اس کا باپ ہوں گا اور وہ میرا بیٹا ہوگا“

مسیحی علماء تصریح کرتے ہیں کہ یہ اشارہ کتاب سموئیل ثانی کے باب ۱۴، آیت ۴ کی جانب
آؤ، (جو سابقہ غلطی میں نقل کی جا چکی ہے) لیکن ان کا یہ دعویٰ چند وجوہ سے غلط ہے:

① کتاب تو ایخ کی مذکورہ عبارت میں اس امر کی تصریح موجود ہے کہ اس کا نام
”سلیمان“ ہوگا،

② دونوں کتابوں میں تصریح پانی جانی ہے کہ وہ میرے نام کا ایک گھر بنائے گا، اس
لئے ضروری ہے کہ وہ بیٹا ایسا ہو جو اس گھر کا بانی ہو، یہ وصف سوائے سلیمان کے اور
کسی میں موجود نہیں ہے، اس کے برعکس عیسیٰ علیہ السلام اس گھر کی تعمیر کے ایک
ہزار تین سال بعد پیدا ہوئے، جو اس کے دیران ہونے کی خبر دیتے تھے، جس کی تصریح
انجیل متی کے باب ۲۳ میں کی گئی ہے، اور عنقریب غلطی نمبر ۹، میں معلوم ہو جائیگا،
③ دونوں کتابوں میں اس کی تصریح موجود ہے کہ وہ بادشاہ ہوگا، اس کے برخلاف
عیسیٰ غریب تھے، یہاں تک کہ انھوں نے اپنے حق میں کہا:

”ٹوٹریوں کے بھٹ ہوتے ہیں اور ہوا کے پھندوں کے گھونسلے، مگر ابن آدم کے
لئے سردھرنے کی بھی جگہ نہیں“ (متی ۲۰: ۱۸)

④ سفر سموئیل میں اس کے حق میں صاف کہا گیا ہے کہ:

”اگر وہ خطا کرے تو میں اُسے آدمیوں کی لاشیں اور بنی آدم کے تازیانوں سے تنبیہ کر دوں گا“

لہٰذا پولس کی ہدایت عبارت یہ ہے حضرت عیسیٰ کو فرشتوں سے افضل قرار دینے کی دلیل میں یہ کہتا ہے
”کیونکہ فرشتوں میں سے اس نے کب کسی سے کہا کہ تو میرا بیٹا ہے، اور آج تو مجھ سے پیدا ہوا، اور پھر
یہ کہ میں اس کا باپ ہوں گا اور وہ میرا بیٹا ہوگا“

اس لئے ضروری ہے کہ یہ شخص ایسا غیر معصوم ہو کہ جس سے خطا کا صدور ممکن ہو، اور سلیمان علیہ السلام عیسائی نظریہ کے مطابق اسی قسم کے انسان ہیں، کیونکہ انھوں نے اخیر عمر میں مرتد ہو کر بت پرستی بھی کی، اور بت خانے بھی تعمیر کئے، اور منصب نبوت کے اشرف مقام سے گر کر شرک کی ذلت میں مبتلا ہوئے، جس کی تصریح اُن کی مقدس کتابوں میں موجود ہے، ظاہر ہے کہ شرک سے بڑھ کر اور کونسا ظلم ہو سکتا ہے؟ اس کے برعکس عیسیٰ معصوم تھے، عیسائی نظریہ کے مطابق اُن سے گناہ کا صدور محال ہے۔

⑤ کتاب تواریخ اذل میں یہ تصریح پائی جاتی ہے کہ:-

تہ مرد صلح ہو گا با در میں اُسے چاروں طرف کے سب دشمنوں سے امن بخشوں گا۔

عیسیٰ کو بچپن سے لے کر قتل ہونے تک عیسائیوں کے خیال کے مطابق کبھی سکون اور چین نصیب نہ ہو سکا، بلکہ شب دروز یہودیوں کی ہول اُن پر سوار رہتی تھی، عموماً اُن کے خوف کی وجہ سے ادھر سے ادھر پھرتے رہتے تھے، یہاں تک کہ انھوں نے گرفتار کیا، سخت توہین کی، اور سولی پر چڑھایا، اس کے برعکس سلیمان علیہ السلام میں یہ وصف پوری طرح موجود ہے۔

⑥ کتاب مذکور میں تصریح ہے کہ:-

تیس اس کے ایام میں اسرائیل کو امن و امان بخشوں گا۔

غور کیجئے، یہودی عیسیٰ علیہ السلام کے عہد میں رومیوں کے غلام اور اُن کے ہاتھوں کتنے عاجز رہے،

④ سلیمان علیہ السلام نے خود یہ دعویٰ کیا ہے کہ یہ پیشینگوئی میرے حق میں ہے اس کی تصریح کتاب تواریخ ثانی باب میں موجود ہے،

اگرچہ عیسائی حضرات یہ مانتے ہیں کہ یہ خبر بظاہر سلیمان علیہ السلام کے حق میں ہے، لیکن کہتے ہیں کہ حقیقت میں وہ عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ہے، کیونکہ وہ بھی سلیمان کی اولاد میں سے ہیں، ہم کہتے ہیں کہ یہ بھی غلط ہے، کیونکہ جس شخص کے حق میں وعدہ کیا گیا ہے اس کے لئے اُن صفات کے ساتھ موصوف ہونا ضروری ہے جن کی تصریح کی گئی ہے، اس معیار پر عیسیٰ علیہ السلام پورے نہیں اُترتے، اور اگر ان صفات سے قطع نظر بھی کر لی جائے تب بھی متاخرین جمہور عیسائی حضرات کے زعم کے مطابق درست نہیں ہے، اس لئے کہ انھوں نے مسیح کے نسب میں اس اختلاف کو رفع کرنے کے لئے جو مثنیٰ اور لوقا کے کلام میں پایا جاتا ہے، یہ کہہ دیا ہے کہ مثنیٰ، یوسف نجار کا نسب بیان کرتا ہے، اور لوقا مریم علیہا السلام کا نسب ذکر کرتا ہے، مصنف میزان الحق نے بھی اسی رائے کو قبول اور پسند کیا ہے، حالانکہ ظاہر ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام یوسف نجار کے بیٹے نہیں ہو سکتے، اور اُن کی نسبت اُن کی جانب محض یہودہ اور بے اصل خیال ہے، بلکہ آپ مریم علیہا السلام کے بیٹے ہیں، اور اس لحاظ سے کسی طرح بھی آپ سلیمان علیہ السلام کی اولاد نہیں ہو سکتے، بلکہ ناتن بن داؤد کی نسل سے ہیں اس لئے

۱۵ خداوند نے میرے باپ داؤد سے کہا چونکہ میرے نام کے لئے ایک گھر بنانے کا خیال تیرے دل میں تھا سو تو نے اچھا کیا کہ اپنے دل میں ایسا اٹھانا، تو بھی اس گھر کو نہ بنانا، بلکہ تیرا بیٹا جو تیری صلب سے نکلے گا وہی میرے نام کے لئے گھر بنائے گا، اور خداوند نے اپنی وہ بات جو اُس نے کہی تھی پوری کی، کیونکہ میں اپنے باپ داؤد کی جگہ اٹھا ہوں (۲۔ تواریخ ۱۰۔ ۱۰) ۱۵ اس کی تفصیل ص ۱۲۰ پر گزر چکی ہے ۱۲

جو پیشینگوئی سلیمان علیہ السلام کے حق میں واقع ہوتی ہے، وہ محض نبی ہونے کی وجہ سے ان کی جانب منسوب نہیں ہو سکتی،

کتاب سلاطین اول باب میں حضرت الیاس علیہ السلام کو یے یا عرب؟ غلطی ۳۶ کے حق میں اس طرح کہا گیا ہے :-

”اور خداوند کا یہ کلام اس پر نازل ہوا کہ یہاں سے چل دے، اور مشرق کی طرف اپنا بیج کر، اور کریمت کے نالہ کے پاس جو یردن کے سامنے ہے جا چھپ، اور تو اسی جگہ میں سے پینا، اور میں نے کوئوں کو حکم کیا ہے کہ وہ تیری پرورش کریں، سو اس نے جگہ خداوند کے کلام کے مطابق کیا، کیونکہ وہ گیا، اور کریمت کے نالہ کے پاس جو یردن کے سامنے ہے، رہنے لگا، اور کوئے اس کے لئے صبح کو روٹی اور گوشت اور شام کو بھی روٹی اور گوشت لاتے تھے، اور وہ اس نالہ میں سے پیا کرتا تھا۔“

سوائے جیردم کے تمام مفسرین نے لفظ ”اوریم“ کی تفسیر کوئوں کے ساتھ کی ہے، البتہ جیردم نے ”عرب“ کے ساتھ تفسیر کی ہے، مگر چونکہ اس کی رائے اس معاملہ میں کمزور شمار کی گئی ہے اس لئے اس کے معتقدین نے اپنی عادت کے مطابق لاطینی مطبوعہ تراجم میں تحریف کی، اور لفظ ”عرب“ کو کوئوں سے بدل ڈالا، یہ حرکت ملت عیسوی کے منکرین کے لئے مذاق اڑانے کا ذریعہ بن گئی، وہ لوگ اس پر ہنستے ہیں، فرقہ پردٹسٹنٹ کا محقق ہورن حیران ہے، اور نہ امت ددر کرنے کے لئے جیردم کی رائے کی جانب مائل ہے، اور ظن غالب کے طور پر کہتا ہے کہ ”اوریم“ سے مراد ”عرب“ ہے نہ کہ ”کوئے“ اور تین اسباب کی بناء پر اس نے مفسرین اور مترجمین کو احمق متسار دیا، چنانچہ اپنی تفسیر کی

۱۲ اصل عبرانی متن میں کوئوں کی بجائے ”اوریم“ کا لفظ ہے ۱۲

جلد اول کے صفحہ ۶۲۹ پر، کہتا ہے :-

بعض منکرین نے طعن اور ملامت کی ہے کہ یہ بات کس طرح درست ہو سکتی ہے کہ ناپاک پرندے پیغمبر کی کفالت کریں؟ اور اس کے لئے کھانا لایا کریں! لیکن اگر وہ اس لفظ کو دیکھتے تو ہرگز ملامت نہ کرتے، کیونکہ اصل لفظ ”اوریم“ ہے، جس کے معنی ”عرب“ ہیں، اور یہ لفظ اس معنی میں کتاب تواریخ ثانی باب ۲ میں اور کتاب نحمیاد کے باب ۴ آیت ۷ میں استعمال ہوا ہے، نیز پریشہ رباعے (جو علماء یہود کی کتاب پیدائش پر تفسیر ہے) معلوم ہوتا ہے کہ اس پیغمبر کو ایک بستی میں جو بتشان کے علاقہ میں تھی مخفی رہنے اور چھپنے کا حکم ہوا تھا، جبردم کہتا ہے کہ ”اوریم“ اُس بستی کے باشندے ہیں جو حدود عرب میں واقع تھی، وہ لوگ اس پیغمبر کو کھانا دیا کرتے تھے، جبردم کی یہ شہادت بڑی قیمتی شہادت ہے، اگرچہ لاطینی مطبوعہ تراجم میں لفظ ”کوئے“ لکھا ہے، لیکن کتاب تواریخ اور کتاب نحمیا اور جبردم نے ”اوریم“ کا ترجمہ ”عرب“ سے کیا ہے، عربی ترجمہ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس لفظ سے مراد انسان ہیں، نہ کہ کوئے، یہودی مفسر مشہور جارحی نے یہی ترجمہ کیا ہے، اور یہ کہے ممکن ہے کہ ناپاک پرندوں کے ذریعہ سے خلاف شرع ایک ایسے پاک رسول کو گوشت اور ردیٰ پہنچایا جائے جو اتباع شریعت میں بڑا سخت اور شریعت کا حامی ہو، اور اس کو یہ کیسے معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ ناپاک پرندے اس گوشت کو لانے سے قبل کسی مردار جانور پر نہیں اترے، اس کے علاوہ اس قسم کی ردیٰ اور گوشت الیاس علیہ السلام کو بھی ایک سال تک پہنچائی جاتی رہی، پھر اس قسم کی خدمت کو کوؤں کی طرف کیسے منسوب

کیا جاسکتا ہے؟ غالب یہی ہے کہ ”ادب“ یا ”ادب“ کے باشندوں نے اس خدمت کو انجام دیا ہے۔“

اب ہماری جانب عامار پرنٹسٹ کو اختیار ہو، خواہ اپنے اس محقق کی بات کو تسلیم کر کے بیشمار مفسرین اور مترجمین کو اس حق قرار دیں اور چاہیں تو دوسروں کو بیوقوف بنائیں تو اس محقق کو بیوقوف بنائیں اور اعتراض کریں کہ یہ باطلی غلط اور عقلا کی منہی کا سہ ہے، اور اس محقق کی بیان کردہ وجوہ کی بنا پر ناممکن ہو،

حضرت سلیمانؑ نے ہیکل کی تعمیر کثرت کی؟ غلطی نمبر ۳، کتاب سلاطین اول باب ۶ آیت میں یوں ہو کہ ”اور بنی اسرائیل کے مصر سے نکل آنے کے بعد چار سو اسی دیں سال اسرائیل پر سلیمان کی

سلطنت کے چوتھے برس زیو کے مہینہ میں جو دوسرا مہینہ ہے ایسا ہوا کہ اس نے

خداوند کا گھر بنانا شروع کیا۔“

یہ بات مؤرخین کے نزدیک غلط ہے، چنانچہ آدم کلارک اپنی تفسیر کی جلد ۲ ص ۱۲۹۳ میں آیت مذکورہ کی شرح کرتے ہوئے کہتا ہے کہ،

”مؤرخین نے اس دور کی نسبت حسب ذیل تفصیل کے مطابق اختلاف کیا ہے

متن عبرانی میں ۴۸۰، نسخہ یونانی میں ۴۲۰، کلبکاس کے نزدیک ۳۳۰،

ملکیورکانوس کے نزدیک ۵۹۰، یوسیفوس کے نزدیک ۵۹۲، سپی سیوس

سورڈس کے نزدیک ۵۸۸، کلیمنس اسکندر یانوس کے نزدیک ۵۷۰،

سیدرئیس کے نزدیک ۶۷۲، گودرمانوس کے نزدیک ۵۹۸، اداسی پوس د

وکایاوس کے نزدیک ۵۸۰، سرارپوس کے نزدیک ۶۸۰، نیکولاس ابراہیم

کے نزدیک ۵۲۷، متلی نوس کے نزدیک ۵۹۲، پتیارپوس ددالمتی روس کے نزدیک ۵۹۲

پھر اگر عبرانی کی بیان کردہ مدت درست اور الہامی ہوتی تو یونانی مترجم اور مورخین اہل کتاب اس کی مخالفت کیسے کر سکتے تھے؟ ادھر یوسیفس اور کلینس اسکندرانیوں دونوں یونانی کی بھی مخالفت کر رہے ہیں، حالانکہ یہ دونوں بڑے مذہبی متعصب ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتابیں اُن کے نزدیک دوسری تاریخی کتابوں سے کچھ زیادہ دقیق نہیں تھیں، اسی طرح وہ اُن کے الہامی ہونے کے معتقد نہ تھے، ورنہ وہ مخالفت کیسے کر سکتے تھے؟

حضرت مسیح کا نسب نامہ، غلطی نمبر ۳۸ انجیل متی کے باب آیت نمبر ۱ میں ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۶۶ء کی رد سے مذکور ہے۔

پس سب پستیں ابراہم سے داؤد تک چودہ پشتیں ہوئیں، اور داؤد سے لے کر گرفتار ہو کر بابل جانے تک چودہ پشتیں اور گرفتار ہو کر بابل جانے سے لے کر مسیح تک چودہ پشتیں ہوئیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ مسیح کے نسب کا بیان تین قسموں پر مشتمل ہے، اور ہر قسم ۱۴ نسلوں پر مشتمل ہے، جو صریح طور پر غلط ہے، اس لئے کہ پہلی قسم کی تکمیل داؤد پر ہوتی ہے جب داؤد اس قسم میں داخل ہیں، تو دوسری قسم سے لامحالہ خارج ہوتے، اور دوسری قسم کی ابتداء سلیمان سے ہوگی، جو یکنیاہ پر ختم ہو جائے گی، اور جب یکنیاہ اس قسم میں داخل ہوا تو تیسری قسم سے یقیناً خارج ہو جائے گا، اور تیسری قسم کی ابتداء سمائی ایل سے ہوگی اور مسیح پر تمام ہو جائے گی، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس قسم میں بجائے ۱۴ کے ۱۳ پشتیں ہوں گی۔

۱۱ اگر یکنیاہ کو شمار نہ کیا جائے تو سلسلہ نسب یہ ہے: سمائی ایل، زربابل، ابی ہود، الیا قیم، عازور، صدوق، انیم، الیہود، ایعزر، مثان، یعقوب، یوسف، مسیح علیہ السلام، اور اگر یکنیاہ کو اس قسم میں شمار کریں تو دوسری قسم میں کل تیرہ پشتیں رہ جاتی ہیں ۱۲ تنقی

اس چیز پر اگلوں پھلوں نے سب ہی نے اعتراض کیا ہے، بورفری نے تیسری صدی عیسوی میں اعتراض کیا تھا، عیسائی علماء نہایت بودے اور کمزور جوابات اس سلسلہ میں پیش کرتے ہیں جو قطعی ناقابل التفات ہیں،

حضرت مسیح کے نسب میں چار غلطیاں
اور کھلی تحریفیں، غلطی ۳۹ تا ۴۲
انجیل متی کے باب آیت ۱۱ ترجمہ عربی
مطبوعہ ۱۸۴۲ء میں یوں ہے کہ :-
”اور بابل کی جلا وطنی میں یوسیاہ سے

یونیاہ اور اس کے بھائی پیدا ہوئے“

اس سے معلوم ہوا کہ یونیاہ اور اس کے بھائیوں کی پیدائش یوسیاہ سے بابل کی اسیری کے زمانہ میں ہوتی جس کا تقاضا یہ ہے کہ یوسیاہ اس جلا وطنی میں زندہ ہو حالانکہ چار وجوہ سے غلط ہے:

① یوسیاہ اس جلا وطنی سے ۲۱ سال قبل وفات پا چکا تھا، کیونکہ اس کی وفات کے بعد یہوآخز تخت سلطنت پر تین ماہ بیٹھا، پھر اس کا دوسرا بیٹا یہو یقیم گیارہ سال تخت نشین رہا، پھر یہو یقیم کا بیٹا یونیاہ تین ماہ بادشاہ رہا، جس کو بخت نصر نے قید کیا، اور دوسرے بنی اسرائیل کے ہمراہ اس کو بابل میں جلا وطن کیا،

② یونیاہ، یوسیاہ کا پوتا ہے، نہ کہ بیٹا جیسا کہ ابھی معلوم ہو چکا ہے،

③ یونیاہ کی عمر جلا وطنی کے وقت ۸۱ سال تھی، پھر بابل کی جلا وطنی کے زمانہ میں

۱۔ دیکھئے علی الترتیب ۲۔ تواریخ ۳۵: ۲۳ و ۳۶: ۱ و ۲ و ۵ و ۹، ۲۔ سلاطین ۲۳: ۳۰ و ۳۱ و ۳۶

و ۲۴: ۸

۳۔ یہو یاکین جب سلطنت کرنے لگا تو ۱۸ برس کا تھا (۲۔ سلا، ۲۴: ۸) واضح رہے کہ یہو یاکین ہی کا دوسرا نام یونیاہ ہے (یرمیاہ ۲۳: ۳۴)

اس کے پیدا ہونے کا کیا مطلب ؟

④ یحوی نیاہ کے اور دوسرے بھائی بھی کوئی نہ تھے، ہاں اس کے باپ کے عین

بھائی ضرور تھے،

ان مشکلات کے پیش نظر جن کا اس غلطی میں اور گزشتہ غلطی میں ذکر آچکا ہے،

آدم کلاک مفسر نے اپنی تفسیر میں یوں کہا ہے کہ۔

”کاتمہ کہتا ہے کہ آیت ۱۱ کو اس طرح پڑھا جائے کہ یوسیاہ کے یہو یقیم اور اس کے

بھائی پیدا ہوئے، اور یہو یقیم سے یحوی نیاہ بابل کی جلا وطنی کے وقت پیدا ہوا۔“

دیکھتے کس طرح تحریف کا حکم دیا جا رہا ہے، اور ان اعتراضات سے بچنے کے لئے یہو یقیم

۱۵ چنانچہ بعد میں اس حکم کی جزوی طور سے تعمیل کر لی گئی ہے، کاتمہ صاحب نے مشورے دیے تھے، ایک یہ کہ درمیان میں یہو یقیم کا اضافہ کیا جائے، دوسرے یہ کہ جلا وطنی میں ”کے بجائے“ جلا وطنی کے وقت ”کردیا جائے“ ان میں سے پہلا مشورہ تو ذرا مشکل تھا، لیکن دوسرا بہت آسان، کیونکہ اس کی تبدیلی بڑی غیر محسوس ہے، لہذا اس وقت جتنے تراجم ہمارے پاس ہیں سب میں الفاظ یہ ہیں، ”اور گرفتار ہو کر بابل جانے کے زمانہ میں“ اور انگریزی مترجم نے تو ایک لفظ کا اضافہ کر کے بات اس حد تک پہنچادی کہ مصنف نے جو اعتراضات کئے ہیں ان میں سے تیسرا اعتراض بھی نہ پڑ سکے، ملاحظہ ہوں اُن کے الفاظ:-

“and Josiah begat Jeconiah and his brethren, about the time they were carried away to Babylon.”

”یعنی یوسیاہ کے ہاں یحوی نیاہ اور اس کے بھائی اس وقت کے قریب قریب پیدا ہوا، جب کہ انھیں بابل لیجا گیا۔“ ملاحظہ فرمائیے اس میں ”قریب قریب“ کا لفظ بڑھا کر بابل کی کتنی عظیم خدمت انجام دی گئی ہے! اور ۱۹۶۱ء میں تمام جزائر برطانیہ کے کلیساؤں کے نمائندوں نے جو نیا ترجمہ شائع کیا ہے، اس میں ایک اور طریقہ سے اس مشکل کو حل کیا گیا ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں:-

“and Josiah was the father of Jeconiah and his brethren at the time of the deportation to Babylon.”

(باقی برصغیر آئندہ)

کے اضافہ کا مشورہ دیا جاتا ہے، حالانکہ اس تخریف کے باوجود اعتراض نمبر ۳ جو اس غلطی میں مذکور ہے دُر نہیں ہوتا،

ہمارا اپنا خیال یہ ہے کہ بعض "دیانتدار" پادریوں نے لفظ یہو یقیم کو قصداً ساقط کر دیا ہے تاکہ یہ اعتراض نہ پیدا ہو جائے کہ جب مسیح یہو یقیم کی اولاد سے ہیں تو وہ داؤد کی کرسی پر بیٹھنے کے لائق نہیں ہو سکتے، پھر ایسی شکل میں وہ مسیح بھی نہیں ہو سکیں گے، مگر ان کو یہ بات معلوم نہیں تھی کہ اس لفظ کو ساقط کر دینے سے اور بہت سی غلطیوں کا شکار بننا پڑے گا، شاید انھوں نے خیال کیا ہو کہ متی کے اوپر اغلاط کا واقع ہونا اس حجت کے مقابلہ میں سہل ہے،

یہوداہ سے سلون تک کا زمانہ تین سو سال کے قریب ہے، اور سلون غلطی نمبر ۳۳ سے داؤد تک چار سو سال ہیں، لیکن متی نے پہلے زمانہ میں سات

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۶۸) یعنی "اور یوسیاہ بابل کی جلاد ملنی کے وقت یونیاہ کا باپ تھا، لیجئے یہ جھگڑا ہی ختم ہوا کہ وہ کب پیدا ہوا تھا، پس یوسیاہ اس کا باپ تھا، ملاحظہ فرمایا آپ نے کہ یہ ہے وہ کلام جس کے بارے میں ہم سے یہ کہا جاتا ہے کہ اُسے الہامی تسلیم کرو، اور اس کی ایک ایک بات کو درست مانو۔" لیکن ایک غریب مہی آدمی کو (جو یونانی اور عبرانی زبانیں سمجھنے پر قادر نہیں)، اس بات کا کیا حق ہے کہ وہ ان مقدس باپوں کی کسی بات پر اعتراض کرے، اُسے تو یہ کہنا چاہئے کہ ع
"جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے۔"

۱۱۔ کیونکہ یہ کتاب ارمیاہ باب ۲۶ میں تصریح ہے کہ "شاہ یہوداہ یہو یقیم کی بابت خداوندیوں فرماتا ہے کہ اس کی نسل میں سے کوئی نہ رہے گا، جو داؤد کے تخت پر بیٹھے، ۱۲
۱۳۔ یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے یہوداہ ۱۳
۱۴۔ یہ سلون بن یحسون ہیں، اور حضرت ہارون علیہ السلام اُن کے پھوپھے تھے (خرج ۲۳: ۱۶)

پشتیں اور دوسرے میں پانچ لکھی ہیں، جو بدایت غلط ہے، کیونکہ پہلے زمانہ کے لوگوں کی عمریں زیادہ لمبی اور دوسرے زمانہ کے لوگوں سے طویل تھیں،

غلطی نمبر ۴۴ | رہ تین اقسام جن کو متی نے ذکر کیا ہے ان میں دوسری قسم کے اندر پشتوں کی صحیح مفت دار ۸ ہے، نہ کہ ۱۴، جیسا کہ کتاب تواریخ اول کے باب ۲

سے واضح ہوتا ہے، اسی بناء پر نیوسن بڑی حسرت کے ساتھ کہتا ہے کہ اب تک تو مذہب عیسوی میں ایک اور تین کا اتحاد ضروری سمجھا جاتا تھا، اب یہ بھی ماننا پڑے گا کہ ۱۸ اور ۱۴ بھی ایک ہیں، اس لئے کہ کتب مقدسہ میں غلطی کا احتمال نہیں ہو سکتا۔

غلطی نمبر ۴۵ و ۴۶ | انجیل متی باب آیت ۸ میں اس طرح کہا گیا ہے کہ:۔
یورام سے عوز یا پیدا ہوا، یہ بات دو وجہ سے غلط ہے۔

○ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عوز یا، یورام کا بیٹا ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے، کیونکہ عزابا بن اخزیاب بن یوآس بن امصیاء بن یورام ہے، جس میں تین پشتیں ساقط کر دی گئی،

۱۔ یہوداہ، فارس، حصر دن، رام، عمید ناب، نخسون، سلون،

۲۔ سلون، بوغز، عوبید، یسی، داؤد علیہ السلام،

۳۔ یعنی حضرت میسح کے نسب کی، ایک حضرت داؤد مسک، دوسری آپ سے بابل کی جلا وطنی تک، اور تیسری حضرت میسح تک،

۴۔ اس کی رود سے حضرت داؤد سے کیونکہ یہ تک کا نسب حسب ذیل ہے:۔ داؤد، سلیمان، رجھام، ابیاء،

آساہ، یہوسفط، یورام، اخزیاب، یوآس، امصیاء، عزریاہ، یوتام، آخز، حزقیاء، عتسی، امون، یوسیاہ،

یہو یقیم، یوحناہ، حالانکہ متی نے صرف ۱۳ پشتیں بیان کی ہیں، اس نے اخزیاب، یوآس، امصیاء، یہو یقیم،

کو ذکر نہیں کیا، متی کا بیان اس لئے غلط ہے کہ تاریخ سے ان بادشاہوں کا نام اور ان کے کارنامے متاثر بغیر

اُسے صحیح قرار نہیں دیا جاسکتا۔

ہیں، یہ تینوں مشہور بادشاہ ہوئے ہیں جن کے حالات کتاب سلاطین ثانی کے باب ۸ د
۱۲ و ۱۳ میں اور کتاب تواریخ ثانی باب ۲۲ و ۲۳ و ۲۴ میں مذکور ہیں، ان پشتوں کے ساقط
کرنے کی کوئی معقول وجہ معلوم نہیں ہوتی، سوائے اس کے کہ انھیں غلط کہا جائے، اس
لئے کہ جب کوئی مؤرخ کسی متعین زمانہ کو لے کر یہ کہتا ہے کہ اس مدت میں اتنی پشتیں
گزری ہیں، اور پھر بعض پشتوں کو سہوایا قصداً چھوڑ دے، تو اس کے سوا اور کیا جائیگا کہ
اس نے حماقت اور غلطی کی۔

(۲) اس کا نام ”عزایا“ ہے کہ ”عزویا“ جیسا کہ کتاب تواریخ اول باب ۳ میں، اور

کتاب سلاطین ثانی باب ۱۲ و ۱۵ میں مذکور ہے،

انجیل متی باب آیت ۱۲ میں یوں لکھا ہے کہ:-

غلطی نمبر ۴

”سیالسی ایل سے زربابل پیدا ہوا“ یہ بھی غلط ہے، اس لئے کہ صحیح یوں

ہو کہ وہ فدایاہ کا بیٹا اور سیالسی ایل کا بھتیجا ہے، جس کی تصریح تواریخ اول کے باب ۳ میں
میں موجود ہے،

انجیل متی باب آیت ۱۳ میں ہے کہ:-

غلطی نمبر ۸

”زربابل سے اپنی ہو پیدا ہوا“ یہ بھی غلط ہے، اس لئے کہ زربابل کے

پانچ بیٹے تھے، جس کی تصریح کتاب تواریخ اول باب میں موجود ہے، ان میں کوئی بھی اس

لے اب اردو ترجمہ میں ”غزایا“ ہی کر دیا گیا ہے،

۱۱ آیت، اتنا ۱۹، کیونکہ اس میں سیالسی ایل اور فدایاہ کو بیٹوئہ کا بیٹا کہا ہے، اور پھر فدایاہ کے بیٹوں میں
زربابل کو شمار کیا ہے۔

۱۲ آیت ۱۹ و ۲۰: زربابل کے بیٹے یہ ہیں، سلام اور حانیاہ اور سلومیت ان کی بہن تھیں، اور حنوبہ

اور اہل اور برکیاہ اور حسدیاہ اور یوسجدیہ پانچ۔

کے نام کا شخص نہیں ملتا،

یہ ۱۱ اغلاط ہیں جو مٹی سے صرف مسیح کے نسب کے بیان میں پیش آئی ہیں، آپ اس فصل کی قسم اذل میں اس کے اور نواق کے اختلافات پڑھ چکے ہیں، اگر ان اختلافات کو ان اغلاط کے ساتھ شامل کر لیا جائے تو تعداد ۱۱ ہو جاتی ہے، اور صرف ایک بیان میں سترہ حیثیت سے اشکالات لازم آتے ہیں،

مٹی نے اپنی انجیل کے باب میں یہ واقعہ لکھا ہے کہ کچھ آتش پرستوں نے **فطلی نمبر ۲۹** مشرق میں ایک ستارہ دیکھا جو حضرت مسیح کی تشریف آوری کی نشانی تھی، اُسے دیکھ کر وہ یرושلم آئے، پھر اس ستارے نے اُن کی رہنمائی کی، اور اُن کے آگے آگے چلتا رہا، یہاں تک کہ وہ ایک بچہ کے سر پر ٹھہر گیا۔

لیکن یہ واقعہ فطری، اس لئے کہ سیاروں کی حرکت، اسی طرح بعض مدارستاروں کی حرکت مغرب مشرق کو، اسی طرح بعض مدارستاروں کی حرکت مشرق مغرب ہوتی ہے، ان دونوں صورتوں میں یہ واقعہ یقینی طور پر چھوٹ اور غلط ہے، اس لئے کہ بیت لحم، یرושلم سے جانب جنوب واقع ہے، یہ صحیح ہے کہ بعض دُمداروں کی حرکت کا دائرہ تھوڑا سا شمال سے جنوب کو مائل ہوتا ہے، مگر یہ حرکت زمین کی اس حرکت سے بھی زیادہ سست رفتار اور خفیف ہوتی ہے، جو اس زمانہ کے عیسائی فلاسفروں کے نزدیک زمین کی ہے، اس قدر خفیف حرکت کا احساس تو کافی طویل مدت کے بعد ممکن ہے، چہ جائے کہ قلیل مسافت میں معتد بہ حرکت کا احساس ہو سکے، بلکہ انسانی رفتار ستارے کی حرکت سے بہت زیادہ تیز ہے۔

۱۱ منہجہ پر ملاحظہ فرمائیں،

۱۲ جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے ۱۳

اس لئے اس احتمال کی کوئی گنجائش نہیں ہے،

دوسرے یہ بات علم المناظر کے خلاف ہے کہ کسی چلتے ہوئے انسان کو ستارے کاڑکنا اور کھڑا ہونا پہلے نظر آئے اور وہ خود بعد میں ٹھہرے، بلکہ یہ ہوتا ہے کہ پہلے وہ ٹھہر کر اہو پھر ستارے کا کھڑا ہونا نظر آتا ہے،

حضرت اشعیا کی پیشینگوئی کا مصداق اور لفظ علم کی تحقیق، غلطی نمبر ۵۰، انجیل متی کے باب اول میں اس طرح ہے کہ:-

”اور یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ جو

خداوند نے نبی کی معرفت کہا تھا وہ پورا ہو کہ دیکھو ایک کنواری حاملہ ہوگی اور بیٹا جنے گی اور اس کا نام عمانوئیل رکھیں گے“

اس نبی سے مراد عیسائیوں کے نزدیک اشعیا علیہ السلام ہیں، کیونکہ انھوں نے اپنی کتاب کے باب آیت ۱۲ میں اس طرح کہا ہے کہ:-

”لیکن خداوند اب تم کو ایک نشان بخٹے گا، دیکھو ایک کنواری حاملہ ہوگی، اور بیٹا ہوگا، اور وہ اس کا نام عمانوئیل رکھے گی“

ہم کہتے ہیں کہ یہ بات چند وجوہ سے غلط ہے:-

① یہ کہ وہ لفظ جس کا ترجمہ متی نے اور کتاب اشعیا کے مترجمین نے ”کنواری“ سے کیا ہے وہ ”علتہ“ مونث ہے جس میں تائید کی ہے، علماء یہود کے نزدیک

۱۵ لیکن یہ اعتراض ہماری رائے میں بہت کمزور ہے، اس لئے کہ معجزہ یا ”ارہاس“ کے لئے اگر ایک نبی کے لئے یہ خلاف عادت بات ظاہر ہو جائے تو کوئی بعید نہیں، واللہ اعلم ۱۲

۱۶ آیت ۲۲، واضح ہے کہ انجیل متی کی عبارت کا مطلب یہ ہے کہ اس پیشینگوئی سے مراد حضرت مسیح پر ہے

اس کے معنی نوجوان لڑکی کے ہیں خواہ وہ کنواری ہو یا نہ ہو، اور کہتے ہیں کہ یہ لفظ کتاب امثال کے باب ۳۰ میں بھی آیا ہے، اور اس کے معنی اس جگہ اس نوجوان عورت کے ہیں جس کی شادی ہو چکی ہو، اشیاء علیہ السلام کے کلام میں جو لفظ ”علہ“ آیا ہے، اس کی تفسیر تینوں یونانی ترجموں میں بھی (یعنی ایکونیلا اور تھیوڈوشن اور سیمکس کے ترجموں میں) نوجوان عورت سے کی گئی ہے، اور یہ ترجمے اُن کے نزدیک سب سے قدیم ہیں، کہتے ہیں کہ پہلا ترجمہ ۱۲۹ء میں اور دوسرا ۱۷۵ء میں اور تیسرا ۱۸۲۰ء میں ہوا ہے، جو قدیم عیسائیوں کے نزدیک معتبر ہیں، خاص طور پر تھیوڈوشن کا ترجمہ، اس لئے علماء یہود کی تفسیر اور تینوں تراجم کی توضیح کے مطابق متی کے بیان کا غلط ہونا ظاہر ہے، فری اپنی اس کتاب میں جو اس نے عبرانی الفاظ کے بیان میں لکھی ہے، اور علماء پرڈٹسٹ کے یہاں بڑی معتبر اور مشہور ہے، کہتا ہے کہ یہ عذرا اور نوجوان عورت کے معنی میں ہے، فری کے قول کے مطابق یہ لفظ دونوں معنی میں مشترک ہے۔

لیکن اس کی بات اذل تو اہل زبان یعنی یہودیوں کی تفاسیر کے مقابلہ میں تسلیم نہیں کی جاسکتی، پھر اس کو تسلیم کرنے کے بعد بھی اس کو یہود کی تفاسیر اور قدیم ترجموں کے برخلاف کنواری کے معنی پر محمول کرنا دلیل کا محتج ہے، صاحب میزان الحق نے اپنی کتاب حل الاشکال میں جو یہ کہا ہے کہ ”اس لفظ کے معنی سوائے کنواری کے اور کچھ نہیں ہیں“ اس کے غلط ہونے کے لئے ہمارا مندرجہ بالا بیان کافی ہے،

② عیسیٰ علیہ السلام کو کبھی کسی شخص نے ”عمانویل“ کے نام سے نہیں پکارا، نہ

باپ نے یہ نام رکھا نہ ماں نے، آپ کا نام یسوع تجویز کیا گیا تھا، اور فرشتہ نے

لے شاید آیت ۲۲ مراد ہے، اس میں ہی: اور نام قبول عورت سے جب رد کیا ہی جائے “ ۱۲

آپ کے باپ سے خواب میں کہا تھا کہ: اُس کا نام یسوع رکھنا، جس کی تصریح متی کی انجیل میں موجود ہے،

جبرئیل علیہ السلام نے بھی اُن کی والدہ سے کہا تھا کہ،

”قو حاملہ ہوگی اور تیرے بیٹا ہوگا، اس کا نام یسوع رکھنا“

اس کی تصریح لوقا کی انجیل میں کی گئی ہے، اور نہ خود عیسیٰ علیہ السلام نے کبھی دعویٰ کیا کہ میرا نام عمانوئیل ہے،

③ وہ واقعہ جس میں یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے اس امر سے انکار کرتا ہے کہ اس کا

مصدق عیسیٰ علیہ السلام ہوں، قصہ یہ ہے کہ آرام کا بادشاہ رضین اور اسرائیل کا بادشاہ فتح، آخر بن یوتام شاہ یہوداہ سے جنگ کرنے کے لئے یروشلم پہنچے، شاہ یہوداہ

ان دونوں کے متحد ہونے سے بہت زیادہ خائف ہوا، پھر خدا نے اشعیاءؑ کے پاس

وحی بھیجی کہ آپ آخر کی تشفی کے لئے یہ کہتے کہ تو بالکل خوف زدہ مت ہو، یہ دونوں

مل کر بھی تجھ پر غالب نہ آسکیں گے، اور عنقریب اُن کی سلطنت مٹ جائے گی، اور انکی

سلطنتوں کے مٹنے کی نشانی یہ بتائی کہ ایک نوجوان عورت حاملہ ہوگی، اور بچہ جنے گی، اور

اس بچہ کے بن تمیز کو پہنچنے سے پہلے ہی ان دونوں بادشاہوں کی سلطنت زیرِ ذر ہو جائیگی

اور یہ بات طے شدہ ہے کہ فتح کی سلطنت اس پیشینگوئی سے ٹھیک اکیس سال

بعد مٹ گئی، اس لئے لازمی ہے کہ وہ بچہ اس مدت کے اختتام سے پہلے پیدا ہو، اور

اس کے بن شعور کو پہنچنے سے پہلے وہ سلطنت مٹ جاتے، حالانکہ عیسیٰ علیہ السلام

۱۵ یعنی یوسف نجار،

۱۵ متی، ۲۱: ۱۱،

۱۵ لوقا، ۳۱: ۱۱،

۱۵ دیکھئے یسعیاہ ۷: ۱ تا ۱۴،

اس کی سلطنت کی بربادی کے ٹھیک ۷۲ سال بعد عالم وجود میں آئے،
 اہل کتاب خود اس پیشینگوئی کے مصداق میں مختلف الرائے ہیں، بعض نے
 اس خیال کو ترجیح دی ہے کہ اشعیاء کا مقصد عورت سے اپنی زوجہ ہے، اور وہ یہ فرماتے
 ہیں کہ وہ عنقریب حاملہ ہوگی، اور ایک لڑکا جنے گی، اور جن دو بادشاہوں سے لوگ لڑ رہے
 براندام ہیں ان کی سلطنت اس بچے کے باشعور ہونے سے قبل مٹ جائے گی، جیسا کہ
 اس کی تصریح ڈاکٹر بنسن نے کی ہے، واقعی یہ رائے قابل قبول ہے، اور قیاس کے
 قریب ہے،

غلطی نمبر ۱۰ اور کھلی تحریف | انجیل متی کے باب ۲ آیت ۱۵ میں اس طرح ہر کہ
 اور ہیرودیس کے مرنے تک دیں رہا تاکہ جو خدا

نے نبی کی معرفت کہا تھا وہ پورا ہو کہ مصر میں سے میں نے اپنے بیٹے کو بلایا،
 نبی سے مراد یوشع علیہ السلام ہیں، اور مصنف انجیل متی نے ان کی کتاب کے باب ۱
 کی آیت (۱) کی جانب اشارہ کیا ہے جو قطعی غلط ہے، اس لئے کہ اس آیت کو
 عیسیٰ علیہ السلام سے کوئی تعلق نہیں ہے، کیونکہ آیت اس طرح ہے،
 ”جب اسرائیل ابھی بچہ ہی تھا میں نے اس سے محبت رکھی اور اس کی اولاد کو
 مصر سے بلایا۔“

جیسا کہ ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۷۷ء میں موجود ہے، لہذا یہ آیت درحقیقت اس احسان

۱۰ یعنی یوسف نجار حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کی والدہ کو لیکر مصر چلے گئے، تاکہ ہیرودیس حضرت عیسیٰ کو
 قتل نہ کر دے اور پھر ہیرودیس کے مرنے تک وہیں رہے ۱۲ سال سب ننوں میں ایسا ہی ہر مگر یہ غلط ہے
 کیونکہ مراد یوشع علیہ السلام نہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام میں اپنی کتاب میں آیا والا جملہ درج ہر

اظهار ہے جو خدا نے بنی اسرائیل پر موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں کیا تھا، متی نے صیغہ جمع کو مفرد سے اور ضمیر غائب کو ضمیر متکلم سے بدل ڈالا، اور کہا کہ "میں نے اپنے بیٹے کو بلایا" اس کی پیروی کرتے ہوئے مترجم عربی مطبوعہ ۱۹۴۲ء نے یہی تحریف کی ہے۔

لیکن اس کی خیانت ایسے شخص سے مخفی نہیں رہ سکتی جو اس باب کا مطالعہ کرے، کیونکہ اس آیت کے بعد جن لوگوں کو بلایا گیا تھا ان کے بارے میں کہا گیا ہو کہ "جس قدر ان کو بلایا اسی قدر وہ دور ہوتے گئے، انھوں نے بعلم کے لئے" "سربانیاں گزرائیں"۔

یہ باتیں عیسیٰ علیہ السلام پر صادق نہیں آتیں، بلکہ ان یہودیوں پر بھی صادق نہیں آتیں جو آپ کے زمانہ میں موجود تھے، اور نہ ان یہودیوں پر جو آپ کی پیدائش سے ۵۰۰ سال قبل تک تھے، کیونکہ یہودی آپ کی پیدائش سے ۵۳۶ سال قبل ہی (جبکہ بابل کی قید سے آزاد ہوئے)، بُت پرستی سے پکی توبہ کر چکے تھے، پھر انھوں نے کبھی بھی صنم پرستی کا ارادہ نہیں کیا، جس کی تصریح تاریخوں میں موجود ہے،

انجیل متی باب آیت ۱۶ میں اس طرح ہے کہ،
ہیرودیس کا بچوں کو قتل کرنا
غلطی نمبر ۵۲
 جب ہیرودیس نے دیکھا کہ مجوسیوں نے میرے
 ساتھ ہنسی کی تو نہایت غصہ ہوا اور آدمی

بیس کر بیت لحم اور اس کی سب سرحدوں کے اندر کے ان سب لڑکوں کو قتل کروا دیا۔
 جو دودھ برس کے یا اس سے چھوٹے تھے، اس وقت کے حساب سے جو اس نے مجوسیوں کے تحقیق کی تھی۔

۱۷ اور بعد میں آنے والے سب ہی مترجموں نے، چنانچہ ہمارے پاس سب ترجموں میں ملنے بیٹے کے الفاظ ہیں ۱۲۔
 ۱۷ ہوسیح ۲: ۱۱،

یہ بات بھی عقلی و نقلی دونوں اعتبار سے غلط ہے، نقلی طور پر تو اس لئے کہ معتبر و مستند مورخین میں سے جو عیسائی نہیں کسی نے بھی بچوں کے قتل کے اس واقعہ کا تذکرہ نہیں کیا، نہ یوسیفس نے، اور نہ ان علماء یہود نے جو ہیرودیس کے عیب و کمالات کو نکالتے اور بیان کرتے ہیں، اور اس کے جرائم کا پردہ چاک کرتے ہیں، چونکہ یہ حادثہ ظلم عظیم ہے، اور بڑا شرمناک عیب ہے، اگر اس کی اصل بنیاد ہوتی، تو یہ لوگ ددڑ کر اس قصہ کو اور زیادہ بھیانک شکل میں نمک مرچ لگا کر بیان کرتے، اگر اتفاقاً سے کوئی عیسائی مؤرخ اس واقعہ کو بیان کرتا ہے، تو وہ اس لئے قابل اعتبار نہیں ہو سکتا کہ اس کی بنیاد یقیناً اسی انجیل کے بیان پر ہوگی۔

عقلی طور پر بھی یہ واقعہ صحیح نہیں معلوم ہوتا، اس لئے کہ اُس وقت بیت اللحم ایک چھوٹی سی بستی تھی، جو یردشلیم کے قریب واقع تھی، وہاں سے اس مقام کو کوئی زیادہ فاصلہ نہیں تھا، اور اس پر ہیرودیس ہی کی حکومت تھی، نہ کہ کسی دوسرے کی، وہ بڑی آسانی کے ساتھ اس پر قادر تھا کہ اس امر کی تحقیق کرتا کہ آتش پرست کس کس کے گھر آئے، اور پھہرے تھے، اور کس کس کے لئے ہتے اور نذرانے لائے تھے؟ معصوم بچوں کے قتل کرنے کی کوئی بھی ضرورت پیش نہ آتی۔

انجیل متی کے باب ۲ آیت ۷ میں یوں ہے کہ :-

غلطی نمبر ۵۳

”اس وقت وہ بات پوری ہوئی جو یرمیاہ نبی کی معرفت کہی گئی تھی کہ

”۱۔ اصل میں واقعہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ کچھ آتش پرستوں نے ہیرودیس کو بشارت دی تھی کہ آپ کے یہاں ایک بچہ پیدا ہو، جو جس کا ستارہ ہم نے مشرق میں دیکھا تو اُسے سجدہ کرنے آئے ہیں، ہیرودیس نے انہیں تو یہ کہہ کر رخصت کر دیا کہ وہ بچہ مل جائے تو ہمیں خبر کرنا، ہم بھی اُسے سجدہ کریں گے، لیکن جب مجھ سی اُسے بتائے بغیر روانہ ہو گئے تو اس نے آدمی بھیج کر ہر بچے کو مار ڈالا۔“

رامہ میں آواز سنائی دی،

رونا اور بڑا ماتم،

راہل اپنے بچوں کو..... رو رہی ہے،

اور تسلی قبول نہیں کرتی، اس لئے کہ وہ نہیں ہیں،

یہ بھی قطعی غلط ہے اور صاحبِ انجیل کی تحریف ہے، اس لئے کہ یہ مضمون کتاب ارمیاہ کے باب ۳۱ آیت ۱۵ میں موجود ہے، جو شخص بھی اس کے قبل اور بعد کی آیات کا مطالعہ کرے گا وہ آسانی جان سکتا ہے کہ اس مضمون کا کوئی تعلق ہیرودیس کے حادثہ سے نہیں ہے، بلکہ نجات نصر کے واقعہ سے ہے، جو ارمیاہ کے زمانہ میں پیش آیا تھا، اور جس میں ہزاروں اسرائیلی قتل اور ہزاروں قید کر کے بابل کی جانب جلا وطن کر دیے گئے تھے، اور چونکہ ان میں بے شمار لوگ راحیل کی نسل کے بھی تھے، اس لئے اسکی روح عالم برنج میں رنجیدہ ہوئی، اسی بنا پر خدا نے وعدہ کیا کہ اس کی اولاد کو دشمن کے ملک سے ان کے اصل وطن کی جانب واپس کر دے گا۔

ارمیاہ کی تحریر اور صاحبِ انجیل کی تصدیق سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مردوں کو عالم برنج میں اپنے رشتہ داروں کے

ایک خاص نکتہ

حالات منکشف ہوتے ہیں جو دنیا میں موجود ہیں، اور ان کے مصائب و تکالیف کا حال معلوم ہو کر ان کو رنج ہوتا ہے، مگر یہ بات فرقہ پر وٹسٹنٹ کے عقائد کے بالکل خلاف ہے۔

انجیل مٹی کے باب آیت ۲۳ میں اس طرح ہے کہ:-

غلطی نمبر ۵۴

”اور ناصرہ نام ایک شہر میں جا بٹا، تاکہ جو نبیوں کی معرفت کہا گیا تھا

۱۷ مثلاً، اور خداوند فرماتا، تیری عاقبت کی بابت امید ہو کیونکہ تیرے بچے پھر اپنی حد دریں داخل ہوں گے (ارمیاہ ۱۷)
۱۸ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام ۱۲

وہ پورا ہو کہ وہ ناصری کہلاتے گا۔

یہ بھی قطعی غلطی، یہ بات کسی بھی نبی کی کسی کتاب میں نہیں ملتی، یہودی بھی اس خبر کا شدت سے انکار کرتے ہیں، ان کے نزدیک تو یہ قطعی جھوٹ اور بہتان ہے، بلکہ اس کے برعکس ان کا عقیدہ تو یہ ہے کہ کوئی بھی پیغمبر گلیل سے پیدا نہ ہوگا چہ جائیکہ ناصرہ سے، جیسا کہ یوحنا کی انجیل باب آیت ۵۲ میں صاف لکھا ہے، مسیحی علماء اس سلسلہ میں کمزور اور بڑے عذر و بہانے پیش کرتے ہیں، جو لائق توجہ نہیں ہیں، ناظرین نے دیکھا ہوگا کہ متی کے صرف پہلے دو بابوں میں سترہ غلطیاں ہیں۔

انجیل متی کے باب ۳ آیت ۱ ترجمہ عربی مطبوعہ
۱۶۷۱ء و ۱۸۲۱ء و ۱۸۲۶ء و ۱۸۵۴ء و ۱۸۸۰ء
حضرت یحییٰ کب تشریف
لائے؟ غلطی نمبر ۵۵
میں اس طرح ہے:-

فہ تلتک الا یام جاء یوحنا المعمدان یکرر فی بریۃ الیہودیۃ،
اُن دنوں میں یوحنا بپتسمہ دینے والا آیا اور یہودیہ کے بیابان میں یہ منادی کرنے لگا،
اور فارسی تراجم مطبوعہ ۱۸۱۶ء و ۱۸۲۸ء و ۱۸۴۱ء و ۱۸۴۲ء میں اس طرح ہے:-
”اندر اں ایام یحییٰ تمسید دہندہ در بیابان یہودیہ ظاہر گشت“

۱۔ انھوں نے اس کے جواب میں کہا کیا تو بھی گلیل کا ہے؟ تلاش کر اور دیکھ کہ گلیل میں سے کوئی نبی برپا نہیں ہونے کا“ (یوحنا: ۵۲)

۲۔ ماضی قریب کے مفسرین میں سے آ، اے، اے ناگس اس معاملہ میں مفسرین کی مختلف تاویلیں بیان کر کے لکھتا ہے: حقیقت یہ ہے کہ عہد نامہ قدیم میں کوئی عبارت ایسی نہیں جس میں مسیح کی علامت یہ بیان کی گئی ہو کہ وہ ناصری ہوگا (تفسیر عہد نامہ جدید مطبوعہ لندن ۱۹۵۳ء، ص ۴، جلد اول)

۳۔ یہ اردو ترجمہ مطبوعہ ۱۹۵۸ء کے الفاظ ہیں ۱۲

”انہی دنوں میں یحییٰؑ بپتسمہ دینے والا یہودیہ کے بیابان میں ظاہر ہوا“

اور چونکہ اس سے پہلے باب میں یہ مذکور ہے کہ ہیرودیس کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا ارخیلاؤس یہودیہ کا حکمران ہو گیا، اور یوسف نجار اپنی اہلیہ اور صاحبزائے کو لیکر گلیل کے علاقہ میں آگئے، اور ناصرہ میں جا بے، اس لئے مندرجہ بالا عبارت میں ”ان دنوں“ سے مراد یقیناً یہی زمانہ ہوگا جس میں یہ واقعات پیش آئے، جس کا تقاضا یہ ہے کہ جس زمانہ میں ارخیلاؤس تخت نشین ہوا، اور یوسف نجار نے ناصرہ میں سکونت اختیار کی اسی وقت حضرت یحییٰؑ تشریف لائے، حالانکہ یہ بات قطعی طور پر غلط ہے، کیونکہ حضرت یحییٰؑ کا وعظ ان واقعات کے اٹھائیس سال بعد ہوا ہے،

انجیل متی کے باب ۱۴ آیت ۳ میں ہے کہ:-

”کیونکہ ہیرودیس نے اپنے بھائی فلپس کی بیوی ہیرودیا کے سبب یوحنا کو پکڑ کر باندھا، اور قید خانہ میں ڈال دیا۔“

ہیرودیا کے شوہر کا نام
غلطی نمبر ۵۶

یہ بات بھی غلط ہے، کیونکہ ہیرودیا کے شوہر کا نام بھی ہیرودیس تھا نہ کہ فلپس، جیسا کہ یوسیفس نے اپنی تاریخ کی کتاب ۸ باب ۵ میں اس کی تصریح کی ہے،
غلطی نمبر ۵۷ | انجیل متی کے باب ۱۲ آیت ۳ میں ہے کہ:-

۱۵ کیونکہ لوقا ۳: ۱ میں ہے کہ حضرت یحییٰؑ نے یہ وعظ اس وقت کہا جبکہ پطیس، سیلاطیس یہودیہ کا حاکم تھا اور تیریس Tiberius قیصر کی حکومت کا پندرھواں سال تھا، تیریس حضرت مسیحؑ کی ولادت کے چودہ سال بعد تخت نشین ہوا ہے، (برٹانیکا، ۱۹۶۰ ج ۲۲ مقالہ تیریس)۔ نوٹ: حضرت مسیحؑ کی ولادت کے ۲۹ سال بعد حضرت یحییٰؑ کی تشریف آوری ہوئی، اور ارخیلاؤس حضرت مسیحؑ کی ولادت کے ساتویں سال یہودیہ سے معزول ہو چکا تھا، (برٹانیکا، ص ۲۳۶ ج ۲ مقالہ ارخیلاؤس)، اگر ارخیلاؤس کی حکومت کی ابتداء اور یوسف نجار کا ناصرہ میں جا بسنا حضرت مسیحؑ کی پیدائش سے پہلے مانا جائے تو اس کے ۲۸ سال بعد حضرت یحییٰؑ کی تشریف آوری

اُس نے اُن سے کہا کہ کیا تم نے نہیں پڑھا کہ جب داؤد اور اس کے ساتھی بھوکے تھے تو اس نے کیا کیا؟ وہ کیونکر خدا کے گھر میں گیا، اور نذر کی روٹیاں کھائیں، جن کو کھانا نہ اس کو روا تھا نہ اس کے ساتھیوں کو؟ (آیت ۳ و ۴)

اس بیان میں نہ اس کے ساتھیوں کو نہ اس کا لفظ غلط ہے، جیسا کہ ناظرین کو غلطی نمبر ۹۲ میں عنقریب معلوم ہوگا،

غلطی نمبر ۵۸ | انجیل متی کے باب ۲، آیت ۹ میں ہے کہ:-

”اس وقت وہ پورا ہوا جو یرمیاہ نبی کی معرفت کہا گیا تھا کہ جس کی

قیمت ٹھہرائی گئی تھی انھوں نے اس کی قیمت کے دس روپے لے لئے“

یہ بھی یقینی طور پر غلط ہے، جیسا کہ باب ۲ کے مقصد ۲ شاہد ۲۹ میں آپ کو معلوم ہوگا،

حضرت عیسیٰ کے مصلوب ہونیکے
وقت زمین کی بُیئہ حالت غلطی ۵۹
انجیل متی کے باب ۲ آیت ۵۲ میں ہے کہ:-
”اور مقدس کا پردہ اذہ پر سے نیچے
تک پھٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا، اور

زمین لرزی، اور چٹانیں طرح گئیں، اور قبریں کھل گئیں، اور بہت سے جسم

اُن مقدسوں کے جو سو گئے تھے جی اٹھے، اور اس کے جی اٹھنے کے بعد قبروں

سے نکل کر مقدس شہر میں گئے، اور بہتوں کو دکھائی دیئے“

یہ افسانہ بالکل جھوٹا ہے، فاضل ٹورٹن نے گوانجیل کی حمایت کی ہے، لیکن اس کے باطل ہونے پر اپنی کتاب میں دلائل پیش کرتے ہوئے کہتا ہے کہ:-

۱۵ دیکھئے صفحہ ۶۷۶ و ۶۷۷ (جلد دوم)

۱۶ یعنی جس وقت حضرت مسیح کو (عاز اللہ) سولی دی گئی ۱۲

یہ قصہ قطعی جھوٹا ہے، غالباً ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کے قصے یہودیوں میں اس وقت پھیلے ہوئے تھے جب کہ یروشلم برباد و دیران ہو گیا تھا، ممکن ہے کہ کسی شخص نے انجیل متی کے عبرانی نسخہ میں حاشیہ پر اس کو لکھ دیا ہو، اور پھر اس لکھے ہوئے کو متن میں شامل کر دیا ہو، اور یہ متن مترجم کے ہاتھ آ گیا ہو، جس نے اس کے مطابق ترجمہ کر ڈالا،

اس کے غلط اور جھوٹا ہونے پر بہت سے دلائل قائم ہیں:-

① یہودی، مسیح کو سولی دی جانے کے اگلے روز سیلاطس کے پاس پہنچے،

اور کہا کہ:-

”اے آقا ہم کو خوب یاد آیا، اس گمراہ کن شخص نے اپنی زندگی میں کہا تھا کہ میں تین دن بعد زندہ ہو جاؤں گا، لہذا آپ پہرہ دار مقرر کر دیں تاکہ وہ اس کی قبر کی تین دن تک نگرانی کریں۔“

نیز متی نے اس باب میں صاف بیان کیا ہے کہ سیلاطس اور اس کی بیوی مسیح کے قتل پر راضی نہ تھے، اس لئے اگر یہ باتیں ظاہر ہوتیں تو ممکن نہ تھا کہ وہ اس کی طرف جائیں، جبکہ ہیکل کے پردے کا پھٹ جانا، پتھروں کا شق ہونا، قبروں کا کھلی جانا اور مردوں کا زندہ ہو جانا، یہ سب علامتیں سیلاطس کے خیال کی حمایت کر رہی تھیں ایسے حالات میں اگر وہ اس کے پاس جا کر یہ کہتا کہ (معاذ اللہ) مسیح گمراہ تھے تو

۱۰ آراء ناکس نے بھی عہد نامہ جدید کی شرح میں تقریباً اسی قسم کا اعتراف کیا ہے اور کہا ہے کہ متی نے

Commentary on New Testament

P. 70 V.I.

مقامی افواہوں پر دوسروں سے زیادہ اعتماد کیا ہے

۱۰ متی ۲۷: ۱۹

۱۰ متی ۲۷: ۶۲

وہ یقیناً ان کا دشمن ہو جاتا، اور انہیں جھٹلاتا کہ دیکھو میں پہلے بھی راضی نہ تھا، اور اب تو یہ تمام علامتیں اس کی سچائی کی ظاہر ہو گئیں،

(۲) یہ واقعات بڑے عظیم الشان معجزات ہیں، پھر اگر یہ پیش آتے ہوتے تو عادت کے مطابق بے شمار رومی اور یہودی ایمان لے آتے، بائبل کا بیان ہے کہ جب روح القدس کا نزول تواریخ پر ہوا اور انہوں نے مختلف زبانوں میں کلام کیا تو لوگ بے انتہا متعجب ہوئے، اور اسی وقت تین ہزار آدمی ایمان لے آئے، جس کی تصریح کتاب الاعمال کے باب ۱۷ میں موجود ہے، ظاہر ہے کہ یہ واقعات مختلف زبانوں پر قادر ہو جانے کی نسبت زیادہ عظیم الشان ہیں،

(۳) یہ واقعات جب ایسے ظاہر اور مشہور تھے تو یہ بات نہایت ہی مستبعد ہے کہ سوائے مٹی کے اُس زمانہ کا کوئی بھی مورخ ان کی نسبت ایک لفظ تک نہ لکھے، اسی طرح اس دور کے قریبی زمانہ کے مؤرخین میں بھی کوئی ان کا ذکر نہ کرے اور اگر عیسائی یہ بہانہ پیش کریں کہ مخالفین نے عناد اور مخالفت کے جذبہ کے ماتحت نہیں لکھا، تو کم از کم موافقین کو تو ضرور لکھنا چاہئے تھا، بالخصوص لوقا کو، اس لئے کہ اسے عجائبات کے لکھنے کا سب لوگوں سے زیادہ شوق ہے، اور وہ ان تمام افعال اور کاموں کا سراغ لگاتا اور رکھو دکر یاد کرتا ہے جو مسیح سے صادر ہوئے، جیسا کہ اس کی انجیل سے بظاہر کتاب اعمال بآں معلوم ہوتا ہے، اور یہ بات کیونکر ممکن ہے کہ تمام انجیلی یا ان میں سے بیشتر حضرات اُن واقعات کو نہ لکھیں جو کچھ بھی عجیب نہیں ہیں، اور ان تمام عجیب واقعات کو سب کے سب یا اکثر اظہار انداز کر جائیں، مرقس اور لوقا بھی صرف پردہ کا پھٹنا تحریر کرتے ہیں،

اور باقی واقعات کا نام بھی نہیں لیتے۔

(۴) وہ پردہ ریشمی تھا، اور نہایت ملائم، پھر اس کا اس صدمہ سے اوپر سے نیچے تک پھٹ جانا کچھ سمجھ میں نہیں آتا، اور وہ ان حالات میں پھٹ سکتا ہے تو پھر ہیکل کی عمارت کیونکر باقی اور سالم رہ گئی، یہ اشکال تینوں انجیلیوں پر مشترکہ طور سے لازم آتا ہے،

(۵) بہت سے مقدسین کے جسموں کا قبروں سے زندہ ہو کر اُٹھ کھڑا ہونا پواس کے کلام کے مخالف ہے، اس لئے کہ اس نے صاف لکھا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام رب کے پہلے کھڑے ہوئے اور بیدار ہونے والوں میں سب سے اوّل ہیں، جیسا کہ اختلاف نمبر ۸۹ میں معلوم ہو چکا ہے،

لہذا سچی بات وہ ہے جو فاضل ٹورٹن نے کہی ہے، اس کے کلام سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انجیل کا مترجم اُنکل سے کام لیا کرتا ہے، اور رطب و یابس کی اس کو کچھ شناخت نہیں ہے، تن میں جو کچھ بھی اس کو نظر آگیا صحیح ہو یا غلط اس کا ترجمہ کر ڈالا، کیا ایسے شخص کی بات پر اعتماد کیا جاسکتا ہے؟ خدا کی قسم ہرگز نہیں!

انجیل متی باب ۲ آیت ۳۹ میں ہے کہ ۱۔

۳ اس نے جواب دے کر اُن سے کہا اس زمانہ کے بُرے اور زنا کار لوگ نشان طلب کرتے ہیں

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا

تین دن بعد زندہ ہونا، غلطی ۶، ۶۱، ۶۲

مگر یوناہ نبی کے سوا کوئی نشان اُن کو نہ دیا جائے گا، کیونکہ جیسے یوناہ تین رات دن

۱۵ دیکھئے صفحہ

۱۵ یعنی حضرت یونس علیہ السلام،

پھلی کے پیٹ میں رہا، ویسے ہی ابن آدم تین رات دن زمین کے اندر رہیگا۔ (آیات ۱۱۵-۱۱۶)
اور متی ہی کے باب ۱ کی آیت ۴ میں ہے کہ:-

”اس زمانہ کے بُرے اور زناکار لوگ نشان طلب کرتے ہیں، مگر یونا کے نشان کے سوا کوئی اور نشان اُن کو نہ دیا جائے گا۔“

یہاں بھی یوناہ پیغمبر (علیہ السلام) کے نشان سے وہی مراد ہے جو پہلی عبارت میں تھا، اسی طرح متی باب ۲۷ آیت ۱۳ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں یہودیوں کا قول اس طرح بیان کیا گیا ہے:

”ہمیں یاد ہے کہ اس دھوکہ باز نے جیتے جی کہا تھا میں تین دن کے بعد جی اُٹھو گا۔“

یہ تمام اقوال اس لئے غلط ہیں کہ مسیح علیہ السلام کو اناجیل کے بیان کے مطابق جمعہ کے روز تفت ریتا دوپہر کے قریب سولی دی گئی تھی، جیسا کہ انجیل یوحنا باب ۱۹ سے معلوم ہوتا ہے، اور ۹ بجے اُن کا انتقال ہوا، یوسف نے پلاطس سے شام کے وقت ان کی نعش مانگی، اور ان کا کفن دفن کیا، جیسا کہ مرقس کی انجیل میں صاف لکھا ہے، اس لئے لامحالہ وہ شنبہ کی شب میں دفن کئے گئے، اور اُن کی نعش اتوار کے دن طلوع شمس قبل غائب ہو گئی، جس کی تصریح انجیل یوحنا میں ہے، تو پھر اُن کی نعش زمین میں تین دن تین رات نہ رہی، بلکہ صرف ایک دن اور دو رات قبر میں رہے، اور تین دن بعد قیام کرنے کی بات قطعی غلط ثابت ہوئی، یہ تین غلطیاں ہیں،

۱۵۔ انجیل میں حضرت مسیح نے اپنے آپ کو اکثر ابن آدم کے نام سے یاد کیا ہے، یہاں بھی خود ہی مراد ہیں ۱۲
۱۶۔ مرقس ۱۵: ۲۲، ۲۳، ۲۴

۱۷۔ یوحنا ۲: ۱۰ واضح رہے کہ ہفتہ کا پہلا دن بائبل کی اصطلاح میں اتوار ہوتا ہے ۱۲

اور چونکہ یہ اقوال غلط تھے، اس لئے اس اور شانز نے یہ اعتراف کیا ہے کہ یہ متی کی اپنی تفسیر
ہی، اس کو مسیح کا قول تسلیم نہیں کیا اور دونوں نے یہ بات کہی کہ:-

”حضرت مسیح کا مقصد صرف یہ تھا کہ یمنونی کے باشندے جس طرح محض وعظ سنکر

ایمان لے آئے اور معجزے کے طالب نہیں ہوئے اسی طرح لوگ مجھ سے بھی

صرف وعظ سنکر راضی ہو جائیں۔“

ان دونوں کی تفسیریں دلی بنا پر غلطی کا منشاء متی کی بد فہمی تھی، اور یہ بات بھی

ثابت ہو گئی کہ متی نے اپنی انجیل الہام سے نہیں لکھی، پھر جس طرح وہ اس موقع پر

مسیح کی مراد نہ سمجھ سکا اور ٹھوکر کھائی، اسی طرح ممکن ہے کہ دوسرے مواقع پر بھی وہ

نہ سمجھ سکا ہو، اور غلط ہی نقل کر ڈالا ہو، پھر اس کی تحریر پر کس طرح بھروسہ اور اعتبار

کیا جاسکتا ہے؟ اور اس کی تحریر کو الہامی کس طرح مانا جاسکتا ہے؟ کیا الہامی کلام کا

حال ایسا ہی ہوا کرتا ہے؟

نزول عیسیٰ کی پیشین گوئی، غلطی نمبر ۶۳ | انجیل متی باب ۱۱ آیت ۲۷ میں ہے:-
”کیونکہ ابن آدم اپنے باپ کے جلال

میں اپنے فرشتوں کے ساتھ آئے گا، اس وقت ہر ایک کو اس کے کاموں کے

مطابق بدلہ دے گا، میں تم سے پہچانتا ہوں کہ جو یہاں کھڑے ہیں ان میں سے بعض

ایسے ہیں کہ جب تک ابن آدم کو اس کی پادشاہی میں آتے ہوئے نہ دیکھ لیں گے

موت کا مزہ ہرگز نہ چکھیں گے۔“ (آیات ۲۷ و ۲۸)

۱۷ یعنی حضرت یونس علیہ السلام کی قوم ۱۲

۱۸ یہ بقول انجیل خود حضرت مسیح کا قول ہے اور اس سے آخر زمانہ میں تشریف لائیکل طرف اشارہ ہے ۱۲

یہی غلطی اس لئے کہ ان تمام کھڑے ہونے والوں میں سے ہر ایک نے موت کا ذائقہ چکھا، اور گلی سٹری ہڈیاں بن گئے، مٹی ہو گئے، اور ان کو موت کا ذائقہ چکھے ہوئے۔ ایک ہزار آٹھ سو سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے، مگر ان میں سے کسی ایک نے بھی ابن آدم کو اس کی پادشاہت میں آتا ہوا نہیں دیکھا،

انجیل متی باب آیت ۲۳ میں ہے :-

غلطی نمبر ۶۴

جب تم کو ایک شہر میں ستائیں تو دوسرے کو بھاگ جاؤ، کیونکہ

میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ تم اسرائیل کے سب شہروں میں نہ پھر سکو گے

کہ ابن آدم آجائے گا۔

یہ بھی قطعی غلط ہے، کیونکہ حواریوں نے اسرائیل کے تمام شہروں میں گھومنے کا فریضہ انجام دیدیا، یہاں تک کہ ان کا انتقال بھی ہو گیا، اور اب تو ان کی وفات پر ۱۸ صدیاں بلکہ اس سے بھی زیادہ عرصہ گزر چکا ہے، لیکن ”ابن آدم“ اپنی پادشاہی سمیت نہیں آیا، حضرت عیسیٰؑ کے یہ دوقول تو عروج آسمانی سے پہلے کے تھے، اور عروج کے بعد کے اقوال مندرجہ ذیل ہیں :-

کتاب مشاہدات باب ۳ آیت ۱۱ میں ہے کہ :-

غلطی نمبر ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸

”میں بہت جلد آنے والا ہوں“

باب ۲۲ آیت ۷ میں حضرت مسیح علیہ السلام کا ارشاد اس طرح مذکور ہے :-

”اور دیکھ! میں بہت جلد آنے والا ہوں“

۱۱ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل نہیں ہوئے ۱۲

۱۲ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اپنے حواریوں کو خطاب ہے ۱۳

اور آیت ۱۰ میں ہے کہ :-

”اس کتاب کی نبوت کی باتوں کو پوشیدہ نہ رکھ، کیونکہ وقت نزدیک ہے“

پھر آیت ۲۰ میں ہے :-

”بے شک میں جلد آنے والا ہوں“

ان مسیحی ارشادات کی بناء پر عیسائیوں کا پہلا طبقہ اس بات کا معتقد تھا کہ عیسیٰؑ کا نزول ان کے زمانہ میں ہوگا، اور قیامت قریب ہے، اور ہم بالکل آخری دور میں ہیں، اور فصل نمبر ۴ سے آپ کو عنقریب معلوم ہوگا کہ ان کے علماء نے اعتراف کیا ہے کہ ہمارا عقیدہ ایسا ہی ہے، اسی لئے انھوں نے اپنی تحریروں میں ان باتوں کی طرف اشارہ کیا ہے

۱۔ یعقوب کے خط باب ۵ آیت ۸ میں اس طرح کہا گیا ہے کہ غلطی نمبر ۶۹ تا ۷۵

”تم بھی صبر کرو، اور اپنے دلوں کو مضبوط رکھو، کیونکہ خداوند

کی آمد قریب ہے“

۲۔ پطرس کے پہلے خط باب ۱ آیت ۷ میں ہے کہ :-

”سب چیزوں کا خاتمہ جلد ہونے والا ہے، پس ہوشیار رہو، اور دعا کرنے کے لئے تیار“

۳۔ اور یوحنا کے پہلے خط باب ۸ آیت ۱۸ میں ہے کہ :-

”اے لڑکوں! یہ اخیر وقت ہے“

۴۔ تھسلنیکیوں کے نام پولس کے پہلے خط باب ۴ آیت ۱۵ میں ہے کہ :-

”چنانچہ ہم تم سے خداوند کے کلام کے مطابق کہتے ہیں کہ ہم جز زندہ ہیں، اور خداوند

کے آنے تک باقی رہیں گے، سوئے ہوؤں سے ہرگز آگے نہ بڑھیں گے، کیونکہ خداوند

خود آسمان سے للکار اور مقرب فرشتہ کی آواز اور خدا کے نرسنگہ کے ساتھ اُتر آئے گا اور پہلے تو وہ جو مسیح میں مرے گی اٹھیں گے، پھر ہم جو زندہ باقی ہوں گے اُن کے ساتھ بادلوں پر اُٹھائے جائیں گے، تاکہ ہوا میں خداوند کا استقبال کریں، اور اس طرح ہمیشہ خداوند کے ساتھ رہیں گے۔ (آیات ۱ تا ۱۷)

۵۔ فلیپس کے نام خط کے باب آیت ۵ میں پولس رقمطراز ہے کہ:-

”خداوند قریب ہے۔“

۶۔ کرنتھیوں کے نام پہلے خط کے باب آیت ۱۱ میں ہے کہ:-

”اور ہم آخری زمانہ والوں کی نصیحت کے لئے لکھی گئیں۔“

۷۔ اسی خط کے باب ۱۵ آیت ۵ میں ہے کہ:-

”دیکھو! میں تم سے بھید کی بات کہتا ہوں، ہم سب تو نہیں مریں گے، مگر سب بدل جائیں گے، اور یہ ایک دم میں، ایک پل میں، پچھلا نرسنگہ پھونکتے ہی ہوگا کیونکہ نرسنگا پھونکا جائے گا، اور مرے غیر فانی حالت میں اٹھیں گے، اور ہم بدل جائیں گے۔“

یہ ساتوں ارشادات ہمارے دعوے کی دلیل ہیں، اور چونکہ ان کا عقیدہ ایسا ہی تھا، اس لئے ان اقوال کو ان کے ظاہری معنی ہی پر محمول کیا جائے گا، اور کسی تاویل کی گنجائش نہ ہوگی جس کے نتیجے میں یہ اقوال غلط ہوں گے،

یہ کُل ۱۷ اغلاط ہوں،

۱۷۔ یعنی یہ کہنے کی گنجائش نہیں ہے کہ یہ سب کچھ مجاز کے پیرائے میں ہے، اور ”جلدی“ سے مراد

زمانہ کی نسبت سے جلدی ہے ۱۲

غلطی نمبر ۷۶، ۷۷، ۷۸ | پھر انجیل مٹی کے باب ۲۴ میں لکھا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام جبل زیتون پر تشریف رکھتے تھے، لوگوں نے آگے

بڑھ کر یہ سوال کیا کہ اُس زمانہ کی علامات کیا ہیں جس میں بیت المقدس ویران اور برباد ہوگا، اور عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اُتریں گے، اور جس میں قیامت واقع ہوگی؟ آپ نے سب علامات بیان کیں، پہلے وہ وقت بتایا جس میں بیت المقدس برباد ہوگا، پھر فرمایا کہ اس حادثہ کے فوراً بعد اسی زمانہ میں میرا نزول ہوگا، اور قیامت آئے گی،

پس اس باب میں آیت ۲۸ تک بیت المقدس کی ویرانی سے متعلق تذکرہ ہے اور آیت نمبر ۲۹ سے آخر تک کا تعلق نزول عیسیٰ اور قیامت کے آنے سے ہے، اسی مسلک کو فاضل پولس اور اسٹار اور دوسرے مسیحی علماء نے پسند کیا ہے، اور یہی سیاق کلام سے ظاہر ہوتا ہے، جن لوگوں نے اس کے علاوہ دوسری راہ اختیار کی ہے وہ غلطی پر ہیں، ان کی بات ناقابل التفات ہے، اس باب کی بعض آیتیں ترجمہ عربی مطبوعہ سنہ ۱۸۲۷ء کی رُو سے اس طرح ہیں:-

اور فوراً ان دنوں کی مصیبت کے بعد سوچ تاریک ہو جائے گا، اور چاند اپنی روشنی نہ دے گا، اور ستارے آسمان سے گریں گے، اور آسمانوں کی قوتیں ہلائی جائیں گی، اور اس وقت ابن آدم کا نشان آسمان پر دکھائی دے گا، اور اس وقت زمین کی سب قومیں چھاتی پٹیں گی، اور ابن آدم کی بڑی قدرت اور جلال کے ساتھ آسمان کے بادلوں پر آتے دیکھیں گی، اور وہ نرسنگ کی بڑی آواز کے ساتھ

۱۷۰ چوکہ مطبوعہ اردو ترجمہ عربی ترجمہ کے بالکل مطابق تھا، اس لئے یہ عبارت اسی سے نقل کر دی ہے ۱۲ تفسیر

اپنے فرشتوں کو بھیجے گا، اور وہ اس کے برگزیدوں کو چاروں طرف سے آسمان کے اس کنارے سے اُس کنارے تک جمع کریں گے،

اور آیت ۳۲ و ۳۵ میں ہے :-

”میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک یہ باتیں نہ ہولیں یہ نسل ہرگز تمام نہ ہوگی
آسمان اور زمین ٹل جائیں گے، لیکن میری باتیں ہرگز نہ ٹلیں گی۔“

(عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۲۲ء کا بھی یہی مفہوم ہے) اور فارسی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۱۶ء و ۱۸۲۸ء و ۱۸۴۱ء اور ۱۸۴۲ء کی عبارت یہ ہے، آیت ۲۹ :-

و بعد از رحمت آں ایام فی الفور آوران ایام کی رحمت کے بعد فوراً آفتاب
آفتاب تاریک خواہد شد، تاریک ہو جائے گا۔“

آیت ۳۲ میں ہے :-

بدستی کہ بشما میگویم کہ تا جمیع این ”میں تم سے درست کہتا ہوں کہ جب
چیز با کامل نگر در این طبقہ منقرض تک یہ تمام چیزیں پوری نہ ہوں گی یہ
نخواہد گشت، نسل ختم نہیں ہوگی۔“

اس لئے ضروری ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کا نزول اور قیامت کی آمد بلا تاخیر

اس زمانہ میں ہو جب بیت المقدس برباد اور ویران ہو، جیسا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے یہ الفاظ اس پر شاہد ہیں کہ ”فورا ان دنوں کی مصیبت کے بعد“ اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ وہ نسل جو عیسیٰ کی ہم عصر ہے وہ ان تینوں واقعات کا مشاہدہ کرے جیسا کہ خود حواریوں اور پہلے طبقہ کے عیسائیوں کا خود یہی نظریہ تھا، تاکہ مسیح کی بات

لد تطویل کے تحت سے پوری عبارت نقل نہیں کی گئی، ”تقی

سچے کی بات کو مٹائے، جس نے کہا تھا کہ آسمان و زمین مٹ جائیں گے، مگر میری بات نہیں مٹے گی۔

پادری ڈاکٹر کیٹ نے ”منکرین مسیح“ کے رد میں ایک کتاب انگریزی زبان میں لکھی ہے جس کا ترجمہ پادری مریک نے فارسی زبان میں کیا ہے، اس کا نام کشف الآثار فی قصص بنی اسرائیل رکھا ہے، یہ کتاب دارالسلطنت ایڈنبرگ ۱۸۴۶ء میں طبع ہوئی ہے، ہم اس کی عبارت کا ترجمہ نقل کرتے ہیں، صفحہ ۷۰ پر کہتا ہے کہ:-

”شہنشاہ جولین نے یہودیوں کو اس بات کی اجازت دی کہ وہ یروشلم کو تعمیر کریں اور ہیکل کو دوبارہ بنائیں، اور ان سے یہ بھی وعدہ کیا کہ وہ ان کو ان کے باپ دادا کے شہر میں برقرار رکھے گا، نہ صرف یہ بلکہ یہودیوں کو بھی شوق اور غیرت شہنشاہ سے کچھ کم نہ تھی، پھر وہ ہیکل کی تعمیر میں مشغول ہو گئے، مگر چونکہ یہ بات عیسیٰ علیہ السلام کی پیشینگوئی کے قطعی خلاف تھی، اس لئے یہودیوں کی انتہائی جدوجہد اور شہنشاہ کی توجہ اور التفات کے باوجود وہ لوگ ناکام رہے، بہت پرست و مرغن نے نقل کیا ہے کہ اس جگہ سے خوفناک آگ کے شعلے نکلے، اور معماروں کو جلا دیا جس کے سبب انہوں نے کام روک دیا۔“

یہ خبر بھی ایسی ہی غلط ہے جیسی اس کے بعد والی اسی باب کی دوسری پیشینگوئی غلط ہے۔ ٹامس نیوٹن نے کتب مقدسہ کی پیشینگوئیوں پر ایک تفسیر لکھی ہے، یہ تفسیر ۱۸۰۳ء میں لندن میں چھپی ہے، اس تفسیر کی جلد ۲ ص ۶۳ و ۶۴ میں وہ کہتا ہے کہ:-

لے یعنی وہ پیشینگوئی جو جبل زیتون پر کی گئی اور غلط نمبر ۱، کے ضمن میں چھپے گذر چکی ہے،

عمر رضی اللہ عنہ، وہ دوسرے عظیم الشان خلیفہ تھے جنہوں نے تمام روئے زمین پر فساد پھیلایا، ان کی خلافت کا دور ساڑھے دس سال ہو، اس عرصہ میں تمام ممالک عرب، شام و ایران اور مصر پر ان کا تسلط ہو گیا، نیز انہوں نے بنفس نفیس یروشلم کا محاصرہ کیا، اور ۶۳ء میں ان عیسائیوں سے صلح کر لی جو طویل محاصرہ سے تنگ آ گئے تھے، عیسائیوں نے شہر کو عمرؓ کے حوالہ کر دیا۔ (حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عیسائیوں کے سامنے باعزت شرائط پیش کیں، نہ صرف یہ کہ ان کے کسی گرجا پر قبضہ نہیں کیا، بلکہ ان کے پادری سے مسجد کی تعمیر کے لئے جگہ کی درخواست کی، اور پادری نے یعقوب کے حجرے اور ہیکل سلیمانی کے مقام کی نشان دہی کی، اس مدرس جگہ کو عیسائیوں نے یہود دشمنی میں لید اور گوبر سے ناپاک بنا رکھا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خود اپنے دست مبارک سے اس مقدس جگہ کو تمام نجاستوں سے اور غلاظتوں سے صاف کیا، ان کی دیکھا دیکھی بڑے بڑے افسران فوج نے عمرؓ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اس کام میں عبادت خداوندی سمجھ کر زیادہ سے زیادہ حصہ لیا، اور مسجد تعمیر کی، یہی سب سے پہلی مسجد ہے جو یروشلم میں تعمیر کی گئی، اور بعض مؤرخین نے تصریح کی ہے کہ اسی مسجد میں عمرؓ کو ایک غلام نے قتل کیا تھا عبد الملک بن مروان نے جو بارہواں خلیفہ ہوا ہے اپنے دور خلافت میں اس مسجد کی توسیع کی؛

اس مفسر کے بیان میں اگرچہ کچھ غلطیاں ہیں مگر باایں ہمہ اس میں یہ اعتراف کیا گیا ہے کہ ہیکل سلیمانی کی جگہ حضرت عمرؓ ہی سب سے پہلے مسجد تعمیر کی تھی، جس کی توسیع عبد الملک نے کی جو آج تک موجود ہے، جس کی تعمیر کو ۱۲۰۰ سال سے زیادہ عرصہ

گزر چکا ہے، پھر ان کے دعوے کے مطابق مسیح کی بات کیونکر مٹ گئی، اور غلط ہو گئی؟ اور نہ آسمان و زمین فنا ہوئے، اور چونکہ یہ قول انجیل مرقس کے باب ۱۳ میں اور انجیل لوقا کے باب ۱۲ میں بھی منقول ہے، لہذا ان دونوں انجیلوں کے اعتبار سے بھی یہ غلط اور جھوٹ ہوا، اس طرح تینوں کے لحاظ سے تین اغلط ہو گئیں۔

بارہ کے بارہ حواری نجات یافتہ ہیں
غلطی نمبر ۸۲

انجیل متی باب ۱۹ آیت ۲۸ میں ہے کہ۔
”یسوع نے ان سے کہا کہ میں تم سے بچ
کہتا ہوں کہ جب ابن آدم نئی پیداوار

میں اپنے جلال کے تخت پر بیٹھے گا تو تم بھی جو میرے پیچھے ہوئے ہو بارہ تختوں پر بیٹھ کر
اسرائیل کے بارہ قبیلوں کا انساں کرو گے۔“

گویا عیسیٰ علیہ السلام بارہ حواریوں کے حق میں کامیابی اور نجات کی اور بارہ کرسیوں پر بیٹھنے کی گواہی دے رہے ہیں، جو غلط ہے، اس لئے کہ ان بارہ حواریوں میں سے ایک صاحب یہود اسکریوتی تو عیسائی نظریہ کے مطابق مرتد ہو گئے تھے، اور اسی حالت میں اس کی موت واقع ہوئی، اور جہنمی بنے، پھر ان کے لئے بارہویں کرسی پر بیٹھنا کیسے ممکن ہو سکتا ہے۔

آسمان کا کھلنا اور فرشتوں
کا نزول، غلطی نمبر ۸۳

انجیل یوحنا باب اول آیت ۱۵ میں ہے کہ۔
”پھر اس سے کہا میں تم سے بچ کہتا ہوں کہ تم آسمان
کھلا اور خدا کے فرشتوں کو ادھر جاتے اور

ابن آدم پر اترتے دیکھو گے۔“

۱۵ دیکھئے متی ۱۲: ۲۶، ۱۳: ۳۵، ۲۴: ۲۴، ۲۴: ۲۶

یہ بھی غلط ہے، کیونکہ یہ بات اصطبارغ اور روح القدس کے نزول کے بعد کہی گئی ہے۔
حالانکہ ان دونوں واقعات کے بعد نہ تو کسی نے آسمان کو کھلا ہوا دیکھا اور نہ عیسیٰ علیہ السلام
پر آسمان فرشتوں کو نازل ہوتے اور جلتے ہوتے دیکھا، یعنی دونوں وعدوں کا مجموعہ
قطعی غلط ہے،

کیا حضرت مسیح علیہ السلام کے سوا
کوئی آسمان پر نہیں چڑھا؟ غلطی ۸۴

انجیل یوحنا باب ۱ آیت ۱۳ میں یوں
کہا گیا ہے کہ:-
”اور آسمان پر کوئی نہیں چڑھا،“

سوا اس کے جو آسمان سے اُترا، یعنی ابن آدم جو آسمان میں ہے۔

یہ بھی غلط ہے، اس لئے کہ حنوک اور ایلیاہ علیہما السلام آسمان پر لے جاتے گئے، اور
چڑھے، جس کی تصریح کتاب پیدائش باب ۱۷ میں اور سلاطین ثانی باب ۱ میں موجود ہے،
انجیل مرقس باب ۱۶ آیت ۷ میں کہا گیا ہے کہ:-
”میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جو شخص اس پہاڑ سے کہے
کہ تو اُکھڑ جا، اور سمندر میں جا پڑ، اور اپنے دل میں شرک
نہ کرے بلکہ یقین کرے کہ جو کہتا ہو وہ ہو جائے گا تو اس کے لئے یہی ہوگا“

عیسائیوں کی کرامتیں
غلطی نمبر ۸۵

۱۷ (ان دونوں واقعات کی تفصیل میں جلد ہذا پر گزر چکی ہے)، یہ واقعات یوحنا میں اس قول سے پہلے
۳۲:۱ میں بیان کئے ہیں ۱۲

۱۷ یہ بقول انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ارشاد ہے ۱۲
۱۷ اور حنوک خدا کے ساتھ ساتھ چلتا رہا، اور وہ غائب ہو گیا، کیونکہ خدا نے اُسے اٹھالیا (پیدائش ۳: ۴)
۱۷ اور روشنی گھوڑوں نے ان دونوں کو جدا کر دیا، اور ایلیاہ بگولے میں آسمان پر چلا گیا (سلا ۲: ۱۱)

اسی انجیل کے باب ۱۶ آیت ۱، میں یوں کہا گیا ہے :-

”اور ایمان لانے والوں کے درمیان یہ معجزے ہوں گے، وہ میرے نام سے یہ ...
کو بھالیں گے، نئی نئی زبانیں بولیں گے، سانپوں کو اٹھالیں گے، اور اگر کوئی ہلاک
کرنے والی چیز پئیں گے تو انہیں کچھ ضرر نہ پہنچے گا، وہ بیماروں پر ہاتھ رکھیں گے
تو اچھے ہو جائیں گے۔“

اور انجیل یوحنا کے باب ۱۴ آیت ۱۲ میں اس طرح ہے کہ :-

”میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جو مجھ پر ایمان رکھتا ہے یہ کام جو میں کرتا ہوں وہ بھی
کرے گا، بلکہ ان سے بھی بڑے کام کرنے گا، کیونکہ میں باپ کے پاس جاتا ہوں۔“
اس میں یہ بات کہ ”جو اس پہاڑ کو کہہ دے گا“ عام ہے، کسی خاص شخص کے ساتھ مخصوص
نہیں، نہ کسی خاص زمانہ کے ساتھ مخصوص ہے، بلکہ مسیح علیہ السلام پر ایمان لانیوالوں
کے ساتھ بھی مخصوص نہیں،

اسی طرح ان کا یہ کہنا کہ ”جو مجھ پر ایمان لاتے گا“ یہ بھی کسی شخص یا زمانہ کے ساتھ
مخصوص نہیں ہے، اور اگر کوئی شخص یہ کہے کہ یہ امور طبقہ اولیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں
تو یہ دعویٰ بے دلیل ہوگا، اس لئے آج بھی یہ امر ضروری ہے کہ اگر کوئی شخص پہاڑ کو
یہ کہے کہ تو اپنی جگہ سے ہٹ کر سمندر میں گر پڑ، اور اس یقین کے ساتھ کہے کہ ایسا ضرور
ہو جائے گا ضرور ایسا ہی واقع ہوگا، نیز اس زمانہ میں عیسیٰؑ پر ایمان لانے والوں کی...
نشانی بھی یہی کرامت ہوگی، اور اس کو مسیحؑ کے کارنامے دکھانے ہوں گے، بلکہ ان
بھی بڑے،

حالانکہ یہ حقیقت اور واقعات کے خلاف ہے، اور ہمارے علم میں کوئی ایک بھی

عیسائی ایسا نہیں ہے جس نے مسیح سے زیادہ بڑے کارنامے دکھائے ہوں، نہ پہلے طبقہ میں اور نہ بعد کے لوگوں میں، لہذا یہ کہنا غلط ثابت ہوا کہ "ان سے زیادہ بڑے کام کر بیچا۔" اس کا مصداق عیسائیوں کے کسی طبقہ میں نہیں پایا گیا، اور نہ مسیح جیسے کارنامے حواریوں ہی سے صادر ہوئے، اور نہ ان کے بعد والے طبقوں سے،

فرقہ پر وٹسٹنٹ کہ علماء نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ طبقہ اولیٰ کے بعد کسی سے معجزات اور خرق عادت کارناموں کا صادر ہونا قوی دلیل سے ثابت نہیں ہے، ہم نے اپنے ہندوستان میں منتخب اور چیدہ عیسائیوں یعنی مسرقہ پر وٹسٹنٹ اور کیتھولک کے پادریوں کو دیکھا ہے کہ باوجود ساہا سال اردو سیکھنے کی کوشش کے اردو میں صحیح تلفظ پر قادر نہیں ہوتے، اور مؤنث کی جگہ مذکر کے صیغے بولتے ہیں، شیاطین کو نکال دینا اور سانپوں کو اٹھا لینا، زہر پی لینا، مریضوں کو شفا دینا تو کائے دارد؛

سچی بات تو یہ معلوم ہوتی ہے کہ ہمارے زمانہ کے عیسائی حقیقی معنی میں سچے عیسائی بھی نہیں ہیں، اسی لئے تو ان سے ایسی کرامات صادر نہیں ہوتیں، ہاں بعض اوقات ان کے بڑوں نے کرامات دکھانے کے جھوٹے دعوے کئے، مگر وہ جھوٹے ثابت ہوئے، شیطان تو کھر پر غالب آگیا۔ ہم کو اس موقع پر دو بڑے دلچسپ قصے ایسے یاد آگئے جو فرقہ پر وٹسٹنٹ کے دو بڑے عظیم الشان

پادریوں کی پوزیشن پر روشنی ڈالتے ہیں، جن کو ہم کتاب مرآة الصدق سے نقل کرتے ہوئے جس کا اردو ترجمہ ایک بڑے کیتھولک عالم پادری طامس انگلس نے کیا ہے، یہ کتاب ۱۸۵۷ء میں طبع ہوئی ہے، پادری مرسون صفحہ ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸ میں کہتا ہے:-

”لو تھرنے دسمبر ۱۹۲۳ء میں ارادہ کیا کہ سینا کے بیٹے سے شیطان کو نکال دو مگر اس کے ساتھ وہی معاملہ پیش آیا جو اُن یہودیوں کو پیش آچکا تھا جنہوں نے شیطان کو نکالنے کا ارادہ کیا تھا، جس کی تصریح کتاب الاعمال کے باب ۱۹ آیت ۱۶ میں موجود ہے چنانچہ شیطان نے لو تھر پر حملہ کیا اور اس کو اور اس کے ساتھیوں کو زخمی کر ڈالا، سٹافیلز نے جب دیکھا کہ شیطان نے اس کے استاد لو تھر کی گردن دبا رکھی ہے، اور گلا گھونٹ دے گا تو اس نے بھاگنا چاہا، مگر چونکہ وہ بدحواس ہو چکا تھا، دروازہ کا قفل نہ کھول سکا، اور اس ہتھوڑے سے جو اس کو روشندان کے ذریعہ اُس کے نوکرنے دیدیا تھا دروازہ توڑ کر بھاگا۔“

دوسرا واقعہ ہلسک وائل سیرس موزخ نے فریقہ کالون کی شرارت اور اُس کا عبرتناک انجام پر ڈسٹنٹ کے ایک بڑے پادری کالون کا جو لو تھر کی سی پوزیشن رکھتا تھا ذکر کیا ہے کہ اس نے ایک شخص بیردس کو اس بات کے لئے رشوت دی کہ تم چت لیٹ کر سانس روک کر مُردہ کی طرح ہو جانا... اور جب میں آؤں اور یہ کہوں کہ اے بیردس مرنے اُٹھ کھڑا ہو اور زندہ ہو جا، تو تم زندہ ہو کر کھڑے ہو جاؤ، ایسے طور پر جس سے معلوم ہو کہ تم مُردہ تھے۔ اور اب زندہ ہوئے ہو، اور پھر اس کی بیوی سے کہا کہ جب تمہارا شوہر اپنے آپ کو مُردہ بنائے تو تم خوب رونا، اور چیخنا،

چنانچہ دونوں میاں بیوی نے ایسا ہی کیا، عورت کو روتا ہوا دیکھ کر بہت سی ہمدردی دینے والیاں جمع ہو گئیں۔ تب کالون آیا اور اس کی بیوی سے کہا تو مت رو میں اس کو زندہ کر دوں گا،

پھر اس نے چند دعائیں پڑھیں، اور بیروٹس کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ خدا کے نام سے تو کھڑا ہو جا، مگر اس کی مکاری اور فریب کا میاب نہ ہو سکا، کیونکہ بیروٹس واقعی مرچکا تھا، اور خدا نے اس کی مکاری اور فریب کا جامہ چاک کر کے جس سے سچے معجزات کی توہین ہوتی تھی، اس سے انتقام لیا، اور کالون کی تمام دعائیں بے اثر ہوئیں، اور اس کو نہ بچا سکیں، جب اُس کی بیوی نے یہ انقلاب دیکھا تو دھاڑیں مار مار کر رونا شروع کر دیا، اور چلا کر کہا کہ میرا شوہر تو عہد و پیمان کے وقت زندہ تھا، اور اب تو یہ پتھر کی طرح مُردہ اور ٹھنڈا ہے۔

ملاحظہ فرمایا آپ نے عیسائیوں کے بزرگوں کی کرامات کا نمونہ؟ یہ دونوں بزرگ اپنے اپنے دور میں پوس کی طرح عظیم الشان مقدس لوگوں میں شمار ہوتے تھے پھر جب اُن کے بڑوں کا یہ حال ہے تو اُن کے ماننے والوں اور پیروں کے حال کا اندازہ کیا جاسکتا ہے، نیز پوپ اسکندر ششم نے جو رومی گرجے کا سربراہ اور سرقرۃ کیتھولک کے خیال میں زمین پر خدا کا خلیفہ مانا جاتا تھا، اس نے جو زہر دوسرے کے لئے رکھ چھوڑا تھا، خورپی لیا، جس سے اس کی موت واقع ہو گئی، پھر جب گرجے کے سربراہ اور خدا کے خلیفہ کا یہ حال ہو تو رعایا کے حال کا اندازہ آپ خود کر سکتے ہیں، غرض دونوں سرقوں کے بڑے بڑے حضرات مذکورہ علامات قطعی محروم ہیں

انجیل یوحنا باب آیت ۲ میں یوں ہے کہ:-

غلطی نمبر ۸۶

”وہ جو چنا کا اور وہ ریس کا اور وہ زربابل کا اور وہ سیالتی ایل کا اور

وہ نیری کا۔“

۱۵ حضرت مسیح علیہ السلام کا نسب بیان کرتے ہوئے،

اس آیت میں تین اغلاط ہیں:-

- ۱، زور بابل کی اولاد کی تصریح کتاب تواریخ باب ۳ میں موجود ہے، ان میں اس نام کا ایک بھی بیٹا نہیں ہے، اس کے علاوہ یہ متی کی تحریر کے بھی خلاف ہے،
 - ۲، زور بابل فدایاہ کا بیٹا ہے نہ کہ سیالتی ایل کا، البتہ وہ اس کا بھتیجا ضرور ہے،
 - ۳، سیالتی ایل یکنیاہ کا بیٹا ہے نہ کہ نیری کا، جس کی تصریح متی نے بھی کی ہے،
- لوقا باب ۳ میں کہتا ہے:-

غلطی نمبر ۸ ”وہ سلج کا اردوہ قینان کا اردوہ ارفکسد کا:-

یہ بھی غلط ہے، اس لئے کہ سلج ارفکسد کا بیٹا ہے نہ کہ اس کا پوتا، جس کی تصریح کتاب پیدائش باب ۱۱ میں اور کتاب تواریخ اول باب ۳ میں موجود ہے، اور تمام علماء پرڈسٹنٹ کے نزدیک عبرانی نسخہ کے مقابلہ میں ترجمہ کا کوئی اعتبار نہیں ہے، اس لئے کوئی ترجمہ محض اس لئے کہ وہ لوقا کی انجیل کی موافقت کرتا ہے، خود عیسائیوں کے نزدیک بھی اور ہمارے خیال میں بھی لائق ترجیح نہیں ہو سکتا، بلکہ ہم تو یہ کہیں گے کہ اسی ترجمہ میں عیسائیوں نے تحریف کی ہے، تاکہ اس کو اپنی انجیل کے مطابق بنا سکیں،

۱۰ دیکھئے کتاب ہذا، ص ۲۹۰ کا حاشیہ۔

۱۱ دیکھئے حاشیہ نمبر ۸۹ کتاب ہذا۔

۱۲ یکنیاہ سے سیالتی ایل پیدا ہوا (متی ۱: ۱۲)۔

۱۳ جب ارفکسد پینس برس کا ہوا تو اس سے سلج پیدا ہوا (۱۲: ۱۱)۔

۱۴ تسم، ارفکسد، سلج (۲۳: ۱)۔

۱۵ یہ مصنف نے غالباً اس لڑکھا ہو کہ بعض راہبوں میں کتاب پیدائش اور کتاب تواریخ کو لوقا کے مطابق کر دیا گیا ہوگا۔

ولادتِ مسیح سے پہلے کی
مردم شماری، غلطی نمبر ۸۸

انجیلِ لوقا باب آیت میں کہا گیا ہے :
ان دنوں میں ایسا ہوا کہ قیصر اگسٹس کی طرف سے
یہ حکم جاری ہوا کہ ساری آبادی کے نام لکھے جائیں یہ

پہلی اسم نویسی سورہ کے حاکم کورنئیس کے عہد میں ہوئی :

یہ بھی غلط ہے، اس لئے کہ تمام آبادی سے مراد پوری سلطنتِ روم کی آبادی ہے، اور لفظ یہی
مصر ہوتا ہے، یا پھر تمام سلطنتِ یہود کی آبادی مراد ہے، قدیم یونانی مورخین میں
جو یا تو لوقا کے ہم عصر ہیں، یا پھر اس سے کچھ زمانہ مقدم ہیں کسی نے بھی اپنی تاریخ میں اس
مردم شماری کو جو ولادتِ مسیح سے قبل ہوئی ذکر نہیں کیا، البتہ ان مورخین میں سے کسی نے
جو لوقا کے بہت بعد ہوئے ہیں اگر اس کو ذکر بھی کیا ہو تو اس کا قول اس لئے سند نہیں ہو
کہ وہ لوقا ہی کی بات کا ناقل ہے، پھر اگر اس سے بھی قطع نظر کر لی جائے تب بھی کیسے
ممکن ہو سکتا ہے کہ کورنئیس دالی شام جو مسیح کی ولادت کے پندرہ سال بعد ہوا ہے، اس
کے عہد میں وہ مردم شماری واقع ہو جو مسیح کی ولادت سے پندرہ سال پیشتر ہو چکی ہو
اسی طرح اس کے زمانہ میں مسیح کی ولادت کس طرح ممکن ہے، کیا مریم کا حمل متواتر
پندرہ سال تک قائم رہا؟ اس لئے کہ لوقا نے باب اول میں اس امر کا اعتراف کیا ہے
کہ ذکرِ یحییٰ علیہ السلام کی بیوی میرودیس کے زمانہ میں حاملہ ہوئی اور مریم اس کے چھ ماہ
بعد حاملہ ہوئی تھیں، پھر جب بعض عیسائیوں نے دیکھا کہ بات کسی طرح نہیں بنتی تو

۱۵ مسنف کے نقل کردہ عربی ترجمہ میں یہی لفظ ہیں، مگر مبلوہ اردو ترجمہ میں اس کے بجائے شماری

دنیا کا لفظ ہے ۱۲

۱۵ اور میرودیس کا زمانہ کورنئیس سے پندرہ سال پہلے ہے ۱۲

حکم لگا دیا کہ آیت نمبر ۲ الحاقی ہے، جو لوقا کی لکھی ہوئی نہیں ہے،

غلطی نمبر ۸۹ | انجیل لوقا باب ۳ آیت ۱ میں اس طرح ہے کہ:-

”بتروسی قیصر کی حکومت کے پندرہویں برس جب پنطیس، پیلطس،
یہودیہ کا حاکم تھا، اور ہیرودیس گلیل کا اور اس کا بھائی فلپس اتوریہ اور ترخوتس کا
اور سانیاس ایلینے کا حاکم تھا، (بعض تراجم میں ایلینے کے بجائے ابلیاہ کا لفظ ہے
مال دونوں کا ایک ہی)۔“

مورخین کے نزدیک یہ اس لئے غلط ہے کہ ان کے نزدیک سانیاس نام کا کوئی شخص
جو پیلطس اور ہیرودیس کا معاصر ہوا ایلینے کے چوتھائی علاقہ کا حاکم نہیں ہوا۔

غلطی نمبر ۹۰ | باب مذکور کی آیت ۱۹ میں کہا گیا ہے کہ:-

”لیکن چوتھائی ملک کے حاکم ہیرودیس نے اپنے بھائی فلپس کی بیوی
ہیرودیاس کے سبب اور ان سب برائیوں کے باعث جو ہیرودیس نے کی تھیں
یوحنا سے ملامت اٹھا کر الخ“

یہ قطعی غلط ہے، جیسا کہ غلطی نمبر ۵۶ میں معلوم ہو چکا ہے، عیسائی مفسرین نے بھی
تسلیم کر لیا ہے کہ یہ غلط ہے، اور کاتب سے یہاں غلطی ہوئی، جیسا کہ مقصد ۲ باب کے
شاہد ۲ میں مزید معلوم ہو جائے گا، سچی بات تو یہ ہے کہ غلطی لوقا کی ہے، نہ کہ غریب
کاتب کی

۱۵۔ ”حاکم“ یہاں یونانی لفظ ”سٹراٹھ“ کا ترجمہ کیا گیا ہے، جس کے معنی چوتھائی ملک کا حاکم ہیں جیسا
کہ مترجم کے ماضی سے معلوم ہوتا ہے ۱۳

۱۵ دیکھئے صفحہ ۳۹۹ جلد ۱، ۱۵ دیکھئے صفحہ ۶۴۳ جلد دوم،

غلطی نمبر ۹۱

انجیل مرقس کے باب آیت ۱۱ میں ہے کہ :-

”ہیرودیس نے آپ آدمی بھیج کر یوحنا کو پکڑ دایا، اور اپنے بھائی فلپس

کی بیوی ہیرودیاس کے سبب اسے قید خانہ میں باندھ رکھا تھا۔“

یہ بھی غلط ہے جیسا کہ آپ کو معلوم ہو چکا ہے، اس مقام پر تینوں انجیل والوں نے غلطی کی اور تثلیث کا عدد پورا ہو گیا، عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۲۱ء و ۱۸۲۲ء کے مترجم نے متی اور لوقا کی عبارت میں تحریف کر کے لفظ فیلیپس کو اڑا دیا، مگر دوسرے مترجموں نے اس معاملہ میں اس کی پیروی نہیں کی، اور چونکہ یہ حرکت اہل کتاب کی عادتِ ثانیہ بن گئی ہے، اس لئے ہم کو ان سے اس معمولی بات کی کوئی شکایت ہی نہیں ہے،

حضرت داؤد علیہ السلام کا نذر کی روٹیاں کھانا غلطی ۹۲، ۹۳، ۹۴

انجیل مرقس باب آیت ۲۵ میں اس طرح کہا گیا ہے :-

”اُس نے اُن سے کہا کیا تم نے کبھی نہیں پڑھا کہ داؤد نے کیا کیا؟ جب اس کو اور اس کے ساتھیوں کو ضرورت ہوئی اور وہ بھوکے ہوئے، وہ کیونکر ایسا ترسردار کاہن کے دلوں میں خدا کے گھر میں گیا، اور اس نے نذر کی روٹیاں کھائیں، جن کو کھانا کاہنوں کے سوا اور کسی کو روا نہیں، اور اپنے ساتھیوں کو بھی دیں؟“

یہ بھی قطعی غلط ہے، کیونکہ داؤد علیہ السلام اس موقع پر تنہا تھے، اُس وقت اُن کے ساتھ کوئی دوسرا نہ تھا، اس لئے یہ الفاظ ”اور اس کے ساتھیوں“ غلط ہیں،

اسی طرح یہ الفاظ بھی کہ ”اپنے ساتھیوں کو“ غلط ہیں، نیز اس لحاظ سے بھی کہ

اس زمانہ میں

کاہنوں کا رہیں اخیملک تھا، نہ کہ ایسا ترجمہ اخیملک کا بیٹا ہے، اس لئے یہ الفاظ "ایسا ترجمہ" سردار کاہن کے دنوں میں "قطع غلط ہیں، اس طرح دو آیتوں میں مرقس نے تین غلطیاں کیں، تیسری غلطی کا اقرار ان کے علماء نے بھی کیا ہے، جیسا کہ مقصد ۲ باب ۲ شاہد ۲۹ میں آپ کو معلوم ہو جائے گا، نیز تینوں باتوں کا غلط ہونا کتاب سموئیل اول باب ۲۱ و ۲۲ سے بھی سمجھ میں آتا ہے،

انجیل لوقا باب ۱۱ میں بھی اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے
غلطی نمبر ۹۵، ۹۶ "داؤد اور اس کے ساتھی" اور "اپنے ساتھیوں کو بھی دی"

کے الفاظ مذکور ہیں، جو مذکورہ بالا بیانات کے مطابق غلط ہیں،

گزشتہوں کے نام پہلے خط کے باب ۵ آیت ۱۵ میں ہے کہ :-
غلطی نمبر ۹۷ "اور کیفا کو اور اس کے بعد ان بارہ کو دکھائی دیا"

یہ بھی غلط ہے، کیونکہ یہوداہ اسکرپوٹی اس سے قبل مرچکا تھا، اس لئے حواری صرف

۱۷ "سردار کاہن" High Priest بنی اسرائیل کے یہاں ایک مذہبی عہدہ ہوتا تھا، تورات میں ہے کہ یہ عہدہ سب سے پہلے حضرت موسیٰ نے حضرت ہارون کو سونپا تھا، اور اس کا خاص شعار اور لباس ہوتا ہے، اور کچھ مخصوص فرائض تفصیل کیلئے دیکھئے خروج باب ۲۸ و ۲۹ اور احبار باب ۱۶ و ۱۷،
 ۱۸ دیکھئے صفحہ ۴۵۹ جلد دوم)

۱۹ اور داؤد نوبت میں اخیملک کاہن کے پاس آیا اور اخیملک داؤد سے ملنے کو کانپتا ہوا آیا اور اس سے کہا تو کیوں اکیلا ہو اور تیرے ساتھ کوئی آدمی نہیں؟ (۱:۲۱) اس کے بعد دو ٹیوں کا واقعہ ذکر کیا گیا ہے "اخیملک کے بیٹوں میں سے ایک جس کا نام ابی یا ترجمہ الخ (۲۰:۲۳)"

۲۰ یہاں حضرت عیسیٰ کے دوبارہ زندہ ہونے کا واقعہ بیان کیا جا رہا ہے کہ وہ سب سے پہلے کیفا کو اور پھر بارہ حواریوں کو نظر آئے، ہورن نے اس موقع پر قصداً تحریف کا اعتراف کیا ہے (دیکھئے صفحہ ۵۹، جلد ۱)

گیارہ باقی رہ گئے تھے، اسی لئے مرقس نے اپنی انجیل کے باب ۱۶ میں یہ لکھا ہے کہ:-
”پھر وہ ان گیارہ کو بھی جب وہ کھانا کھانے بیٹھے تھے دکھائی دیا۔“

انجیل متی باب آیت ۱۹ میں ہے:-
”لیکن جب وہ تم کو پکڑدائیں تو نہ کہنا کہ ہم کس طرح کہیں! کیا کہیں! کیونکہ جو کچھ کہنا ہوگا اسی گھڑی غلطی نمبر ۹۸ تا ۱۰۰

تم کو بتایا جائے گا، کیونکہ بولنے والے تم نہیں بلکہ تمہارے باپ کا روح ہے،
جو تم میں بولتا ہے۔“ (آیات ۱۹ و ۲۰)

اور انجیل لوقا باب ۱۲ آیت ۱۱ میں بھی ہے کہ:-

”اور جب وہ تم کو عبادت خانوں میں اور حاکموں اور اختیاریہ والوں کے پاس
لے جائیں تو نہ کہنا کہ ہم کس طرح یا کیا جواب دیں! یا کیا کہیں! کیونکہ روح القدس
اسی گھڑی تمہیں سکھائے گا کہ کیا کہنا چاہئے۔“

انجیل مرقس کے باب ۱۳ میں بھی یہ قول مذکور ہے، گویا تینوں انجیل والوں کی تصریح
اُن کے عدد تثلیث کے موافق یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے مریدوں سے
وعدہ کیا تھا کہ تم جو کچھ حکام کے سامنے کہو گے وہ روح القدس کا اہام ہوگا
تمہارا کلام ہرگز نہ ہوگا،.....

حالانکہ یہ طبعی غلط ہے، چنانچہ کتاب اعمال باب ۲۳ آیت ۱ میں ہے کہ:-
”پولس نے صدر عدالت والوں کو غور سے دیکھ کر کہا، اے بھائیو! میں نے
آج تک کمال نیک نیتی سے خدا کے واسطے عمر گزاری ہے، سردار کاہن
حننیاہ نے ان کو جو اُن کے پاس کھڑے تھے حکم دیا کہ اس کے منہ پر ٹانچہ مارو

پولس نے اسے کہا کہ اے سفیدی پھری ہوئی دیوار! خدا تجھے مارے گا، تو شریعت کے موافق میرا انصاف کرنے کو بیٹھا ہے، اور کیا شریعت کے برخلاف مجھے مارنے کا حکم دیتا ہے؟ جو پاس کھڑے تھے انھوں نے کہا تو کیا خدا کے سردار کا ہن کو برا کہتا ہے؟ پولس نے کہا اے بھائیو! مجھے معلوم نہ تھا کہ یہ سردار کا ہن ہے، کیونکہ لکھا ہے کہ اپنی قوم کے سردار کو برا نہ کہہ " (آیات ۵ تا ۷)

پھر اگر متی اور لوقا کا قول صحیح ہوتا تو عیسائیوں کا مقدس جو ان کی نگاہ میں روحانی صحبت کے لحاظ سے حواری ہے، اور اس معاملہ میں یہ شرف اسی کو حاصل ہے (اور وہ خود بھی اپنی نسبت سب سے بڑے حواری پطرس کی برابری کا مدعی ہے) نیز سرترہ پرڈسٹنٹ کے نزدیک پطرس کو اس پر فضیلت یا ترجیح حاصل نہیں ہے، وہ حاکموں کے سامنے غلطی کیوں کرتا؟ اس مقدس کا خود اپنے قول میں غلطی کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ غلط ہے، کیا روح القدس بھی غلطی کر سکتا ہے؟

یزعقریب فصل ۴ میں آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ ان کے علماء نے اس مقام پر اختلاف اور غلطی کا اعتراف کیا ہے، چونکہ یہ غلطی بھی تینوں انجیلوں کے لحاظ سے ہر اس لئے یہ غلطی بھی تثلیث کے عدد کے لحاظ سے تین اغلاط ہو گئیں،

(انجیل لوقا باب ۴ آیت ۲۵ اور یعقوب کے خط باب ۵ آیت ۱ میں لکھا ہے کہ حضرت الیاءؑ پیغمبر کے زمانہ میں ساڑھے تین سال تک زمین پر بارش نہیں ہوئی۔

۱۔ "تین ان افضل رسولوں سے کس بات میں کم نہیں" (۲ کرنتھیوں ۱۱: ۱۲)

۲۔ دیکھتے ص ۳۴۳ و ۳۴۴ جلد ۱۵،

۳۔ "الیاءؑ کے دنوں جب ساڑھے تین برس آسمان بند رہا" (لوقا ۴: ۲۵) "چنانچہ ساڑھے تین برس

تک زمین پر مینہ نہ پڑا" (یعقوب ۱: ۱۵، ۱۶)

یہ بھی غلط ہے، کیونکہ سلاطین اول باب ۱۸ سے معلوم ہوتا ہے کہ تیسرے سال بارش ہوئی تھی، اور چونکہ یہ غلطی لوقا کی انجیل میں مسیح کے قول میں ہے، اور خط میں یعقوب کے قول میں، اس لئے درحقیقت دو غلطیاں ہو گئیں۔

حضرت عیسیٰ داؤد کے تخت پر بیٹھیں گے، غلطی نمبر ۱۰۳،
انجیل لوقا کے باب اول میں ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضرت مریم سے حضرت عیسیٰ کے پیدا ہونے کی خوش خبری دیتے ہوئے فرمایا کہ:-

اور خداوند خدا اس کے باپ داؤد کا تخت اُسے دے گا، اور وہ یعقوب کے گھرانے پر ابد تک بادشاہی کرے گا، اور اس کی بادشاہی کا آخر نہ ہوگا۔
(آیات ۳۲ و ۳۳)

یہ بھی دو لحاظ سے غلط ہے:

اول تو اس لئے کہ عیسیٰ علیہ السلام یہو یقیم کی اولاد سے ہیں، اس نسب کے مطابق جو مٹی کی انجیل میں درج ہے، اور یہو یقیم کی اولاد میں سے کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ داؤد کی کرسی پر بیٹھ سکے، جس کی تصریح کتاب ارمیا باب ۳۱ میں موجود ہے، دوم یہ کہ مسیح کو ایک منٹ کے لئے بھی داؤد کی کرسی پر بیٹھنا نصیب نہیں ہوا، اور نہ اُن کو یعقوب کی اولاد پر پادشاہت میسر ہوئی، بلکہ اس کے برعکس ان لوگوں نے دشمن بن کر ان کو گرفتار کیا، اور پہلاطس کے تخت کے آگے پیش کیا، جس نے ان کو

(۱) خداوند کا یہ کلام تیسرے سال ایلیاہ پر نازل ہوا کہ جا کر انجی ایسے مل اور میں زمین پر بیٹھ برساؤں گا۔
(۲) یہو یقیم کی بابت خداوندیوں فرماتا ہے کہ اس کی نسل میں سے کوئی نہ رہے گا جو داؤد کے تخت پر بیٹھے۔ (۲۶)

مارا، اور توہین کی، اور یہودیوں کے حوالہ کر دیا، جنہوں نے پھر اس کو سولی پر چڑھا دیا،
اس کے علاوہ انجیل یوحنا باب سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح بارشابت سے متنفذ
تھے، اور جس کام کے لئے خدا نے اُن کو بھیجا تھا اس سے بھاگنا عقل میں نہیں آتا،
انجیل مرقس باب میں ہے کہ ۱۔

غلطی نمبر ۱۰۴

”میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ ایسا کوئی نہیں جس نے گھریا بھائیوں
یا بہنوں یا ماں یا باپ یا بچوں یا کھیتوں کو میری خاطر اور انجیل کی خاطر چھوڑ دیا
اور اب اس زمانہ میں سو گنا نہ پاسے، گھر اور بھائی اور بہنیں اور مائیں اور بچے
اور کھیت مگر ظلم کے ساتھ، اور آنے والے عالم میں ہمیشہ کی زندگی“ (آیات ۲۹-۳۱)
اور انجیل لوقا باب میں اسی بات کو یوں کہا گیا ہے:-

”اور اس زمانہ میں کسی گنا زیادہ نہ پاسے، اور آنے والے عالم میں ہمیشہ کی زندگی“
حالانکہ یہ غلط ہے، کیونکہ جب اُس نے ایک بیوی چھوڑ دی تو اسی زمانہ میں اس کو ایک تو
بیویاں ملنا محال ہے، اس لئے کہ عیسائیوں کے نزدیک ایک عورت سے زیادہ نکاح کرنا
ممنوع ہے، اور اگر ان عورتوں سے مراد مسیح علیہ السلام پر ایمان لانی والی عورتیں ہیں
کہ اُن کو بغیر نکاح رکھا جائے، تب تو معاملہ اور زیادہ شرمناک اور قبیح ہو جاتا ہے،
اس کے علاوہ یہ قول بالکل بے معنی اور بے جوڑ ہے کہ ”اور کھیت مگر ظلم کے ساتھ“
اس لئے کہ گفتار ہو رہی ہے بہترین جزاء اور تلافی کی، اس میں ظلم کو کیا دخل ہے؟

انجیل مرقس باب میں مجنون سے بدوحوں
دیوانہ کو سفار دینے کا واقعہ، غلطی نمبر ۱۰۵ کے نکالے جانے کی کیفیت کے بین

لہ ”پس یسوع یہ معلوم کر کے کہ وہ آکر مجھے بادتہ جانے کے لئے پکڑنا چاہتے ہیں پھر ہمارے کیا دلائل اور“

میں اس طرح کہا گیا ہے کہ :-

”پس انھوں نے (یعنی بدردحوں نے) اس کی منت کر کے کہا کہ ہم کو ان سوروں

میں بھیج دے تاکہ ہم ان میں داخل ہوں، پس اس نے اُن کو اجازت دی، اور

ناپاک وحیں نکل کر سوروں میں داخل ہو گئیں، اور وہ غول جو کوئی دوزخ کا تھا

کڑاڑے پر سے جھپٹ کر جھیل میں جا پڑا اور جھیل میں ڈوب مرا (آیات ۱۲ و ۱۳)

یہ بھی غلط ہے، اس لئے کہ خنزیر یہودیوں کے لئے تو حرام ہے، اور عیسائی جو اُس دور

میں کھانے والے تھے وہ اس قدر کثیر مال کے مالک نہیں تھے، تو پھر اتنے بڑے

ریوڑ کا مالک کون تھا؟ نیز عیسیٰ علیہ السلام کے لئے یہ بات کلام ممکن تھی کہ وہ دیوانہ

کو ان سوروں کو ہلاک کئے بغیر بھی شفا دیدیتے، جو نصاریٰ نے گناہ میں بھیڑ بکری کی

طرح پاکیزہ مال تھا، یا جس طرح ایک شخص سے نکالے گئے تھے تو ایک ہی خنزیر میں

داخل کر دیتے، تب انھوں نے اتنا زبردست نقصان سوروں کے، لگان کیوں سنبھال

انجیل متی باب ۲۶ میں یہودیوں سے بمکلام ہونے کے وقت حضرت عیسیٰ

غلطی نمبر ۱۰۶ کا قول یوں بیان کیا گیا ہے کہ :-

”اس کے بعد تم ابن آدم کو قادر مطلق کی داہنی طرف بیٹھے اور آسمان کے

بادلوں پر آتے دیکھو گے“

یہ بھی اس لئے غلط ہے کہ یہودیوں نے مسیح علیہ السلام کو کبھی بھی آسمانی بادل سے

آتا ہوا نہیں دیکھا، نہ دفات سے پہلے نہ اس کے بعد۔

شاگرد استاد سے نہیں انجیل لوقا باب ۷ میں اس طرح کہا گیا ہے کہ :-
 ”شاگرد اپنے استاد سے بڑا نہیں، بلکہ ہر ایک جب
 کامل ہوا تو اپنے استاد جیسا ہوگا۔“

یہ بظاہر غلط ہے، اس لئے کہ ہزاروں شاگرد کمال حاصل ہو جانے کے بعد اپنے استادوں
 سے بڑھ گئے ہیں۔

ماں باپ کی عزت یا دشمنی غلطی نمبر ۱۰۸ | انجیل لوقا باب ۱۲ میں مسیح کا قول
 یوں بیان ہوا ہے :-

”اگر کوئی شخص میرے پاس آئے اور اپنے باپ اور ماں اور بیوی اور بچوں اور
 بھائیوں اور بہنوں بلکہ اپنی جان سے بھی دشمنی نہ کرے تو میرا شاگرد نہیں ہو سکتا۔“
 یہ ادب بھی عجیب و غریب ہے، جس کی تعلیم دینا کم از کم مسیح کی شان سے بعید ہے، حالانکہ
 مسیح نے خود یہودیوں کو ملامت کرتے ہوئے یوں کہا تھا کہ خدا نے فرمایا ہے تو اپنے
 باپ کی اور ماں کی عزت کرنا، اور جو باپ یا ماں کو بُرا کہے وہ ضرور جان سے مارا جائے،
 اس کی تصریح انجیل مٹی باب ۵ میں موجود ہے، ایسی صورت میں مسیح کس طرح
 ماں باپ کے ساتھ بغض رکھنے کی تعلیم دے سکتے ہیں؟

انجیل یوحنا باب ۱۱ میں اس طرح ہے کہ :-
 غلطی نمبر ۱۰۹ |

اُردان میں سے کا ئنات نام ایک شخص نے جو اُس سال سردار کاہن

۱۵ سب نسخوں میں باب ۱۱ مذکور ہے، مگر یہ درست نہیں، صحیح باب ۱۲ آیت ۳۰ ہے، کیونکہ یہ جملہ
 اسی میں موجود ہے، ۱۲

۱۵ آیت ۲۶،

۱۵ سب نسخوں میں باب ۱۱ مگر یہ بھی درست نہیں، صحیح باب ۱۵ آیت ۴ ہے ۱۲ تقی

تھا، اُن سے کہا تم کچھ نہیں جانتے، اور نہ سوچتے ہو کہ تمہارے لئے یہی بہتر ہو
کہ ایک آدمی اُمت کے واسطے مرے، نہ کہ ساری قوم ہلاک ہو، مگر اس نے یہ اپنی
طرف سے نہیں کہا، بلکہ اس سال سردار کاہن ہو کر نبوت کی کہ یسوع اس قوم
کے واسطے مرے گا، اور نہ صرف اس قوم کے واسطے بلکہ اس واسطے بھی کہ خدا
کے ہر آگندہ سرزندوں کو جمع کر کے ایک کر دے؛ (آیات ۴۹ تا ۵۲)

یہ بھی کئی اعتبار سے غلط ہے؛

اول تو اس لئے کہ اس کلام کا مقتضی یہ ہے کہ یہودیوں کے سردار کاہن کے

لئے نبی ہونا ضروری ہے جو یقینی طور پر غلط ہے۔

دوم اس لئے کہ اگر اس کا یہ قول بحیثیت نبوت کے ہے تو لازم آتا ہے کہ عیسیٰ

کی موت کو فقط یہودیوں کی طرف سے کفارہ شمار کیا جائے نہ کہ سارے عالم کی طرف سے،

جو عیسائی نظریات اور دعاوی کے خلاف ہے،

اور یہ بھی لازم آئے گا کہ صاحب انجیل کا یہ قول کہ ”نہ صرف اس قوم کے

واسطے“ قطعاً لغو اور نبوت کے مخالف ہو،

سوم اس لئے کہ یہ پیغمبر جس کی نبوت صاحب انجیل کے نزدیک مسلم ہے وہی

ہے جو اس وقت کا ہنوں کا رئیس تھا، جب کہ عیسیٰ کو گرفتار کر کے سولی دی گئی تھی،

اور یہی وہ شخص ہے جس نے مسیح کے قتل کئے جانے اور اُن کے جھوٹا ہونے اور

۱۲ غالباً اس لئے کہ خدا کے فریاد کا لفظ انہی کے لئے استعمال ہوتا تھا ۱۲

۱۳ ”کفارہ“ عیسائیوں کا مشہور عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تکلیفیں اٹھا کر ساری دنیا کے گناہوں

گناہوں کا کفارہ بن گئے ہیں، تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو مقدمہ از راقم الحدود ۱۲ قتی

اور کافر ہونے کا فتویٰ دیا تھا، اور اس کی بارپیٹ اور توہین پر خوش ہوا تھا،

چنانچہ انجیل متی باب ۲۶ آیت ۵۷ میں ہے کہ :-

”اور یسوع کے پکڑنے والے اس کو کائنات نام سردار کاہن کے پاس لے گئے

جہاں فقیہ اور بزرگ جمع ہو گئے تھے“

پھر آیت ۶۳ میں ہے :-

”مگر یسوع خاموش ہی رہا، سردار کاہن نے اس سے کہا میں تجھے زندہ خدا کی

قسم دیتا ہوں کہ اگر تو خدا کا بیٹا مسیح ہے تو ہم سے کہہ دے، یسوع نے اس سے

کہا تو نے خود کہہ دیا، بلکہ میں تم سے کہتا ہوں کہ اس کے بعد تم ابن آدم کو قادر

مطلق کے داہنی طرف بیٹھے ہوئے اور آسمان کے بادلوں پر آتے دیکھو گے،

اس پر سردار کاہن نے یہ کہہ کر اپنے کپڑے پھاڑے کہ اس نے کفر بکا ہے،

اب ہم کو گواہوں کی کیا حاجت رہی؟ دیکھو تم نے ابھی یہ کفر سنا ہی، تمہاری

کیا رائے ہے؟ انھوں نے جواب میں کہا، وہ قتل کے لائق ہے، اس پر انھوں

نے اس کے منہ پر تھوکا، اور اس کے کتے مارے، اور بعض نے طلاخے مار کر کہا

اے مسیح ہیں نبوت سے بتا کہ تجھے کس نے مارا؟ (آیات ۶۳ تا ۶۸)

چوتھے انجیل نے بھی اپنی انجیل کے باب ۱۸ میں یہ اعتراف کیا ہے کہ :-

”اور پہلے اُسے حنا کے پاس لے گئے، کیونکہ وہ اس برس کے سردار کاہن

کائنات کا شہر تھا، یہ وہی کائنات تھا جس نے یہودیوں کو صلاح دی تھی کہ امت

کے واسطے ایک آدمی کا مزا بہتر ہے“

اب ہم کہتے ہیں کہ اگر یہ قول نبوت کی حیثیت سے تھا، اور اس کے معنی بھی وہی ہیں جو انجیلی نے سمجھے، تو پھر اس نے مسیح کے قتل کا فتویٰ کس طرح دیا؟ اور ان کو جھوٹا اور کافر کیوں قرار دیا؟ اور ان کی توہین اور مار پیٹ پر کیونکر راضی ہوا؟ کیا کوئی پیغمبر اپنے خدا کے قتل کا فتویٰ دے سکتا ہے؟ اور کیا دعویٰ خدائی میں اس کو جھوٹا قرار دے سکتا ہے؟ اور اس کی تکفیر اور توہین کر سکتا ہے؟ اور اگر نبوت کے وسیع جامے میں یہ تمام گندگیاں سما سکتی ہیں تو ہم ایسی نبوت سے بھی اور ایسے پیغمبر سے بھی بیزار ہیں، اور اس صورت میں عقلی اعتبار سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ نبی تھے مگر وہ چونکہ گمراہی کی سواری پر سوار ہو چکے تھے، (نعوذ باللہ) اس لئے پھر مرتد ہو کر خدائی کے دعویدار بن گئے، اور خدا پر جھوٹی تہمت رکھ دی، غرض مسیح کی عصمت کا دعویٰ کرنا بالخصوص اس مخصوص صورت میں ناقابل سماعت ہے۔

بہتی بات تو یہ ہے کہ یوحنا حواری بھی اس قسم کے یہودہ اقوال سے اسی طرح پاک اور بری ہے جس طرح عیسیٰ علیہ السلام دعویٰ خدائی سے بری اور پاک ہیں اور یہ تمام کلموں اس تثلیث پرستوں کی من گھڑت ہے،

بالعسر من اگر کاتفا کے قول کو درست بھی مان لیا جائے تب بھی اس کا مطلب یہ ہوگا کہ مسیح کے شاگردوں اور معتقدوں نے جب اپنا یہ خیال ظاہر کیا کہ عیسیٰ ہی مسیح موعود ہیں، اُدھر عام لوگوں کا خیال مسیح کی نسبت یہ تھا کہ اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ یہودیوں کا عظیم الشان پادشاہ ہو تو خود اس کو اور اکا بر یہود کو یہ خطرہ معلوم ہوا کہ اس خیال کی اشاعت موجب فساد ہوگی، اور قیصر روم کی

کی غضبناکی کا سبب بن جائے گی، اور نتیجہ ہم لوگ بیٹھے بٹھائے مصیبت میں پھنس جائیں گے، تب اس نے کہا کہ عیسیٰ کے ہلاک کر دیئے جانے میں پوری قوم کی بچت ہو سکتی ہے۔

یہ تھا صحیح مطلب، نہ یہ کہ سائے عالم کے انسان اس صلی گناہ سے چھوٹ جائیں گے، جس کا مصداق عیسائیوں کے نزدیک آدم کا وہ گناہ ہے جو شجر ممنوعہ کھانے کی وجہ سے ان سے مسیح کی پیدائش سے ہزاروں سال پہلے صادر ہوا تھا، اس لئے کہ یہ محض وہم ہے، جس کے یہودی معتقد نہیں ہیں، غالباً اس انجیلی کو بعد میں یہ فرد گداشت محسوس ہوئی، جس کی بناء پر باب ۱۸ میں بجائے "نبوت کرنے" کے "صلاح دی" کے الفاظ کو استعمال کیا گیا، کیونکہ کسی بات کی صلاح دینا اور بات ہے اور بحیثیت نبوت کے کلام کرنا دوسری بات ہے۔

غرض تلافی خوب کی، اگرچہ اپنے ہاتھ سے اپنے پاؤں پر کلہاڑی مار دی، یعنی اپنے قول کے خلاف خود ہی دوسری بات کہہ ڈالی۔

رسالہ عبرانیہ باب میں ہے۔

غلطی نمبر ۱۱

چنانچہ جب موسیٰ تمام امت کو شریعت کا ہر ایک حکم سنا چکا

تو پھڑدن اور بکروں کا خون لے کر پانی اور لال اُون اور زرد فاکے ساتھ اس

کتاب اور تمام امت پر چھڑک دیا، اور کہا کہ یہ اس عہد کا خون ہے جس کا حکم

خدا نے تمھارے لئے دیا ہے، اور اسی طرح اس نے خیمہ اور عبادت کی تمام

چیزوں پر خون چھڑکا (آیت ۱۹ اور ۲۰)

اس میں تین لحاظ سے غلطیاں ہیں۔

- ۱۔ ازل یہ کہ وہ خون پھڑوں اور بگردوں کا نہیں تھا، بلکہ فقط بیلوں کا خون تھا،
- ۲۔ دوسرے یہ کہ اُس موقع پر خون کے ساتھ پانی اور سُرخ صوف اور زون شامل نہیں تھا، بلکہ خالص خون ہی تھا،
- ۳۔ تیسرے یہ کہ موسیٰ نے خود کتاب پر نہیں چھڑکا اور نہ برتنوں پر، بلکہ نصف خون شربان گاہ پر اور نصف قوم پر چھڑکا تھا، جس کی تصریح کتاب الخروج کے باب ۲۴ میں موجود ہے، اس کی عبارت یوں ہے:-

اور موسیٰ نے لوگوں کے پاس جا کر خداوند کی سب باتیں اور احکام ان کو بتا دیے اور سب لوگوں نے ہم آواز ہو کر جواب دیا کہ جتنی باتیں خداوند نے فرمائی ہیں ہم ان سب کو مانیں گے، اور موسیٰ نے خداوند کی سب باتیں لکھ لیں، اور صبح کو سویرے اُٹھ کر پہاڑ کے نیچے ایک قربان گاہ اور بنی اسرائیل کے بارہ قبیلوں کے حساب سے بارہ ستون بنائے، اور اس نے بنی اسرائیل کے جوانوں کو بھیجا، جنہوں نے سوختی شربانیا چڑھائیں، اور بیلوں کو ذبح کر کے سلا متی کے ذبیحہ خداوند کے لئے گزارا، اور موسیٰ نے آدھا خون لے کر باسنوں میں رکھا، اور آدھا شربان گاہ پر چھڑک دیا، پھر اس نے عہد نامہ لیا اور لوگوں کو پڑھ کر سنایا، انہوں نے کہا کہ جو کچھ خداوند نے فرمایا ہے اس سب کو ہم کریں گے اور تابع رہیں گے، تب موسیٰ نے اس خون کو لے کر لوگوں پر چھڑکا اور کہا: بھئی اس عہد کا خون ہے جو خداوند نے ان سب باتوں کے بارے میں تمہارے ساتھ باندھا ہے۔

ہمارا خیال ہے کہ رومی کلیسا نے ان ہی خرابیوں کی وجہ سے جو آپ کو بتائی گئی ہیں عوام کو ان کتابوں کے پڑھنے کی مانعت کر دی تھی، اور کہتے تھے کہ وہ شر جو

اُن کے پڑھنے سے پیدا ہوگا وہ فائدہ سے زیادہ ہوگا، اُن کی رائے اس معاملہ میں بالکل ٹھیک تھی، واقعی ان کتابوں کے عیوب اور خرابیاں اُن کے شائع نہ ہونے کی وجہ سے مخالفین کی نگاہوں سے غائب تھیں، پھر جب فرقہ پر دستنت نمودار ہوا اور انھوں نے ان کتابوں کا کھوج نکالا، تب یورپی ممالک میں اُس کا جو ردِ عمل ہوا وہ دنیا جانتی ہے، کتابِ الثلاث عشرہ مطبوعہ بیروت ۱۸۴۹ء کے تیرھویں رسالہ کے صفحہ ۴۱۸ و ۴۱۹ پر لکھا ہے کہ:-

”اب ہم کو وہ قانون دیکھنا چاہیے جو ٹریڈنیشن کی مجلس سے مرتب ہوا ہے، اور پوپ کے یہاں سے اس پر مہر تصدیق لگی ہے، یہ قانون یہ کہتا ہے کہ تجربات نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ جب عوام ان کتابوں میں ایسے الفاظ پڑھیں گے تو اس سے پیدا ہونے والے نقصانات فائدے سے زیادہ ہوں گے، اس بناء پر پادری یا قاضی کو چاہئے کہ وہ اپنی صوابدید کے مطابق بڑے پادری یا معلم اعتراضات کے مشورہ سے ان کتابوں میں اُن الفاظ کے پڑھنے کی ان لوگوں کو اجازت دے جن کی نسبت یہ گمان ہو کہ ان کو نفع پہنچے گا، اور یہ بات نہایت ضروری ہے کہ کتاب کسی کیتھولک استاد کی نظر سے گزر چکی ہو، اور اس پر اجازت دینے والے کے دستخط ثبت ہوں، اور اگر کوئی شخص بغیر اجازت اس کتاب کے پڑھنے یا لینے کی جسارت کرے تو اس کو معافی دینے میں قطعی چشم پوشی نہ کی جائے، جب تک وہ کتاب حاکم کے پاس نہ لیجائی جائے“

چوتھی فصل

بائبل کی کتابیں الہامی نہیں ہیں اس کے دلائل

اس فصل میں یہ بتانا ہے کہ اہل کتاب کو یہ دعویٰ کرنے کا حق کسی طرح نہیں پہنچتا کہ عہد عتیق یا عہد جدید کی کتاب کی نسبت یہ کہیں کہ وہ الہامی ہے، اور الہام سے لکھی گئی ہے۔ اور ان میں درج شدہ تمام واقعات الہامی ہیں، کیونکہ یہ دعویٰ قطعی باطل ہے، اس کے باطل ہونے پر اگرچہ بہت سے دلائل ہیں، مگر ہم اس موقع پر ان میں سے صرف سترہ کے بیان پر اکتفا کرتے ہیں:-

معنوی اختلافات کی کثرت، پہلی دلیل:

ان میں کثرت سے معنوی اختلافات موجود ہیں، اور عیسائی محققین و مفسرین ان اختلافات کو دور کرنے سے عاجز ہو چکے ہیں، چنانچہ بعض اختلافات کی نسبت انھوں نے اعتراف کر لیا ہے کہ ان میں سے ایک عبارت صحیح اور دوسری عبارتیں جھوٹی ہیں جن میں یا تو عہداً تحریف کی گئی ہے، یا کاتب کی بھول اس کا سبب ہوئی ہے، اور

بعض اختلافات کی نسبت ایسی بیکار اور رکیک توجہیں کی ہیں جن کو عقل سلیم ماننے کے لئے قطعی تیار نہیں ہے، فصل نمبر ۳ کی قسم اول میں ایک سو سے زیادہ ایسے اختلافات نمایاں ہو چکے ہیں،

اغلاط کی کثرت:

ان میں بے شمار اغلاط موجود ہیں، فصل نمبر ۳ کی قسم ۲ میں ایک سو سے زیادہ اغلاط آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں، حالانکہ الہامی کلام کے لئے غلطیوں سے پاک ہونا، اور معنوی اختلافات سے محفوظ ہونا از بس ضروری ہے،

تحریفات کی کثرت:

ان میں جانی بوجھی تحریفات بھی موجود ہیں، اور بے سمجھی سے کی جانے والی تحریفات بھی جن کا شمار بھی مشکل ہے، عیسائیوں کی مجال نہیں ہے کہ ان کا انکار کر سکیں، اور یہ ظاہر ہے کہ جو مقامات یقینی طور پر محرف ہیں وہ یقینی طور عیسائیوں کے نزدیک بھی الہامی نہیں ہو سکتے، باب دوم میں ایسے ایک سو مقامات کی آپ کو انشاء اللہ تعریف نشان دہی کی جائے گی،

بہت سی کتابوں کیلئے خود عیسائیوں کا اعتراف:

کتاب باروک، کتاب طوبیا، کتاب یہودیت، کتاب دانش، کتاب پند کلیسا، مقابین کی کتاب نمبر ۱ و ۲، کتاب استیر کے باب ۱۶ اور بانیہ کی دس آیات کتاب دانیال کے باب ۳ کے تین بچوں کا گیت اور اسی کتاب کے باب ۱۳ و ۱۴ منرقہ کیتھولک کے نزدیک ہمد عتیق کے اجزاء ہیں،

اور منرقہ پروٹسٹنٹ نے شافی بیانات سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ یہ چیزیں

نہ الہامی ہیں اور نہ واجب تسلیم ہیں، اس لئے ان کو باطل کرنے کی ہم کو چنداں ضرورت نہیں ہے۔ جو صاحب چاہیں ان کی کتابیں ملاحظہ فرما سکتے ہیں، یہودی بھی ان کتابوں کو الہامی تسلیم نہیں کرتے۔

اسی طرح عزرا کا سفر تکبریک کے گرجا کے نزدیک عہد عتیق کا جزو ہے، ادھر فرقہ کیمتولک اور پروٹسٹنٹ نے واضح دلائل سے ثابت کر دیا ہے کہ یہ الہامی نہیں ہے، جو صاحب چاہیں دونوں فرقوں کی کتابیں ملاحظہ فرما سکتے ہیں، نیز کتاب القضاۃ، ان لوگوں کے قول کے مطابق جو اس کو فیخاس کی تصنیف مانتے ہیں، یا جو لوگ اس کو حزقیا کی تصنیف کہتے ہیں، الہامی نہیں ہے،

اسی طرح کتاب روت، ان لوگوں کے نظریہ کے مطابق جو اس کو حزقیا کی تصنیف سمجھتے ہیں، یا بائبل مطبوعہ ۱۸۱۹ء اشار برگ کے چھاپنے والوں کے قول کے موافق الہامی نہیں، اور کتاب غیا مذہب مختار کے مطابق الہامی نہیں ہے، بالخصوص اس کتاب کے باب کے شروع کی ۲۶ آیات۔

نیز کتاب ایوب بھی رب مانی وینز اور میکالمس وسیلر واسٹیناک و ہوڈولہ اسی طرح فرقہ پروٹسٹنٹ کے امام اعظم برتھر کی رائے کے مطابق الہامی میں ہے، اور ان لوگوں کے قول کے مطابق بھی جو اس کو الیہویا الہ کے کسی شخص نے، یا مجہول الاسم شخص کی تصنیف کہتے ہیں،

نیز کتاب امثال سلیمان کا باب ۳۱، یہ دونوں الہامی نہیں ہیں، اور الجامعہ مار تیمودی کے قول کے مطابق الہامی نہیں ہے، اور کتاب نشید الانشاد تھیڈور سمین رلیکٹرک اور دسٹن دیسلر اور کاسٹیولیسی کے قول کے مطابق الہامی نہیں ہے،

اور کتاب اشعیاء کے سٹیں باب فاضل اسٹاپن جرمنی کے قول کے مطابق الہامی نہیں ہیں، اور انجیل متی متقدمین اور جمہور علماء متاخرین کے قول کے مطابق جو یہ کہتے ہیں کہ اصل میں وہ عبرانی زبان اور عبرانی حروف میں تھی اور اب ناپید ہو چکی ہے، اور جو آجکل موجود ہے وہ اس کا ترجمہ ہے، جو کسی طرح الہامی نہیں ہو سکتا، ری انجیل یوحنا، اسٹانڈلن اور محقق برٹشیندر کے قول کے مطابق الہامی نہیں ہیں، اور اس کا آخری باب محقق کر دئیے کے قول کے موافق الہامی نہیں ہے،

اسی طرح یوحنا کے تمام رسالے محقق برٹشیندر اور نسرقہ الوجین کے قول کے مطابق الہامی نہیں ہیں، نیز پطرس کا دوسرا رسالہ اور یہودا کا رسالہ، نیز یعقوب کا رسالہ اور یوحنا کا رسالہ نمبر ۲ و ۳ اور مشاہدات یوحنا اکثر کے نزدیک الہامی نہیں ہیں۔

ہورن کا اعتراف:

ہورن اپنی تفسیر کی جلد مطبوعہ ۱۸۲۲ء کے صفحہ ۱۳۱ پر کہتا ہے کہ :-
 ”اگر ہم یہ مان لیں کہ پیغمبروں کی بعض کتابیں مسدوم ہو چکی ہیں، تو کہنا پڑے گا کہ یہ کتابیں الہام سے بھی ہی نہیں گئی تھیں، آگسٹائن نے قوی دلائل سے یہ بات ثابت کر دی ہے، اور کہا ہو کہ میں نے بہت سی چیزوں کا ذکر سلاطین یہودا و اسرائیل کی کتابوں میں پایا ہے، مگر ان کی وضاحت ان کتابوں میں نہیں ملے، بلکہ ان کی توضیح کا حوالہ دوسرے پیغمبروں کی کتابوں پر دیا گیا ہے، اور بعض مقامات پر ان پیغمبروں کے نام بھی ذکر کئے گئے ہیں، اور یہ کتابیں اس قانون میں جس کو خدائی کلیسا واجب التسلیم مانتا ہے موجود نہیں ہیں، اور وہ اس کا سبب بھی بیان نہیں کر سکا، ماسوائے اس کے کہ جن

پیغمبروں کو روح القدس کی جانب سے مذہب کی بڑی بڑی باتوں کا الہام ہوتا ہے ان کی تحریر دو قسم کی ہے، ایک قسم تو دیندار مورخین کے طریقہ کے مطابق یعنی بغیر الہام کے، اور دوسری قسم الہام والی، اور دونوں قسموں میں یہ فرق ہے کہ پہلی قسم ان کی طرف منسوب ہو اور دوسری خدا کی جانب، پہلی کا مقصد ہماری معلومات اور علم میں اضافہ ہے، اور دوسری کا مقصد ملت شریعت کی سند ہے۔“

پھر صفحہ ۱۳۳ جلد اول میں اُس خدا کے حروف کے معدوم ہو جانے کی وجہ بیان کرتے ہوئے جس کا ذکر کتاب گنتی کے باب ۲ آیت ۱۴ میں ہے کہتا ہے کہ ۱۔
”یہ کتاب جو معدوم ہو گئی ہے محقق اعظم ڈاکٹر لائٹ فٹ کی تحقیق کی بنا پر گمان یہ ہے کہ وہ کتاب ستمی جس کو موسیٰ نے خدا کے حکم سے عمالقہ کی شکست کے بعد یوشع کی نصیحت کے لئے لکھا تھا، پس معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب اس فتح کے حالات اور آئندہ لڑائیوں کی تدابیر کے بیان پر مشتمل تھی، جو نہ تو الہامی تھی، اور نہ وہ قانونی کتابوں کا جز تھی۔“
پھر جلد اول کے ضمیمہ میں کہتا ہے کہ ۱۔

”جب یہ کہا جاتا ہے کہ کتب مقدسہ خدا کی طرف سے وحی کی گئی ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ ہر لفظ اور پوری عبارت الہام الہی ہے، بلکہ مصنفین کے محاورات کے اختلاف اور ان بیانات کے اختلاف سے پتہ چلتا ہے کہ ان کو

۱۔ کتاب گنتی میں خداوند کے ایک جنگ نامہ کا حوالہ دے کر ایک بات کہی گئی ہے، اس جنگ نامہ کے چند الفاظ تو اس میں مذکور ہیں، باقی حصہ معدوم ہو چکا ہے ۱۲

اس بات کی اجازت دی گئی تھی کہ اپنی طبیعت اور عادت کے مطابق، اور اپنی اپنی
 سمجھ کے موافق لکھیں اور علم الہام اسی طرح استعمال کیا گیا، جس طرح رسمی علوم
 استعمال کئے جاتے ہیں، یہ خیال نہیں کیا جاسکتا کہ ہر وہ بات جو انھوں نے بیان
 کی ہے، وہ الہام کی جاتی تھی، یا ہر وہ حکم جو بیان کرتے ہیں وہ الہام کردہ ہے۔
 پھر کہتا ہے کہ:-

”یہ بات محقق ہے کہ عہد عتیق کی تواریخ کے مصنفوں کو بعض اوقات الہام ہوتا تھا۔“
الگزیدر کا اعتراف:

ہنری، واسکاٹ کی تفسیر کے جامعین تفسیر کی آخری جلد میں الگزیدر کہتے ہیں
 الگزیدر کے اصول ایمانیہ سے نقل کرتے ہیں کہ:-

”ضروری نہیں ہے کہ ہر وہ بات نبی نے کہی ہو وہ الہامی یا قانونی ہو اور سلیمان
 کی بعض کتابوں کے الہامی ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس نے جو کچھ لکھا ہو
 وہ سب الہامی ہے، اور یہ بات یاد رکھنا چاہئے کہ انبشیا اور حواریوں کو خاص
 خاص مطالب کا الہام ہوتا تھا۔“

اور الگزیدر علماء پر وٹسٹنٹ کے نزدیک بڑی معتبر کتاب ہے۔ اور اسی لئے فائل
 وارن پر وٹسٹنٹ نے کارگرن کے تھوٹک کے مقابلہ میں انجیل کی صحت و عدم صحت
 کی نسبت اس سے استدلال کیا ہے، اس تفسیر کا عیسائیوں کے نزدیک معتبر ہونا
 محتاج بیان نہیں ہے،

انسائیکلو پیڈیا کا اعتراف:

کتاب انسائیکلو پیڈیا برائیکا انگلستان کے بہت سے علماء کی متفقہ تالیف اور

ان کی پسندیدہ ہی، یہ لوگ جلد ۱۱، صفحہ ۴۷۲ میں الہام کی بحث میں کہتے ہیں:-
 ”اس سلسلہ میں جھگڑا چلا جاتا ہے کہ ہر بات جو کتب مقدسہ میں درج ہے
 وہ الہامی ہے یا نہیں؟ اسی طرح وہ تمام حالات و واقعات جو ان میں بیان
 کئے گئے ہیں جیروم، کرڈیس، پرد کو بیس اور بہت سے دوسرے علماء کہتے
 ہیں کہ ان کا ہر قول الہامی نہیں ہے۔“

پھر صفحہ ۲ جلد ۱۹ کتاب مذکور میں یوں کہتے ہیں:-

”جو لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہر روایات جو اس میں درج ہے وہ الہامی ہی
 اپنے دعویٰ کو آسانی سے ثابت نہیں کر سکتے۔“
 پھر کہتے ہیں کہ:-

اگر کوئی شخص ہم سے تحقیق کی غرض سے سوال کرے کہ آپ عہد جدید کے
 کس جسز کو الہامی تسلیم کرتے ہیں؟ تو ہمارا جواب یہ ہے کہ مسائن اور احکام
 اور پیش آنے والے واقعات کی نسبت پیشینگوئیاں جو مسیحی مذہب کی بنیاد ہیں
 وہ غیر الہامی نہیں ہو سکتیں، رہے دوسرے حالات تو حواریوں کی یادداشت
 ان کے بیان کے لئے کافی ہے۔“

رئیس کی تحقیق:

رئیس نے بہت سے محقق علماء کی اعانت سے ایک کتاب لکھی ہے جو انسائیکلو پیڈیا
 رئیس کے نام سے مشہور ہے، اس کتاب کی جلد ۱۹ میں یہ لکھا ہے کہ لوگوں نے کتب مقدسہ
 کے الہامی ہونے میں کلام کیا ہے، اور کہا کہ چونکہ ان کتابوں کے مؤلفین کے اقوال
 و افعال میں غلطیاں اور اختلافات پائے جاتے ہیں، مثلاً جب انجیل متی کے باب ۱۰ کی

آیت ۱۹ و ۲۰ اور انجیل مرقس کے باب ۱۳ آیت ۱۱ کا مقابلہ کتاب الاعمال کے باب ۲ کی ابتدائی ۶ آیات سے کیا جائے تو یہ اختلاف بہت نمایاں نظر آتا ہے،

اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حواری خود بھی ایک دوسرے کی وحی نہیں مانتے تھے جیسا کہ یروشلم کی مجلس میں ان کے مباحثے اور پولس کے پطرس کو الزام دینے سے یہ چیز واضح ہوتی ہے،

نیز یہ بھی کہا جاتا ہے کہ متقدمین عیسائی اُن کو غلطی سے پاک نہیں مانتے تھے، کیونکہ بعض اوقات انھوں نے ان کے افعال پر چوٹ کی ہے، دیکھئے کتاب الاعمال باب ۱۱ آیت ۲، ۳، اور باب ۲۱ آیات ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴،

یہ بھی کہا گیا ہے کہ مقدس پولس اپنے کو حواریوں سے کم نہیں سمجھتا تھا، (دیکھئے مکر تھیون باب ۱۱ آیت ۵ و باب ۱۲ آیت ۱۱) اور اس نے اس طور پر اپنا حال بیان کیا جس سے صاف معلوم ہوتا تھا کہ وہ اپنے کو ہر وقت الہامی خیال نہیں کرتا (دیکھئے مکر تھیون کے نام پہلا خط باب ۱ آیات ۱۰، ۱۲، ۱۵، ۲۰ اور انہی کے نام دوسرا خط باب ۱۱ آیت ۱۷)

ہم کو یہ محسوس نہیں ہوتا کہ حواری جب بھی بات شروع کرتے ہوں تو اسے

۱۔ یہ اختلاف تفصیل کے ساتھ ص ۵۲۵ و ۵۲۶ جلد ۱ پر ملاحظہ کیا جاسکتا ہے ۱۲

۲۔ جب پطرس یروشلم میں آیا تو مختون اس سے یہ بحث کرنے لگے کہ تو نامختونوں کے پاس گیا، اور اس کے ساتھ کھانا کھایا (اعمال ۱۱: ۳۰)

۳۔ میں تو اپنے آپ کو ان افضل رسولوں سے کچھ کم نہیں سمجھتا (۲ مکر تھیون، ۱۱: ۵)

۴۔ ان عبارتوں میں سے ایک درج ذیل ہے: "مگر جن کا بیاہ ہو گیا ہے ان کو میں نہیں، بلکہ خداوند حکم دیتا ہے، کہ یہی اپنے شوہر سے جدا نہ ہو" (۱ کور، ۱۰: ۱۶)

یہ ظاہر ہوتا ہو کہ وہ خدا کی جانب سے بول رہے ہیں۔

پھر کہا ہے کہ:-

”بیکائس نے فریقین کے دلائل کا خوب سوچ کر وزن کیا، جو اس عظیم الشان مسئلہ کے سمجھنے کے لئے ضروری ہے، اور فیصلہ کیا کہ الہام رسالوں میں یقیناً مفید ہے، اور اناجیل و اعمال جیسی تاریخی کتابوں میں اگر ہم الہام سے قطع نظر بھی کر لیں تب بھی ہم کو کچھ نقصان نہیں، بلکہ کچھ نہ کچھ فائدہ حاصل ہوتا ہے، اور اگر ہم یہ مان لیں کہ حواریوں کی شہادت تاریخی واقعات کے بیان میں دوسرے مورخین جیسی ہے، جیسا کہ مشیح نے بھی فرمایا کہ ”اور تم بھی گواہ ہو کیونکہ شروع سے میرے ساتھ ہو“ جس کی تصریح یوحنا نے بھی اپنی انجیل کے باب ۱ آیت ۱۵ میں کی ہے، تب بھی ہم کو کچھ زیادہ مضرت نہیں پہنچتی، اور کسی شخص کی یہ مجال نہیں ہے کہ وہ ملت عیسوی کے منکر کے مقابلہ میں اس کی حقانیت ثابت کرنے کے لئے کئی ایک مسئلے کے مان لئے جانے سے استدلال کرے، بلکہ یہ بات نہایت ضروری ہے کہ وہ مسیح کے مرنے اور زندہ ہونے، اور دوسرے معجزات پر انجیل والوں کی تحریر سے یہ مانتے ہوئے استدلال کرے کہ وہ مؤرخ ہیں، اور جو شخص اپنی ایمانی بنیادوں کو جانچنا پرکھنا چاہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اُن واقعات میں ان کی شہادت کو دوسرے اشخاص کی شہادت کی مانند تصور کرے، اس لئے کہ اناجیل میں درج شدہ

۱۵ سب نسخوں میں ۱۷ ہے، مگر درست ۲۷ ہے ۱۲ تنقی

واقعات کی سچائی ثابت کرنا ان کے الہامی ہونے کی بنا پر ”ذکر“ کو مستلزم ہے، کیونکہ ان کا الہامی ہونا ان ہی واقعات کے لحاظ سے ممکن ہے، لہذا ضروری ہے کہ ان واقعات میں ان کی شہادت کو دوسرے اشخاص کی شہادت کی طرح تصور کریں، اور اگر ہم تاریخی واقعات کے بیان کرنے میں اس معیار کو پیش نظر رکھیں تو ملت عیسوی میں کسی قباحت کا کوئی خطرہ نہیں ہو سکتا، اور ہم کو کسی جگہ بھی صاف طور پر یہ لکھا ہوا نہیں ملتا کہ وہ عام حالات جو حواریوں کے تجربوں میں آئے ہیں، اور جن کا ادراک لوقا نے اپنی تحقیقات سے کیا ہے، وہ الہامی ہیں، بلکہ اگر ہم کو یہ سمجھنے کی اجازت مل جائے کہ بعض انجیل والوں نے کچھ غلطی بھی کی ہے پھر اس کے بعد اصلاح یوحنا نے کر دی تو بھی انجیل کو تطبیق دینے کا عظیم فائدہ مرتب ہوگا، مسٹر کڈل نے بھی اپنے رسالہ کی فصل ۲ میں میکالمس کی تائید کی ہے، ”رہیں وہ کتابیں جن کو حواریوں کے شاگردوں نے لکھا ہے، جیسا کہ مرقس اور لوقا کی انجیل یا کتاب الاعمال، سو میکالمس نے ان کے الہامی ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کیا،

وائٹسن کا اعتراف:

وائٹسن نے اپنی کتاب رسالۃ الالہام کی جلد ۳ میں جو کہ ڈاکٹر بسینسن کی تفسیر سے

۱۔ دور علم منطق کی ایک اصطلاح ہے، جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ایک چیز کا ثابت ہونا دوسری چیز پر موقوف ہو اور اس دوسری شے پر پہلی چیز پر، یہ صورت تمام متقدمین فلاسفہ کے نزدیک باطل اور محال ہے، ریس کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اگر انجیل کا الہامی ہونا اس کے واقعات کی سچائی سے ثابت کیا جائے اور اس کے واقعات کی سچائی اس کے الہامی ہونے سے تو ”ذکر“ لازم آجائے گا جو محال ہے، اس لئے ضروری ہے کہ اناجیل کے واقعات کو عام مورخین کے واقعات کی سطح پر رکھا جائے، ۱۲ تقی

ماخوذ ہے تصریح کی ہے، کہ لوقا کی تحریر کا الہامی نہ ہونا اس مضمون سے خود ظاہر ہو رہا ہے جو اس نے اپنی انجیل کے دیباچہ میں لکھا ہے، یعنی یہ کہ:-

چونکہ بہتوں نے اس پر کمر باندھ لیا ہے کہ جو باتیں ہمارے درمیان واقع ہوئیں، ان کو ترتیب وار بیان کریں، جیسا کہ انھوں نے جو شروع سے خود دیکھنے والے اور کلام کے خادم تھے ان کو ہم تک پہنچایا، اس لئے اے محرز تھیفلس! میں نے بھی مناسب جانا کہ سب باتوں کا سلسلہ شروع سے ٹھیک ٹھیک دریافت کر کے ان کو تیرے لئے ترتیب سے لکھوں، تاکہ جن باتوں کی تو نے تعلیم پائی ہے اُن کی سچائی تجھے معلوم ہو جائے۔

والس کہتا ہے:-

مذہب عیسوی کے متقدمین علماء نے بھی ایسا ہی لکھا ہے، آریوس کہتا ہے کہ وہ باتیں جو لوقا نے حواریوں سے سیکیں تھیں ہم تک پہنچائیں، جیروم کہتا ہے کہ لوقا کی تعلیم کا انحصار پولس ہی پر نہیں ہے جس کو مسیح کی جسمانی صحبت میسر نہیں ہوئی، بلکہ اس نے انجیل کی تعلیم پولس کے علاوہ دوسرے حواریوں سے بھی حاصل کی تھی۔

پھر اس رسالہ میں تصریح کرتا ہے کہ:-

”حواری جب دین کے کسی معاملہ میں بات کرتے تھے یا لکھتے تھے تو اُن کے پاس جو الہام کا خزانہ تھا وہ ان کی حفاظت کرتا تھا، مگر بہر حال وہ انسان تھے اور عقل و فکر صاحب الہام بھی، اور جس طرح دوسرے لوگ واقعات کے بیان کرنے میں بغیر الہام کے بات کرتے اور لکھتے ہیں یہی حال حواریوں کا بھی...“

عام واقعات بیان کرنے میں ہے، اس لئے پولس کے لئے یہ بات ممکن ہوئی کہ وہ تمحیص کو بغیر الہام کو یہ لکھ کہ اپنے معدہ اور اکثر کمزور رہنے کی وجہ سے ذرا کم بھی کام میں لایا کرے۔ چنانچہ اس کی تصریح تمحیص کے نام پہلے خط باب آیت ۲۳

میں موجود ہے، یا اس کو یہ لکھ سکے کہ:.....

..... جو چوغہ میں تر د آس^۱ میں کر پس کے ہاں چھوڑ آیا ہوں جب تو آخر

تو وہ اور کتابیں خاص کر رق کے طومار لیتے آنا جیسا کہ اس کے نام دوسرے

خط کے باب ۲ آیت ۱۳ میں ہے، یا قلیمون کو یہ لکھ سکے کہ:.....

..... اس کے سوا میرے لئے ٹھیرنے کی جگہ تیار کر۔ (قلیمون

آیت ۲۳) یا تمحیص کو لکھ کہ: اس شخص کو تنقہس میں رہا اور ترنس کو میں نے

میلنس میں بہار چھوڑا (۲-تمحیص ۲:۴) ظاہر ہے کہ یہ حالات میرے اپنے حالات

نہیں بلکہ مقدس پولس کے حالات ہیں، جس نے کرتھیوں کے نام پہلے خط کے باب

آیت ۱۰ میں لکھا ہے کہ: مگر جن کا بیاہ ہو گیا ہے ان کو میں نہیں، بلکہ خداوند

حکم دیتا ہے کہ بیوی اپنے شوہر سے جدا نہ ہو۔ پھر آیت ۱۲ میں ہے کہ: باقیوں سے

میں ہی کہتا ہوں، نہ خداوند اور آیت ۲۵ میں ہے: کنواریوں کے حق میں میری

پاس خداوند کا کوئی حکم نہیں، لیکن دیانتدار ہونے کے لئے، جیسا خداوند کی طرف

سے مجھ پر رحم ہوا اس کے موافق رائے دیتا ہوں الخ اور کتاب اعمال باب آیت

۱۷ میں ہے کہ: اور وہ فرد گیم اور گلتیہ کے علاقہ میں رہے گزرے، کیونکہ روح القدس

۱۔ تر د آس سے شمال میں آستہ کی ایک بند گاد تھی، کر پس ایک شخص کا نام ہے، اور رق بکری

کی جہلی کو کہنے میں جو پرانے زمانہ میں کام لے کر استعمال کی جاتی تھی ۲۔ تھی

نے انھیں آسیہ میں کلام سنانے سے منع کیا، اور انھوں نے موسیٰ کے قریب پہنچ کر بتوئیہ میں جانے کی کوشش کی، مگر یسوع کی روح نے انھیں جانے نہ دیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ حواریوں کے کاموں کی بنیاد دو چیزوں پر قائم تھی، ایک عقل دوسرے الہام، پہلی حیثیت سے وہ عام معمولی واقعات میں گفتگو کرتے تھے، اور دوسری حیثیت سے ملت عیسوی کے باب میں کلام کرتے تھے، اسی لئے حواری اپنے گھریلو معاملات اور اپنے ارادوں میں دوسرے عام انسانوں کی طرح غلطیاں بھی کر جاتے ہیں، جس کی تصریح کتاب الاعمال باب ۲۳ آیت ۳ میں اور رومیوں کے نام باب آیت ۲۴ و ۲۸ نیز کرتھیوں کے نام پہلے خط کے باب آیت ۵ و ۶ و ۸ میں اور دوسرے خط کے باب آیت ۵ و ۶ و ۷ و ۸ میں موجود ہیں،

انسائیکلو پیڈیا ریس کی جلد ۱۹ میں ڈاکٹر بنسن کے حالات میں یوں لکھا ہے کہ اُس نے الہام کے سلسلہ میں جو کچھ کہا ہے وہ بادی النظر میں آسان اور قرین قیاس اور امتحان میں لا جواب اور بے مثل ہے۔

باسوبرلیا فان کا اعتراف :

باسوبرلیا فان کہتا ہے کہ :-

”روح القدس نے جن کی تعلیم اور اعانت سے انجیل والوں اور حواریوں نے لکھا ہے، اُن کے لئے کوئی خاص زبان معین نہیں کی تھی، بلکہ ان کے دلوں میں صریح مضامین کا القاء کیا، اور غلطیوں میں پڑنے سے اُن کی حفاظت کی ان کو یہ بھی اختیار دیا کہ القاء شدہ کلام کو اپنے اپنے محاورہ اور عبارت

کے مطابق ادا کریں، اور ہم جس طرح اُن مقدسین یعنی عہد عتیق کے مؤمنوں کی کتابوں میں اُن کے محاورات میں منسرق اور لغات پاتے ہیں جس کا مدار مزاجوں اور لیاقتوں کے اختلاف پر ہے، اسی طرح جو شخص اصل زبان کا ماہر ہو گا وہ متی اور لوقا اور پولس اور یوحنا کے محاورات میں منسرق محسوس کر لے گا،

۱۱ اگر روح القدس حواریوں کے دلوں میں الفاظ بھی القاء کرنا، تو یہ بات یقیناً پیش نہ آتی، بلکہ اس صورت میں تمام کتب مقدسہ کا محاورہ یکساں ہوتا، اس کے علاوہ بعض حالات اس قسم کے بھی ہوتے ہیں کہ جن کے لئے الہام کی ضرورت نہیں ہوتی مثلاً جب وہ کوئی ایسا واقعہ لکھتے ہیں جس کو خود انھوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا یا معتبر شاہدوں سے سنا ہو لوقا نے جب اپنی انجیل لکھنے کا قصد کیا تو لکھا کہ میں نے اشیاء کا حال ان لوگوں کے بیان کے مطابق لکھا ہے، جنہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا، اور چونکہ وہ واقف تھا، اس لئے اس نے مناسب خیال کیا کہ ان چیزوں کو آئندہ نسلیں تک پہنچائے، اور وہ مصنف جس کو ان واقعات کی اطلاع روح القدس سے حاصل ہو عاداتِ یوں کہتا ہے کہ میں نے ان واقعات کو اسی طرح بیان کیا ہے جس طرح مجھ کو روح القدس نے تعلیم دی ہے، اور پولس کا ایمان اگرچہ عجیب قسم کا ہے اور من جانب اللہ ہے، مگر لوقا کو اس کے باوجود اپنے بیان میں پولس کی شہادت یا اپنے ساتھیوں کی شہادت کے سوا اور کسی کی ضرورت نہیں ہے، اسی لئے اس میں کچھ نہ کچھ تغاوت ہے، مگر تناقض نہیں۔

یہ عیسائی علماء میں سے دو عظیم الشان عالم ہیں، اور دونوں کی کتابیں بھی عیسائی دنیا میں بہت ہی معتبر ہیں، جس کی تصریح ہو رن اور ڈائن نے کی ہے،

توراة کے بارہ میں عیسائیوں کا اعتراف:

ہو رن نے جلد دوم ص ۷۹۸ میں صاف طور پر یوں کہا ہے:-

”اکمارن ان جبرمنی علماء میں سے ہے جن کو موسیٰ علیہ السلام کے الہام کا

اعتراف نہیں ہے“

پھر صفحہ ۸۱۸ میں کہتا ہے کہ:-

”شلز، واتھ اور رزن ملروڈ اکثر جیس کہتے ہیں کہ موسیٰ کو کوئی الہام نہیں

ہوتا تھا، بلکہ کتب خمسہ سب کی سب اس زمانہ کی مشہور روایات کا مجموعہ ہیں

آجکل جبرمنی علماء میں یہ خیال بڑی تیزی سے پھیل رہا ہے“

نیز وہ کہتا ہے کہ:-

یوسی بیس اور بعض بڑے بڑے محققین جو اس کے بعد ہوئے ہیں کہتے ہیں کہ

موسیٰ علیہ السلام نے کتاب پیدائش اس زمانہ میں لکھی جب کہ وہ مدین میں

اپنے خسر کی بکریاں چرا یا کرتے تھے“

ہماری گزارش یہ ہے کہ جب موسیٰ نے کتاب پیدائش نبوت سے پہلے لکھ ڈالی تھی تو

یہ کتاب بھی ان محقق علماء کے نزدیک الہامی نہیں ہو سکتی، بلکہ مشہور روایات ہی کے

سلسلہ کی ایک کڑی ہوگی، کیونکہ جب نبی کی ہر تحریر نبوت کے بعد الہامی نہیں ہو

جیسا کہ محقق ہو رن وغیرہ کا اعتراف ہے تو پھر یہ تحریر جو نبوت سے پہلے کی ہو الہامی

کیونکر ہو سکتی ہو، وارڈ کیتھولک اپنی کتاب مطبوعہ ۱۸۴۱ء کے صفحہ ۳۸ پر کہتا ہے کہ:-

”لو تھرنے اپنی کتاب کی جلد ۳ کے صفحہ ۲۰ و ۲۱ میں کہا ہے کہ نہ ہم موسیٰ کی بات سنتے ہیں نہ اس کی طرف نگاہ کرتے ہیں، کیونکہ وہ صرف یہودیوں کے لئے تھا ہم سے کسی معاملہ میں اس کا کوئی تعلق نہیں ہے،

ایک دوسری کتاب میں کہتا ہے کہ نہ ہم موسیٰ کو مانتے ہیں نہ توریت کو، کیونکہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کا دشمن ہے، پھر کہتا ہے کہ وہ جلا دوں کا استاد ہے، پھر کہتا ہے کہ احکام عشرہ کا کوئی تعلق عیسائیوں سے نہیں ہے، پھر کہتا ہے ہم ان احکام عشرہ کو خارج کر دیں گے تاکہ پھر ہر بدعت مٹ جائے، کیونکہ یہ ہی تمام بدعات کی جڑ ہیں،

اس کا شاگرد اسلی بیس کہتا ہے کہ ان احکام عشرہ کو گرجوں میں کوئی نہیں جانتا، سرقہ انٹی نو مینس اسی شخص سے جاری ہوا ہے، جس کا عقیدہ یہ تھا کہ توریت اس لائق نہیں ہے کہ اس کے متعلق یہ عقیدہ بنایا جائے کہ وہ خدا کا کلام ہے، وہ لوگ اس کے بھی قائل تھے کہ اگر کوئی شخص زانی یا بدکار ہو، یا دوسرے گناہوں کا مرتکب ہو تو وہ یقینی طور پر نجات کا مستحق ہے، خواہ وہ گناہوں میں کتنا ہی ڈوبا ہوا ہو، بلکہ اس کی تہ میں ہو، بشرطیکہ مومن ہو تو وہ راحت اور خوشی میں ہوگا، اور جو لوگ ان احکام عشرہ کی جانب اپنے کو متوجہ کرتے ہیں ان کا تعلق شیطان سے ہے، ان لوگوں نے ہی عیسیٰ علیہ السلام کو پھانسی دی تھی“

ملاحظہ کیجئے سرقہ پردٹسٹنٹ کے امام اور اس کے شاگرد رشید کے اقوال کہ ان دونوں نے موسیٰ علیہ السلام اور تورات کی شان میں کیسے کیسے موتی بکھیر دی ہیں

سوال یہ ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام کے دشمن اور جلاوطن کے استاد اور صرف یہودیوں کے لئے تھے، اور نہ توریت خدائی کتاب ہی، اور نہ عیسائیوں کا کوئی تعلق موسیٰ اور توریت اور نہ احکام عشرہ سے ہے، اور یہ احکام قابل اخراج بھی ہیں اور بدعات کا سرچشمہ بھی، اور جو لوگ اُن سے تعلق رکھتے ہیں، ان کا تعلق شیطان سے ہے، تو ضروری ہوا کہ اس امام کی پیروی کرنے والے توریت اور موسیٰ کے بھی منکر ہوں، اور شرک و بت پرستی، والدین کی بے حرمتی، پڑوسیوں کو ایذا رسانی، چوری، زنا، قتل، جھوٹی شہادت، یہ تمام چیزیں مذہب پرڈسٹنٹ کے ضروری احبزاء اور لازمی ارکان ہوں، کیونکہ یہ سب باتیں احکام عشرہ کے خلاف ہی ہیں، جو تمام بدعات کا سرچشمہ ہیں،

اس سرقة کے بعض لوگوں نے ہم سے یہی کہا کہ ہمارے نزدیک موسیٰ نبی نہیں ہیں، بلکہ ایک دانشمند اور قوانین کو مدون کرنے والے شخص تھے، بعض دوسرے اشخاص نے یہ بھی کہا کہ موسیٰ ہمارے خیال میں ایک چور اور ٹیڑھے تھے۔ ہم نے کہا خدا سے ڈرو، کہنے لگا، کیوں؟ اس لئے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے خود فرمایا ہے کہ:- ”جتنے مجھ سے پہلے آئے سب چور اور ڈاکو ہیں مگر بحیثیت اُن کی نہ سنی جس کی تصریح انجیل یوحنا کے باب آیت ۸ میں موجود ہے، گویا اس کلام سے کہ ”جتنے مجھ سے پہلے آئے“ موسیٰ اور دوسرے اسرائیلی پیغمبروں کی جانب اشارہ ہے، ہمارا خیال یہ ہے کہ غالباً سرقة پرڈسٹنٹ کے امام اور اس کے شاگرد رشید موسیٰ اور توریت کی مذمت میں حضرت عیسیٰ کے اسی قول سے استدلال کیا ہوگا۔

یعقوب کے خط اور مشاہدات یوحنا کے بارہین علی علمار کا اعتراف

فرقہ پر وٹسٹنٹ کا امام لو تھر یعقوب کے رسالہ کی نسبت کہتا ہے۔

”یہ ایسا کلام ہے جو شمار کئے جانے کے لائق نہیں ہے، چنانچہ یعقوب حواری

نے اپنے رسالہ کے باب میں حکم دیا ہے کہ اگر تم میں کوئی بیمار ہو تو کلیسا کے

بزرگوں کو وہ بلاؤ، اور خداوند کے نام سے اس کو تیل مل کر اُس کے لئے دعا کریں“

امام مذکور نے اپنی کتاب کی حبلہ میں اس پر اعتراض کرتے ہوئے کہا ہے کہ :-

”اگر یہ شرط یعقوب کی ہے تو پھر میرا جواب یہ ہے کہ کسی حواری کو یہ حق نہیں

پہنچتا کہ وہ اپنی طرف سے کسی شرعی حکم کو معین کرے، کیونکہ یہ منصب صرف

عینی علیہ السلام کو حاصل تھا“

لہذا امام مذکور کے نزدیک یعقوب کا رسالہ الہامی نہیں ہے، اسی طرح حواریوں کے

احکام بھی الہامی نہیں ہیں، ورنہ پھر اس کہنے کا کوئی مطلب نہیں نکلتا، کہ یہ منصب

صرف عینی علیہ السلام کو حاصل تھا،

وارڈ کیتھولک اپنی کتاب مطبوعہ ۱۸۴۱ء کے صفحہ ۳ میں کہتا ہے کہ :-

”یومرن جو فرقہ پر وٹسٹنٹ کا ایک زبردست عالم ہے اور جناب لو تھر

کا شاگرد بھی ہے یوں کہتا ہے کہ یعقوب اپنے رسالہ کو داہیات باتوں میں

ختم کرتا ہے، اور کتابوں سے ایسے واقعات نقل کرتا ہے جس میں روح القدس

کو کوئی دخل نہیں، اس لئے ایسی کتاب الہامی شمار نہیں کی جاسکتی،

والی تس تصیوڈ ورتش پر وٹسٹنٹ کے جو نرم برگ میں واعظ تھا کہ ہم نے

جان کر مشاہدات یوحنا چھوڑ دیا ہے، اسی طرح یعقوب کے رسالہ کو اور رسالہ
 یعقوب ان بعض مقامات پر قابل ملامت نہیں ہے جو ایمان کے ساتھ اعمال
 کی ترقی کا ذریعہ ہیں، بلکہ اس میں مسائل اور مطالب متضاد واقع ہیں، مکیڈی
 برجن سنٹیورس کہتا ہے کہ یعقوب کا رسالہ ایک جگہ حواریوں کے مسائل سے
 منفرد ہے، وہ کہتا ہے کہ نجات صرف ایمان پر موقوف نہیں ہے، بلکہ اعمال پر بھی
 موقوف ہے، اور ایک جگہ کہتا ہے کہ توریت آزادی کا قانون ہے۔

ان بیانات سے پتہ چلتا ہے کہ یہ بڑے بڑے لوگ بھی یعقوب کے رسالہ کا الہامی
 ہونا تسلیم نہیں کرتے جس طرح اُن کا امام نہیں مانتا،

کلی می شیس کا اعتراف:

کلی می شیس کہتا ہے کہ:-

”متی اور مرقس تحریر میں ایک دوسرے کے مخالف ہیں، مگر جب دونوں
 کسی بات پر متفق ہو جائیں تو ان دونوں کی بات کو لوقا کی بات پر ترجیح
 حاصل ہوتی ہے۔“

ہم کہتے ہیں کہ اس سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں، اول تو یہ کہ متی اور مرقس کی بعض
 تحریروں میں معنوی اختلاف موجود ہے، اور دونوں کے متفق ہونے پر ان کی بات
 لوقا کی بات پر راجح ہوگی، کیونکہ لفظی اتفاق تو کسی بھی واقعہ میں موجود نہیں ہے،
 یہ تینوں انجیلیں الہامی نہیں ہیں، ورنہ پہلی دو کی ترجیح کی کوئی وجہ تیسری کے
 اوپر نہیں ہو سکتی، محقق پہلی نے ایک کتاب اسناد میں تصنیف کی ہے، یہ شخص فرقہ
 پر دسٹنٹ کے معتبر علماء میں شمار کیا جاتا ہے، یہ کتاب ۱۸۵۰ء میں طبع ہو چکی ہے،

اس کے صفحہ ۳۲۳ پر یوں کہتا ہے کہ :-

”دوسری غلط بات جو متقدمین عیسائیوں کی جانب منسوب کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ وہ لوگ قرب قیامت کے معتقد تھے، حالانکہ میں اعتراض سے قبل ایک ایک دوسری نظیر پیش کرتا ہوں، وہ یہ کہ ہمارے خدا نے یوحنا کے حق میں پطرس سے یہ کہا کہ اگر میں چاہوں کہ یہ میرے آنے تک ٹھہرا رہے تو تجھ کو کیا؟ اس قول سے مقصد کے خلاف یہ معنی سمجھ لئے گئے کہ یوحنا نہیں مرے گا، پھر یہ خبر عوام میں پھیل گئی، غور کیجئے، اگر یہ بات رائے عامہ بننے کے بعد ہم تک پہنچے اور وہ سبب معلوم نہ ہو سکے، جس سے یہ خطرناک غلطی پیدا ہوئی ہے، اور آج کوئی شخص ملت عیسوی کی تردید کے لئے اس غلط بات سے استدلال کرے، تو یہ امر اس چیز کے پیش نظر جو ہم تک پہنچی ہے بڑا ہی ظلم ہوگا، اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ انجیل سے یہ بات یقینی معلوم ہوتی ہے کہ حواری اور متقدمین مسیحی حضرات اپنے زمانہ میں قیامت دافع ہونے کی توقع رکھتے تھے ایسے لوگوں کو ہمارے اس بیان کو پیش نظر رکھنا چاہئے جو ہم نے اس پرانی اور ناپائدار غلطی کی نسبت دیا ہے، اس غلطی نے اُن کو فریب ہی سے تو بچا لیا مگر اب ایک دوسرا سوال پیدا ہوتا ہے، وہ یہ کہ ہم تسلیم کر لیتے ہیں کہ حواریوں کی رائے میں بھول کا امکان ہی، تو پھر ان کی کسی بات پر کیسے اعتماد کیا جاسکتا ہے؟

۱۰ دیکھئے یوحنا، ۲۱: ۲۲،

۱۱ ”لیکن یسوع نے اس سے یہ نہیں کہا تھا کہ یہ نہ مرے گا، بلکہ یہ کہ اگر میں چاہوں کہ یہ میرے آنے تک ٹھہرا رہے تو تجھ کو کیا؟ (یوحنا، ۲۱: ۲۳)

اس کے جواب میں ملت مسیحی کے حامیوں کی جانب سے منکرین کے مقابلہ میں یہ کہنا کافی ہو گا کہ ہم کو حواریوں کی شہادت مطلوب ہی، خود ان کی رائے سے ہم کو کوئی مطلب نہیں ہے، اور اصل مقصود مطلوب ہوا کرتا ہے، اور وہ نتیجہ کے لحاظ سے محفوظ ہے، لیکن اس کے جواب میں دو باتوں کا لحاظ ضروری ہوتا کہ تمام خطرہ دور ہو جائے:

اڈل یہ کہ حواریوں کے بھیجے جانے کا مقصود واضح ہو جائے، اور ان کے اظہار سے وہ بات ثابت ہو گئی ہے جو یا تو اجنبی تھی، یا اس کے ساتھ اتفاقاً مخلوط ہو گئی تھی، اور ان کو ایسی باتوں کی نسبت کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے جو صراحۃً دین سے بے تعلق ہیں، مگر جو چیزیں اتفاقاً مقصود کے ساتھ گڈ مڈ ہو گئی ہیں ان کی نسبت کچھ نہ کچھ کہنا ہو گا، ایسی ہی چیزوں میں سے جنات کا تسلط بھی ہے، جن لوگوں کا یہ خیال ہو کہ یہ غلط رائے اس زمانہ میں عام ہو گئی تھی، اس بناء پر انجیل کے مؤلفین اور اس عہد کے یہودی بھی اس میں مبتلا ہو گئے، تو یہ بات ماننا ضروری ہے کہ اس سے "ملت عیسوی" کی سچائی کی نسبت کوئی اندیشہ نہیں پیدا ہوتا، کیونکہ یہ مسئلہ ان مسائل میں سے نہیں ہے جو عیسیٰ علیہ السلام نے کرائے تھے، بلکہ مسیحی اقوال کے ساتھ اس ملک میں رائے عامہ بن جانے کی وجہ سے اتفاقاً مخلوط ہو گیا ہے، اور ارداداح کی تاثیر کے معاملہ میں لوگوں کی رائے کی اصلاح کرنا نہ تو ان کے پیغام کا جزو ہے نہ اُس کو شہادت سے کسی نوع کا بھی تعلق ہے،

دوسرے اُن کے مسائل اور دلائل کے درمیان امتیاز کیا جائے، ظاہر

ہر کہ ان کے مسائل تو الہامی ہیں، مگر وہ اپنے اقوال کی توضیح و تقویت کے سلسلہ میں کچھ دلائل اور تائیدات پیش کرتے ہیں، مثلاً یہ مسئلہ کہ غیر یہود میں سے اگر کوئی شخص عیسائیت قبول کرتا ہے، تو اس پر شریعت مومنوہ الہامیہ کی اعلیٰ واجب نہیں ہے، حالانکہ اس کی سچائی معجزات سے ثابت ہو چکی ہے، پولس جب اس مسئلہ کو ذکر کرتا ہے تو اس کی تائید میں بہت سی باتیں ذکر کرتا ہے، تو مسئلہ تو واجب تسلیم ہے، لیکن کوئی ضروری نہیں ہے کہ ہم حواریوں کے تمام دلائل اور تشبیہات کی حمایت ملت مسیحی کی حمایت کے لئے کریں، اور اس امر کا لحاظ دوسرے مقامات پر بھی کیا جائے گا، اور یہ بات مجھ کو کامل طور پر محقق ہو چکی ہے کہ اہل اللہ جب کسی بات پر متفق ہو جائیں تو ان کے مقدمات سے جو نتیجہ بھی برآمد ہو گا وہ واجب تسلیم ہو گا، مگر یہ بات ہمارے لئے ضروری نہیں کہ ہم ان تمام مقدمات کی تشریح کریں یا ان کو قبول کریں، البتہ ایسی صورت میں جب کہ انہوں نے نتیجہ کی طرح مقدمات کا بھی اعتراف کیا ہو تو بیشک وہی واجب تسلیم ہو سکتے ہیں۔

ہم کہتے ہیں کہ اس کے بیان سے چار فوائد حاصل ہوئے :-

اول یہ کہ حواری اور متقدمین عیسائی اپنے زمانہ میں وقوع قیامت کا اعتقاد رکھتے تھے، اور یہ کہ یوحنا قیامت تک نہیں مرے گا، ہمارا خیال ہے کہ یہ بالکل صحیح ہے، کیونکہ فصل ۳ کی قسم ۲ میں اغلاط کے بیان کے سلسلہ میں یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ ان کے اقوال اس باب میں بالکل صریح ہیں کہ قیامت اُن کے زمانہ میں واقع ہوگی

مفسر یارنس، انجیل یوحنا کے باب ۲ کی شرح میں یوں کہتا ہے کہ :-

”یہ غلطی کہ یوحنا نہیں مرے گا، عیسیٰ علیہ السلام کے اُن الفاظ سے پیدا ہوئی ہے جو آسانی غلطی میں مبتلا کر سکتے ہیں، اور اس بات سے اس میں مزید پختگی ہو گئی کہ یوحنا تمام حواریوں کے مرنے کے بعد بھی زندہ تھا۔“

ہنری واسکاٹ کی تفسیر کے جامعین نے کہا ہے کہ :-

”غالب یہ ہے کہ مسیح کے اس قول کا مقصد یہودیوں سے انتقام لینا ہے، مگر حواری اس سے یہ سمجھے کہ یوحنا قیامت تک زندہ رہے گا، یا زندہ جنت میں اٹھالیا جائے گا۔“

پھر وہ کہتے ہیں کہ :-

اس مقام پر یہ بات بھی سمجھ لو کہ انسان کی روایت بلا تحقیق بھی ہوتی ہے اور اس پر ایمان کی بنیاد قائم کرنا حماقت ہے، کیونکہ یہ روایت حواریوں کی روایت ہے جو لوگوں میں شائع اور منتشر درائج ہو گئی تھی، اس کے باوجود وہ جھوٹی تھی پھر اب تخریر میں نہ آئی ہوئی روایتوں پر کس قدر کم اعتبار ہوگا؟ اور یہ تفسیر ہماری روایت ہے، عیسیٰ کا کوئی جدید قول نہیں، اس کے باوجود غلط ہے۔“

پھر حاشیہ میں کہتے ہیں کہ :-

”حواریوں نے الفاظ کو غلط سمجھا جس کی تصریح انجیل نے کی ہے، کیونکہ ان کے دماغوں میں یہ بات بیٹھی ہوئی تھی کہ خدا کی آمد محض عدل کے لئے ہوگی۔“

اسے آپس عقابیتوں میں یہ بات مشہور ہو گئی کہ وہ شاگرد نہ مرے گا، لیکن یسوع نے اس سے یہ نہیں کہا تھا کہ یہ نہ مرے گا۔ (یوحنا، ۲۱: ۲۳)

راتے کے خلاف ہے، اس لئے یہ بھی کوئی وزن دار نہیں رہی، کیونکہ جناب لو تفسر کے نزدیک تو کسی حواری کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اپنی جانب سے کوئی حکم شرعی معتبر کرے، اس لئے کہ یہ منصب صرف حضرت عیسیٰ کو حاصل ہے، لہذا حواریوں کے مسائل اور احکام بھی الہامی نہ ہوتے،

فرقہ پروٹسٹنٹ کے دوسرے علماء کے اعترافات:

وارڈ کیٹھولک نے اپنی کتاب مطبوعہ ۱۸۴۱ء میں فرقہ پروٹسٹنٹ کے معتبر علماء کے اقوال نقل کئے ہیں، اور اس کتاب میں منقول عنہ کتابوں کے نام بھی بیان کئے ہیں، ہم اس کے کلام سے ۹ اقوال نقل کرتے ہیں:-

① ”زڈیکلیس وغیرہ فرقہ پروٹسٹنٹ والے کہتے ہیں کہ پولس کے رسالوں میں

درج شدہ تمام کلام مقدس نہیں ہے، بلکہ چند واقعات میں غلط ہے“

② ”سٹر فلک نے پطرس حواری کی جانب غلط بیانی کی نسبت کی ہے، اور

اس کو انجیل سے ناواقف قرار دیا ہے،

③ ”ڈاکٹر کوڈر اُس مباحثہ کے ضمن میں جو اس کے اور فادر کیم کے درمیان ہوا تھا

کہتا ہے کہ: پطرس نے روح القدس کے نزول کے بعد ایمان کے باب میں

غلطی کی“

④ ”برٹش جس کو جوئل نے فاضل دمرشد کا لقب دیا ہے، یوں کہتا ہے کہ:

رئیس الحواریین جناب پطرس اور برنبا نے روح القدس کے نزول کے بعد

غلط بیانی کی، اسی طرح یروشالیم کے گرجا نے بھی“

⑤ ”جان کالون کہتا ہے کہ پطرس نے گرجا میں بدعت کا اضافہ کر دیا، اور مسیحی

آزادی کو خطرہ میں ڈال دیا، اور مسیحی توفیق کو دُر پھینک دیا۔

① ”میکڈی برجنس نے حواریوں کی طرف بالخصوص پولس کی جانب غلط بیانی کو منسوب کیا ہے؟“

② ”والی ٹیکر کہتا ہے کہ عروجِ مسیح اور روح القدس کے نزول کے بعد تمام گرجوں کے نہ صرف عوام بلکہ خواص نے بھی بلکہ حواریوں نے بھی، غیر اسرائیلیوں کو ملتِ مسیحی کی دعوت دینے میں سخت غلطی کی، اور پولس نے رسوم میں بھی غلطیاں کیں، اور ایسی عظیم غلطیاں حواریوں سے روح القدس کے نزول کے بعد سرزد ہوئیں۔“

③ ”زنکلیس نے اپنے رسالہ میں کالوین کے بعض پیروؤں کا حال ذکر کیا ہے کہ انھوں نے کہا کہ اگر پولس جیوا میں آئے اور کالوین کے مقابلہ میں دعوے تو ہم پولس کو چھوڑ دیں گے اور کالوین کی بات سنیں گے۔“

④ ”لوانتھردس لوٹھر کے متبعین میں سے بعض بڑے علماء کے حال کو نقل کرتے ہوئے کہتا ہے کہ ان کا قول ہے کہ ہمارے لئے یہ تو ممکن ہے کہ ہم پولس کے کسی مسئلہ میں شک کریں، مگر لوٹھر کے کسی مسئلہ میں شک کرنے کی گنجائش ہمارے یہاں نہیں ہے، اسی طرح اسپرگ کے کلیسا کے عقائد کا کتاب میں شک ناممکن نہیں ہے۔“

جن علماء کے اقوال بیان ہوئے یہ فرقہ پروٹسٹنٹ کے اپنے طبقہ کے لوگ ہیں جنھوں نے طے کر دیا ہے کہ عہدِ جدید کا تمام کلام الہامی نہیں ہے، اور حواریوں کی غلط کاری بھی مان لی ہے،

ایکھارن اور جرمنی علماء کا اعتراف:

فاضل ٹورٹن نے ایک کتاب اسناد میں تصنیف کی ہے جو شہر بوٹن میں ۱۸۲۷ء

میں طبع ہو چکی ہے، اس کتاب کی حبلہ کے زیباچہ میں لکھتا ہے کہ:-

”ایکھارن نے اپنی کتاب میں کہا ہے کہ مذہب عیسوی کے آغاز میں مسیح کے حالات

میں ایک مختصر رسالہ موجود تھا، جس کی نسبت یہ کہنا ممکن ہے کہ اصلی انجیل وہی ہے

اور غالب یہ ہے کہ یہ انجیل ان مریدین کے لئے تھی جنہوں نے اپنے کانوں سے

مسیح کے اقوال نہیں سنے تھے، اور اس کے احوال اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھے

تھے، یہ انجیل بمنزلہ قالب کے تھی، اور مسیح کے احوال اس میں ترتیب وار

درج نہ تھے۔“

غور کیجئے اکھارن کے دعوے کے بموجب یہ انجیل آجکل کی مردہ انجیلوں سے

انتہائی حد تک مختلف تھی، موجودہ اناجیل اُس انجیل کی طرح بمنزلہ قالب کے نہیں

ہیں، کیونکہ یہ اناجیل بڑی مشقت اور دشواری سے لکھی گئی ہیں، اور ان میں یسوع

کے بعض ایسے احوال موجود ہیں جو اُس میں نہ تھے،

نیز یہ انجیل ابتداءً دو صدیوں میں رائج ہونے والی تمام انجیلوں کا ماخذ تھی،

اسی طرح متی اور لوقا اور مرقس کی انجیلوں کی اصل بھی یہی تھی، مگر یہ تینوں انجیلیں

دوسری تمام انجیلوں سے فوقیت حاصل کر گئیں، کیونکہ ان تینوں انجیلوں میں بھی اگرچہ

کمی اور نقص موجود ہے، مگر یہ اُن لوگوں کے ہاتھ آ گئیں، جنہوں نے اس نقصان کی

تلافی کر دی، اور ان لوگوں نے ان انجیلوں سے بیزاری اور دستبرداری اختیار کر لی

جو مسیح کی نبوت کے بعد پیش آنے والے احوال پر مشتمل تھیں، جیسے: رسیون کی انجیل

ٹے شن وغیرہ کی انجیل، اُنہوں نے ان میں اور دوسرے احوال کا بھی اضافہ کر دیا، مثلاً نسب کا بیان، ولادت کا حال، بلوغ وغیرہ کا بیان، یہ بات ایک تو اس انجیل سے واضح ہوتی ہے جو تذکرہ کے نام سے مشہور ہے، اور اس سے جسٹن نے نقل کیا، دوسرے سرن تھس کی انجیل سے بھی معلوم ہوتی ہے، ان انجیلوں کے جو احزاب ہم تک پہنچے ہیں اگر ان کا آپس میں مقابلہ کیا جائے تو یہ بات واضح ہو سکتی ہے کہ یہ اضافہ تدریجاً ہوا ہے، مثلاً وہ آواز جو آسمان سے سنی گئی تھی اصل میں یوں تھی کہ ”تو میرا بیٹا ہے میں نے آج تجھ کو جنا ہے“ جیسا کہ جسٹن نے رد جگہ نقل کیا ہے، اور کلیمنس نے یہ فقرہ ایک مجہول الحال انجیل سے نقل کیا ہے جو یہ ہے کہ ”تو میرا محبوب بیٹا ہے میں نے آج تجھ کو جنا ہے“ اور عام انجیلوں میں اس طرح ہے کہ ”تو میرا پیارا بیٹا ہے تجھ سے میں خوش ہوں“ جیسا کہ مرقس نے اپنی انجیل کے باب آیت ۱۱ میں نقل کیا ہے، اور ایوانی کی انجیل نے دونوں عبارتوں کو یوں جمع کر دیا کہ ”تو میرا وہ محبوب بیٹا ہے جس سے میں خوش ہوں اور میں نے تجھ کو آج جنا ہے“ جس کی تصریح اپنی فائیس نے کی ہے،

اور میں تاہیخ کا اصل متن ان تدریجی زیادتیوں اور بے شمار الحاقات کے ذریعہ ایسا مخلوط اور گڈ مڈ ہو گیا کہ امتیاز باقی نہیں رہا، جو صاحب چاہیں اپنے قلمی اطمینان کے لئے میسج کے اصطلاح کا حال جو مختلف انجیلوں سے جمع کیا گیا ہے، ملاحظہ فرمائیں، اس خلط و اختلاط کا نتیجہ یہ نکلا کہ سچ اور جھوٹ، سچے واقعات اور جھوٹے قصے جو کسی طویل روایت میں جمع ہو گئے تھے اور بد شکل بن گئے تھے، وہ آپس میں

اس طرح گھل مل گئے کہ خدا کی پناہ، پھر یہ قصے جوں جوں ایک زبان سے دوسری تک منتقل ہوتے گئے اسی حساب سے انھوں نے بدترین اور مکروہ شکل اختیار کر لی، پھر کلیسا نے دوسری صدی کے آخر میں یا تیسری صدی کے آغاز میں یہ چاہا کہ سچی انجیل کی حفاظت کرے، اور آئندہ آنے والی امتوں اور قوموں کو امکانی حد تک صحیح حالاً پہنچائے تو اس زمانہ کی مردجہ انجیلوں میں ان چار انجیلوں کا اس لئے انتخاب کیا کہ وہ معتبر اور مکمل نظر آئیں، غرض یہ کہ متی اور لوقا اور مرقس کی انجیل کا کوئی بہتہ نشان دوسری صدی کے آخر یا تیسری صدی کی ابتداء سے نہیں پایا جاتا پھر سب سے پہلے جس شخص نے ان انجیلوں کا ذکر کیا ہے وہ تھیودوروس سیساریوس ہے، اور اس نے ان کی تعداد پر بعض دلائل بھی پیش کئے ہیں،

پھر اس سلسلہ میں ایک زبردست کوشش کلیمنس اسکندریانوس نے ۲۱۶ء میں کی، اور اس نے ظاہر کیا کہ چاروں انجیلیں واجب تسلیم ہیں، اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ کلیسا نے دوسری صدی کے آخر یا تیسری صدی کے شروع میں اس امر کی زبردست کوشش کی تھی کہ عام طور پر یہ چاروں انجیلیں جن کا وجود پہلے سے تھا، تسلیم کر لی جائیں، اگرچہ یہ تمام واقعات کے اعتبار سے اس لائق نہ تھیں، اور یہ بھی چاہا کہ لوگ انکے علاوہ دوسری انجیلوں کو چھوڑ دیں اور ان چاروں کو مان لیں،

اور اگر کلیسا اس صل انجیل کو جو گذشتہ داعظوں کو اپنے داعظوں کی تصدیق کے لئے مل گئی تھی، الحاقات سے مجر د اور پاک کر دیتا، انجیل یوحنا کو ان کے ساتھ شامل کر لیتا، تو آنے والی نسلیں اس کی بہت ہی شکر گزار ہوتیں، مگر یہ بات اس کے لئے اس بنا پر ممکن نہ تھی کہ کوئی نسخہ بھی الحاق سے خالی نہ تھا، اور وہ ذرائع ناپید

تھے جن سے اصل میں اور الحقائق میں امتیاز کیا جائے،

پھر اکہار ان حاشیہ میں کہتا ہے :-

بہت سے مقدمین کو ہر ری ان انجیلوں کے بیشتر اجزاء میں شک تھا، اور وہ

اس کی تفصیل پر قادر نہ ہو سکے۔

پھر کہتا ہے کہ :-

”ہمارے زمانہ میں طباعت کی صنعت کی موجودگی کی وجہ سے کسی شخص کے لٹو

کسی کتاب میں تحریف کرنا ممکن نہیں ہے اور نہ یہ بات سنی گئی ہے، مگر اس

زمانہ کی حالت جب کہ یہ صنعت ایجاد نہیں ہوئی تھی اس زمانہ سے مختلف ہوا

اس لئے ایک نسخہ جو کسی کا ملوک تھا اس کے لئے اس نسخہ میں تحریف کرنا ممکن تھا،

اس نسخہ سے متعدد نسخے نقل کئے گئے، اور یہ بات محقق نہ ہو سکی کہ یہ نسخہ صرف

مصنف کے کلام پر مشتمل ہی یا نہیں، پھر یہ نقول لاغلی کی وجہ سے پھینتی چلی گئیں

اور بہت سے نسخے درمیانی دور کے لکھے ہوئے اب بھی موجود ہیں، اور الحاقی

عبارتوں اور ناطق عبارتوں میں ایک دوسرے کے موافق ہیں، اور بہت سے

مرشدین کو آپ دیکھیں گے کہ وہ اس بات کی بڑی شکایت کرتے ہیں کہ کتابوں

اور نسخوں کے مالکوں نے ان کتابوں کی تصنیف کے تھوڑی مدت اُن میں تحریف

کر ڈالی تھی، اور دیوانی شمس کے رسالوں میں اُن کی نقول کے منقتر ہونے سے

پہلے ہی تحریف کر دی گئی،

اسی طرح ان کی شکایت یہ بھی ہے کہ ابلیس کے شاگردوں نے ان کتابوں

میں گندگی داخل کر دی، بعض چیزوں کو خارج کر دیا، اور کچھ چیزیں اپنی جانب

سے بڑھادیں، اس شہادت کی بناء پر کتب مفت رسہ محفوظ نہیں رہیں، اگرچہ اس دور کے لوگوں کی عادت تحریف کی نہ تھی، اس لئے کہ اس زمانہ کے مصنفین نے اپنی کتابوں کے آخر میں لعنتیں اور مغلف قسبیں دی تھیں، تاکہ کوئی شخص اُن کے کلام میں تحریف نہ کرے، اور یہ واقعہ عیسیٰ کی تاریخ کے ساتھ بھی پیش آیا، ورنہ پھر سلسلہ کو یہ اعتراض کرنے کی کیا ضرورت تھی، کہ ان لوگوں نے اپنی انجیلوں میں تین بار یا چار بار بلکہ اس سے بھی زیادہ تحریف کی، اور بعض انجیلوں میں بعض وہ فقرے جو مسیح کے بعض حالات پر مشتمل تھے، اور مختلف انجیلوں میں متفرق تھے، کیونکر جمع ہو گئے؟ مثلاً ایوئی کی انجیل میں مسیح کے اصطباغ کے تمام وہ حالات موجود ہیں جو پہلی تینوں انجیلوں میں اور تذکرہ میں (جس سے جسن نے نقل کئے ہیں) متفرق جگہ تھے اس کی تصریح اپنی فائیس نے کی ہے۔“

پھر اکہارن ایک دوسرے مقام پر کہتا ہے کہ:-

”جن لوگوں میں تحقیق کی استعداد نہ تھی وہ ان انجیلوں کے ظہور کے وقت ہی سے گھٹانے بڑھانے، اور لفظ کو اس کے مراد لفظ سے تبدیل کرنے میں مشغول ہو گئے، اور اس میں کوئی تعجب بھی نہیں، کیونکہ عیسوی تاریخ کی ابتداء سے لوگوں کا عام مزاج اور عادت یہ رہی کہ وہ وعظ کی عبارتوں کو اور مسیح کے اُن حالات کو جو اُن کے پاس محفوظ تھے اپنے علم کے مطابق بدلتے رہتے تھے، اور یہ قانون جس کو پہلے طبقہ والوں نے جاری کیا تھا، دوسرے اور تیسرے طبقہ میں بھی جاری رہا، اور یہ عادت دوسری صدی میں اس قدر شہرت کے درجہ کو پہنچی

۱۷ دوسری صدی کا ایک بت پرست عالم ۱۲

ہوئی تھی، کہ دین مسیحی کے مخالفین بھی اس سے واقف تھے، چنانچہ سلسوس
عیسائیوں پر اعتراض کرتا ہے کہ انھوں نے اپنی انجیلوں میں تین بار یا چار مرتبہ
بلکہ اس سے بھی زیادہ تبدیلیاں کیں، اور وہ بھی ایسی کہ انجیلوں کے مضامین و
مطالب بھی بدل گئے، کلیمنس نے بھی ذکر کیا ہے کہ دوسری صدی کے آخر
میں کچھ لوگ ایسے ہوئے ہیں جو انجیلوں میں تحریف کیا کرتے تھے، اور اس
تحریف کی نسبت کہتا ہے کہ انجیل متی باب آیت ۱۱ میں اس فقرہ کے عوض
لیں کہ ”آسمان کی بادشاہی انہی کی ہے“ بعض نسخوں میں یہ فقرہ ہے کہ ”وہ لوگ
کامل ہوں گے“ اور بعض نسخوں میں یہ جملہ ہے کہ ”وہ ایسا مقام پائیں گے جہاں
ان کو کوئی اذیت ہوگی“

اکھارن کا یہ قول نقل کرنے کے بعد ٹورٹن کہتا ہے کہ :-

”کسی شخص کا گمان یہ نہیں ہے کہ فقط اکھارن کی رائے ہے، کیونکہ جرمنی میں
..... اس کی کتاب کے مقابلہ میں کسی کتاب کو بھی قبول عام نصیب نہیں
ہوا، اور انا جیل کی نسبت جرمنی کے متاخرین علماء میں سے بیشتر کی رائے کے
موافق ہے، اسی طرح اُن چیسزدوں میں بھی جن سے انجیلوں کی سچائی پر الزام عائد
ہوتا ہے“

اور چونکہ ٹورٹن انجیل کا حامی ہے اس لئے اس نے اکھارن کے کلام کو نقل کرنے کے
بعد اس کی تردید کی ہے جس میں کوئی بھی قابل التفات چیز نہیں ہے، جیسا کہ اس کے

۱۔ پورا فقرہ یہ ”مبارک ہیں وہ جو راستبازی کے سبب ستائے گئے ہیں، کیونکہ آسمان کی بادشاہی
انہی کی ہے“ (۵ : ۱۰) ،

مطالعہ کرنے والے پر یہ بات مخفی نہیں رہ سکتی، اس کے باوجود اس نے یہ اعتراف کیا ہو کہ ان انجیلوں کے سات مقامات ذیل محرف اور الحاقی ہیں، مؤلفین انجیل کے نہیں ہیں۔
۱۔ اپنی کتاب کے صفحہ ۵۳ میں اس باب کی تصریح کی ہے کہ ”انجیل متی کے پہلے دو باب اس کی تصنیف نہیں ہیں“

۲۔ صفحہ ۶۳ میں کہا ہے کہ۔

”یہودا سکر یوتی کا واقعہ جو انجیل متی باب ۲۷ میں مذکور ہے آیت ۳

تا آیت ۱۰ بالکل جھوٹا ہے اور بعد میں بڑھایا گیا ہو“

۳۔ اسی طرح باب مذکور کی آیت ۵۲ و ۵۳ دونوں الحاقی ہیں،

۴۔ صفحہ ۷۰ پر کہا ہے کہ انجیل مرقس باب کی ۱۲ آیتیں از ۹ تا ۲۷ من گھڑت ہیں،

۵۔ صفحہ ۸۹ میں کہا ہے کہ ”انجیل لوقا باب ۲۲ آیت ۴۳ و ۴۴ الحاقی ہیں۔“

۱۵۔ یعنی حضرت مسیح علیہ السلام کو گرفتار کرانے کے بعد اپنے آپ کو پھانسی دینے اور کعبیت کی فروختگی کا واقعہ جو صفحہ ۴۳ پر چھپے گزر چکا ہو، وہاں اس سلسلہ میں مختلف انجیلوں کے اختلافات ملاحظہ کئے جاسکتے ہیں۔
۱۶۔ اور قبریں کھل گئیں، اور بہت سے جسم ان مقدسوں کے جو سو گئے تھے جی اٹھے، اور ان کے جی اٹھنے کے بعد قبروں سے نکل کر مقدس شہر میں گئے اور بہتوں کو دکھائی دیے (۲۷: ۵۳) تفصیل سیر ملاحظہ ہو کتاب ۱۶
۱۷۔ ان آیات میں حضرت مسیح کے دوبارہ زندہ ہونے کے واقعات مذکور ہیں، اور اس میں چند در چند غلطیاں ہیں جن کی تفصیل علی الترتیب صفحہ ۲۴ کے حاشیہ دس ۵۱۶ و ۵۱۷ پر گند چکی ہے ۱۲

۱۸۔ اس میں حضرت مسیح کی میت پھانسی سے ایک رات قبل جبل زیتون پر جانے کا واقعہ مذکور ہے، اور کہا گیا ہے کہ ”اور آسمان سے ایک فرشتہ اس کو دکھائی دیا، وہ اسے تعویذ دیتا تھا، پھر وہ سخت پریشانی میں مبتلا ہو کر اور بھی دلسوزی دعا کرنے لگا، اور اس کا پسینہ گویا خون کی بڑی بڑی بوندیں ہو کر زمین پر ٹپکتا تھا“ (لوقا، ۲۲: ۴۳ و ۴۴) لیکن ہورن نے اس آیت کو صحیح اور اسے حذف کرنے کو غلط کہا ہے (دیکھئے ۵۸، ۵۹)
نیز آخری جلد میں چھٹے باب کے عنوان ”ساتویں بات“ صفحہ ۱۱۵ کے حاشیہ پر ہم نے اس آیت کے سلسلہ میں

۱۶ صفحہ ۸۴ پر کہتا ہے کہ :-

”انجیل یوحنا باب کی آیت ۳۴ کی مندرجہ ذیل آیت الحاقی ہے :-
پانی کے ہلنے کے منتظر ہو کر..... کیونکہ وقت پر خداوند کا سرشتہ حوض پر
اُتر کر پانی بلا یا کرتا تھا، پانی ہلتے ہی جو کوئی پہلے اُترتا سو شفا پاتا، اس کی جو
کچھ بیماری کیوں نہ ہو“

۷۔ صفحہ ۸۸ میں کہتا ہے کہ :-

”انجیل یوحنا باب آیت ۲۴ و ۲۵ دونوں الحاقی ہیں“

ظاہر ہے کہ یہ سائے مقامات جو اس کے نزدیک الحاقی ہیں، الہامی ہرگز نہیں
ہو سکتے،، پھر صفحہ ۹۱۰ پر کہتا ہے کہ :-

”ان معجزات کے بیان میں جن کو لوگ نے نقل کیا ہے روایتی جھوٹ شامل ہو گیا
ہو اور کاتب نے شاعرانہ مبالغہ آرائی کے ساتھ اس کو مخلوط کر دیا ہے، لیکن
اس زمانہ میں سچ اور جھوٹ کی پہچان بڑی دشوار ہے“

بتائیے کہ جو بیان جھوٹ اور شاعرانہ مبالغہ آرائی کے ساتھ مخلوط ہو وہ خالص الہامی
کیونکر ہو سکتا ہے؟ ہم کہتے ہیں کہ اکہارن کے کلام سے جو چیز نمایاں طور پر واضح ہوتی ہو
جو اکثر جرمنی علماء متاخرین کی بھی پسندیدہ راہ ہے، وہ چار بائیں ہیں :-

۱۔ پوری عبارت اس طرح ہے :- ”ان میں بہت سے بیمار اور اندھے اور لنگڑے اور پڑمردہ لوگ
پانی ہلنے کے منتظر ہو کر پڑے تھے، کیونکہ وقت پر الخ“ بیتِ حمدا کے نام نہاد صحت آنسریں
حوض کا تذکرہ کیا گیا ہے،

۲۔ اس میں غیر معمولی مبالغہ آرائی ہے، دیکھئے کتاب ہذا، ص ۴۱۵،

- ۱۔ اصل انجیل ناپید ہو چکی ہے،
- ۲۔ موجودہ انجیلوں میں سچی اور جھوٹی دونوں قسم کی روایتیں موجود ہیں،
- ۳۔ ان انجیلوں میں تحریف بھی واقع ہوئی ہے، بُت پرست علماء میں سے سلسوں دوسری صدی میں پکار پکار کر کہہ رہا تھا، کہ عیسائیوں نے اپنی انجیلوں کو تین یا چار یا اس کے بھی زیادہ مرتبہ بدل دیا ہے، یہاں تک کہ اس کے مضامین بھی تبدیل ہو گئے،
- ۴۔ دوسری صدی کے آخر یا تیسری صدی کے آغاز سے پہلے ان حصاروں انجیلوں کا کوئی اشارہ یا پتہ نشان نہیں ملتا،
- پہلی بات میں اُن کی رائے کے قریب قریب لیکر کہ اور کوب دیکامیس اور سنک اور تمبر و مارش کی رائے بھی ہے، کیونکہ ان لوگوں نے کہا ہے کہ غالباً متی، اور مرقس اور لوقا کے پاس عبرانی زبان کا ایک ہی صحیفہ تھا، جس میں مسیحی احوال لکھے ہوئے تھے، جس سے ان لوگوں نے نقل کیا، پھر متی نے تو بہت کچھ نقل کیا اور مرقس اور لوقا نے تھوڑا، جس کی تصریح مورن نے اپنی تفسیر مطبوعہ ۱۸۲۲ء جلد چارم صفحہ ۲۹۵ میں کی ہے، لیکن اس کو اُن کی رائے پسند نہیں ہے، مگر ہم کو اس کی ناپسندیدگی سے کچھ مضرت نہیں پہونچتی،

کتاب تواریخ کے بارے میں اہل کتاب کا اعتراف:

تمام اہل کتاب اس بات کے قائل ہیں کہ تواریخ کی دونوں کتابوں کو عزرا و نحمیاہ نے جوڑ کر کلام کی مدد سے تصنیف کیا تھا، جو دونوں پنجم ہیں، اس لئے یہ دونوں کتابیں حقیقت میں عینوں پنجمیوں کی تصنیف ہیں، حالانکہ کتاب تواریخ اول میں سب سے غلطیاں ہیں، چنانچہ اہل کتاب کے دونوں ذہن کہتے ہیں کہ۔

”مصنف کی بدتمیزی کے سبب بیٹے کی جگہ پوتا اور پوتے کی جگہ بیٹا لکھا گیا“

یہ بھی کہتے ہیں کہ :-

جس عزرائل نے یہ کتابیں لکھی ہیں اس کو اتنا بھی معلوم نہ تھا کہ ان میں بعض بیٹے ہیں

یا پوتے ؛ اور عزرائل کو نسب کے جو اوراق ملے تھے جن سے وہ نقل کرتا ہے وہ ناقص

تھے، اسی طرح اس کو غلط و صحیح میں تمیز نہ ہو سکی“

جیسا کہ عنقریب آپ کو باب مقصد میں معلوم ہو جائے گا، اس سے معلوم ہو گیا کہ

ان پیغمبروں نے یہ کتاب الہام سے نہیں لکھی، ورنہ ناقص اوراق پر بھروسہ کرنے کی

کیا ضرورت تھی، اور نہ ان سے غلطیوں کا صدور ہوتا، حالانکہ اہل کتاب کے نزدیک

اس کتاب اور دوسری کتابوں میں کوئی منسرق نہیں ہے،

یہ بھی معلوم ہوا کہ جس طرح عیسائیوں کے نزدیک انبیاء علیہم السلام کا گناہوں کے

صدور سے پاک ہونا ضروری نہیں ہے، اسی طرح تحریری اغلاط سے معصوم ہونا بھی

لازم نہیں، نتیجہ یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ یہ کتابیں الہام سے لکھی گئی ہیں،

اور اس فصل میں ہم نے جو کچھ بیان کیا ہے اس سے یہ بات بھی ظاہر ہو گئی کہ

عیسائیوں میں کسی کی یہ مجال نہیں ہے کہ وہ دونوں عہدوں کی کسی کتاب کی نسبت

یا ان میں درج شدہ واقعات میں سے کسی واقعہ کے متعلق یہ دعویٰ کر سکیں کہ وہ

الہامی ہے،

ان کتابوں کے بارے میں مسلمانوں کے عقائد،

اب چاروں فصلوں کے بیان سے فراغت کے بعد ہمارا یہ کہنا ہے کہ اصلی

تدریث اور اصلی انجیل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے دنیا سے مفقود ہو چکی

تھیں، آجکل اس نام سے جو دو کتابیں موجود ہیں اُن کی حیثیت محض ایک تاریخی کتاب کی ہے جن میں سچے اور جھوٹے دونوں قسم کے واقعات جمع کر دیئے گئے ہیں، یہ بات ہم ہرگز ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں کہ اصل توریت و انجیل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں موجود تھیں، پھر بعد میں اُن کے اندر تحریف کی گئی، حاشا دکلا! رہے پولس کے خطوط وغیرہ تو اگر ہم مان بھی لیں کہ یہ خطوط واقعہً اسی کے ہیں تب بھی ہمارے نزدیک وہ قابل قبول نہیں ہیں، کیونکہ ہمارے نزدیک وہ اُن جھوٹے لوگوں میں سے ایک شخص ہیں جو پہلے طبقہ میں نمایاں تھے، خواہ عیسائیوں کے نزدیک کتنا ہی مقدس کیوں نہ ہو، ہم اس کی بات ایک گوڑی میں خریدنے کے لئے تیار نہیں ہیں،

یہ وہ حواری جو عیسیٰ علیہ السلام کے عروج آسمانی کے بعد باقی تھے، اُن کے حق میں ہم نیک گمان رکھتے ہیں، اُن کی نسبت ہم نہی ہونے کا خیال نہیں رکھتے، اُن کے اقوال کی حیثیت ہمارے نزدیک مجتہدین، صالحین کے اقوال کی سی ہے، جس میں غلطی کا احتمال ہے،

ادھر دوسری صدی تک سند کا متصل نہ ہونا اور متی کی اصل عبرانی انجیل کا ناپید ہونا، اور اس کا صرف وہ ترجمہ باقی رہنا جس کے مؤلف کا نام بھی آج تک یقین کے ساتھ معلوم نہ ہو سکا، پھر اس میں تحریف واقع ہونا، یہ اسباب ایسے ہیں جن کی بنا پر اُن کے اقوال سے بھی امن اٹھ گیا،

یہاں پر ایک تیسرا سبب اور بھی ہے، وہ یہ کہ لوگ اکثر اوقات مسیح کے اقوال سے ان کی مراد سمجھ نہیں پاتے تھے، جیسا کہ عنقریب تفصیل سے آپ کو معلوم ہو جائیگا، یہے لوقا اور مرقس، سو یہ حواری نہیں ہیں، اور نہ کسی دلیل سے ان کا صاحبِ انہام

ہونا معلوم ہوتا ہے، ہمارے نزدیک توریت وہ کتاب ہے جو موسیٰ علیہ السلام پر وحی کی گئی،

اور انجیل وہ ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی، سورۃ بقرہ میں ارشاد ہے:

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَىٰ

اَوْرَبْلَا شِبْلًاہم نے موسیٰ کو کتاب

اَلْكِتَابِ،

دی تھی (یعنی توریت) ۲

اور سورۃ مائدہ میں حضرت مسیح علیہ السلام کے حق میں ارشاد ہے:-

وَآتَيْنَاهُ الْإِنجِيلَ،

اور ہم نے انہیں انجیل عطا کی ۳

اور سورۃ مریم میں خود حضرت مسیح کا قول نقل کرتے ہوئے فرمایا گیا:-

وَإِنِّي الْكِتَابِ،

اور اللہ نے مجھے کتاب دی (یعنی انجیل) ۴

اور سورۃ بقرہ دال عمران میں ہے:-

وَمَا أَوْتِيَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ،

اور وہ (کتابیں) جو موسیٰ اور عیسیٰ کو دی

گئیں (یعنی توریت و انجیل)

یہی یہ تواریخ اور رسالے جو اس زمانہ میں موجود ہیں ہرگز وہ توریت و انجیل نہیں

ہیں، جن کا قرآن میں ذکر ہے، اس لئے وہ واجب تسلیم نہیں ہیں، بلکہ ان دونوں کا

اور عہد عتیق کی تمام کتابوں کا حکم یہ ہے کہ ان کی جس روایت کی تصدیق قرآن کرتا ہو

وہ یقیناً مقبول ہے، اور اگر اس کی تکذیب کرتا ہے تو یقینی طور پر مردود ہے، اور اگر

اس کی تصدیق و تکذیب سے قرآن خاموش ہے، تو ہم بھی خاموشی اختیار کریں گے،

نہ تصدیق کریں گے اور نہ تکذیب،

سورۃ مائدہ میں خدائے تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:-

وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ

اور دے دیں (ہم نے آپ پر یہ کتاب

بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ
مِنَ الْكِتَابِ وَمُهِيمًا عَلَيْهِ،
سچائی کے ساتھ بھی ہر اس حالت میں
کہ یہ اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق
کرتی ہے اور اس کی نگہبان ہے

معالم التنزیل میں اس آیت کی تفسیر کے ذیل میں کہا ہے کہ:-

”اور قرآن کے امین ہونے کا مطلب جیسا کہ ابن جریر نے کہا ہے یہ ہے کہ
اہل کتاب اگر کوئی خبر اپنی کتاب کی بیان کرتے ہیں، تو اگر قرآن اس کی تصدیق
کرتا ہے تو تم بھی اس کی تصدیق کرو، ورنہ پھر اس کو جھوٹا سمجھو، سعید بن مسیب
اور ضحاک نے اس کے معنی فیصلہ کنندہ اور خلیل نے نگہبان اور محافظ بیان
کئے ہیں، اصل سب کا یہی ہے کہ جس کتاب کی سچائی کی شہادت قرآن دیتا
تو بیشک وہ خدا کی کتاب ہے، اور جو ایسی نہیں ہے وہ خدا کی کتاب بھی نہیں ہے“
تفسیر منطہری میں یہ کہا گیا ہے کہ:-

”اگر قرآن میں اس کی تصدیق موجود ہے تو تم بھی اس کو سچا مانو، اور اگر قرآن
میں اس کی تکذیب کی ہے تو تم بھی اس کو جھوٹا سمجھو، اور اگر قرآن اسے ساکت
ہو تو تم بھی اس سے سکوت اختیار کرو، اس لئے کہ سچ اور جھوٹ دونوں کا
احتمال ہے“

امام بخاری نے ایک حدیث ابن عباسؓ کی روایت سے کتاب الشہادات میں مع
سند کے بیان کی ہے، پھر کتاب الاعتصام میں دوسری مستقل سند کے ساتھ نقل کی،
پھر کتاب الرد علی الجہمیہ میں تیسری مستقل سند سے روایت کی ہے،
..... ہم اس کو آخری دونوں کتابوں سے نقل کرتے ہیں، اور کتاب الاعتصام میں

قسطلانی نے اس کی شرح کرتے ہوئے جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ بھی ساتھ ہی درج کرتے ہیں۔

رکیف تسئلون اهل الکتاب من الیہود والنصارى والاستفهام انکارى عن شیء من الشرائع (و کتابکم القرآن الذی انزل علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احدث) اقرب نزولا الیکم من عند اللہ فالحدوث بالنسبة الی المنزل علیہم وهو فی نفسه قدیم (تقرؤنه محضاً) خالصاً لم یشب بضم اوله وفتح المعجمة لم یخلط فلا یطرق الیه تحریف ولا تبدیل بغلاف التوراة والانجیل،

(وقد حد ثکم) سبحانہ وتعالی (ان اهل الکتاب) من الیہود وغیرہم (ربد لو اکتاب اللہ) التوراة (و غیر وہ) وکتبوا باید الیم الکتاب وقالوا هو من عند اللہ لیمتروا به ثمناً قليلاً (لا) بالتخفیف (لا ینہاکم ما جاءکم من العلم) بالکتاب والسنة، (عن مسئلتهم) بفتح المیم وسکون السین ولا بی ذر عن الکشیدہین مساءلتهم بضم المیم وفتح السین بعد هاء الف (لا) واللہ ما رأینا منهم رجلاً یسألکم عن الذی انزل علیکم فانتم بالطریق الاولی ان لا تسألوهم،

تم اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کے کوئی حکم شرعی نہیں پرچیتے ہو؟ (مطلب یہ کہ تمہیں

۱۔ عربی میں قرین کے درمیان حدیث کا من ہے، اور اس کے علاوہ سب علامہ قسطلانی کی تشریحات ہیں، اور اردو میں خط کشیدہ عبارتیں حدیث کا ترجمہ ہیں، اور ان کے علاوہ علامہ قسطلانی کی شرح

پوچھنا نہیں چاہئے) حالانکہ تمھاری کتاب قرآن سے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی ہے تازہ ترین ہے، اور اللہ کی طرف سے ابھی ابھی نازل ہوئی ہے (لہذا جن پر نازل ہوئی ہے ان کے لحاظ سے جدید اور فی نفعہ قدیم ہے) اس کو تم خالص طریقہ سے پڑھتے ہو، یعنی اس میں کوئی بیسردنی چیز نہیں ملی، اور اس میں تحریف و تبدیل راستہ نہیں پاسکتی، بخلاف تورات و انجیل کے،

اور اللہ تعالیٰ تم سے بیان کر چکا ہے کہ اہل کتاب یعنی یہود و غیرہ نے اللہ کی کتاب تورات کو بدل ڈالا ہے، اور اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھ کر کہنے لگے کہ یہ اللہ کی کتاب سے ہے، تاکہ اس کے عوض میں انھیں حقیر معاوضہ ملے، کیا تمھارے پاس کتاب و سنت کا جو علم آیا ہے وہ تمھیں ان سے سوالات کرنے سے نہیں روکتا؟

نہیں! خدا کی قسم ہم نے ان میں سے کسی کو نہیں دیکھا کہ وہ تم پر نازل ہونے والے کلام کے بارے میں سوال کرتا ہو، پھر تمھیں تو بطریق اولیٰ ان سے سوال نہ کرنا چاہئے؟

اور کتاب الرد علی الجہمیہ میں حدیث کا مفہوم یہ ہے :-

”اے مسلمانو! تم اہل کتاب سے کسی چیز کی نسبت کیونکر پوچھتے ہو؟ حالانکہ تمھاری کتاب ایسی ہے جس کو خدا نے نازل کیا ہے تمھارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر (جو لفظ یا نزول کے لحاظ سے یا اللہ کی جانب سے خبر دینے کے اعتبار سے) تازہ اور جدید ہے بالکل خالص ہے، جس میں کسی دوسری چیز کی قطعی آمیزش نہیں ہے، اللہ نے اپنی کتاب میں بیان کر دیا ہے کہ اہل کتاب نے خدا کی کتابوں میں تحریف و تبدیلی کر دی ہے، اور اپنے ہاتھوں سے لکھ لیا ہے، اور دعویٰ کر دیا کہ خدا کے

پاس سے آیا ہے۔ تاکہ اس کے عوض میں حیر معاد نہ لے لیں، کیا جو علم تم تک پہنچ چکا ہے۔ وہ تم کو ان سے پوچھنے سے نہیں روکتا؟ (اس میں پہنچنے کی اسناد علم کی جانب اسی طرح مجازی ہے جس طرح روکنے کی اسناد اس کی طرف مجازی ہے) نہیں خدا کی قسم ہم نے کسی شخص کو نہیں دیکھا کہ وہ تم سے اس چیز کی نسبت دریافت کرتا ہو جو تم پر نازل ہوئی ہے، پھر تم ان سے کس لئے پوچھتے ہو جبکہ تم یہ بھی جانتے ہو کہ وہ محرف ہے۔

کتاب الاعتصام میں معادیہ رضی اللہ عنہ کا قول کعب احبار کی نسبت یہ ہے کہ: ”اگرچہ وہ ان محدثین میں سب سے زیادہ پچھے تھے جو اہل کتاب سے حدیثیں

بیاں کرتے ہیں، مگر اس کے ساتھ ہی ہم نے اُن میں جھوٹ بھی پایا ہے۔“

مطلب یہ ہے کہ بعض اوقات وہ جو کچھ کہتے ہیں اس میں اس لئے غلطی کرتے

ہیں کہ ان کی تحدیث مذکور کتابیں اور تبدیل کی ہوئی ہیں، اس لئے ان کی جانب جھوٹ کی

نسبت اس بنا پر ہے، نہ اس لئے کہ وہ جھوٹے تھے، کیونکہ وہ تو صحابہ کے نزدیک

نیک علماء یہود میں شمار کئے جاتے ہیں، ان کا یہ کہنا کہ ”اس کے باوجود ہم ان میں جھوٹ

پاتے ہیں“ صاف اس پر دلالت کر رہا ہے کہ صحابہ کا اعتقاد یہ تھا کہ اہل کتاب کی

کتابیں محرف ہیں، اور جس مسلمان نے بھی اس توہرات اور اس انجیل کا مطالعہ کر کے

اہل کتاب کا رد کیا ہے، اس نے یقینی طور سے ان دونوں کا انکار کیا ہے، اُن میں

سے بیشتر کی تالیفات آج تک موجود ہیں،

کتاب تخیل من حرف الانجیل کا مصنف اپنی کتاب کے باب میں ان مشہور

انجیلوں کی نسبت اس طرح کہتا ہے کہ:۔

یہ انجیلیں وہ سچی انجیلیں نہیں ہیں جن کو دے کر سچا رسول بھیجا گیا تھا، اور جو خدا کی جانب سے اتاری گئی تھیں۔

چنانچہ اس مذکورہ باب میں یوں کہتا ہے کہ:-

”اور سچی انجیل تو صرف وہی ہے جو مسیح کی زبان سے نکلی۔“

پھر باب ۹ میں عیسائیوں کی تباہیوں کے ذیل میں کہتا ہے کہ:-

”اس پولس نے ان کو اپنی لطیف فریب کاری سے دین سے قطعی محروم کر دیا،

کیونکہ اس نے ان کی عقلوں کو ایسا بودا پایا کہ جس طرح چاہے ان کو پہکایا جاسکتا

ہو اس لئے اس خبیث نے توریت کے نشانوں تک کو مٹا دیا۔“

غور کیجئے! ان انجیلوں کا کیونکر انکار ہو رہا ہے، اور پولس پر کتنی سخت چوٹ ہے!

میری اور مصنف میزان الحق دونوں کی تفسیر بروں پر ایک ہندی فاضل کا فیصلہ ہے

جو رسالۃ المناظرہ مطبوعہ سنہ ۱۲۸۵ء دہلی بزبان فارسی کے آخر میں شامل ہے، انھوں نے بعض

علماء ہندوؤں کو دیکھا کہ وہ دوسروں کے غلط بتانے کے سبب یا خور غلط فہمی کی

وجہ سے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ مسلمان اس توریت و انجیل کے منکر نہیں، تو مناسب

سمجھا کہ اس سلسلہ میں علماء دہلی سے دریافت کریں، چنانچہ انھوں نے پوچھا تو علماء نے

یہ کہا کہ یہ مجوعہ جو آجکل عہد جدید کے نام سے مشہور ہے ہم کو تسلیم نہیں ہے، یہ وہ چیز

ہرگز نہیں ہے جس کا ذکر قرآن میں آیا ہے، بلکہ ہمارے نزدیک انجیل وہ چیز ہے جو

علی علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی،

فتویٰ حافل ہونے کے بعد ثالث نے اس کو فیصلہ میں شامل کر دیا، اور عوام

کی آگاہی کے لئے اس خط کو رسالۃ مناظرہ کا جسز و بنا دیا گیا ہے، تمام ہندوستان

کے علماء کا فتویٰ دہلی کے علماء کے اُس فتویٰ کے مطابق ہے، اور جن لوگوں نے بھی پادریوں کی کتابوں کی تردید کی ہو خواہ وہ اہل سنت میں سے ہوں یا شیعہ، اس سلسلہ میں انھوں نے صاف صاف لکھا ہے، اور موجودہ مجموعہ کا سختی سے انکار کیا ہے،

امام رازی کا قول :-

امام رازیؒ اپنی کتاب المطالب العالیہ، کتاب السنۃ کی قسم ۲ فصل چہازم فرماتے ہیں کہ :-

”عینی علیہ السلام کی اصل دعوت کا اثر بہت ہی کم ہوا، یہ اس لئے کہ انھوں نے اس دین کی دعوت ہرگز نہیں دی جس کا دعویٰ ان عیسائیوں کو ہو، کیونکہ باپ اور بیٹے اور تثلیث کی باتیں بدترین اور فحش ترین کفر کی اقسام ہیں، اور جہالت پر مبنی ہیں، اس قسم کی چیزیں اجہل الناس کے لئے بھی موزوں نہیں، چہ جائیکہ جلیل القدر اور معصوم پیغمبر، اس سے ہم کو یقین ہو گیا کہ یقیناً انھوں نے ایسے ناپاک مذہب کی دعوت نہیں دی، اُن کی دعوت تو صرف دعوت توحید اور تنزیہ تھی، مگر یہ دعوت نمایاں نہ ہو سکی، بلکہ لپٹی ہوئی اور گمنام رہی، اور یہ ثابت ہو گیا کہ اُن کی دعوت الی الحق کا کوئی اثر نمایاں نہ ہو سکا۔“

امام قرطبی کا ارشاد :-

امام موصوف اپنی کتاب مسمی کتاب الاعلام ہانی دین النصاری من الفساد و الادھام باب ۳ میں فرماتے ہیں :-

”جو کتاب عیسائیوں کے ہاتھوں میں ہے جس کا نام انھوں نے انجیل رکھ چھوڑا کہ وہ انجیل ہرگز نہیں ہے جس کا تذکرہ اللہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی فرمایا

وَأَنْزَلَ التَّوْرَةَ دَالِيًا نَّجِيلًا مِّنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ ۝

پھر انھوں نے اس دعویٰ کی دلیل یہ پیش کی ہے کہ حواری نہ پیغمبر تھے، اور نہ غلطی سے معصوم تھے، اور بن کرامات کا انھوں نے دعویٰ کیا ہے اُن میں کوئی بھی تواتر کے ساتھ منقول نہیں ہے، بلکہ سب اخبار آحاد ہیں، اور وہ بھی صحیح نہیں ہیں، اور اگر ان کی صحت مان بھی لی جائے تب بھی تمام واقعات میں حواریوں کی سچائی پر ہرگز دلالت نہیں کر سکتیں، اور نہ ان کی نبوت پر دلالت کر سکتی ہیں، کیونکہ انھوں نے اپنے پیغمبر ہونے کا کوئی دعویٰ نہیں کیا، بلکہ عیسیٰ علیہ السلام کے مبلغ ہونے کے مدعی ہیں، پھر فرماتے ہیں کہ:-

”اس بحث سے یہ واضح ہو گیا کہ جس انجیل کا دعویٰ کیا جاتا ہے وہ تواتر کے ساتھ

منقول نہیں ہے، اور نہ اس کے ناقلوں کے معصوم ہونے پر کوئی دلیل موجود ہے،

اس لئے ناقلوں میں غلطی اور ہوکا امکان ہے، لہذا نہ انجیل کی قطعیت ثابت

ہو سکتی ہے اور نہ غلبہ ظن، اس لئے نہ وہ قابل انتفاع ہے، اور نہ اس سے تدلّال

کے لئے قابل اعتماد ہے، یہ امر اس کے رد کے لئے اور اس میں تحریف کی صلاحیت

ہونے اور اس کے مضامین کے لائق اعتہار نہ ہونے کے لئے کافی ہے، مگر

اس کے باوجود ہم اس کے چند مقامات کا ذکر کرنا چاہتے ہیں، جن سے اس کے

ناقلوں کی بے پرواہی اور نقل کی غلطی واضح ہو جاتی ہے :-

اس کے بعد انھوں نے ان مقامات کو نقل کیا ہے اور فرمایا ہے کہ :-

۱۔ ترجمہ:- ”اور اللہ نے اس سے پہلے لوگوں کی ہدایت کے لئے تورات اور انجیل اتاری“ ۱۲ تقی

”اس صحیح بحث سے یہ بات واضح ہو گئی کہ توریت وانجیل پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا اس لئے دونوں سے استدلال درست نہیں ہے، کیونکہ دونوں غیر متواتر ہیں، اور دونوں میں تخریف کا امکان موجود ہے، اور بعض تخریف شدہ کی ہم نے نشاندہی کر دی ہے، پھر جب اس قسم کی تخریف دونوں کتابوں میں بھی واقع ہو سکتی ہو جو ان کے نزدیک سب سے زیادہ عظیم الشان اور مشہور ترین اور دیانت کا شاہکار ہیں، تو آپ ان کے علاوہ عیسائیوں کی دوسری کتابوں کی نسبت خود راسخ و قانع کر لیجئے، کہ ان کی کیا پوزیشن ہے؟ چونکہ ان کی طرح مشہور ہیں، نہ خدا کی طرف منسوب ہیں، یقیناً غیر متواتر ہونے میں اور قبول تخریف میں یہ کتابیں توریت و انجیل سے بڑھی ہوئی ہوں گی۔“

یہ کتاب قسطنطنیہ کے کتب خانہ کو پہلی میں موجود ہے،

علامہ مسترزی کی رائے :-

علامہ موصوف آٹھویں صدی کے ہیں، اپنی تاریخ کی جلد اول میں قبطیوں سے قبل کی قوموں کی تاریخ کے بیان میں یوں کہتے ہیں کہ :-

”یہودیوں کا گمان ہے کہ جو تورات ہمارے پاس ہے وہ آمیزش سے پاک ہے، اس کے برعکس عیسائیوں کا دعویٰ ہے کہ توریت سبعین جو ہمارے پاس ہے اس میں کوئی تغیر

۱۔ یعنی کتاب الانعام جس سے علامہ قرطبیؒ کی مذکورہ عبارتیں نقل کی گئی ہیں ۱۲

۲۔ توریت سبعین، اس سے مراد مشہور ہننادی ترجمہ “ Septuagint ہے، بعد

قدیم کا قدیم ترین یونانی ترجمہ ہے، اور اس کو ہننادی اس لئے کہتے ہیں کہ تیسری صدی قبل مسیح میں الیسزور سردار کاہن کی خواہش پر یہ قلم سے شرمز جہن (اور زیادہ صحیح روایت کے مطابق بہتر) اسکندریہ بھیجے گئے تھے اور انھوں نے مشترکہ طور پر اس ترجمہ کو مرتب کیا تھا، بعد میں اسی ترجمہ کو یونانی لوگوں نے اپنی بائبل تسلیم کیا،

و تبدل واقع نہیں ہوا، اور یہودی اس کی نسبت اس کے خلاف کہتے ہیں، سامری کہتے ہیں کہ ان کی توریت حق ہے، اور اس کے علاوہ جس قدر توریت ہیں وہ باطل ہیں، ان کے اس اختلاف میں شک کو دور کرنے والی کوئی چیز نہیں ہے، بلکہ مزید شک بڑھانے والی ہے،

بعینہ یہی اختلاف عیسائیوں کے درمیان انجیل کے بارہ میں ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ عیسائیوں کے یہاں انجیل کے چار نسخے ہیں، جو ایک ہی مصحف میں جمع کر دیئے گئے ہیں، ازل امتی کی انجیل ہے، دوسری مرقس کی، تیسری یوحنا کی، چوتھی لوقا کی، ان چاروں میں ہر ایک نے اپنے علاقہ میں اپنی دعوت کے مطابق ایک انجیل تالیف کی، جن میں بے شمار اختلافات ہیں، یہاں تک کہ مسیح کی صفات میں، ان کی دعوت کے زمانہ میں، سولی دیئے جانے کے وقت میں، ان کے نسب میں یہ اختلاف ناقابل تحمل ہے، اس کے باوجود مرقسوں والوں

۱۔ اگرچہ ترجمہ یہودیوں ہی کا کرایا ہوا ہے، لیکن عیسائیت کے ظہور کے بعد جب کلیسا نے اس عبد غنی کا مستند ترجمہ تسلیم کر لیا تو یہودی اس کے منکر ہو گئے، (باطل ہینڈ بک) نہیں کہا جاسکتا کہ انہوں نے یہ انکار محض کلیسا دشمنی میں کیا، ماداقبی عیسائیوں نے اس میں تخریب کر ڈالی تھی،

۲۔ مرقیون Marcion عیسائیوں کے فرقہ مرقونیہ کا بانی، یہ نیٹلس کے شہر سلوپ میں پیدا ہوا تھا، شروع میں بت پرست تھا، تفسیر نیاسٹلم میں عیسائی ہوا، اور مسلمانوں کے لگ بھگ اس نے اپنا الگ فرقہ قائم کیا، جس کے نظریات یہ تھے کہ انسان کا خالق ایک بے رحم اور ظالم خدا ہے، ایک غریب تک نوع انسان پیدا ہو کر اس کے ظلم و ستم کا شکار رہی، پھر ایک اور خدا نے جو منصف اور رحم دل تھا اپنے بیٹے یسوع مسیح کو دنیا میں بھیجا، تاکہ وہ انسانوں کو نجات دلائے، اس کا کہنا تھا کہ یسوع مسیح کی تعلیمات کو حواری بھی ٹھیک ٹھیک نہیں سمجھے، صرف پولس وہ شخص تھا جس نے انھیں صحیح سمجھا، اور اُسے درحقیقت یسوع مسیح نے ہی بھیجا تھا، لوگوں نے اس کی باتوں کو بھی کماحقہ نہیں سمجھا، یہاں تک کہ وہ بھی رخصت

اور ابن ویصان^۱ دالوں میں سے ہر ایک کے پاس ایک انجیل ہو جس کے بعض حصے
 اناجیل کے مخالف ہیں، مانی^۲ کے اصحاب کے پاس ایک علیحدہ انجیل ہو
 جو نصاریٰ کے عقائد کے شرف سے آخر تک مخالف ہے، ان کا یہ دعویٰ ہے کہ
 یہی صحیح ہے، اور اس کے علاوہ سب باطل ہیں، ان کے یہاں ایک انجیل
 اور ہے جس کا نام انجیل سبعین^۳ ہے جو تلامس کی طرف منسوب ہے، اور عیسائی
 اور دوسرے لوگ اس کے منکر ہیں، پھر جب اہل کتاب کے درمیان اس قدر
 شدید اختلاف ہے کہ اس میں حق و باطل میں امتیاز کرنا عقل اور رائے
 کے بس میں نہیں ہے تو پھر ان کی جانب سے اُس کی حقیقت سے آگاہ ہونا
 ناممکن ہے، اور اس سلسلہ میں اُن کی کوئی بات بھی لائق اعتماد نہیں ہو سکتی۔“

کشف الظنون عن اسامی الکتاب والفنون کے مصنف نے انجیل کے باب میں
 یوں کہا ہے کہ :-

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ہو گیا، پھر منصف خدا نے مجھے رسول بنا کر بھیجا، اور میں لوگوں کو مسیح اور
 پولس کا سچا پیغام سناتا ہوں، وہ مرد جب انجیل کو تحریف شدہ مانتا تھا، اور اس نے ایک الگ
 انجیل بنائی تھی، جسے وہ سچی انجیل کہتا تھا، اس منہ قہ کے تبعین زیادہ تر شام اور فلسطین اور
 کچھ مغرب کے علاقوں میں تھے، سلسلہ سے سلسلہ تک اُن کا عروج رہا، اور یہ کلیسا اعظم کے لئے
 خطرہ بنے، پھر اُن کا زور ہلکا ہو گیا، اور ساتویں صدی میں یہ فرقہ فنا ہو گیا (از انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا
 مقالہ ”مرقیون“ ص ۸۶۸ ج ۱۲)

اس کی سواخ اور عقائد کا ہمیں سراغ نہیں لگ سکا ۱۲

سلسلہ ”مانی“ ایران کا مشہور فلسفی اور مانیوی مذہب کا بانی جو سلسلہ میں پیدا ہوا تھا، اس کا کہنا تھا کہ
 خدا صرف روشنی کا خالق ہے جس سے تمام بھلائیاں جنم لیتی ہیں، اندھیرے کا نہیں جس سے تمام
 برائیاں پیدا ہوتی ہیں، یہ شخص ایک حد تک عیسائی عقائد سے بھی متفق تھا، اور بائبل کی بعض

”وہ ایک کذاب تھی جس کو اللہ نے عیسیٰ بن مریم علیہ السلام پر نازل کیا تھا۔“
پھر ایک طویل عبارت میں ان اناجیل اربعہ کے اصلی انجیل ہونے کی تردید کی ہے، اور
کہا ہے کہ :-

”عیسیٰ جو انجیل لے کر آئے تھے وہ ایک ہی انجیل تھی، جس میں اختلاف و تنہن
ہرگز نہیں تھا، ان عیسائیوں نے اللہ پر اور اس کے پیغمبر عیسیٰ علیہ السلام پر جھوٹی
بہمت رکھی۔“

ہدایۃ الحیاری فی اجوبۃ الیہود والنصارى کے مصنف کہتے ہیں کہ :-
”یہ توریت جو یہودیوں کے ہاتھوں میں ہے اس میں اس قدر کمی بیشی اور تحریف
پائی جاتی ہے جو ماہرین علم سے چھپی ہوئی نہیں ہے، اُن کو خوب یقین ہے کہ یہ
تحریف اور اختلاف اُس توریت میں ہرگز نہ تھا جو موسیٰ علیہ السلام پر خدا نے
نازل کی تھی، اور نہ اُس انجیل میں تھا جس کو مسیح علیہ السلام پر نازل کیا گیا تھا،
ظاہر ہے کہ جو انجیل عیسیٰ پر نازل ہو چکی تھی اس میں اُن کو سولی دیے جانے کا
واقعہ کیونکر درج ہو سکتا ہے؟ اسی طرح جو برتاؤ ان کے ساتھ کیا گیا، یا تین روز
بعد اُن کا قبر سے زندہ ہو کر نکل آنا وغیرہ جو درحقیقت عیسائیوں کے
اکابر کا کلام ہے۔“
پھر کہتے ہیں کہ :-

”بہت سے علماء اسلام نے اس کمی بیشی اور تفاوت و اختلاف کو واضح طور
پر بیان کیا ہے، اور اگر طوالت کا اندیشہ نہ ہوتا اور اس سے زیادہ اہم اور
ضروری باتیں بیان کرنا نہ ہوتیں تو اس قسم کی کافی مثالیں پیش کرتے۔“

اور جو صاحب بھی ہماری کتاب کے باب کا مطالعہ فرمائیں گے اُن پر ہمارے دعویٰ کی سچائی و زردشن کی طرح نمایاں ہو جائے گی، ضرورت تو نہ تھی کہ اس باب میں مزید اور کچھ لکھا جائے، مگر بعض مصارع کے پیش نظر دو مزید مغالطوں پر روشنی ڈالنا مناسب سمجھتا ہوں:-

دو مغالطے

علماء پروٹسٹنٹ عوام کو فریب دینے کے لئے کبھی کبھی یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ پہلی اور دوسری صدی میں ان انجیلوں کی سند موجود ہے، کیونکہ اس کے وجود کی شہادت روم کے بڑے پادری کلیسنس اور اگناشس وغیرہ نے دی ہے جو اُن دونوں صدیوں کے علماء میں سے ہیں۔

دوسرے یہ کہ مرقس نے اپنی انجیل پطرس کی اعانت سے لکھی ہے اور لوتا نے پولس کی مدرسے اپنی انجیل لکھی، اور پطرس اور پولس دونوں صاحب الہام تھے اس لئے یہ دونوں انجیلین اس لحاظ سے الہامی قرار پاتی ہیں، پہلے مغالطہ کا جواب:-

یہ ہے کہ ہمارے اور عیسائیوں کے درمیان جس سند کا جھگڑا ہے اس سے مراد سند متصل ہے، جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ایک معتبر انسان ایک یا چند واسطوں سے کسی دوسرے معتبر شخص ہے اس کا یہ قول نقل کرے کہ فلاں کتاب فلاں حواری یا فلاں پیغمبر کی تصنیف ہے، اور میں نے پوری کتاب اس کی زبان سے خود سنی ہے، یا اس کو کوئی سنائی ہے، یا یہ کہ اس نے میرے سامنے یہ اقرار کیا کہ یہ

کتاب میری تصنیف ہے، اور اُس واسطہ باداسطوں کا مستبراشخاص ہونا ضروری ہے جن میں ردایت کی تمام شرطیں جمع ہوں،

اس کے بعد ہمارا کہنا یہ ہے کہ اس نوع کی سند دوسری صدی کے آخر یا تیسری صدی کے شروع سے اناجیل کے مصنفین تک عیسائیوں کے پاس ہرگز موجود نہیں ہے، ہم نے متعدد مرتبہ اسی سند کا اس سے مطالبہ بھی کیا، اور خود ان کی اسناد کی کتابوں میں تلاش بھی کیا، مگر افسوس ہے کہ ہم اپنے مقصد میں ناکام رہے، بلکہ پادری فرنیچ نے مجلس مناظرہ میں یہ عذر پیش کیا کہ ہمارے پاس اس قسم کی سند اس لئے موجود نہیں ہے کہ ابتدائی عیسویوں میں ۲۱۳ سال تک بڑے بڑے حوادث پیش آتے رہے اس لئے یہ سند رومی پادری کلیمنس یا گناشس وغیرہ کے کلام میں دوسری صدی کے آخر تک موجود نہیں ہے

ہم اس تخمینہ اور اندازہ کا انکار نہیں کرتے، جن کی بناء پر یہ حضرات کتب مقدسہ ان کے اصل مصنفین سے منسوب کرتے ہیں، اور نہ ہم یہ کہتے ہیں کہ وہ لوگ اپنی کتابوں کو ان کے مصنفوں کی طرف گمان و اندازہ اور قرائن سے منسوب نہیں کرتے، بلکہ ہمارا کہنا تو صرف اس قدر ہے کہ ظن اور تخمینہ کو سند کا نام نہیں دیا جاسکتا، جیسا کہ آپ کو فصل نمبر ۲ میں معلوم ہو چکا ہے،

نہ ہم کو اس بات کا انکار ہے کہ یہ کتابیں دوسری صدی کے آخر یا تیسری صدی کے شروع میں اس ناقص طریقہ سے مشہور ہو گئی تھیں، کہ ان میں مخریف کئے جانے کی

۱۷ جب مصنف کا پادری فذیر سے مشہور مناظرہ ہوا تھا، تو فذیر کی جانب پادری فرنیچ بطور معاون مقرر ہوئے تھے اور مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے ڈاکٹر وزیر خان صاحب مرحوم ۱۲ تقی

پوری گنجائش پائی جاتی ہو، ایسی ناقص شہرت کا ہم اعتراض کرتے ہیں جیسا کہ باب میں عنقریب معلوم ہوگا، اس موقع پر ہم کلیمنس اور اگناتھس کا کچا چٹھا بھی بیان کرتے ہیں تاکہ کیفیت پورے طور پر واضح ہو جائے، سنئے !

کیا کلیمنس کا خط انا جیل سے مانو ذہری؟

روم کے بڑے پادری کلیمنس کی جانب ایک خط منسوب کیا جاتا ہے، جو اس نے ”رومی گرجا“ کی جانب سے کرتھس کے گرجا کو لکھا تھا، اس کے سال تحریر میں بھی اختلاف ہے، چنانچہ کنٹربری کہتا ہے کہ ”یہ سال ۶۴ اور ۷۰ کے درمیان کا کوئی سال ہے“ لیکرک کا قول ہے کہ ۶۵ء، دیون اور تلی مینٹ کہتے ہیں کہ کلیمنس ۹۱ء یا ۹۲ء تک اسقف نہیں بنا تھا، پھر جب اُس وقت تک اسقف ہی نہ بن سکا تھا تو ۹۲ء یا ۹۳ء میں یہ خطوط کیسے لکھ سکتا ہے؟

مشہور مورخ ولیم میور نے ۹۵ء کو ترجیح دی ہے، اور مفسر لارڈز نے ۹۶ء

کو ترجیح دی ہے،

ہم اس اختلاف سے بھی قطع نظر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس خط کا سال تحریر عیسائی دعوؤں کے مطابق بہر حال ۹۶ء سے متجاوز نہیں ہوتا، اور اتفاق سے اس کے بعض جملے اُن پاروں متعارف انجیلوں میں سے کسی ایک انجیل کے بعض جملوں سے کسی مضمین میں متحد اور موافق ہو گئے ہیں، جس کی وجہ سے عیسائی زبردستی یہ دعوئے کر بیٹھے کہ یہ جملے اس نے انجیلوں سے نقل کئے ہیں،

یہ دعویٰ چند اسباب کی بنا پر باطل ہے :-

۱۔ بعض مضامین کے احوال سے نقل کرنا لازم نہیں آتا، درہنہ یہ بات لازم آسکی

کہ ان لوگوں کا دعویٰ سچا ہو جائے، جن کو پرنٹسٹنٹ فرقہ کے لوگ ملحد کہتے ہیں، کیونکہ ان کا دعویٰ یہ ہے کہ انجیل میں جو اخلاق حسنہ کی تعلیمات نظر آتی ہیں، وہ حکما اور بت پرستوں کی کتابوں سے منقول ہیں، اکیسوا موکا مصنف کہتا ہے کہ :-

انجیل میں اخلاق فاضلہ کی جو تعلیم موجود ہے، اور جس پر عیسائیوں کو بڑا ناز ہے وہ لفظ بہ لفظ کنفیوشسؑ کی کتاب الاخلاق سے منقول ہے جو دارالرشاد مسیح سے ۶۰۰ سال قبل گذرا ہے، مثلاً اس کی کتاب کے خلق ۲۴ میں یوں کہا گیا ہے کہ: دوسرے کے ساتھ وہی بتاؤ کہ جس کی اس سے اپنے لئے توقع رکھتے ہو، اور تم کو صرف اس خلق کی ضرورت ہو، کیونکہ یہ تمام اخلاق کی جڑ ہے: خلق ہمراہ میں ہے کہ اپنے دشمن کی موت مانگو، کیونکہ یہ خواہش بے کار ہے، جب کہ اس کی زندگی خدا کی قدرت میں ہے: خلق نمبر ۵۳ میں ہے کہ: ہمارے لئے دشمن سے اعراض کرنا بغیر انتقام لئے ہوئے ممکن ہے، اور طبعی خیالات ہمیشہ برے نہیں ہوتے: اسی قسم کی اور بہت سی عمدہ نصیحتیں ہندوستان و یونان کے حکما کے کلام میں موجود ہیں۔

۲، اگر کیمنس ان انجیلوں سے نقل کرتا تو اس کی نقل پورے مضمون میں اصل کے مطابق ہونا چاہئے، مگر ایسا نہیں ہے، بلکہ اس نے کسی جگہ انجیلوں کی مخالفت کی ہے، یہ اس امر کی بڑی دلیل ہے کہ اس نے ان انجیلوں سے نقل نہیں کیا، اور اگر اس کی

۱۱ یعنی البرازم کے حامی افراد جو اپنے آپ کو آزاد خیال اور عقلیت پسند Rationalist کہتے ہیں ۱۲
 ۱۳ کنفیوشس ۱۴ Confucious ۱۵ اخلاقیات کا مشہور فلسفی جو چین کے مذہب ۱۶
 اخلاق پر پیداثر انداز تھا، ۱۷ پیدائش ۱۸ ق، وفات ۱۹ ق م، اسی کی نسبت سے چین کے
 سابق نظریہ حیات کو "کنفیوشزم" کہا جاتا ہے، ۱۲ نقل

نقل ثابت بھی ہو جائے تو ہو سکتا ہے کہ اس نے ان چار انجیلوں کے بجائے اُن انجیلوں سے نقل کیا ہو جو اس کے عہد میں مردج تھیں، چنانچہ اکھاؤن نے اس جملہ کے بارے میں یہ اقرار کیا ہے، جس کو آسمانی آواز کے ذیل میں نقل کیا ہے،

۳، یہ شخص تابعین میں سے ہے، اور شیخ کے اقوال و احوال سے اس کی واقفیت مرقس و لوقا کی واقفیت سے کم نہیں ہے، اس لئے غالب یہی ہو کہ اُسے مردجہ انجیلوں سے نقل کرنے کے بجائے خود ان روایات سے نقل کیا ہو گا جو اس تک پہنچی تھیں، ہاں اگر اس کے کلام میں اس امر کی صراحت ہوتی ہے کہ میں نے نقل کی ہے تو یہ دعویٰ بلا عمل ہو سکتا تھا، مگر موجودہ صورت میں قطعی بے عمل ہے، ہم اس کے خط کی تین عبارتیں (مثبت کے عدد کی رعایت سے) نقل کرتے ہیں:-
کلیمس کے خط کی عبارت:-

”جو شخص عیسائی سے محبت رکھتا ہے اس کو عیسائی کی وصیت پر عمل کرنا چاہئے“
سٹر جو اس کا دعویٰ ہے کہ کلیمس نے یہ فقرہ انجیل یوحنا باب ۱۴ آیت ۵ سے نقل کیا ہے آیت مذکورہ یوں ہے کہ:-

”اگر تم مجھ سے محبت رکھتے ہو تو میرے حکموں پر عمل کرو گے“

در نول عبارتوں کے مضمون میں جو مناسبت پائی جاتی ہے جو کس صاحب نے محض اس کی بنا پر نقل کا دعویٰ کیا ہے، اور اس منسرق کو نظر انداز کر دیا جو دونوں میں نمایاں ہے، یہ دعویٰ محض ہٹ دھرمی ہے، جس کی وجہ چھپے اسباب تلاشہ میں آپ معلوم فرما چکے ہیں، بلکہ یہ بات سرے سے غلط ہے، کیونکہ آپ کو معلوم ہو چکا ہو کہ اس خط کا سال تحریر جملہ اقوال کے ہٹ نفاست سے متجاوز نہیں ہو سکتا، حالانکہ

خود ان کی رائے کے مطابق انجیل، یوحنا ۱۹ء میں لکھی گئی ہے، پھر یہ فہرہ اس انجیل سے کیونکر منقول ہو سکتا ہے؟ مگر مسند ثابت کرنے کے جنون نے اس باطل دہم میں مبتلا کر دیا،

ہورن اپنی تفسیر مطبوعہ ۱۹۲۴ء جلد ۲ صفحہ ۳۰۷ میں کہتا ہے کہ :-

”یوحنا نے اپنی انجیل کریمزاسٹم اور اپنی فائیس جیسے متقدمین اور متاخرین میں سے ڈاکٹر مل اور فیبری شیس، پیکرک اور بشپ ٹامپلٹن کی رائے کے مطابق ۱۹ء میں لکھی ہوئی اور مسٹر جونز کی رائے کے مطابق ۱۹ء میں لکھی ہے“

اس کے علاوہ یہ چیز بدیہی ہے کہ سچا عاشق وہی ہے جو محبوب کی دعیت پر عمل کرے، اور جو عمل نہیں کرتا وہ دعویٰ محبت میں جھوٹا ہے، لارڈز مفسر نے بڑی انصاف پسندی سے کام لیتے ہوئے اپنی تفسیر مطبوعہ ۱۹۲۴ء کی جلد ۲ صفحہ ۳۰ پر کہا کہ ”میں سمجھتا ہوں کہ اس نقل میں شبہ ہی، اس نے کہ کلیسن حواریوں کے دستخط اور ان کی صحبتوں کی وجہ سے خوب جانتا تھا کہ مسیح علیہ السلام کے عشق کا دعویٰ لوگوں پر اس کے احکام پر عمل کرنے کو واجب کرتا ہے“

دوسری عبارت :-

اس کے خط کے باب ۱۳ میں ہے کہ :-

”جس طرح لکھا ہوا ہے ہم اسی طرح کرتے ہیں، کیونکہ روح القدس نے یوں کہا ہے کہ عقلند انسان اپنی عقل پر ناز نہیں کیا کرتا، اور خداوند مسیح کے وہ الفاظ یاد کرنے چاہئیں جو انھوں نے بر دباری اور مجاہدہ کی تعلیم کے وقت کہی تھے، یعنی تم دوسروں پر رحم کرو، تاکہ تم پر رحم کیا جائے، تم دوسروں کی خطا

معاف کرو، تاکہ تمہاری خطا سے درگزر کی جائے، جیسا کہ تم دوسروں کے ساتھ
برتاؤ کرو گے وہی تمہارے ساتھ کیا جائے گا، جیسا کہ تم دوسروں کو دو گے ویسا ہی
تم کو دیا جائے گا، جیسا کہ دو گے ویسا بھروسے، جیسا کہ تم دوسروں پر رحم کھاؤ گے
تم پر رحم کیا جائے گا، جس پیانہ سے تم دوسروں کو ناپ کر دو گے اسی پیانہ سے
تم کو ناپ کر دیا جائے گا۔

عیسائیوں کا دعویٰ ہے کہ کلیمنس نے یہ عبارت انجیل لوقا کے باب آیت ۳۶،
۳۷، ۳۸، اور انجیل متی کے باب آیت نمبر ۱۲ اور ۱۳ نقل کی ہے، اور لوقا کی
عبارت اس طرح ہے کہ :-

”جیسا تمہارا باپ رحیم ہے تم بھی رحم دل ہو، عیب جوئی نہ کرو، تمہاری
بھی عیب جوئی نہ کی جائے گی، مجرم نہ ٹھہراؤ، تم بھی مجرم نہ ٹھہرائے جاؤ گے
خلاصی دو، تم بھی خلاصی پاؤ گے، دیا کرو، تمہیں بھی دیا جائے گا، اچھا پیانہ
داب داب کر اور ہلا ہلا کر اور لبریز کر کے تمہارے پیٹے میں ڈالیں گے، کیونکہ جس پیانہ
سے تم ناپتے ہو اسی سے تمہارے لئے ناپا جائے گا“ (آیات ۳۶ تا ۴۸)

اور متی کی عبارت یہ ہے :-

”عیب جوئی نہ کرو کہ تمہاری بھی عیب جوئی نہ کی جائے، کیونکہ جس طرح تم
عیب جوئی کرتے ہو اسی طرح تمہاری بھی عیب جوئی کی جائے گی، اور جس
پیانے سے تم ناپتے ہو اسی سے تمہارے واسطے ناپا جائے گا“ (باب ۲، آیت ۱۲)

اور آیت ۱۲ میں ہے :-

”پس جو کچھ تم چاہتے ہو کہ لوگ تمہارے ساتھ کریں، وہی تم بھی اُن کے ساتھ کرو“

کیونکہ توریت اور نبیوں کی تعلیم یہی ہے۔

تیسری عبارت:

اس کے خط کے باب ۴۶ میں یوں ہے کہ:-

”خداے مسیح کے الفاظ یاد کرو، کیونکہ اس نے کہا ہے کہ اس انسان کے لئے بڑی خرابی اور ہلاکت ہے جس سے گناہ صادر ہو، اس کے لئے یہ بہتر تھا کہ وہ پیدا ہی نہ ہوتا، بہ نسبت اس کے کہ اُن لوگوں میں سے کسی کو اذیت دے جو میرے برگزیدہ ہیں، اس کے لئے یہ اچھا تھا کہ اپنے گلے میں چکی کا پتھر لٹکالیتا اور دریا کے بھنور میں ڈوب جاتا، بہ نسبت اس کے کہ میرے چھوٹے بچوں کو اذیت دے۔“

عیسائیوں کا دعویٰ ہے کہ کلینس نے یہ عبارت انجیل متی کے باب ۲۱ آیت ۲۴، اور باب ۱ کی آیت ۶ سے، اور انجیل مرقس باب ۹ آیت ۴۲ سے، اور انجیل لوقا باب ۱۱ آیت ۲ سے نقل کی ہے،

اور یہ آیات اس طرح ہیں:

انجیل متی باب ۲۱ آیت ۲۴ کے الفاظ یہ ہیں:-

”ابن آدم تو جیسا اس کے حق میں لکھا ہے جاتا ہی ہے، لیکن اس آدمی پر

افسوس جس کے وسیلہ سے ابن آدم پکڑا یا جاتا ہے، اگر وہ آدمی پیدا نہ ہوتا

تو اس کے لئے اچھا ہوتا۔“

اور باب ۱ آیت ۶ میں ہے کہ:-

”جو کوئی ان چھوٹوں میں سے جو مجھ پر ایمان لائے ہیں کسی کو ٹھوکر کھلاتا ہے،

اس کے لئے یہ بہتر ہے کہ بڑی چکی کا پاٹ اس کے گلے میں لٹکایا جائے، اور گہرے
سمندر میں ڈبو دیا جائے۔“

اور انجیل مرقس باب ۹ آیت ۳۱ میں ہے :-

”جو کوئی ان چھوٹوں میں سے جو مجھ پر ایمان لائے ہیں کسی کو ٹھوکر کھلائے اس
کے لئے یہ بہتر ہے کہ ایک بڑی چکی کا پاٹ اس کے گلے میں لٹکایا جائے، اور
وہ سمندر میں پھینک دیا جائے۔“

اور انجیل لوقا باب ۱۲ آیت ۲ میں ہے :

”ان چھوٹوں میں سے ایک کو ٹھوکر کھلانے کی بہ نسبت اس شخص کے لئے مفید
ہوتا کہ چکی کا پاٹ اس کے گلے میں لٹکایا جاتا، اور وہ سمندر میں پھینکا جاتا۔“

لارڈز نے اپنی تفسیر مطبوعہ ۱۸۲۷ء کی جلد ۲ صفحہ ۳۷ میں کلیمنس کی عبارت اور انجیلوں
کی عبارتیں نقل کرنے کے بعد یوں لکھا ہے :-

”میں نے متعدد انجیلوں کے الفاظ مقابلہ میں نقل کر دیے ہیں، تاکہ ہر شخص ابھی
ہرچ پہچان لے، مگر عام رائے یہی ہے کہ اس عبارت کا آخری جزو انجیل لوقا
باب ۱۲ آیت ۲ سے نقل کیا گیا ہے۔“

کلیمنس کے خط کی مذکورہ دونوں عبارتیں ان عیسائیوں کے خیال میں جن کو
سند کا دعویٰ ہے سب بڑی عبارتیں ہیں، اسی لئے پہلی نے ان دونوں پر اکتفاء کیا
ہو، لیکن یہ دعویٰ باطل ہے، کیونکہ اگر وہ کسی انجیل سے نقل کرتا تو منقول عنہ کی
عز و تصریح کرتا، اور اگر صراحت نہ کہتا تو کم از کم بقیہ عبارت کو نقل کرتا، اور اگر یہ
ممکن نہ تھا تو کم از کم نقل کردہ عبارت معنوی لحاظ سے پورے طور پر منقول عنہ کے

کے مطابق تو ہوتی، حالانکہ ان میں سے کوئی صورت بھی نہیں ہے، پھر کیونکر منتقلی کا احتمال صحیح ہو سکتا ہے؟ یہ بات کتنی عجیب ہے کہ لوقا کو کلیمنس پر ترجیح دے کر یہ کہا جا رہا ہے کہ کلیمنس نے اس سے نقل کیا ہے، جب کہ دونوں تابعی ہیں، اور دونوں عیسیٰ علیہ السلام کے حالات سے سمعہ واقف تھے۔

اور اگر ہم نقل کو تسلیم بھی کر لیں تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس نے یہ دونوں عبارتیں کس دوسری انجیل سے نقل کی ہیں، جس طرح بیسٹمہ کے حالات کا ایک فقرہ ایک مجہول الاسم انجیل سے نقل کیا ہے، جیسا کہ اکبارن کے کلام سے معلوم ہو چکا ہے، پیرس کے اسقف نے انصاف پسندی سے کام لیتے ہوئے اعتراف کیا ہے کہ اس نے ان انجیلیوں سے نقل نہیں کیا، لارڈرنے اپنی تفسیر کی حبلہ میں ان دونوں عبارتوں کے بارے میں کہا ہے کہ:

”وہ لوگ جو حواریوں کی یا ہمارے خداوند کے ان دسکرتبعین کی صحبت میں رہے جو انجیل کے مؤلفین کی طرح ہمارے خداوند کے احوال و مسائل سے پوری طرح واقف تھے جب ہم ان کی تاویلات دیکھتے ہیں تو اکثر اوقات اشکال پیش آتا ہے، جب تک کہ نقل کی تصریح اور وضاحت نہ ہو، اس وقت ہم پر جو اشکال ہو وہ یہ کہ آیا کلیمنس ان دو مقامات پر مسیح کے لکھے ہوئے اقوال نقل کرتا ہے، یا کرتھس والوں کو ان کے وہ اقوال یاد دلایا ہے جو اُس نے اور ان لوگوں نے حواریوں سے یا دوسرے مریدوں سے سنے ہیں، لہذا الیکٹرک نے تو ازل کو ترجیح دی اور پیرس کے اسقف نے دوسرے کو۔“

ہم یہ تسلیم کرنے لیتے ہیں کہ پہلی تینوں انجیلیں اس زمانہ سے پہلے تالیف

ہو چکی تھیں، پھر اگر کھینس اُن سے نقل کرے تو یہ بات ممکن ہو، اگرچہ لفظ و عبارت میں پوری مطابقت نہ ہو، مگر یہ بات کہ اس نے واقعہ نقل کی ہے اس کی تحقیق آسان نہیں ہو، کیونکہ یہ شخص انجیلوں کی تالیف سے قبل بھی ان حالات سے بخوبی واقف تھا، اور انجیلوں کی تالیف کے بعد بھی یہ ہو سکتا ہے کہ جن حالات سے وہ بخوبی واقف تھا ان کا بیان اور تذکرہ انجیلوں کی تالیف سے پہلے کی عادت کے مطابق انجیلوں کی طرف رجوع کئے بغیر کرتا ہو، ہاں دونوں صورتوں میں انجیلوں کی سچائی کا یقین تازہ ہو جاتا ہے، کیونکہ رجوع کرنے کی صورت میں تو ظاہر ہے، دوسری شکل میں بھی انجیلوں کی تصدیق نمایاں ہوتی ہے، کیونکہ اس کے الفاظ ان کے موافق ہیں، اور وہ اس درجہ مشہور ہو چکی تھیں کہ وہ خود بھی اور گرنہ قس والے بھی اس کا علم رکھتے تھے، اور ہم کو یہ یقین پیدا ہو جاتا ہے کہ انجیل کے مؤلفوں نے مسیح کے وہ الفاظ لکھے ہیں جن کی بھی تعلیم ہمارے خداوند نے بردباری اور ریاضت سیکھنے کے وقت دی تھی، اور یہ الفاظ کمال ادب کے ساتھ محفوظ کئے جانے کے لائق ہیں، اگرچہ یہاں دشواری ہے، لیکن اس کے باوجود میرا خیال ہے کہ اکثر افاضل کی رائے یکسر ک کی رائے کے موافق ہوگی، البتہ کتاب الاعمال باب آیت ۳۵ میں مقدس پولس نے یہ نصیحت کی ہے کہ :

اور خداوند یسوع کی باتیں یاد رکھنا چاہئے کہ اس نے خود کہا دنیا

لینے سے مبارک ہو ۛ

اور مجھ کو یقین ہے کہ عام طور پر یہ بات تسلیم لی گئی ہے کہ پولس نے یہ قول کسی

مکتوب نقل نہیں کیا، بلکہ ان سچی الفاظ کو بیان کیا ہے جس سے اس کو اور دوسروں کو واقفیت تھی، مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہمیشہ رجوع کا طریقہ یہی سمجھا جائے، بلکہ اس طریقہ کا استعمال مکتوب وغیرہ میں بھی ممکن ہے، اور ہم کو معلوم ہے کہ پولی کارپ نے یہ طریقہ استعمال کیا ہے، اور غالب بلکہ یقین ہے کہ وہ بھی ہوتی انجیلوں سے بھی نقل کرتا ہے !

اس کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ عیسائی علماء کو اس امر کا پختہ یقین نہیں ہے کہ کلیمنس نے ان انجیلوں سے نقل کیا ہو، اور جو شخص بھی نقل کا دعویٰ کرتا ہے وہ محض ظن کی بنا پر کرتا ہے، باقی یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ بہر دو صورت انجیلوں کی سچائی ثابت ہوتی ہے، اس لئے کہ شک پیدا ہو گیا ہے کہ جس طرح مؤلفین انجیل نے اس مقام پر مسیح کے کلام کو کئی بیشی کے ساتھ نقل کیا ہے، اسی طرح دوسرے مواقع پر بھی ان کی نقل اسی طرح ہوگی، اور اقوال مسیح کو انھوں نے بعینہ نقل نہیں کیا ہوگا،

اور اگر ہم اس سے قطع نظر بھی کر لیں تو بھی یہ کہا جائے گا کہ کلیمنس کے کلام سے یہ بات لازم آتی ہے کہ ان انجیلوں کے یہ جملے مسیح کا کلام ہیں، مگر یہ ہرگز لازم نہیں آتا کہ انجیلوں کا پورا بیان اور نقل اسی قسم کی ہے، کیونکہ کسی ایک قول کی شہرت سے تمام اقوال کا مشہور ہونا ضروری نہیں ہے، ورنہ لازم آئے گا کہ دوسری جھوٹی انجیلیں بھی محض اس وجہ سے سچی مانی جائیں کہ کلیمنس کے کتب کے بعض فقرے ان کے موافق ہیں،

اور یہ بات بھی غلط ہے کہ پولیکارپ بھی اس طریقہ کو استعمال کرتا ہے،

کیونکہ یہ شخص بھی کلینس کی طرح حواریوں کا تابعی ہے، اور دونوں کی پوزیشن ایک ہے اس کا ناجیل سے نقل کرنا ظن غالب کا درجہ حاصل نہیں کرتا، چہ جائیکہ یقینی ہو بلکہ ہو سکتا ہے کہ اس کی پوزیشن اس طریقہ کے استعمال کے وقت مقدس پولس جیسی ہو۔
اگناشس کے خطوط اور انکی حقیقت :

کلینس کی پوزیشن واضح کرنے کے بعد جو سب بڑا شاہد تھا اب دوسرے شاہد اگناشس کا حال سنئے، یہ شخص بھی حواریوں کا تابعی ہے، جو اٹھارہ کیہ کا اسقف تھا، لارڈز نے اپنی تفسیر کی جلد ۲ میں کہتا ہے کہ :-

”یو سی بیس اور جیرم نے اس کے نایاب خطوط کا ذکر کیا ہے، ان کے علاوہ کچھ دوسرے خطوط بھی اس کی طرف منسوب ہیں، جن کی نسبت جہور علماء کی رائے یہ ہے کہ وہ جعلی ہیں۔ میرے نزدیک بھی ظاہر یہی ہے، ان سات خطوط کے دو نسخے ہیں، ایک بڑا، دوسرا چھوٹا، اور سوائے مسٹر سٹکن اور دو یا چار اس کے متبعین کے سب کا فیصلہ یہ ہے کہ بڑے نسخہ میں اضافہ کیا گیا ہے، اور چھوٹا نسخہ اس لائق ہے کہ اس کی جانب منسوب کیا جاسکے،

میں نے بڑے غور سے ان دونوں کا مقابلہ کیا ہے جس سے مجھ کو یہ منکشف ہوا ہے کہ چھوٹے نسخہ کو الحاق اور زیادتی سے بڑا بنا دیا گیا، یہ بات نہیں ہے کہ بڑے کو حذف و اسقاط کے ذریعہ چھوٹا کر لیا گیا ہو، متقدمین کے

لے یعنی جس طرح پولس نے اعمال ۲۰ : ۳۵ کی طرح کئی وہ اقوال حضرت مسیح کی طرف منسوب کر دیے ہیں جو انجیلوں میں نہیں ہیں، بلکہ اس کو زبانی روایات کے ذریعہ پہنچے تھے، اسی طرح عین ممکن ہے کہ پولیکارپ نے بھی ایسا ہی کہا ہو،

منقولات بھی بہ نسبت بڑے کے چھوٹے کے زیادہ موافق ہیں۔

اب یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ چھوٹے نسخے کے خطوط کیا واقعی اگناشس کے لکھے ہوئے ہیں یا نہیں، اس میں بڑا نزاع و اختلاف ہے، بڑے بڑے محققوں نے اس باب میں اپنے اپنے قلم کے گھوڑے دوڑاتے ہیں، فرقتین کی تحریرات دیکھنے کے بعد یہ سوال میرے نزدیک پھیدہ ہو گیا ہے، البتہ میرے نزدیک یہ بات واضح ہے کہ یہ خطوط وہی ہیں جن کو یوسی بیس نے پڑھا اور جو آریجن کے عہد میں موجود تھے، ان کے بعض فقرے اگناشس کے دور کے مناسب نہیں ہیں، اس بناء پر مناسب یہ ہے کہ ہم یہ خیال قائم کر لیں کہ یہ فقرے انھائی ہیں، نہ یہ کہ ہم تمام خطوط کو ان بعض فترتوں کی وجہ سے زد کردیں۔ بالخصوص نسخوں کی قلت کی صورت میں جس میں ہم مبتلا ہیں، اور جس طرح فسرقہ ایرین^۱ کے کسی شخص نے بڑے نسخے میں اضافہ کر دیا تھا، اسی طرح ممکن ہے کہ اس فسرقہ کے کسی شخص نے یادینداروں میں سے کسی نے یادوں میں بھی کسی شخص نے چھوٹے نسخے میں بھی تصرف کیا ہو، اگرچہ میرے نزدیک اس تصرف سے کوئی بڑا نقصان واقع نہیں ہوا۔

محشی پبلی حاشیہ پر لکھتا ہے کہ :-

گزشتہ زمانہ میں اگناشس کے تین خطوط کا ترجمہ سریانی زبان میں پایا جاتا تھا، جس کو کیووی ثن نے طبع کیا تھا، اور یہ بات قریب قریب یقینی ہے کہ

۱۔ فرقہ ایرین، وہ فسرقہ جو آریوس کا پیرو تھا، اور اس کے عقائد توحید کی طرف مائل تھے اور جے نیقیہ کی کونسل میں رد کیا گیا،

چھوٹے خطوط جن کی اصلاح اشترنے کی تھی ان میں الحاق موجود ہے :

عیسائی علماء کی ان عبارتوں سے چند باتیں ثابت ہوتی ہیں :-

۱۔ ان سات خطوط کے علاوہ باقی تمام خطوط تمام علماء مسیحی کے نزدیک جعلی

ہیں، اس لئے یہ خطوط غیر معتبر ہوتے،

۲۔ خطوط کا بڑا نسخہ بھی سوائے مسر و سنن اور اس کے بعض متبعین کے سب کے

نزدیک جعلی اور محرف ہی، اس لئے وہ بھی لائق اعتبار نہیں ہے،

۳۔ چھوٹے نسخے میں زبردست اختلاف پایا جاتا ہے، کہ وہ اصلی ہو یا جعلی ؟

اور دونوں جانب بڑے بڑے محققین محکمے ہیں، اس لئے منکرین کے قول کے مطابق

یہ نسخہ بھی غیر معتبر ہے، اور جو لوگ اسے مانتے ہیں اُن کے قول کی بناء پر بھی اس میں

تحریف ماننے کے سوا چارہ نہیں، خواہ تحریف کرنے والا "فرقہ ایرس" کا کوئی فرد

ہو، یا دیندار طبقہ کا ہو، یا دونوں میں سے کوئی ہو، اس لحاظ سے یہ نسخہ بھی قابل اعتبار

نہیں ہے،

غالب یہی ہے کہ یہ نسخہ جعلی ہے، جس کو دوسرے خطوط کی طرح تیسری صدی

میں گھڑا گیا ہے، اور اس میں کوئی تعجب کی بات بھی نہیں ہے، کیونکہ اس قسم

کی جعل سازی ابتدائی مسیحی صدیوں میں نہ صرف جائز بلکہ مستحب شمار کی جاتی تھی، چنانچہ

تفسیر باہ، انجیلیں اور رسالے بنائے گئے، جن کو عیسیٰ اور مریم اور حواریوں کی طرف

منسوب کر دیا گیا، پھر ان سات خطوط کا جعلی ہونا قطعاً مستبعد نہیں، بلکہ قرین قیاس

ہے، بالکل اس طرح جس طرح دوسرے خطوط اس کی جانب منسوب کر دیئے گئے

ہیں، یا جس طرح ایک تفسیر گھڑی گئی، اور اس کی نسبت

میشن کی جانب کر دی گئی، آدم کلارک اپنی تفسیر کے مقدمہ میں کہتا ہے کہ :
 وہ اصل تفسیر جو میشن کی طرف منسوب تھی وہ معدوم ہو چکی ہے، اور جو
 اب منسوب کی جاتی ہے وہ علماء کے نزدیک مشکوک ہے، اور ان کا شک
 کرنا درست ہے۔

اور اگر ہم یہ بات فرض بھی کر لیں کہ یہ خطوط اگنا شس ہی کے ہیں تب بھی
 کوئی فائدہ نہ ہوگا، کیونکہ جب اُن میں الحاق ہو چکا تو ان خطوط سے اعتماد اٹھ گیا، پھر
 جس طرح اُن کے بعض فقرے عیسائیوں کے نزدیک الحاقی ہیں اسی طرح ممکن ہے کہ
 دوسرے بعض فقرے جن کی نسبت مدعیوں کا خیال ہے کہ وہ مستند ہیں وہ بھی جعلی
 ہوں، اور اس قسم کی باتیں اُن لوگوں کی عادات سے مستبعد بھی نہیں ہیں، یوسی بیس
 اپنی تاریخ کی کتاب راج باب ۲۳ میں کہتا ہے کہ :-

”کو رنتھیہ کے اسقف دیونی شس نے کہا ہے کہ میں نے دوستوں کی درخواست
 پر مکتوبات لکھے ہیں، اور ان شیطاٹین کے جانشینوں نے ان کو گندگی سے
 بھر دیا، بعض اقوال کو بدل ڈالا، اور بعض کا اضافہ کر دیا، جس سے مجھ کو دوسرا
 دکھ پہنچا، اور اسی لئے اگر کسی شخص نے ہمارے خداوند کی مقدس کتابوں میں
 الحاق کا ارادہ کیا ہو تو کوئی تعجب نہ ہوگا، اس لئے کہ یہ لوگ ان کتابوں
 میں ایسا اللہ کر چکے ہیں جو اُن کے مرتبہ کی نہیں ہیں۔“

لے انجیل میشن اے ڈائیا میسن
 Dialecticon of Taron
 بھی
 کہا جاتا ہے، جی ٹی مینلی لکھتا ہے: یہ سیریا کے کلیسا کے لئے چاروں اناجیل کو اکٹھا کر کے تیار کیا گیا تھا،
 لیکن اس بات کا علم نہیں کہ یہ یونانی زبان میں تھا یا سریانی میں؟ (ہماری کتب مقدسہ ص ۲۸)

آدم کلارک اپنی تفسیر کے مقدمہ میں کہتا ہے کہ :-

”آرچن کی بڑی بڑی تصانیف ناپید ہو چکی ہیں، اس کی بہت سی تفسیریں موجود بھی ہیں، مگر اُن میں تمثیلی اور خیالی شرح بکثرت ہے جو اُن میں تحریف واقع ہونے کی زبردست دلیل ہے“

معلم میکائیل مشاقہ جو پرنٹسٹنٹ کے علماء میں سے ہیں، اپنی عربی کتاب اجوبۃ الابطالین علی اباطیل التقلیدین کی قسم اول فصل نمبر ۱ میں کہتا ہے کہ :-

”ربان لوگوں کا اپنے اکابر متقدمین کے اقوال میں تحریف کرنا تو پہلے ہم اس کے دلائل بیان کرتے ہیں، تاکہ ہماری پوزیشن مخالفین کی طرح نہ ہو جائے، یعنی ہمارے دعویٰ بھی اُن کی طرح بے دلیل نہ ہو، پھر ہم کہتے ہیں کہ کتاب فشین جو یوحنا فم الذہب کی طرف منسوب ہے، اور جس کی تلاوت کنیسوں میں کی جاتی ہے اس کا جو نسخہ ایک گروہ کے پاس ہے وہ دوسرے گروہ کے نسخہ سے مطابقت نہیں رکھتا، کیونکہ رومیوں کے نزدیک اس میں خدا سے درخواست کی جاتی ہے کہ وہ اپنی پاک روح روٹی اور شراب پر نازل فرما کر ان دونوں کو گوشت اور خون میں تبدیل کر کے آسانی کر دیں، مگر کینفولک کے نزدیک اس میں یہ کہا جاتا ہے کہ وہ روٹی اور شراب پر روح القدس کو بھیجے

۱۵ یہ کریزاسٹم Chrysostome کا عربی نام ہے، نہایت فصیح و بلیغ مفسر ہو نیکی وجہ سے اسے فم الذہب (سونے کا منہ) کہا جاتا ہے، یہ ۳۷۰ء میں انطاکیہ میں پیدا ہوا تھا، ایک عرصہ تک قسطنطنیہ کا اسقف بھی رہا، ۴۰۳ء میں انتقال ہوا (المنجد فی العلوم)۔

۱۶ اس میں ”عشاء ربانی“ کی رسم کا تذکرہ ہے، بات پوری طرح سمجھنے کے لئے پہلے ص ۴۴۲ کا مطالعہ فرمائیں ۱۲ تقی

تاکہ وہ انقلابی صورت اختیار کر لیں، لیکن آقاؑ نے محسوس کی امارت کے زمانہ میں لوگوں نے اس میں تغیر کر ڈالا، اور کہنے لگے کہ دونوں منتقل ہونیوالی اور انقلاب قبول کرنے والی چیزیں اس لئے بھٹک گئیں کہ رومیوں نے ان کے خلاف اس بات کا دعویٰ کیا تھا کہ یہ انقلاب اس سبب سے ہوا ہے مگر کیتھولک سریان کے نزدیک یوں کہا جاتا ہے کہ اپنی پاک روح اس ردی پر جو تیرے مسیح کے جسد کا راز ہے بھیج دے، اس میں انقلاب پر دلالت کر نیوالا کوئی لفظ موجود نہیں ہے، اور بہت ممکن ہے کہ یہ قول فہم الذہب ہی کا ہوا کیونکہ اس کے زمانہ میں انقلاب استحالہ کی تعلیم گرجوں میں رائج نہیں ہوئی تھی، لیکن سردار یا بیٹا مطران جس نے رومی گرجے میں پھوٹ ڈالی تھی اور کیتھولک بن گیا تھا، وہ ۱۷۲۲ء میں رومیوں کے مجمع کے سامنے تقریر کرتے ہوئے اس معاملہ میں یہ کہتا ہے کہ میرے پاس ”ہلکے“ قداس کے طقس میں یونانی عربی سریانی کتابیں موجود ہیں جن کا مقابلہ ہم نے رومی مطبوعہ نسخے سے کیا جو

لے اس عبارت کو ہم کافی غور و خوض کے باوجود نہیں سمجھ سکے، اہل علم کی طبع آزمائی کے لئے اصل عربی عبارت حاضر ہے: ”وقالوا المنتقلان المستعجلان ہر با من دعوی الروا علیہم بان الاستعجالۃ منہم“۔

۱۷ طقس ”کلیسا کی ایک اصطلاح ہے، جس کا مطلب ہر شربانی، نماز، عیدوں کے اعلان وغیرہ کی دینی خدمات کا نظام، جو جماعت یا سردان خدمات کو انجام دیتا ہو انہیں بھی ”طقس“ کہہ دیا جاتا ہے، اور ”قداس“ ایک خاص قسم کی شربانی ہے (المختصر فی العلوم) ۱۲ تقی

باسی راہوں کا ہی، ان تمام کتابوں میں کوئی ایک لفظ بھی ایسا موجود نہیں ہے جو انقلاب پر دلالت کرتا ہو، بلکہ یہ کہانی نیکذرس نے جو قسطنطنیہ کا بطریق تھا، قداس الروم میں گھڑی ہے، جو نہایت ہی محکمہ خیز ہے، پھر جب لیے قدیس کی افشیں میں جو مشرق سے لے کر مغرب تک آبار کے درمیان مشہور ہے، جس کی تملادت تمام مشرقوں کے گرجوں میں ہوتی ہے، اس کے ساتھ لوگوں نے کھیل کیا، اور اپنی اغراض کے مطابق اس کی شکلیں بدل ڈالیں، اور اس قدیس کی طرف اس کی نسبت باقی رکھنے میں شرم نہیں کی، تو ایسے لوگوں کی ذمہ داری پر ہم کو کیونکر بھروسہ ہو سکتا ہے، کہ انھوں نے دوسرے آبار کے اقوال میں اپنی خواہشات کے مطابق ان کے عنوانات کو ان کے ناموں کے ساتھ باقی رکھتے ہوئے تخریفات نہیں کی ہوں گی؟

خود ہمارا مشاہدہ قریب کے چند سالوں کا یہ ہے کہ شماس غیر ملقبی کیسٹوکی نے یوحنا تم الذہب کی لکھی ہوئی تفسیر انجیل یوحنا کے ترجمہ کی تصحیح اصل یونانی نسخہ سے بڑی سخت محنت اور کثیر مصارت سے کی، اور روم کے علماء

۱۔ اس سے مراد راہوں کا وہ فرقہ ہے جو نہایت کے سلسلہ میں باسیلیوس (Basile) کی پیروی کرتا ہے، باسیلیوس ۳۲۹ء، ۳۷۵ء قیسریہ کا مشہور اسقف تھا، جس نے اپنے زمانہ میں نہایت ترک دنیا کو ایک باقاعدہ نظام بتایا، اور اس کے اصول و قوانین وضع کئے، اگرچہ اس سے قبل پاکم مصری رہبانیت کی ابتداء کر چکا تھا، مگر اس کو ترقی دینے اور باقاعدہ بنانے کا کام سب سے پہلے باسیلیوس ہی نے کیا، اس کی کئی تصانیف ہیں، (المجدد تو ایچ کلیسا سے روم) ۱۲

۲۔ شماس Deacon کلیسا کا ایک عہدہ جسے خادم اور ڈیکن بھی کہتے ہیں، اس کی تشریح اسی کتاب میں کسی اور جگہ کی گئی ہے،

نے جو یونانی اور عربی دونوں زبانوں کے بڑے ماہر ہیں، دمشق میں اس کا مقابلہ کیا، اور اس کی صحت کی شہادت دی، اور اس سے ایک محقق نسخہ اخذ کیا، لیکن سردار میکس نے شوریہ کی خانقاہ میں اس کے چھاپنے کی اجازت نہیں دی یہاں تک کہ پادری ایکسیوس اسپانیولی اور خرمی پورس، صحیح مارونی کی امداد سے اس کی کھود کرید کی، جو دونوں کے دونوں اصلی یونانی زبان سے بالکل نادان تھے، ان دونوں نے مذکورہ نسخہ میں اپنی مرضی کے مطابق کمی بیشی کے ذریعہ پاپائی مذہب کے ساتھ مطابقت پیدا کرنے کے لئے تصرف کیا، اور جب پورے طور پر اس کا استیلا کر ڈالا، تب اس کی صحت اور تصدیق کے لئے اپنی مہریں ثبت کیں، اور اس صورت سے اس کے چھاپنے کی اجازت دی گئی، پہلی جلد کی اشاعت کے بعد جب اس کا مقابلہ اُس اصل کے ساتھ کیا گیا جو ردیوں کے پاس محفوظ تھی، تب تحریف کا پتہ چلا، اور جو کثرت انہوں نے کی تھی وہ رسوائی عالم ہوئی، جس کے نتیجہ میں شناس غریب اس مذموم حرکت کے صدمہ کی تاب نہ لا کر مر گیا۔

پھر کہتا ہے کہ:-

”ہم ان کے سامنے ایک ایسی کتاب سے جو عربی عبارت والی ہے، اور جو ان کے یہاں عام طور سے مطبوعہ ملتی ہے، اُن کے سرداروں کی متفقہ شہادت بطور دلیل

لے شوریہ، لبنان کا ایک شہر ہے، جس سے کچھ فاصلہ پر عیسائیوں کی مشہور خانقاہ تھی، اسی کی طرف نسبت کر کے راہب عورتوں کو ”شوریات“ بھی کہا جاتا ہے، اور رہبانیت کا جو مخصوص طریقہ یہاں رائج تھا اسے شوریہ کہتے ہیں (المجد)

پیش کرتے ہیں، وہ لبستانی جلسہ کی رپورٹ ہے، جو اپنے پورے اجسزا کے ساتھ
 رومی گرجے سے طائفہ مارونیہ کے تمام پادریوں اور ان کے بطریق اور علماء کی
 جانب سے رومی کمیٹی کے سربراہ مونسینور سمعان کی نگرانی میں پاس ہوئی، اور
 شویر کی خانقاہ میں کیتھولک سرکاروں کی اجازت سے چھاپی گئی، یہ کمیٹی خدمۃ القضا
 پر گفتگو کرتے ہوئے کہتی ہے کہ ہمارے گرجوں میں نوافیری یعنی ایسٹرن ریت پرانے
 موجود ہیں، اگرچہ وہ غلطیوں سے پاک ہیں، لیکن وہ ایسے قدیس لوگوں کی طرف
 منسوب ہیں جنہوں نے نہ ان کو تصنیف کیا ہے، نہ یہ کتابیں ان کی ہو سکتی ہیں
 ان میں کچھ ایسی ہیں جو اسقفوں کے نام سے ہیں، جن کو کاتبوں نے اپنی فاسد
 اغراض کی وجہ سے داخل کر دیا ہے، آپ کے لئے خود اپنے خلاف ان کا یہ قرار
 کافی ہے کہ ہمارے گرجے، ن گھڑت کتابوں سے بھرے پڑے ہیں۔
 پھر کہتا، دو کہ:-

”ہم کو خوب معلوم ہے کہ ہماری بردش خیالی نسل اپنی مرضی کے مطابق تحریف
 کرنے کی جرات کرنے سے قاصر ہے، اس لئے کہ وہ جانتی ہے کہ انجیل کے
 محافظوں کی نگاہیں انہیں دیکھ رہی ہیں، لیکن تاریک عہدوں میں پانچویں صدی
 سے لے کر ساتویں صدی تک جب کہ پاپا اور اسقفوں کا مطلب ایک برہی

۱۰ عیسائیوں کا یہ طائفہ مارونیہ کی طرف منسوب ہو، جو پانچویں صدی کے مشہور راہبوں میں سے
 ہے، اس کی خانقاہ اس کے بعد زیارت گاہ بنی، اسی کی طرف نسبت رکھنے والے عیسائی پاپائی مذہب کے زیادہ
 مخالفت نہیں رکھتے، صرف نام میں ممتاز ہیں کہ انہیں مارونی Maronites کہا جاتا ہے
 (برطانیکا، المنجد)

۱۱ ”تھائیر الیوہیات“ سے مراد طقس یا دینی خدمات ہیں، یہاں وہ کتابیں مراد لگی ہیں جنہیں طقس مذکور ہوں ۱۲

حکومت تھی، جن میں اکثر لکھنا پڑھنا بھی نہیں جانتے تھے، اور بچاے مشرقی
عیسائی مختلف اقوام کی غلامی میں پڑ جانے کی وجہ سے اپنی جانوں کی حفاظت
کی فکر میں گرفتار اور بڑی تنگی میں تھے، اس وقت کے بارے میں ہم کو تحقیق سے
معلوم نہیں، کیا کچھ گزرا ہوگا، لیکن جب ہم اس عہد کی تواریخ پر نظر ڈالتے ہیں
تو ہماری نگاہوں کے سامنے وہ نظائے آتے ہیں جو ہم کو اس سچی گرجے کی حالت
پر آٹھ آٹھ آنسو رونے پر مجبور کرتے ہیں، جو اس زمانہ میں مسکریاؤں تک
ستیا ناس ہو چکا تھا۔

ناظرین ان تینوں عبارتوں کو ملاحظہ فرمائیں اور بتائیں کہ کیا اب بھی ہمارے
سابقہ بیان میں کسی شک کی گنجائش ہے؟

نیقیہ کونسل کے قوانین میں تحریف :-

نیقادی کونسل کے منظور کردہ قوانین کی تحدید صرف بس تھی، جن میں تحریف
کر کے اور قوانین کا اضافہ کیا گیا، سرقة کیھولک اس کے قانون نمبر ۳ و ۴۴
پوپ کی سربراہی پر استدلال کرتا ہے یہ کتاب الثلاث عشرہ رسالہ کے نمبر مطبوعہ
۱۸۴۹ء ص ۶۸ و ۶۹ میں لکھا ہے :-

۱۔ یہ شہر نیقیہ یا نائس Nicaea کی طرف منسوب ہے، ۳۲۵ء میں ایک اسکندری کاٹن
آریوس Arius نے یہ عقیدہ نشر کرنا شروع کیا تھا کہ حضرت مسیح اپنے جوہر کے اعتبار
سے اللہ تعالیٰ کے مساوی نہیں ہیں، اس کے عقائد توحید کی طرف مائل تھے، اس لئے شاہ قسطنطین نے
عیسائی علماء کی ایک عالمگیر کونسل نیقیہ میں بلائی، جس میں با اتفاق رائے پورے جوش و خروش کے ساتھ
آریوس کے نظریات کی تردید کی گئی، یہ کونسل عیسائیت کی تاریخ میں بچہ اہمیت رکھتی ہے۔

”مذکورہ کمیٹی کے صرت میں قوانین ہیں جس کی شہادت ثاؤدورس کی تاریخ اور جیلا سینوس وغیرہ کی کتابیں بھی دیتی ہیں، اور مسکونی کونسل نمبر ۴ بھی شہادت دیتی ہے کہ نیقاوسی کمیٹی کے صرت ۲۰ قوانین ہیں۔“

اسی طرح اور دوسری کتابیں گھڑی گتیں، جنگو پاپاؤں کی جانب مثلاً کالیتوس، ہیرسوس، نکلیتوس و اسکندر و مرسیلیوس کی جانب منسوب کیا گیا، کتاب مذکور کے صفحہ ۸۰ میں لکھا ہے کہ:-

”توپ لائیڈ اور تمھارے رومی گرجے کے اکثر علماء کا اعتراف ہے کہ ان پاپاؤں کی کتابیں جھوٹی اور بے اصل ہیں۔“

مغالطہ نمبر ۲ کا جواب

انجیل مرقس پطرس کے بعد لکھی گئی:-

یہ بھی سراسر دھوکہ دہی اور خالص فریب کاری ہے، سنئے: ارسینوس کہتا ہے کہ:-
پطرس کے مرید اور مترجم جناب مرقس نے پطرس و پولس کے مرنے کے بعد پطرس

لے ”مسکونی کونسل“ تاریخ عیسائیت کے اصطلاح میں اس مذہبی کانفرنس کو کہتے ہیں جو عالمگیر پاپائے پر ہوئی ہو، اور دنیا کے ہر حصہ سے اس میں نمائندے شریک ہوئے ہوں، ایسی کونسلیں کل پندرہ ہوئی ہیں، یہاں چوتھی کونسل سے مراد وہ کونسل ہے جو ۴۵۱ء میں خلقیدونیہ Chalcedoine میں منعقد ہوئی، اور اس میں مونوفیسس فرقہ کو خلافت شریعت قرار دیا گیا (تواریخ و المنجد) لے یعنی یہ کہ مرقس نے اپنی انجیل پطرس کی مدد سے لکھی ہو، اور لوقا نے پولس کی اعانت سے، اور ہونکہ یہ دونوں صاحب الہام تھے اس لئے یہ دونوں انجیلیں بھی الہامی ہوتیں ۱۲

کے نصاب کو قلمبند کیا ہے۔

اور لارڈز اپنی تفسیر میں کہتا ہے کہ ۱۔

تیسرا خیال ہے کہ مرقس نے اپنی انجیل ۶۳ء و ۶۴ء سے پہلے نہیں لکھی۔
کیونکہ پطرس کے روم میں اس سے قبل قیام کرنے کی کوئی معقول وجہ ہم کو نظر
نہیں آتی، اور یہ تاریخ قدیم مصنف آرمینوس کے بیان کے بالکل مطابق ہے،
جو کہتا ہے کہ مرقس نے پطرس و پولس کے مرنے کے بعد انجیل لکھی ہے، باسینج،
آرمینوس کی تائید کرتے ہوئے کہتا ہے کہ مرقس نے اپنی انجیل پطرس اور پولس
کی وفات کے بعد ۶۷ء میں لکھی ہے۔

باسینج اور آرمینوس کے کلام سے یہ بات صاف ہو گئی کہ مرقس نے اپنی انجیل
پطرس و پولس کی وفات کے بعد لکھی ہے، اور پطرس نے مرقس کی انجیل کو یقینی
طور پر نہیں دیکھا، اور جو روایت پطرس کے دیکھنے کی پیش کی جاتی ہے وہ بالکل
ضعیف اور قابل اعتبار نہیں ہے، اسی لئے مرشد الطالبین کے مصنف نے باوجود
اپنے تعصب کے نسخہ مطبوعہ ۱۸۴۷ء کے صفحہ ۱۰، ۱ پر لکھا ہے کہ :-

”اس کا زعم ہے کہ انجیل مرقس پطرس کے زیر نگرانی لکھی گئی ہے۔“

غور کیجئے غلط زعم صاف اس پر دلالت کر رہا ہے کہ یہ دعویٰ باطل ہے جس کی

کوئی اصل نہیں ہے،

۱۷ جن، بی، مینل لکھتا ہے: ”مرقس کی انجیل کے مارکینی دیباچہ میں جو مسئلہ میں لکھا گیا تھا،
ایک اطلاع دی گئی ہے کہ مرقس نے پطرس کی وفات کے بعد انجیل اٹلی میں لکھی تھی اور یہ خیال صحیح اور درست
معلوم ہوتا ہے،“ (رادی کتب مقدمہ، ص ۱۳۳۹)

پولس نے انجیل لوقا کو نہیں دیکھا۔

اسی طرح پولس نے بھی لوقا کی انجیل کو نہیں دیکھا، دودھ سے۔

۱. اذل تو اس لئے کہ آجکل علماء مشرقہ پر دستنٹ کا رائج قول یہ ہے کہ

لوقا نے اپنی انجیل سلسلہ ۶۲ میں لکھی تھی، اور اس کی تالیف انجیا میں ہوئی،

دوسری جانب یہ محقق ہو کہ مقدس پولس نے سلسلہ ۶۳ میں قید سے رہائی پائی تھی

پھر کسی صحیح روایت سے مرتے دم تک اس کے حال کا پتہ نہیں چلتا، لیکن غالب

یہی ہے کہ رہائی کے بعد وہ اسپانیہ اور مغرب کی طرف چلا گیا تھا، نہ کہ مشرق

گر جوں کی طرف، اور انجیا مشرقی شہروں میں سے ہے، اور غالب گمان یہ ہے کہ

لوقا نے اپنی انجیل سے فارغ ہونے کے بعد اس کو تھینکس کے پاس بھیج دیا تھا، جو درحقیقت

انجیل کی تالیف کا باعث تھا۔

مرشد الطالبین کا معنی نسخہ مطبوعہ سلسلہ ۶۲ جلد ۲ فصل ۲، صفحہ ۱۶۱ میں لوقا

کے حال میں یوں لکھا ہے کہ:-

”چونکہ لوقا نے پولس کی رہائی کے بعد اس کا کوئی حال نہیں لکھا، اس لئے

کسی صحیح روایت کی بنا پر رہائی سے نہایت تک اس کے سفر وغیرہ کا حال کچھ

معلوم نہیں ہوتا۔“

لارڈ ورنر اپنی تفسیر مطبوعہ سلسلہ ۶۲ جلد ۵ صفحہ ۳۵۰ میں لکھتا ہے کہ:-

”ہم چاہتے ہیں کہ اب حواری کا حال اس وقت سے (یعنی رہائی کے وقت سے)

لوقا نے اپنی انجیل کی ابتداء میں تصریح کی ہو کہ یہ کتاب تھینکس کے لئے لکھی جا رہی ہے ۲

۲ یعنی کتاب اعمال میں،

موت تک، مگر لوقا کے بیان سے کچھ بھی مدد نہیں ملتی، عہد جدید کی دوسری کتابوں سے البتہ کچھ تھوڑی مدد ملتی ہے۔ متقدمین کے کلام سے کچھ زیادہ مدد نہیں ملتی، اور اس معاملہ میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ وہ رہائی کے بعد کہاں گیا۔

ان دونوں مفستروں کے کلام سے ثابت ہو جاتا ہے کہ ان کے مقدس کا کوئی حال رہائی سے موت تک کسی صحیح روایت سے ہرگز معلوم نہیں ہوتا، اس لئے بعض متاخرین کا یہ گمان کہ آزادی کے بعد وہ مشرقی گرجوں کی طرف چلا گیا تھا قطعی حجت اور سند نہیں ہو سکتا، رومیوں کے نام خط کے باب ۱۵ آیت ۱۳ میں ہے کہ:-

”گرچہ مجھ کو اب ان ملکوں میں جگہ باقی نہیں رہی اور بہت برسوں تمہارے پاس آئی کا اشتیاق بھی ہوں اس لئے جب اسفانیہ کو جاؤ لگتا تو تمہارا پاس ہیڑا ہوا جاؤ لگتا، کیونکہ مجھ کو امید ہے کہ اس سفر میں تم بھی

دیکھئے ان کا مقدس صاف کہہ رہا ہے کہ اس کا ارادہ اسپانیہ جانے کا ہے، اور کسی بھی صحیح اور قوی دلیل روایت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ رہائی سے قبل اُدھر گیا ہے، اس لئے غالب یہی ہے کہ وہ رہائی کے بعد اُدھر گیا ہو گا، کیونکہ اس کے ارادہ کے فسخ کی کوئی معقول وجہ نظر نہیں آتی، کتاب الاعمال باب ۲۰ آیت ۲۵ میں یوں ہے کہ:-

”اب دیکھو میں جتا ہوں کہ تم سب جتنے درمیاں بلد شامی کی منادی کرتا پھرا، میرا منہ پھرنے دیکھو گے،

یہ قول بھی اس امر پر دلالت کر رہا ہے کہ اس کا ارادہ مشرقی گرجوں کی جانب جانے کا نہ تھا، کلینس رومی اسقف اپنے رسالہ میں لکھتا ہے کہ:-

”پس سارے عالم کو سچائی کا سبق پڑھانے کیلئے اہتاؤ ملک مغرب میں چلا گیا اور پاک جگہ روانہ ہو گیا“

یہ قول بھی اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ وہ مغرب کی جانب گیا تھا نہ کہ مشرقی گرجوں کی جانب،

۱۲ لارڈز نے پہنے تواریخوس کا قول یوں نقل کیا ہے:

پولس کے مقتدی لوقا نے ایک کتاب میں وہ بشارت لکھی ہے جس کا وعظ

پولس نے نہ کہا تھا۔

پھر کہتے ہیں کہ :-

رابطہ نام معلوم ہوتا ہے کہ ایمر یعنی روقا لاجیل کھنا، مرقس کے اپنی انجیل لکھنے کے بعد واقع ہوا

اور پولس دیپرس کی وفات کے بعد۔

اب اس قول کی بناء پر پولس کا لوقا کی انجیل کو دیکھنا قلعی ممکن نہیں ہے،

اور اگر یہ منسرح کر لیا جائے کہ پولس نے لوقا کی انجیل کو دیکھا بھی تھا، تب

بھی ہمارے نزدیک اس کا دیکھنا کالعدم ہے، کیونکہ ہمارے نزدیک اس کا قول

الہامی نہیں ہے، پھر کسی غیر الہامی شخص کا قول پولس کے دیکھنے سے الہامی کیونکر

ہو سکتا ہے؟

جلد اول تمام شد

ضمیمہ

مرتبہ :- جناب ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب (پیرس)

بائبل سے قرآن تک کی پہلی اشاعت کے بعد بحمد اللہ یہ کتاب بہت اہل علم و نظر کی نگاہ سے گزری، اور اس کے بارے میں بعض مفید مشورے بھی موصول ہوئے، اس سلسلے میں عالم اسلام کے نامور محقق جناب ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب نے (جو آجکل پیرس میں مقیم ہیں) بطور خاص بڑی محنت اٹھائی ہے، اور وہ اظہار الحق کے اس اردو ترجمے کو علمی و تحقیقی مقاصد کے لئے زیادہ سے زیادہ مفید بنانے کیلئے کتاب کے فرانسیسی ترجمے کی مدد سے اس کا ایک ایسا اشاریہ مرتب کرنے میں مصروف ہیں جس میں فرنگی ناموں کا صحیح املاء ساتھ درج ہو، ابھی یہ اشاریہ زیر ترتیب ہے اور انشاء اللہ مرتب ہونے پر اسے شائع کر دیا جائے گا، ایک فوری کام انھوں نے یہ کیا ہے کہ ”اظہار الحق“ کے فرانسیسی مترجم نے ترجمے کے ساتھ اصل کتاب پر کچھ حواشی تحریر کئے تھے، ڈاکٹر صاحب موصوف نے ان میں سے اہم حواشی کا اردو میں ترجمہ کر کے بعض جگہ کچھ مزید معلومات جمع کر دی ہیں، ذیل میں ڈاکٹر صاحب موصوف کی یہ کاوش بطور ضمیمہ پیش کی جا رہی ہے، یہ حواشی تینوں جلدوں سے متعلق ہیں، (محمد تقی عثمانی)

فرانسیسی ترجمے کے مفید تر حاشیے؛

(حوالے موجودہ ترجمے کے صفحے اور سطر کے دیئے گئے ہیں)

(اردو صفحہ ۲۲۹ تا ۲۳۰) : ہمارا مؤلف HORNE کی کتاب کو لارڈ نر

LARDNER کی طرف منسوب کرتا ہے، نیز بشپ ہورسلے HORSLEY کی ”کتاب بشرح“ COMMENTARIES کو، اور بشپ واٹسن WATSON کی کتابوں کو جو متعدد ہیں صرف ”واٹسن کی کتاب“ سے موسوم کرتا ہے [مگر یہ وساحت نہیں کہ آیا جو م نے متعدد کتابوں کے حوالے دیئے ہیں یا صرف کسی ایک کتاب کے، (محمد حمید اللہ)]

(ص ۲۳۲ سطر ۵: کیتھولک ہیرالڈ CATHOLIC HERALD

ہفتہ وار اخبار تھا جو شہر فلاڈلفیا (امیرکا) سے شائع ہوا کرتا تھا،

(ص ۹): عیسائی عقائد میں تثلیث کو خدا سے واحد کے تین اقنوم HYPOSTASE

کہا جاتا ہے، یہ اصطلاح جو فلسفہ افلاطون کے شائق استعمال کرتے ہیں، وہ پُرانے بے دین لوگوں PAGANS سے مستعار لی گئی ہے

(ص ۳۲۱، س ۷): ٹرولو TRULLO کا پادریانہ اجتماع، یہ ساتواں عالمگیر کلیسائی

اجتماع (کونسل COUNCIL) ہے، جو قسطنطنیہ میں ۱۹۲۶ء میں منعقد ہوا تھا، اس کے

لئے دعوت شہنشاہ جیٹنی نیٹن ثانی JUSTINIAN نے دی تھی، یہ قصر شاہی کے ایک برج

(TRULLO) میں منعقد ہوئی، اس لئے اسے یہ نام دیا گیا ہے، اس کو ”پنج ششی کونسل“

QUINSEXTUM بھی کہتے ہیں، کیونکہ اس میں پانچویں اور چھٹی کونسل کی قراردادوں

کی توثیق کی گئی تھی،

(ص ۳۲۲، س ۸): [اردو میں کموس، اصل عربی میں کالوس (حمید اللہ)]:

۹ GALLUS, CALLUS, CALOUS, CLOUS، معلوم نہیں کیا مراد ہے،

تساید کالون CALVIN مراد ہو، مگر یہ صرف ”کالوس“ (یا کالون) ہی کی رائے نہیں ہے

کہ ”یہ کتابیں ہر جگہ پڑھی نہیں جاتی ہیں“ بہت سے دیگر مؤلف بھی اس کا ذکر کرتے ہیں، چنانچہ

ٹامس وارڈ THOMAS WARD کے مطابق ڈاکٹر بلسن BILSON کا اِدّعا ہے

کہ کتب مقدسہ کو ہر جگہ کامل طور پر قبول نہیں کیا جاتا تھا، حتیٰ کہ خود یوسی بیس کے زمانے میں

(ص ۳۳۱، س ۶): یہ خلاصہ ہے نارٹن [اردو میں ٹورٹن چھپا ہے (حمید اللہ)]

نارٹن کی کتاب EVIDENCES OF THE GENUINENESS OF THE GOSPELS

جلد دوم، صفحہ (۲۴۲) مطبوعہ لندن ۱۸۷۷ء کا،

(ص ۳۶۵، آخری سطر): ”یحییٰ کی قبر“: یہ بھی خلاصہ بیان ہے،

(ص ۳۸۵، س ۱۰): انتالیسواں اختلاف، زیادہ صحیح ہوتا اگر آیت (۱۶) و (۳۲)

کہا جاتا، جو مماثل ہیں،

(ص ۴۴۹، س ۷): ”۱۲۴-یحنہ اور متی یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ آپ نے یہ سرکہ

پیا“ مگر یہ پوری طرح درست نہیں،

(ص ۲۸۵، س ۱۱): ”۲۳۔ کتاب پیدائش ۱: ”یہ عام مردّج بائبل VULGATA کے مطابق ہے، جس میں لکھا ہے کہ ”میری روح ابدی طور پر انسان کے ساتھ نہ جھگڑے گی کہ، اپنی گمراہی میں، وہ گوشت [کے لو تھڑے] کے سوا کچھ بھی نہیں، ان کے دن ...“ لیکن اوسٹر والڈ J.F. OSTERVALD کی شائع کردہ بائبل کے الفاظ ہیں: ”میری روح انسانوں سے ہمیشہ نہ جھگڑے گی، کیونکہ وہ بھی آخر گوشت [کا لو تھڑا] ہی ہیں، ان کے دن ...“

(ص ۲۶۴، س ۸، نیز ص ۲۶۵، س ۱): ”تیری مکرر تعمیر کبھی نہ ہوگی ...“ اور مصر سے ...“ — ان دونوں جملوں کا خلاصہ دیا گیا ہے، اقتباس لفظ بہ لفظ نہیں [خود عربی میں ”ملخصاً“ لکھا ہے، یہاں اردو ترجمے میں ایک پوری عبارت چھوٹ گئی ہے، عربی میں ہے: وَأَعْطَيْتَكَ لَصْخَرَةً صَفِيَّةً وَتَصْدِيرَ لَبْطِ الشَّيَاطِينِ وَلَنْ تُبْنَى“ اس جملے کے ترجمے کے بغیر حاشیے کا مطلب سمجھ میں نہ آئے گا، (حمید اللہ)]

(ص ۲۸۲، س ۱): ”قبیلہ، جس کا نام اُورم تھا۔ ۶۳۹“ حوالہ صحیح نہیں، شاید ۶۲۹ مراد ہے، مگر وہاں ہوژن اس بات کے بالکل برعکس بیان کرتا ہے جو ہمارے مؤلف نے اس کی طرف منسوب کی ہے،

(ص ۵۰۵، س ۱) پالس اور شانر PALAY & CHANNING مگر یہ یقینی

نہیں، [۹]

(ص ۵۱۲، س ۳): ”الگز نڈر کیٹھ A. KEITH کا بیان کہ عیسائی مذہب کی صحت اس بات سے ثابت ہوگئی کہ اس کی پیشینگوئیاں پوری ہو گئیں — یہاں اقتباس لفظ بہ لفظ نہیں دیا گیا ہے،

(ص ۵۴۱، س ۹): یہ ہوژن کے بیان کا خلاصہ ہے،

(ص ۵۴۹، س ۱۴): [اصل عربی میں ”باسور“ سے پہلے بنا ہے، اس باب میں

نکات کے سائے نمبر اردو میں حذف ہو گئے ہیں، (حمید اللہ)] نمبر (۱۰) بہ ظاہر ہمارا مؤلف

ذیل کی فرانسیسی کتاب کے انگریزی ترجمے کا اقتباس دینا چاہتا ہے جو کیمبرج میں چھپا،

بوسوبر BEAUSOBRE اور لاں فان L'ENFANT کی فرانسیسی کتاب

”عہد جدید کے مطالعے کی تمہید“ — INTRODUCTION A LA LECTURE DU

NOUVEAU TESTAMENT — آئسٹر ڈام (ہالینڈ) میں چھپی تھی،

(ص ۵۵۱، س ۴۲): [یہاں بھی نکتہ ملا اردو میں لکھا جانا چھوٹ گیا ہے (حمید اللہ)]
 نکتہ ملا: اصل میں شولز [صحیح: شولتس] SCHULZE کی کتاب کا ذکر کرتے ہوئے ہورن
 نے بیان کیا ہے کہ یہ مؤلف حضرت موسیٰ کو ایک افسانوی اور خرافاتی شخصیت قرار دیتا ہے، کئی جرمنوں
 کی یہی رائے ہے، داتے DATHE اور اکبارن [صحیح: آیش ہوژن] بھی یہی رائے رکھتے ہیں،
 (ص ۵۴۰، س ۹): ”پھر [ڈورٹن، مگر اصل عربی میں نورتن ہے (حمید اللہ)] صفحہ ۶۱۰ پر
 [اصل عربی میں ۱۱ ہے، (حمید اللہ)] کہتا ہے: ”— ڈورٹن NORTON کا پہلا ایڈیشن مورخہ
 ۱۸۷۲ء اس کے دوسرے ایڈیشن سے بہت مختلف ہے، مذکورہ اقتباس بعینہ مجھے طبع ثانی میں ملا، اس دگر
 ایڈیشن میں ۲۰۹/۱ پر ایک عبارت ہے، جو دیئے ہوئے اقتباس سے کم و بیش مماثل ہے،
 (ص ۵۹۸، س ۷): یہ لارڈنر LARDNER کی عبارت نہیں بلکہ اس کا خلاصہ ہے،
 (ص ۶۳۹، س ۱۲): ”بنا زبور ۲۱/۲“ یہ اصل میں زبور ۲۲ ہے، (یہاں عام مروج
 بائبل VULGATA اور پرائسٹنٹون کی بائبل وغیرہ میں باہم اختلاف ہے)۔
 (ص ۶۴۱، س ۱۸): نمبر ۲۸۔ ہوژن نے عبرانی عبارت کا اغلباً تصحیف ہوا ہونا صرف
 ملاخیا کی عبارت کے متعلق بیان کیا ہے، دوسری عبارتوں کی اس نے توجیہ و تاویل کر دی ہے،
 (ص ۶۴۵، س ۵ اور ۶ کے مابین): [اردو ترجمہ میں کئی سطری عبارت چھوٹ گئی ہے
 جو یہ ہے: ”شاہد نمبر ۳۳۔ پوٹس کے مکتوب اول بنام طیموتادس کے باب ثالث کی آیت ۱۶ میں ہے
 کہ: اللہ جس میں ظاہر ہوا، کریماج [صحیح: کرائس باخ] کہتا ہے کہ یہاں لفظ اللہ غلط ہے، اور
 صحیح ضمیر غائب ہے، یعنی کہا جائے کہ: ”وہ“ اس کے بعد مطبوعہ شاہد نمبر ۳۳ کو ۳۴ اور ۳۴ کو ۳۵
 پڑھا جائے، (حمید اللہ)] شاہد نمبر (۳۳)۔ یہ عام مروج بائبل کی عبارت ہے،
 (ص ۶۵۷، س ۶): نمبر ۸۔ کلاؤک A. CLARKE نے بیان کیا ہے کہ یہ ساری
 آیت مجھے الحاقی معلوم ہوتی ہے، (دیکھو کتاب اعداد ۲/۱)

(ص ۶۶۷، س ۸)۔ نمبر ۲۱۔ اس بارے میں عام مروج بائبل VULGATA

اور دیگر ایڈیشنوں میں فرق ہے،

(ص ۶۷۱، س ۳): نمبر ۲۶۔ ہوژسے HORSLEY نے کینی کاٹ KENNICOTT

کے اذکار کو نقل کر کے اس کی تردید کی ہے، اور بیان کیا ہے کہ یہاں عبارت کا الحاق و اضافہ نہیں ہوا۔
 بلکہ محض نقل مقام ہو گیا ہے، اور یہ کہ باب سابق (یعنی ۱۶) کی دس آخری آیتیں اصل میں

باب (۱۸) کی آیت (۹) اور (۱۱) کے مابین آگئی ہیں نیز یہ کہ باب (۱۷) کا تعلق باب (۱۶) کی آیت (۱۳) سے ہے، اور وہ اس باب کے بعد آتا ہے، اور اس طرح ساری دشواری رفع ہو جاتی ہے (ص ۶۷۵، س ۱)؛ جویل JEWEL اور وارڈ WARD — اصل میں صرف جویل نے یہ بیان کیا ہے کہ مرقس کو دھوکہ ہوا ہے، اس کے برخلاف وارڈ اس بیان کو نقل کر کے اس کی تردید کرتا ہے،

(ص ۶۹۰، س ۱۱)؛ نمبر ۲۰ — ہوژن کے اقتباس میں تراش خراش ہوئی ہے، وہ تو یہ بیان کرتا ہے کہ ان عبارتوں کی صحت کی تائید ڈاکٹر میل MILL، ڈاکٹر وٹلی WHETLEY، بشپ مڈل ٹن MIDDLETON، ہوئے مان HEUMANN، میٹالس MICHAELIS، اشٹور STORR، لانگولس LANGUIS، دیمٹرس DETTMERS، اسٹوڈلن STEUDLIN، گوی نویل KUINOEL، اور ڈاکٹر بلوم فیلڈ BLOOMFIELD نے کی ہے،

(ص ۷۰۶، س ۹) نمبر ۱۱، انیسویں آیت؛ اصل میں یہ نحمیا کی کتاب باب (۱۲) میں ہے، (ص ۷۰۸، س ۷، ۸) نمبر ۱۳، مکتوب بنام رومیاں ۳/۱۳، ۱۸؛ یہاں کلارک A. CLARKE نے ان آیتوں کی صحت کی تائید اور تردید کرنے والی ساری چیزوں کو تفصیل سے نقل کر کے جو نتیجہ اخذ کیا ہے وہ یہ ہے: ”اگر یہ آیتیں زبور میں الحاقی ہیں تو یہ الحاق بہت قدیم زمانہ میں ہوا ہوگا، کیونکہ جیروم JEROME [ذات سلعہ (حمید اللہ)] نے، جسے عبرانی عبارت سے انقباض ہے، اس کی شہادت دی ہے، اور کہا ہے کہ اس کے زمانہ میں یہ آیتیں سارے گرجاؤں میں پڑھی جاتی تھیں، جیروم سے کس قدر قبل یہ الحاق ہوا ہے، یہ ہم بیان نہیں کر سکتے، اور یہ کہ یہ آیتیں ربانی الہام کا ایک قیمتی ٹکڑا ہیں، اس کا ذکر سینٹ پاول کے مکتوب بنام اہل روم ۱۳-۱۸ میں ہے، اس کی تردید سے کوئی فائدہ نظر نہیں آتا دیکھو روزن ہولر ROSEN MÜLLER، کنی کاٹ KENNICOTT، اور دے روسی DE ROSSI کی کتابیں“

(ص ۷۱۰، س ۹)؛ سب سے پہلے HALES (؟ ہیلز، ہالیس ؟) نے یہ اکتشاف کیا، یہ عبارت ہوژن کے ہاں نہ ملی، ممکن ہے کہیں ضمنی طور پر اس کے ہاں اس کا ذکر آیا ہو، کتاب میں اشاریہ نہ ہونے سے اس کا پتہ چلانا آسان نہیں، (پھر دو صفحے کے حاشیے ہیں)،

(ص ۳۸، س ۱): ”جب پطرس نے اپنے مکتوب اول کے باب (۲) کی آیت (۶) لکھی“

— یہ حوالہ صحیح نہیں معلوم ہوتا،

(ص ۴۵، س ۱): ”سینوپ کے اکیلا AQUILLA DE SINOPE“ نے عبارت

کا یہ ترجمہ کامل نہیں، بہت مختصر خلاصہ ہے،

(ص ۵۳، س ۶): ”نمبر (۲۹) مذکورہ بیان وارڈ سے ماخوذ ہے“ — یہ اقتباس لفظی نہیں

ہے، اصل عبارت یوں ہے: ”(۱) مسٹر کارلائل CARLISLE نے اعتراف کیا ہے کہ انگریزی

ترجموں نے مفہوم کو بگاڑ دیا، حقیقت کو مدہم کر دیا، اور ناواقف کو بھٹکا دیا ہے، نیز یہ کہ بہت سے

مقاموں پر انھوں نے کتاب مقدس کو توڑ موڑ DISTORT دیا ہے، جس سے صحیح مفہوم بدل

گیا ہے، اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خود وہ روشنی سے زیادہ تاریکی میں، اور حق سے زیادہ باطل میں ہیں

(۲) کتاب مقدس کو بگاڑنے CORRUPTION کی اس عظیم بُرائی کو مسٹر براؤن Broughton

جیسے انتہائی جوشیلے نے بھی اس شدت کے ساتھ محسوس کیا تھا کہ وہ مجلس شاہی کے اُمراء LORDS

OF THE COUNCIL کو ایک خط لکھنے پر مجبور ہوا، کہ اس کی رائے میں ضرورت ہے کہ وہ

جلد سے جلد نیا ترجمہ کرائیں، اور وہ لکھتا ہے: ”کیونکہ اب جو ترجمہ انگلستان میں پایا جاتا ہے وہ اغلاط

سے پُر ہے“، اور عبارتوں کو بگاڑنے کی مثالوں کے سلسلے میں وہ بشیوں سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ:

”ان کا انگریزی ترجمہ کتاب مقدس ایسا ہے کہ وہ عہد قدیم کی عبارت کو (۸۲۸) مقاموں پر

بگاڑتا ہے، جس کی وجہ سے لاکھوں، کروڑوں لوگ عہد جدید [یعنی عیسائیت] کو قبول کرنے سے

انکار کرتے ہیں، اور ابدی جہنم کے مستوجب ہو رہے ہیں“

(ص ۸۳۲، آخری سطر): ”نمبر ۱۶۔ ڈی آئی D'OYLY [صحیح تلفظ ڈائی (حمید اللہ)]

اور رچرڈ منٹ MANT کی شرح میں ڈین [پادری] اسٹائن ہوپ STANHOPE

[اسٹائن ہوپ (حمید اللہ)] کا قول ”مندرجہ الفاظ مجھے مذکورہ شرح میں نہ ملے، وہاں لکھا

یہ ہے کہ ہماری بات کی اساسی تصدیق اور ہماری ابدی نجات اس وعدے پر مبنی ہے (جو خدا نے

حضرت ابراہیم سے کیا تھا)، نہ کہ قانون (یعنی تورات) پر، اور یہ قول ڈاکٹر ہامنڈ HAMMOND

کا ہے کہ ”مسیح اور انجیل کے ماقبل زمانے میں خدا نے ہمیں قانون (؟ تورات) کی معاشیات کے ماتحت

اور تابع کیا تھا، اور نظم و ضبط کے سلسلے میں ہم امیدواروں اور توقع کنندوں کی حالت میں تھے

تاکہ انجیل کے نزول کا زمانہ آئے“ ذرا آگے ایک اور مقام پر اسی مؤلف ڈاکٹر ہامنڈ نے

پائل PYLE کے حوالے سے اور قانون (کی آیت ۲۴) کے مطابق کہا ہے کہ ”نامکمل حالت میں قانون بھی نامکمل ہوتا ہے“ اور تب اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ”ہم میں ضبط و نظم برقرار رکھے، ہمیں تعلیم دے، اور ہماری طبیعت کو اس بات کے لئے تیار کرے کہ زیادہ بلند اور زیادہ مقدس نظام انجیل کو ہماری اساسی تصدیق کے طور پر قبول کیا جاسکے“ قانون ایک معلم اور مدرس کے ایک استاد کے مماثل ہے، اور جو لوگ اس قانون (؟ تورات) کے ماتحت زندگی گزارتے تھے، وہ زیر کفالت نابالغوں کے سے تھے، بلکہ ننھے بچوں کی طرح سے تھے؛ نتیجہً انجیل کے توسط سے لایا ایمان اعلیٰ تعلیم دینے والے پروفیسر اور پونیورسٹی میں درس کی کرسی پر فائز شخص کے مماثل ہی؛ جب آدمی اس قابل ہوتا ہے کہ پروفیسر کے درس میں شریک ہو سکے تو اسے اس بات کی ضرورت نہیں ہوتی، کہ مدرسے کے معلم سے درس لے، خود سینٹ پاول (آیت ۲۵ میں) بیان کرتا ہے کہ: ”ایمان کی آمد کے باعث ہمیں اس معلم کی ضرورت نہ رہی“، اوستروالڈ کی فرانسیسی بائبل میں [معلم کی جگہ] رہنما و قائد CONDUCTEUR کے الفاظ ہیں، کیا اس ساری بحث سے ضمناً یہ بات انتہائی مثبت طور پر واضح نہیں ہو جاتی کہ حضرت مسیح کے قانون نے حضرت موسیٰؑ کے قانون کو منسوخ کر دیا،

(ص ۸۹۹، س ۱)؛ ”مقریزی... حران“۔ موسیٰ ہایم MOSHEIM کے مطابق ملکائی MELCHITE فرقے کے عیسائی راسخ العقیدہ ORTHODOX عیسائی ہیں، کیونکہ محفل کاؤسیدون [CHALCEDON] حال: قاضی کوئی، استانبول کے ایشیائی ساحل پر (حمید اللہ) کی قراردادوں پر جمے ہوئے ہیں، اور نتیجے کے طور پر قسطنطنیہ کے شہنشاہی (بیزنطینی) دربار کے مذہب پر قائم ہیں، اور چھٹی صدی عیسوی میں انھوں نے بدنام (ملکانی یعنی بادشاہی) فرقہ کا نام اس لئے اختیار کیا کہ اپنے آپ کو یعقوبی JACOBITE فرقے سے ممتاز کریں، لیکن زمانہ حال کے فرقہ ملکائی کے عیسائی شام اور مصر کے ”متحدہ اغرقی“ UNITED GREEK فرقے والے ہیں، اور ایک زمانے میں اُن کا بطریق ہی، کسیموس مظلوم تھا، (جسے MADHLOUM اور لاطینی لوگ MAZLOUM لکھتے ہیں) اور جس کا ابھی اوپر ذکر آیا، اس فرقے کو اغرقی کہتے ہیں GREEK CATHOLIC کا بھی نام دیا جاتا ہے، کیونکہ وہ کلیسائے روم کی سرداری کو تسلیم کرتے ہیں، بودائی فرقے BODHAMITE یا BODHANIAN کے متعلق مجھے موصہایم MOSHEIM

کے ہاں کوئی چیز نہ ملی، کتاب ”اٹھارہویں“ کے عربی ناشر نے حرف ”ب“ کو ”بی“ کر دیا ہے، چنانچہ لکھا ہے کہ شہرستانی کے مطابق اس فرقے کا نام ”یدعانی“ ہے، نیز..... ”مستربہ“ MAQARABA اور یہ لوگ ہمدان کے یدعان نامی ایک شخص کے متبع ہیں، جس کا نام مؤلف نے یہود (یودا) لکھا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شہرستانی ان کو ایک یہودی فرقہ سمجھتا ہے، اور ان کا ذکر فرقہ سامریہ SAMARITAN کے ساتھ کرتا ہے، شہرستانی مزید برآں یہ بیان کرتا ہے کہ آریوس ARIUS نے مسیحؑ کے متعلق اپنے عقائد ان تصورات سے اخذ کئے ہیں، جو اس فرقے نے اُلُوہیت کے متعلق پھیلائے تھے، واضح رہے یہ فرقہ آریوس [فوت ۳۳۶ء (حمید اللہ)] سے چار سو سال پہلے گزرا ہے، یعنی حضرت مسیحؑ سے بھی قبل، رہے مرقول MARCOLITE، یہ ظاہر [ہمارے مؤلف مفریزی کے ہاں] ایک طبائی غلطی ہے، شہرستانی ان کو ”مرقونیہ“ لکھتا ہے، اور میں سمجھتا ہوں کہ ان سے مراد مارسیونی MARCIONITES ہیں،

عربی جلد دوم

مطلب ہم | (اردو صفحہ ۱۰۳۶، آخری سطر) باب اول کے آخر میں ۱۰ اس باب کے پڑھنے پر ایک سے زیادہ یورپی [غیر مسلم] سے طفلانہ سمجھ کر [منس پڑے گا، لیکن جو لوگ کسی خدائی وحی پر اعتقاد رکھتے ہیں، اور بائبل کی صحت کو مانتے ہیں، وہ مجھے خوف ہے کہ بہت سی چیزوں پر محسوس کریں گے کہ وہ پکڑے گئے ہیں، اگر صفحہ ۲۵ (۹) پر نقل شدہ کتاب تثنیہ DEUTERONOME کی عبارت، خاص کر ۱۸، جو کہ ہمارا مولف نقل نہیں کرتا، مگر جو حسب ذیل ہے:

”اگر کوئی نبی اتنا مغرور ہو کہ وہ میرے [یعنی خدا کے] نام پر کوئی ایسی چیز بیان کرے جس کے کہنے کا میں نے حکم نہ دیا ہو، یا یہ کہ وہ دیگر دیوتاؤں کے نام پر کچھ بیان کرے تو ایسا پیغمبر مر جائے گا،“

اگر یہ حقیقت میں خدا کا قول ہے اور کوئی جھوٹی فرضی عبارت نہیں، تو ان تمام لوگوں پر جو بائبل پر اعتقاد رکھتے ہیں، واجب ہوگا کہ [حضرت] محمدؐ کو ایک سچے نبی کے طور پر قبول کریں، کیونکہ [اپنے دعوائے نبوت کے باوجود] نہ صرف یہ کہ وہ مرے نہیں بلکہ تریٹھ سال

عمر تک زندہ رہے، اور ایک دین کی تاسیس کی جو آٹھ یا نو سو سال تک ساری دنیا پر حکومت کرتا رہا، اور آج ہمارے زمانے میں بھی اتنا ہی مضبوط اور غیر متزلزل ہے جتنا اپنے مؤسس کے زمانے میں، ممکن ہو اس کا شاید یہ کہہ کر جواب دید یا جائے کہ کتاب تثنیہ کی اس عبارت سے مراد [صرف] یہودیوں کے پیغمبر ہیں،

[ایک بالکل مماثل ذکر تران مجید سورۃ الحاقۃ ۴۴ تا ۴۹ میں بھی ہے کہ پیغمبر جھوٹ بولے تو فوراً اس کی رگ جاں کاٹ دی جائے گی، لیکن یہ سچے پیغمبر کے عدا جھوٹ بولنے کے متعلق ہے نہ کہ نبوت کا جھوٹا ادعا، کرنیوالے کے متعلق، مقصد کہنا یہ ہے کہ نبی کی ہر بات سچی اور الہامی ہے، (حمید اللہ)] (ص ۸، ۱۰، ۷، ۴، ۵)؛ "چارلس روچر" کی کتاب مجھے دستیاب نہ ہو سکی، [عربی املاء روچر کے متعلق گمان ہوتا ہے کہ اسے مولانا نے کسی مصری یا شامی عربی کتاب میں پڑھا ہے، ان علاقوں میں "ژ" کو "ج" لکھتے ہیں، اور یہ نام اگر ROGERS ہے تو اس کا فرانسیسی تلفظ روژیر ہوتا ہے، آخری "S" تلفظ میں ساقط ہو جاتا ہے (حمید اللہ)]

(ص ۱۰۹۲، ۲ س)؛ نمبر ۲۶۔ یہ عبارت [بائبل کے] مختلف ترجموں میں مختلف ہے، "دستر والد" OSTERVALD، دیوداتی DIODATI وغیرہ،

(ص ۱۱۰، ۷، ۴، ۵)؛ تیسرا اعتراض — متی ۲۶، نیز مرقس اور لوقا کے مطابق حضرت عیسیٰ نے فرمایا تھا کہ میں اب شراب دوبارہ اس وقت تک نہ پیوں گا جب تک تمہارے ساتھ پینے کا موقع نہ ملے، یعنی وہ جنت HEAVEN میں پیئیں گے، لوقا کے الفاظ سے تو یہ خیال کیا جاسکتا ہے کہ وہاں [پینا ہی نہیں] کھانا بھی ہوگا، "میں دوبارہ اس وقت تک نہ کھاؤں گا جب تک کہ یہ بات خدا کی بادشاہت میں پوری نہ ہو جائے"، کیا اس کے یہ معنی نہیں کہ جب عید الفصح خدا کی بادشاہت میں پوری ہو جائے گی، تو حضرت عیسیٰ غذا کھائیں گے، عید الفصح دُنبے کے بغیر نہیں منائی جاتی، اور جب حضرت [عیسیٰ] نے آخری عید الفصح منائی تو اس وقت بھی دُنبہ موجود تھا، اگر یہ بات صحیح ہے کہ خدا کی بادشاہت میں عید الفصح کے موقع پر لوگ غذا کھائیں گے تو یہ فرض کرنے کا حق ہے کہ وہاں دُنبے بھی ہوں گے، اور اگر وہاں دُنبے ہوں تو ضرور ہے کہ وہاں مینڈھے اور مینڈھیاں بھی ہوں، اور بطور نتیجہ یہ بھی کہ وہاں خمر نے گئے، غزا رہی ہوں، پانی بھی ہو، وغیرہ وغیرہ، ان حالات میں مسیحیوں کی جنت مجھے قرآنی جنت سے

زیادہ روحانیت والی نظر نہیں آتی، ان حالات میں وہاں صرف حوروں کے ہونے پر کیوں اس قدر شور کیا جائے؟ مزید برآں سینٹ پاول کے مطابق جو قوموں کا بڑا حواری ہے، جنت کئی منزل ہوگی، کیونکہ خود سینٹ پاول کا تیسرے آسمان پر دل لُٹھایا گیا تھا، جنت کے کئی منزلیں ہونے کی تائید حضرت عیسیٰ کے اس قول سے بھی ہوتی ہے جو انجیل یوحنا [۱۴] (حمید اللہ) میں ہے کہ ”میرے باپ کے مکان میں متعدد مسکن ہیں“ کیا اس کا امکان نہیں کہ نہریں، میوے وغیرہ ان منزلوں میں سے ایک میں ہوں، اور روحانی لذتیں ایک دوسری منزل پر ہوں؟

[ناچیز مترجم محمد حمید اللہ ادب سے کچھ اور بھی عرض کرے گا (۱) عیسائیوں کے عقائد زمانوں کے لحاظ سے بدلتے رہتے ہیں، چوتھی صدی عیسوی کے نہایت مستند ادراسخ العقیدہ مؤلف پادری میشل سوری MICHELLE SYRIEN کے مطابق جنت میں ساری مادی لذتیں ہی نہیں بلکہ خوبصورت حوریں بھی ہیں،

(۲) اسلامی جنت ایک لمبا کمرہ نہیں جس میں بے شمار بستر ہوں، اور ساری اولادِ آدم وہاں غریب غریب کی طرح اکٹھی رہتی ہو، بلکہ ہر انسان یا ہر جوڑے کے لئے اس کا اپنا ایک مستقل اور علیحدہ محل ہوگا، جس میں مستقل باغ اور نہریں، خدمتگارانہ ضروریات زندگی ہوں گے، ظاہر ہے کہ انفرادی قصر زیادہ موزوں ہیں، بہ نسبت غریب بورڈنگ ہاؤس یا شفا خانے کے سونے کے لیے مشترک کمرے کے، اس میں کوئی امر مانع نہیں، کہ ان انفرادی جنتوں کے مجموعے کے اطراف ایک احاطے کی دیوار ہو جس میں متعدد دروازے ہوں، تاکہ غیر جنتی لوگ وہاں چپکے سے گھس نہ آئیں،

(۳) اس اسلامی جنت کے متعلق صحیح احادیث میں صراحت ہو کہ وہاں کی نعمتوں کو دیکھا سنا ہوا ہونا تو کیا، اس کا کسی کے دل اور ذہن میں تصور بھی نہیں آسکتا، اور بخاری، مسلم جیسی مستند ترین کتب حدیث میں بعض معنی خیز حدیثیں بھی ہیں، مثلاً جب جلد یا بہ دیر سار اہل جنت جنت میں آجائیں گے تو خدا تجلی فرمائے گا اور کہے گا: میں تم سے خوش ہوں؛ اگر کسی مزید نعمت کی ضرورت یا خواہش ہو تبتاد کہ وہ بھی تم کو دوں، لوگ حیران ہوں گے کہ کیا مانگیں، کیونکہ انھیں وہ جنت مل چکی ہوگی جس میں حسبِ لخواہ ہر چیز فوراً مل جاتی ہے، اَلْكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهُوْنَ اَنْفُسُكُمْ وَ اَلْكُمْ فِيْهَا مَا تَدْعُوْنَ، قرآن (۱۱۲)۔ اس پر خدا خود ہی ایک نئی نعمت عطا فرمائے گا اور اپنے رُخ انور سے حجاب اور پردائے کبریائی کو ہٹالے گا، اور لوگوں کو خدا کی رویت زیارت

نصیب ہوگی اور اس نظارے میں لوگ ایسے محو ہو جائیں گے کہ جنت بھی اس کے سامنے ہیچ ہوگی، یہ بیان کرنے کے بعد رسول اکرمؐ نے ارشاد فرمایا کہ قرآنی آیت ﴿لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنٰی وَزِيَادَةٌ﴾ (اچھے کام کرنے والوں کو بہت اچھی چیز بھی ملے گی اور ایک زائد چیز بھی) میں لفظ ”زِيَادَةٌ“ میں اسی تجلی اور رویت باری کی طرف اشارہ ہے، اب جدید عیسائی خود ہی مقابلہ کر لیں کہ قدیم اور غیر تبدیل پذیر اسلامی عقائد کی جنت کیا ہے، اور خود عیسائیوں کے ہاں کے آئے دن بدلنے والے تصورات کو کیا قیمت دینی چاہئے، (حمید اللہ)

(ص ۱۲۵۳، س ۷): ”خدا نے (حضرت) محمدؐ کو وہ ملک بتا دینے جو آپ کے ہاتھوں فتح ہونے والے تھے۔“ مماثل چیز (حضرت) مسیح کو صحرا میں پیش آئی: شیطان نے آپ کو ایک پہاڑ کی چوٹی پر سے دنیا کی ساری بادشاہتیں دکھائیں تاکہ آپ کو درغلا سکے، [متی، باب ۴ (حمید اللہ)] لیکن خدا کی قوت شیطان کی قوت سے کہیں زیادہ ہے، [اسے ”مماثل چیز“ کہنا صحیح نہیں، (حمید اللہ)] (حضرت) موسیٰ کو بھی نیبو NEBO کی چوٹی پر سے خدا نے وہ سارے ملک دکھائے تھے جو جلعاد GELAAD سے دان DAN تک پائے جاتے تھے۔ (بیکھو تشنیہ ۳۲ (حمید اللہ))

(ص ۱۶۲۹، س ۳) ”قسطنطین کے بعد سے چھٹا شہنشاہ“۔ اغلباً اس سے مراد تیودوس اعظم THEODOSE THE GREAT کا اعلان ہے، جس میں ”جھوٹے خداؤں“ کی عبادت منع کر کے اس کی خلافت درزی پر سزائے موت مقرر کی گئی تھی، اور اس [بت پرستی] کو سارے شہروں اور آبادی کے بڑے مرکزوں سے خارج کر دیا گیا تھا؛ اور جو لوگ پرانے دین پر جمے رہے وہ گڑھیوں اور دیہات میں جا پناہ گزین ہوئے، اور وہاں مخفی طور پر اپنے دین پر عمل پیرا رہے اس تباہی سے، اس بنا پر کہ ان لوگوں کو دیہات پر اکتفا کرنے پر مجبور ہونا پڑا تھا، ان لوگوں کو عیسائیوں نے PAGANI (دیہاتی) کے نام سے منسوب کیا، یہی لفظ انگریزی میں PAGAN بنا، اور فرانسیسی میں PAIEN (جس کے معنی بے دین کافر کے ہوتے ہیں)، قسطنطین نے بھی بے دین لوگوں (PAGANS) کے خلافت ایک فرمان صادر کیا تھا، لیکن یہ دونوں مثالی شہنشاہ اپنے فرمانوں کے صدر کے بعد زیادہ دن زندہ نہ رہے، اور ان کے احکام کی محض جُزئی تعمیل ہونے لگی، البتہ بے دین لوگوں کو تیودوس کے جانشینوں کے زمانے میں قسم قسم کی مصیبتیں جھیلنی پڑیں ۛ

تالیفات و تصانیف مفتی اعظم حضرت مولانا محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ

انسانی اعضاء کی پیوندکاری
خطبات جمعہ و عیدین
ممالک اسلامیہ سے قادیانیوں کی غداری
چہل حدیث
آداب المساجد
آداب الشیخ والمريد
اسلام کا نظام تقسیم دولت عکسی
انگریزی
توزیع الثروة فی الاسلام عربی
اسلامی نظام میں معاشی اصلاحات
قرآن میں نظام زکوٰۃ
ہیمة زندگی
پراویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ اور سود
احکام دعا
نجات المسلمین - گناہوں کا کفارہ
تصویر کے شرعی احکام
تسہیل قصد السبیل
احکام القمار
حکم الاسقاط
سایہ رسول
بسم اللہ کے فضائل
اسلامی ذبیحہ
مناجات مقبول
اوزان شرعیہ
ضبط ولادت
ذوالنون مصری
احکام القرآن عربی جلد خامس
جلد سادس
الازدیاد لسنی علی الیانع الجنی

معارف القرآن مکمل مجلد ۸ جلدیں
فتاویٰ دارالعلوم کامل مجلد دو جلدیں
امداد الفتاویٰ کامل ۶ جلدیں مجلد
جواہر الفقہ جلد اول و دوم کامل مجلد
آلات جدیدہ کے شرعی احکام
مقام صحابہؓ
ختم نبوت کامل
علمی کشکول
اسلام کا نظام اراضی
مسئلہ سود
ایمان اور کفر قرآن کی روشنی میں
مجاہد حکیم الامت
تاریخ تہربانی (مع ضروری احکام)
علامات قیامت اور نزول مسیح
سیرت خاتم الانبیاءؐ
آداب النبیؐ مجلد
مسیح موعود کی پہچان
شہید کربلا
رویت ہلال کے احکام
گناہ بے لذت
دو شہید
سنت و بدعت
احکام حج
ذکر اللہ اور فضائل درود شریف
کانگریس اور مسلم لیگ
عائلی قوانین پر مختصر تبصرہ
مصیبت کے بعد راحت
رفیق سفر (مع احکام سفر)
میرے والد ماجد

ملنے کا پتہ: مکتبہ دارالعلوم کراچی ۱۲